باسمه سبحانه

قل هذه سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی سبحان اللہ وما انا من المشـ

میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرا پیرو دونوں مضبوط دلیـ

پر ہیں اور خدا ہر عیب ونقص سے پاک وپاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔ (ترجمہ فـ

کتاب مستطاب

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ

از قلم حقیقت رقم

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ الشیخ محمد حسین مدظلہ العالی علی روس المومنین

ناشر: مکتبۃ السبطین 296/9 ۔بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگو

باسمہ سبحانہ

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرا پیرو دونوں مضبوط دلیل پر ہیں
اور خدا ہر عیب و نقص سے، پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں

(ترجمہ فرمان)

کتاب مستطاب

اصول الشریعہ

فی

عقائد الشیعہ

از قلم حقیقت رقم

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ الشیخ محمد حسین مدظلہ العالی اعلی اللہ مقامہ علی رؤس المؤمنین

ناشر

مکتبۃ السبطین ۲۹۶/۹ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

باسمہٖ سبحانہٗ

"والدہ مرحومہ کے نام"

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم، گل بہار توام

چونکہ والدہ مرحوم و مغفور کا سایۂ عاطفت صغر سنی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ لہٰذا میں بفضلہٖ تعالیٰ شیدائی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام والدۂ مرحومہ کے ہی حسنِ تربیت سے اس قابل ہوا کہ آج اپنی بساط و بضاعت کے مطابق کچھ خدمتِ دینِ مبین کر رہا ہوں۔ اس لئے میں اپنی اس ناچیز کتاب کو ان کے نام کے ساتھ معنون کر کے اس حقیر دینی خدمت کا ثواب بطفیل سرکار ولی عصر امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ ان کی روحِ پُر فتوح کو ہدیہ کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپکا
اختر محمد حسین جعفی عفی عنہ سرگودھا
ستمبر ۱۹۹۶ء

کتابت ———— سید تحسین ابن وزیر شیرازی
طابع ———— ثنائی پریس سرگودھا
قیمت — 100 روپے
بار ———— پنجم
جون 2006ء

باسمہ سبحانہ

اجمالی فہرست مضامین اصول الشریعہ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	[illegible] دور کے [illegible]	۲	۱۷	[illegible] علماء کے صحیح مفہوم کا بیان	۳۶
۲	پیش لفظ	۳	۱۸	ہر ایک [illegible] مقام معلوم ہے	۴۰
۳	حق و باطل کی دائمی کشمکش	[illegible]	۱۹	موجودہ دور کے درمیان علم و ایمان کی روش پر تبصرہ	۴۲
۴	[illegible] باطل کی افترا پردازیاں	۴	۲۰	تفریط و تقصیر کا مفہوم کیا ہے	۴۵
۵	ہمیشہ اہل حق مظفر و منصور رہیں گے	۵	۲۱	عام لوگ تقصیر سے تو ڈرتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے	۴۸
۶	[illegible] کا کردار	۷	۲۲	ہم نہ غالی ہیں نہ [illegible] ہیں	۴۹
۷	تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے	۸	۲۳	روایت میں درایت کی اہمیت	۵۰
۸	دین میں اختلاف کرنے کی مذمت	۱۰	۲۴	غالیوں کی دسیسہ کاریاں	۵۱
۹	اختلاف فی الدین کے علل و اسباب	۱۱	۲۵	عصر جدید کے جدید مؤلفین کی تلون مزاجیاں	۵۲
۱۰	[illegible] میں اہتمام	۱۲	۲۶	یہ کتاب کیوں لکھی گئی	۵۴
۱۱	غیبت کبریٰ کے زمانے والے اہل ایمان کی شرعی تکلیف	۱۸	۲۷	ہماری دوسری کتب بالعموم اور احسن الفوائد و اصول الشریعہ بالخصوص عظیم کتابیں ہیں	۵۵
۱۲	اصول اعتقاد میں اخبار آحاد پر اعتماد جائز نہیں	۲۰	۲۸	مخالفت کا طوفان	۵۶
۱۳	غلو و تفویض کی مذمت ارشادات معصومین کی روشنی میں	۲۳	۲۹	تشدد و فتنہ انگیزی علمی شکست خوردگی کی دلیل ہے	۵۸
۱۴	صفات ربوبی کون سی ہیں	۲۹	۳۰	جوابی کتب کا غیر متناہی سلسلہ	۶۰
۱۵	کن کن صورتوں میں غلو لازم آتا ہے۔	۳۰	۳۱	ان جوابی کتب میں کیا ہے	۶۱
۱۶	نزلونا عن الربوبیۃ کا صحیح مفہوم	۳۲	۳۲	ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد	۶۳
			۳۳	ایک ہی مؤلف کا ایک ہی کتاب میں تضاد	۶۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۴	توجہ طلب نکتہ	۲۹
۳۵	اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ	۴۲
۳۶	حدیث شریف مشتمل بر اکثر عقائد شیعہ	۴۳
۳۷	پہلا باب	
۳۸	انبیاء و آئمہ علیہم کی علیحدہ نوع ہونے کا بیان	۶۲
۳۹	اس نظریہ کے ابطال اور انبیاء و آئمہ کے نوع انسان کے اکمل افراد ہونے کے اثبات پر قرآن و احادیث معصومین و اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں دلائل	۷۶
۴۰	روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل	۱۰۴
۴۱	روح ایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان	۱۰۶
	دوسرا باب	
۴۲	انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے نوریا بشر ہونے کا بیان	۱۱۸
۴۳	انبیاء و آئمہ کی بشریت کا انکار قرآن کریم و حدیث معصومین اور اجماع مسلمین کی تکذیب ہے	۱۲۲
۴۴	انبیاء و آئمہ کے دنیاوی جاہ و جلال سے محرومی کا راز	۱۳۱
۴۵	انبیاء و آئمہ میں آثار بشریت	۱۳۵
۴۶	انبیاء و آئمہ پر نور کا اطلاق	۱۳۸
۴۷	آیات و روایات نور کے متعلق چند حقائق	۱۳۹
۴۸	آیات و روایات نور متشابہ ہیں	۱۴۱
	تیسرا باب	
۴۹	تفویض کے معانی و اقسام اور تفویض ممنوع کے بطلان کا بیان	۱۵۰
۵۰	تفویض کے اقسام سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی روشنی میں	۱۵۱
۵۱	تفویض کا بطلان قرآن مجید کی روشنی میں	۱۵۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۲	تکوینی امور میں تفویض کا بطلان	۱۷۰
۵۳	آئمہ امجاد کے مقام و کام کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد	۱۸۲
۵۴	انکشاف حقیقت	۲۲۶
	چوتھا باب	
۵۵	انبیاء و آئمہ علیہم السلام سے استمداد کے جواز و عدم جواز کا بیان	۲۲۷
۵۶	امور تکوینیہ کی انجام دہی آئمہ طاہرین کے متعلق نہیں ہے	۲۳۰
۵۷	مسئلہ استمداد انبیاء و آئمہ قرآن مجید کی روشنی میں	۲۳۷
۵۸	مقام الوہیت کی وضاحت	۲۴۳
۵۹	ایک فیصلہ کن استفسار	۲۴۸
۶۰	مسئلہ استمداد تعلیمات معصومین کی روشنی میں	۲۴۹
۶۱	متعلقہ مسئلہ میں آئمہ اطہار کے اصحاب اخیار کا طریقہ کار	۲۵۶
۶۲	اقسام توحید	۲۵۸
۶۳	متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں	۲۶۱
۶۴	ایک مشکوک استدلال کا ابطال	۲۷۴
	پانچواں باب	
۶۵	حقیقت معجزہ اور اس کے فعل خدا یا فعل نبی و امام ہونے کا بیان	۲۸۴
۶۶	معجزہ کی	״
۶۷	معجزہ کے شرائط	״
۶۸	معجزہ دلیل نبوت و امامت ہے	۲۸۵
۶۹	معجزہ اور سحر میں فرق	
۷۰	معجزہ کا فعل خدا ہونا قرآن کی روشنی میں	۲۸۸
۷۱	معجزہ کا فعل خدا ہونا احادیث معصومین کی روشنی میں	۲۹۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
[illegible]	[illegible] ... علماء متقدمین و متاخرین ... کی روشنی میں	٣٠١
[illegible]	[illegible] ... عقل سلیم کی روشنی میں	٣١٩
	[illegible] باب	
[illegible]	[illegible] ... محمد علیہم السلام کے بوقت ... سے یا نہ ہونے کا بیان	٣٢٠
[illegible]	[illegible] ... ہیں	״
[illegible]	[illegible] ... قرآن کریم کی روشنی میں	٣٢١
[illegible]	[illegible] ... احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	٣٢٣
[illegible]	[illegible] ... کے بیان کی روشنی میں	٣٢٥
[illegible]	[illegible] ... عقل سلیم کی روشنی میں	٣٢٧
[illegible]	[illegible] ... جدید اور اس کا جواب	٣٢٩
[illegible]	[illegible] ... کے لغوی معانی کی تحقیق	٣٣٢
[illegible]	[illegible] تفسیر و حدیث سے اس مطلب کی تائید مزید	٣٣٢
[illegible]	محل نزاع کی تعیین	٣٣٣
[illegible]	[illegible] ... قرآن کریم کی روشنی میں	״
[illegible]	[illegible] ... احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	٣٤٧
[illegible]	[illegible] ... علماء اسلام کے بیان کی روشنی میں	٣٥٢
[illegible]	اس مسئلہ میں آخری فیصلہ کہ علم نبی و امام ارادی ہے	٣٥٥
[illegible]	(١) ... متعلق بہ علم نبی و امام	٣٥٨
	(٢) بعض شکوک و اوہام کا ازالہ	״
٩٠	احادیث ... کے متعلق بعض اعلام کی تحقیق بیان	٣٦١
	ساتواں باب	
٩١	انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کا بیان	٣٦٢
٩٢	علم غیب کی تعریف	٣٦٣
٩٣	علم غیب آیات قرآن کریم کی روشنی میں	٣٦٦
٩٤	علم غیب ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں	٣٧٢
٩٥	علم غیب تحقیقات علماء اسلام کی روشنی میں	٣٧٧
٩٦	علم غیب عقل سلیم کی روشنی میں	٣٨١
٩٧	جمع بین الآیات و الروایات اور اس موضوع پر قول فیصل	٣٨٢
	یعنی جن ذوات مقدسہ کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا اور اس کی وجہ	٣٨٤
٩٨	بعض شکوک اور اوہام کا ازالہ	٣٨٥
	آٹھواں باب	
٩٩	پیغمبر اسلام کے ہمراہ معراج پر حضرت امیر علیہ السلام کے تشریف لیجانے یا نہ جانے کا بیان	٣٩٠
١٠٠	محل نزاع کی تعیین	٣٩٦
١٠١	متعلقہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں	٣٩٧
١٠٢	متعلقہ مسئلہ احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	٣٩٨
١٠٣	عالم بالا میں جناب امیر علیہ السلام کی تمثال مبارک کا موجود ہونا	٤٠١
١٠٤	متعلقہ مسئلہ اقوال علماء کاملین کی روشنی میں	٤٠٣
١٠٥	متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں	٤٠٨
١٠٦	شب معراج جناب رب العزت سے جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیرؑ کے لہجہ میں تھی	٤٠٨

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	نواں باب		۱۲۲	چودھواں فرق بسط الیدین	۴۲۳
۱۰۷	بعض علماء اعلام کثرہم اللہ فی الاسلام سے اتہام وہابیت کے ازالہ کا بیان	۴۱۴		دسواں باب	
۱۰۸	مفارقات الشیعہ والوہابیہ	۴۱۶	۱۲۳	موجودہ دور کے اکثر مدعیان تشیع کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان	۴۲۴
۱۰۹	پہلا فرق عقیدۂ توحید	۴۱۷	۱۲۴	فرقۂ شیخیہ کے بعض عقائد فاسدہ کا بیان	۴۲۶
۱۱۰	دوسرا فرق عقیدۂ رسالت	۴۱۸	۱۲۵	شیخیہ اور علیحدہ نوع والا عقیدہ	″
۱۱۱	تیسرا فرق تعمیر مشاہد	″	۱۲۶	شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ	″
۱۱۲	چوتھا فرق زیارت قبور	۴۱۹	۱۲۷	شیخیہ اور مظہر اسماء اللہ والا عقیدہ	۴۲۸
۱۱۳	پانچواں فرق وسیلہ وشفاعت	″	۱۲۸	شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ	۴۲۹
۱۱۴	چھٹا فرق حیات انبیاء وآئمہ	۴۲۱	۱۲۹	شیخیہ اور آئمہ اہل بیتؑ کے علل اربعہ ہونے کا عقیدہ	″
۱۱۵	ساتواں فرق یارسول اللہ اور یاعلی کہنا	″			
۱۱۶	آٹھواں فرق عقیدۂ امامت	″	۱۳۰	شیخیہ اور حاضر وناظر والا عقیدہ	
۱۱۷	نواں فرق عقیدۂ افضلیت	۴۲۲	۱۳۱	شیخیہ اور علم حضوری والا عقیدہ	۴۳۰
۱۱۸	دسواں فرق مسئلۂ ولایت	″	۱۳۲	شیخیہ اور استمداد والا عقیدہ	۴۳۱
۱۱۹	گیارھواں فرق تقلید شخصی	″	۱۳۳	شیخیہ اور معجزہ کے فعل نبیؐ وامامؑ ہونے والا عقیدہ	۴۳۱
۱۲۰	بارھواں فرق بعض اسماء کا جواز	۴۲۳	۱۳۴	شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت وسکون کے دست اہل بیتؑ ہونے کا عقیدہ	۴۳۳
۱۲۱	تیرھواں فرق عزاداری سید الشہداءؑ	″			

اظہار تشکر: بموجب حدیث شریف من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جو شخص انسانوں میں سے اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے اس نے گویا خدا کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ لہذا انتہائی ناشکر گزاری ہوگی۔ اگر کتاب ہدایت مآب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کی پانچویں طباعت کے سلسلہ میں جناب الحاج محمود الحسن صاحب گوجرانوالہ حال وارد مانچسٹر (برطانیہ) کا صمیم قلب سے شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کے مخلصانہ مالی تعاون کی وجہ سے یہ کتاب ہدایت انتساب مومنین کرام کے مشتاق ہاتھوں تک بہترین شکل وصورت میں پہنچ رہی ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔

دعا ہے کہ خداوند عالم ان کی اس دینی سعی وکوشش کو شرف قبول سے نوازے اور ان کو اپنے دینی ودنیوی مقاصد میں کامیاب وکامران فرمائے اور ان کو اور ان کے بزرگوں خوردوں کو حوادث کل دنیا اور گردش روزگار سے محفوظ رکھے۔ بحق النبیؐ وآلہؑ

یکم جون 2006ء۔ والانا الاحقر: محمد حسین نجفی

باسمہ سبحانہ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً ومسلماً

پیش لفظ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حق و باطل کی باہمی کشمکش

اقبال کے اس حقیقت افروز شعر میں حق و باطل کی کشمکش کی پوری تاریخ سمٹی ہوئی ہے۔ اقوام و ادیانِ عالم کی تاریخ پر گہری نگاہ رکھنے والے حضرات پر [یہ] حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے کہ ابتدائے آفرینشِ کائنات سے لے کر آج تک ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے کہ حق [کے] ساتھ باطل، خیر کے ساتھ شر اور صداقت کے ساتھ کذب برسرِ پیکار رہا ہے۔ تاریخِ عالم کے اوراق گواہ ہیں کہ جب بھی کسی ہادیٔ برحق اور رہنمائے حقیقت نے ازراہِ خلوص و ہمدردی مخلوقِ خدا کو جادۂ ضلالت سے نکالنے [اور] صراطِ مستقیم پر چلانے کے لئے درسِ رشد و ہدایت دینا شروع کیا اور پند و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا تو تمام [با]طل طاقتیں مجتمع ہو کر اس کی مخالفت و مخاصمت پر کمربستہ ہو گئیں اور مختلف مکاریوں، دسیسہ کاریوں [اور] عیاریوں سے آوازِ حق کو دبانے، دین و دیانت کو مٹانے، شمعِ رشد و ہدایت کو گل کرنے اور [اہ]لِ حق کو خائف و ہراساں کرنے کے لئے حرکت میں آگئیں۔

حضرت خلیلؑ کے مقابلہ میں نمرود، جنابِ کلیمؑ کے مقابلہ میں فرعون، سرکار حبیبِ کردگار کے مقابلہ میں [ابو]جہل، حضرت امیرالمومنینؑ کے مقابلہ میں امیرِ شام و دیگر بعض لئام اور سرکار سید الشہداءؑ کے مقابلہ میں یزید عنید [کا] خم ٹھونک کر اپنی اپنی عداوت و شقاوت کا مظاہرہ کرنا اسی ناقابلِ انکار حقیقت کے بعض مظاہر ہیں۔ ؎

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو قوت از حیات آمد پدید

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری امروز پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امروز سے [فر]دا اور فردا سے تا ابد یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ ولا یزالون مختلفین۔ حق و باطل کی یہ جنگ [ہم]یشہ ہر دور میں رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ خالقِ کائنات کو یہ امتحان مقصود ہے کہ کفر و شرک اور فسق و فجور [کی] تاریکیوں میں چراغِ رشد و ہدایت کو روشن کرنے کی کوشش کون کرتا ہے اور اسے گل کرنے کی سعیٔ نافرجام [کو]ن کرتا ہے!

اہل حق پر اہل باطل کی افترا پردازیاں

قرآن گواہ ہے کہ ہمیشہ اہل باطل نے اہل حق کو خاموش کرنے ان کی آواز حق کو غیر مؤثر بنانے اور رائے عامہ کو ان کے خلاف ابھارنے کے لئے کذب و افتراء اور الزام و اتہام کے طوفان اٹھائے۔ ان کی بدگوئی و عیب جوئی میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ مکر و فریب سے عوام الناس کو اپنی مصنوعی صداقت پر بہت یقین دلائے اور صحیح بات کو غلط اور غلط کو صحیح لباس پہنائے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو وادیٔ ضلالت سے نکالنے کے لئے کس قدر جد و جہد کی اور کس مشکلات و مصائب کا سامنا کیا، مگر قوم نے اس کے عوض یہ کہا۔ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ جناب نوحؑ نے ان کے جواب میں صرف اس قدر فرمایا۔ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں تو پروردگار عالم کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں۔ آں جناب کا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں قوم نے ان کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا؟ وہ قوم سے یہ کہتے تھے فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ اے میری قوم صرف خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے (اعراف)۔ اسی طرح حضرت ہودؑ نے جب اپنی قوم کو حکم خدا سے حق کی تبلیغ کی کہ یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ اے بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے؛ تو قوم کے سرکشوں اور منکروں نے یہ جواب دیا۔ قال الملا الذین کفروا من قومہ انا لنراک فی سفاھۃ وانا لنظنک من الکٰذبین۔ ہم تمہیں حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ جناب ہودؑ کا صبر و ضبط دیکھئے۔ قوم کی اس بدسلوکی کے جواب میں صرف اس قدر فرماتے ہیں قال یٰقوم لیس بی ضلٰلۃ ولٰکنی رسول من رب العٰلمین اے میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ ان کا قصور بھی صرف یہی تھا کہ وہ قوم سے یہ کہتے تھے کہ فقال یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ (اعراف)۔ جب حضرت صالحؑ اپنی قوم ثمود کو ہدایت کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تو قوم نے ازراہِ تکبر کمزور و غریب اہل ایمان سے کہا۔ قال الذین استکبروا انا بالذی اٰمنتم بہ کٰفرون جس پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ آں جنابؑ کا گناہ بھی فقط یہی تھا کہ وہ کہتے تھے فقال یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (اعراف) جب حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو وادیٔ ضلالت و گمراہی سے نکالنے کا مقدس کام شروع کیا تو قوم کے متکبروں نے ان کے اور ان کے متبعین کے برخلاف یہ جابرانہ پروگرام مرتب کیا کہ اخرجوھم من قریتکم انھم اُناس یتطھرون ان کو

اپنی بستی سے نکال دو کیونکہ یہ لوگ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں (اعراف)۔ جب حضرت شعیبؑ نے اہلِ مدین کو دعوتِ حق دیتے ہوئے کہا کہ یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ۔ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو قوم نے ان کو یہ دھمکی دی قال الملاء الذین استکبروا من قومہ لنخرجنک یشعیب والذین آمنوا معک من قریتنا اے شعیبؑ ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لاچکے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملت کی طرف پلٹ آؤ (اعراف) اسی طرح جب حضرت موسیٰ نے فرعون کو اس کی سرکشی سے روکا اور کفر و شرک پر ٹوکا تو دربار کی طرف سے یہ جواب ملا ان ھذا لسٰحر علیم۔ یہ بڑا علم رکھنے والا جادوگر ہے۔ اور ان کی مخلصانہ نیت پر یوں حملہ کیا یرید ان یخرجکم من ارضکم یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے) تمہیں اپنی زمین سے نکال دے (شعراء) کہاں تک ایسی مثالوں کو گنوایا جائے۔ قصہ کوتاہ جب اس مقدس سلسلہ جلیلہ کے آخری تاجدار سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب العالمین کی طرف سے عالمین کے لئے بشیر و نذیر اور رحمتِ الٰہی بن کر آئے اور آکر فرمایا انما انا منذر وما من الٰہ الا اللہ الواحد القھار میں (عذابِ خداوندی سے) ڈرانے والا ہوں اور واحد و قہار خدا کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں ہے“ تو ناہنجار قوم کفار نے آنحضرتؐ کو ساحر و کذاب، شاعر و مجنون اور نہ معلوم کیا کیا قبیح القاب و خطابات دیتے ہوئے کہا ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون۔ کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا!) اسی طرح سرورِ کائناتؐ کی عترت اطہار پر صرف احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے فریضہ کی انجام دہی کی وجہ سے فراعنۂ وقت و نمارودۂ عصر کی طرف سے وہ کونسی تہمت تھی جو نہیں لگائی گئی اور وہ کونسی افتراپردازی تھی جو نہیں کی گئی مگر اخلاق و اطوارِ انبیاء کے وارث اس مقدس خانوادۂ عصمت و طہارت کا ہمیشہ یہ شیوہ و شعار رہا کہ ۔۔ وہ جفا کرتے رہے اور ہم دعا کرتے رہے

اور باوجود حالات و ظروف کے انتہائی نامساعد ہونے کے اپنے مشن کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت میں برابر مشغول و منہمک رہے۔ ولنعم ما قیل۔

قیل ان الالہ ذو ولد | و قیل ان الرسول قد کہنا
اذا ما نجی اللہ والرسول معا | من لسان الوری فکیف انا

ہمیشہ اہلِ حق مظفر و منصور رہے ہیں اور رہیں گے

اہلِ باطل کے ان شیطانی حربوں، اوچھے ہتھیاروں، افتراپردازیوں، شرانگیزیوں، فتنہ سامانیوں اور بزدلانہ حرکتوں کا فطرتی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اہلِ حق کی آواز ہمیشہ کے لئے دب جاتی، وہ اپنے مشن میں ناکام

ہوجاتے اور اہل باطل بلا روک ٹوک اپنی من مانی کارروائیاں کرتے۔ مگر تاریخ عالم کے صفحات شاہد ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ قدرت کاملہ نے اپنے زبردست دستِ قدرت سے ان کے مکر و فریب کے پردہ کو چاک کیا۔ ان کے باطل منصوبوں کو خاک میں ملایا۔ ان کی تمام دسیسہ کاریوں و عیاریوں کو ناکام بنایا اور ہمیشہ ان کو ان کے ناپاک عزائم و ارادوں میں خائب و خاسر و ناشاد و نامراد کیا ؎

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ بھی نہ دوا نے کام کیا

اہلِ ایمان فورا مناظر دیکھ کر ششدر و حیران ہو گئے اور حق الحق کا ورد کرتے تھے۔ خالق کا وعدہ ہے وحقا علینا نصر المومنین۔ ہمارے اوپر اہلِ ایمان کی نصرت و امداد کرنا لازم ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا خداوند عالم اہلِ ایمان کی طرف سے خود دفاع کرتا رہتا ہے

؎ قدرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

نیز اس کا ارشاد ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد ہم اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی دنیا و آخرت میں مدد کرتے ہیں۔ ہم نے ابھی اوپر جن بعض انبیاء عظام علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تکذیب و سرکشی کا اجمالی تذکرہ کیا ہے قرآن کی زبان سے سنیئے کہ ان جھٹلانے والوں اور افترا پردازیاں کرنے والوں کا انجام کیا ہوا تھا؛ قوم نوح کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ فانجیناہ والذین معہ فی الفلک واغرقنا الذین کذبوا بآیتنا ہم نے نوح اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا ان کو غرق کر دیا۔ حضرت ہود کی قوم کا تذکرہ ہے اس کے متعلق قرآن خبر دیتا ہے۔ فانجیناہ والذین معہ برحمۃ منا وقطعنا دابر الذین کذبوا بآیتنا وما کانوا مومنین ہم نے اپنی خاص رحمت سے جناب ہود اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور مومن نہ تھے ان کو نیست و نابود کر دیا اسی طرح قوم صالح کی بربادی کا قرآن یوں نقشہ کھینچتا ہے۔ فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جثمین ان کو زلزلے نے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ اسی طرح قوم لوط جس دردناک انجام سے دوچار ہوئی اس کے متعلق قرآن شاہد ہے۔ وامطرنا علیہم مطرا فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین۔ ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ غور کرو کہ مجرموں کا کیا برا انجام ہوا۔ قوم شعیب کا بھی وہی انجام ہوا جو قوم ہود کا ہوا تھا کہ فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جثمین ان کو زلزلے نے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو ان کی سرکشی، حق کشی، اور باطل کوشی کی یہ سزا ملی کہ فانتقمنا منھم فاغرقنھم فی الیم بانھم کذبوا بآیتنا وکانوا عنھا غفلین۔ ہم نے ان سے اس طرح انتقام لیا

کران کو رسوا و ذلیل میں غرق کر دیا کیونکہ وہ ہماری آیات کو جھٹلانے والے تھے اور ان سے غفلت کرتے تھے۔ اسی طرح جناب رسول خدا کے جھٹلانے اور اذیت پہنچانے والوں کا جو انجام ہوا اس کے لئے تمام اسلامی غزوات شاہد ہیں کہ دشمن کس طرح ذلیل و خوار ہوئے، اور کس طرح ان کو پسپائی حاصل ہوئی اور کس طرح ان کی پٹائی ہوئی۔ یہاں تک کہ بالآخر باطل ہی مغلوب و مقہور ہو گئے۔ و جاء الحق و ظہر امر اللہ وہم کارھون۔

آنحضرتؐ کی فتح و نصرت کے قصیدے دشمنوں نے جس طرح پڑھے وہ آج تک صفحاتِ قرآن کی زینت ہیں اور ہمیشہ زینت رہیں گے۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً۔ امام حسینؑ اور یزید عنید کے تاریخی معارکۂ حق و باطل کا نتیجہ یہ نکلا کہ

نام یزید داخلِ دشنام ہو گیا

اور حسینؑ نے نہ صرف اسلام کو زندۂ جاوید بنا کر بلکہ پورے عالم انسانیت کو ہلاکت ابدی سے بچا کر وہ بلند مقام حاصل کیا کہ اہل انصاف کو کہنا پڑا کہ

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ	دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید	حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

بہر کیف یہ ایک زندہ و تابندہ حقیقت ہے کہ

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری	بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

حالات کا یہ جریان و قانون قدرت کا سریان یہ بتاتا ہے کہ قیام قیامت تک ہمیشہ اہل حق اسی طرح مظفر و منصور رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

علماء سُو کا کردار

تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جہاں آئمہ دین کے مقابلہ میں ہر دور میں باطل قوتیں برسر پیکار رہی ہیں وہاں علماء حق کے بالمقابل علماء سو کا گروہ بھی ہمیشہ اپنے مخصوص مفادات کی خاطر اور دین کے نام پر نافذ کردہ دکانداریوں کے تحفظ کی خاطر باطل کی تقویت کا باعث بنا رہا ہے۔ اور آئمہ و علمائے حق سے ٹکراتا رہا ہے اور ان پر بے بنیاد الزامات لگا کر ان کی راہ میں کانٹے بچھانے میں کوشاں رہا ہے تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اگر اعلاء کلمۃ حق کی خاطر ایک طرف جناب شہید اول تلوار و آرہ کشش سے دوچار تھے تو عین اسی وقت کچھ عبا بردوش دین فروش اہل علم تماش بینوں کی صف میں کھڑے تھے۔ ایک طرف حضرت شہید ثانی حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی کی خاطر ناقابل برداشت صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تو دوسری طرف مولوی صاحبان کی ایک جماعت قاتل کو اس کے اس کارنامے پر مبارکباد پیش کر رہی تھی۔ تاریخ کا ایک اور ورق الٹیے تو آپ دیکھیں گے کہ

محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مقدس مذہب کی مقدس امانت کے بچانے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی خاطر ایک طرف حضرت شبیہ ثالث۔ دربار شاہی میں جلاد کے کوڑوں کی شدید ضربات سے لہولہان و نیم جان ہو رہے تھے اور اپنے خون سے چراغ مصطفوی کو روشن کر رہے تھے تو عین اسی وقت فتوی فروشوں اور چاپلوس اعتقاد و تبلیغ کرنے والوں کا ایک طبقہ شر ربوبیت کے تحفظ کی خاطر اپنی قوتیں صرف کر رہا تھا اور اقتدار کی چوکھٹ پر اپنے دین و ایمان کا نذرانہ پیش کر رہا تھا۔ اس تمہید پر وہ صدا پر کفر کے فتوے لگا رہا تھا۔ یہ رسم کہیں آج تک برابر جاری و ساری ہے اور گفتار کے غازیوں کا ایک گروہ عوام کی معصومیتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی دکانداریوں کے تحفظ کی خاطر کردار کے غازی علمائے اعلام کو برابر اپنے سب و شتم اور طعن و تشنیع اور افترا و اتہام کا نشانہ بنا رہا ہے اور اتحادِ اسلامی کی چولیں ان ناپاک حرکتوں سے پارہ پارہ کر رہا ہے مگر وہ یقین رکھیں کہ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کیوں؟ اس لئے کہ

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

یہ حقیقت زبان زدِ خلائق ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے آج اس مقولہ کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔ اگرچہ اسلام کے ہر دور میں یہ رزم حق و باطل برابر جاری رہا ہے مگر موجودہ قرنِ چہار دہم میں اس معرکہ نے جو شدت و حدت اختیار کر رکھی ہے شاید اسلام کے قرونِ وسطیٰ میں اس کی مثال نہ مل سکے بدقسمتی سے آج صورتِ حال یہ ہے کہ عوام ہی نہیں بلکہ

مذہب کے علمبردار یہاں مصروف ہیں شر پھیلانے میں
انصاف کے رہ بیدار نہیں جو کرتے ہیں غصب انصاف کا خون

آج کل علمائے اسلام پر کیچڑ اچھالنا۔ ان کے کردار حقیقت ترجمان میں کیڑے نکالنا۔ ان کی گلہ گوئی اور عیب جوئی کرنا ایک وتیرہ اور محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ اور اس بات کا زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے مذاہب کے فقہائے اسلام اور پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے مقدس مذہب شیعہ خیرالبریہ میں یہ وبا دن بدن جنگل کی آگ کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہے کہ

ہر طرح فتنے جگاتے ہیں جگانے والے
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

لیکن ایسا کرنے والوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے ان اوچھے ہتھیاروں اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ سے اہلِ حق کو خاموش کر دیں گے یا ان کی آواز کو غیر مؤثر بنا سکیں گے تو ؏

ایں خیال است و محال است و جنوں

اہلِ حق نے مکمل غور و خوض کے بعد انبیاء کرام و آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو اپنے مشعلِ راہ بنانے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور ان کی تقلید و تاسی میں یہ تہیہ کر لیا ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق اور حقائق مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات و مصائب کے پہاڑ ان پر ڈھائے جائیں گے وہ خندہ پیشانی سے ان شدائد و آلام کا استقبال کریں گے اور راہِ حق میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔ مگر وہ نہ تو کلمۂ حق کہنے سے باز آئیں گے اور نہ ہی کبھی غلط بات کو صحیح کہیں گے ؎

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

اگر ابھی ان حضرات کے ترکش میں افتراء و اتہام اور بدزبانی و بدکلامی کا کوئی اور تیر باقی ہے تو وہ اسے بھی چلا لیں۔ پھر اپنی اجتماعی قوت سے جو چاہیں کارروائی کریں۔ دنیا دیکھے گی کہ بالآخر بعونہ تعالیٰ ؏

الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں

اور بالآخر حق و حقیقت کا بول بالا اور پرچم سربلند ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ۔

حضرت امیر مومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے الناس ثلاثۃ فعالم ربانی و متعلم علی سبیل نجاۃ و همج رعاع اتباع کل ناعق (نہج البلاغہ) دنیا میں عالم ربانی یا حقیقی متعلم یا ان دو گروہوں کے دوست بن کر رہو۔ دیکھو چوتھی قسم نہ بننا ورنہ ہلاک و برباد ہو جاؤ گے؛ مگر افسوس آں جناب کے اکثر خوش عقیدہ شیعوں کو صرف آنجناب کے نام سے کام ہے انہیں ان کے کلام اور کام سے کوئی غرض نہیں۔

آج ہمارے ملک میں عقائد و نظریات کا ایک بحران آیا ہے ؎

خدا جانے لوگوں کو کیسا ہو گیا ہے
جسے دیکھو وہ اپنی بڑ ہانکتا ہے

آج مذہب کے بعض اجارہ دار مذہب و اہل مذہب کو اختلاف و افتراق کے بحرِ بے کراں میں غرق کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ محض ذاتیات کی بناء پر بعض واہیات قسم کی بحثوں کو ہوا دے کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کر کے اپنا بیڑا غرق کر رہے ہیں اور بیچارے عوام الناس اصلاحِ احوال کے علمبرداروں کی یہ روش و رفتار دیکھ کر زبان حال سے کہہ رہے ہیں ؎

اور یہاں روز و شب سے صبح چہرہ آریہ چوں ‌ ‌ ‌ روز و شب سے فتنہ و پیکار دور دیدہ ہیں ما

اس زمانہ کا نتیجہ ہے کہ وہ منبر رسولؐ اور حسینؑ جو تفسیر قرآن، حقائق و معارف اسلام، نہج البلاغہ، ان کے جمیع ورثائے علیہم السلام کی سیرت و کردار، اور اخلاق و اطوار اور ان کے جمیع فضائل و مناقب بیان کرنے کے لئے وقف تھا جس کے ذریعہ ان کے تمام پیروان کو حق و اعمال صحیح کرنے اور اپنی سیرتوں کو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار کے آئینہ میں تشکیل دینے اور جلائے ایمانی حاصل کرنے کے اسباب مہیا کئے جاتے تھے۔

موجودہ طرزِ تبلیغ پر تنقیدی تبصرہ

بدقسمتی سے وہی منبر آج اہل منبر کی ذاتی رقابتوں اور رنجشوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر الزام و اتہام لگانے، اسلام و شریعت مطہرہ کا مذاق اڑانے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اس طرح مذہب اور اہل مذہب کا مذاق اڑانے کا نہ صرف اکھاڑہ بلکہ جگ ہنسائی کے لئے اسباب تفریح جمع کرنے کے لئے وقف ہو کر رہ گیا ہے (الا ما شاء اللہ) یا للعجب! اور اندوہناک صورت حال کو دیکھتے ہوئے ایک ہمدرد قوم و ملت مسلمان شاعر اسلام کی روح مقدس کو یوں خطاب کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر ‌ ‌ ‌ اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ ‌ ‌ ‌ آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے!

آج آیات قرآن اور احادیث سید المرسلینؐ و ارشادات آئمہ معصومینؑ کو پس پشت ڈال کر یا زینت طاق بنا کر اپنے قیاسات کے مجموعات کو مذہبیات اور ذاتی خیالات کو اعتقادیات اور اپنی آراء و ہواؤں کو شرعی نظریات کا درجہ برعکس نہند نام زنگی کافور تمام دے کر ذوقی پسند اور ناپسند کو معیار حق و باطل قرار دیا جا رہا ہے ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ‌ ‌ ‌ ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

دین میں اختلاف کرنے کی مذمت

حضرت امیر المومنینؑ مذمت اختلاف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ وَاِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ وَنَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ وَكِتَابُهُمْ وَاحِدٌ اَفَاَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰى اِتْمَامِهٖ اَمْ كَانُوْا شُرَكَاءَ لَهٗ فَلَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا وَعَلَيْهِ اَنْ يَّرْضٰى اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ دِيْنًا تَامًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَنْ تَبْلِيْغِهٖ وَاَدَائِهٖ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقُوْلُ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

فِيهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ، وَذَكَرَ أَنَّ الْكِتَابَ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضاً، وَأَنَّهُ لَا اخْتِلَافَ فِيهِ فَقَالَ سُبْحَانَهُ: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافاً كَثِيراً. وَإِنَّ الْقُرْآنَ ظَاهِرُهُ أَنِيقٌ وَبَاطِنُهُ عَمِيقٌ، لَا تَفْنَى عَجَائِبُهُ، وَلَا تَنْقَضِي غَرَائِبُهُ، وَلَا تُكْشَفُ الظُّلُمَاتُ إِلَّا بِهِ (ترجمہ) حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبی ایک، اور کتاب ایک ہے (انہیں غور تو کرنا چاہیے) کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کرکے اس کا حکم بجا لاتے ہیں، یا اس نے حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کرکے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں، یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لیے ہاتھ بٹانے کا خواہشمند ہوا تھا، یا یہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضا مند رہے، یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسول نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی۔ اللہ نے قرآن میں تو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس میں کافی اختلاف پاتے۔ اور یہ کہ اس کا ظاہر خوشنما اور باطن گہرا ہے، نہ اس کے عجائب مٹنے والے اور نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے ہیں، ظلمت (جہالت) کا پردہ اسی سے چاک کیا جاتا ہے۔" (نہج البلاغہ مترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب)

جب خدا بھی ایک، رسول بھی ایک، کتاب بھی ایک اور آئمہ طاہرین اگرچہ متعدد ہیں بارہ ہیں مگر ان کے قول و فعل میں اس قدر توحید و یگانگت ہے کہ مخالفین بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مذهب بعضهم مذهب الكل (دراسات اللبیب ص ۲۳۰ طبع بمبئی و رجح الاوزان شریف) یعنی آئمہ اہلبیتؑ میں سے جو ایک کا نظریہ ہوتا ہے وہی ان سب کا ہوتا ہے۔ نہ دین ناقص ہے نہ رسولؐ نے اس کی ادائیگی میں کوتاہی فرمائی ہے اور نہ ہی قرآن حق نے اس کی حفاظت و حراست اور اس کی تبلیغ میں کوئی کمی کی ہے تو پھر یہ اختلاف و افتراق کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟ عقائد و نظریات کے اس بحران نے کہاں سے جنم لیا؟ اور موجودہ طوفان بدتمیزی و فتنہ انگیزی کس سرچشمہ سے نکلا؟

اختلاف فی الدین کے علل و اسباب

آئیے ان سوالات کا جواب باصواب بھی سید امم یعنی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے حاصل کریں۔ آپ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: إِنَّ أَبْغَضَ الْخَلَائِقِ إِلَى اللَّهِ رَجُلَانِ: رَجُلٌ وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى نَفْسِهِ فَهُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِيلِ مَشْغُوفٌ بِكَلَامِ بِدْعَةٍ وَدُعَاءِ ضَلَالَةٍ فَهُوَ فِتْنَةٌ لِمَنِ افْتَتَنَ

ضَالٌّ عَنْ هَدْيِ مَنْ كَانَ قَبْلَهُ، مُضِلٌّ لِمَنِ اقْتَدَى بِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ وَفَاتِهِ، حَمَّالٌ خَطَايَا غَيْرِهِ، رَهْنٌ بِخَطِيئَتِهِ. وَرَجُلٌ قَمَشَ جَهْلاً، مُوضِعٌ فِي جُهَّالِ الْأُمَّةِ، عَادٍ فِي أَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ، عَمٍ بِمَا فِي عَقْدِ الْهُدْنَةِ، قَدْ سَمَّاهُ أَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِماً وَلَيْسَ بِهِ، بَكَّرَ فَاسْتَكْثَرَ مِنْ جَمْعٍ، مَا قَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ، حَتَّى إِذَا ارْتَوَى مِنْ آجِنٍ، وَاكْتَنَزَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ، جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِياً ضَامِناً لِتَخْلِيصِ مَا الْتَبَسَ عَلَى غَيْرِهِ، فَإِنْ نَزَلَتْ بِهِ إِحْدَى الْمُبْهَمَاتِ هَيَّأَ لَهَا حَشْواً رَثّاً مِنْ رَأْيِهِ، ثُمَّ قَطَعَ بِهِ، فَهُوَ مِنْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِي مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْكَبُوتِ: لَا يَدْرِي أَصَابَ أَمْ أَخْطَأَ، فَإِنْ أَصَابَ خَافَ أَنْ يَكُونَ قَدْ أَخْطَأَ، وَإِنْ أَخْطَأَ رَجَا أَنْ يَكُونَ قَدْ أَصَابَ. جَاهِلٌ خَبَّاطُ جَهَالَاتٍ، عَاشٍ رَكَّابُ عَشَوَاتٍ، لَمْ يَعَضَّ عَلَى الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ، يُذْرِي الرِّوَايَاتِ إِذْرَاءَ الرِّيحِ الْهَشِيمَ، لَا مَلِيٌّ وَاللهِ بِإِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَيْهِ، وَلَا هُوَ أَهْلٌ لِمَا فُوِّضَ إِلَيْهِ، لَا يَحْسَبُ الْعِلْمَ فِي شَيْءٍ مِمَّا أَنْكَرَهُ، وَلَا يَرَى أَنَّ مِنْ وَرَاءِ مَا بَلَغَ مَذْهَباً لِغَيْرِهِ، وَإِنْ أَظْلَمَ عَلَيْهِ أَمْرٌ اكْتَتَمَ بِهِ لِمَا يَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ نَفْسِهِ، تَصْرُخُ مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ الدِّمَاءُ، وَتَعِجُّ مِنْهُ الْمَوَارِيثُ. إِلَى اللهِ أَشْكُو مِنْ مَعْشَرٍ يَعِيشُونَ جُهَّالاً وَيَمُوتُونَ ضُلَّالاً، وَلَيْسَ فِيهِمْ سِلْعَةٌ أَبْوَرُ مِنَ الْكِتَابِ إِذَا تُلِيَ حَقَّ تِلَاوَتِهِ، وَلَا سِلْعَةٌ أَنْفَقُ بَيْعاً وَلَا أَغْلَى ثَمَناً مِنَ الْكِتَابِ إِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِهِ، وَلَا عِنْدَهُمْ أَنْكَرُ مِنَ الْمَعْرُوفِ، وَلَا أَعْرَفُ مِنَ الْمُنْكَرِ.

"تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض دو شخص ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو یعنی اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی توفیق سلب کر لی، جس کے بعد وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا، بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر مٹا ہوا ہے۔ وہ اپنے ہوا خواہوں کے لئے فتنہ اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے۔ وہ تمام ان لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے اور خود اپنی خطاؤں میں جکڑا ہوا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو ادھر اُدھر سے بٹور لیا ہے۔ وہ اُمت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کیا کرتا ہے اور فتنوں کی تاریکیوں میں غافل و مدہوش پڑا رہتا ہے اور امن و آشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چند انسانی شکل و صورت سے ملتے جلتے ہوئے لوگوں نے اسے عالم کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ وہ عالم نہیں، وہ ایسی بے سود باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے، یہاں

یہاں تک کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہو جاتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کے حل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے اس کے لئے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے اور پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی خود اپنے ہی جالے کے اندر۔ وہ خود یہ نہیں جانتا کہ اس نے صحیح حکم دیا ہے یا غلط۔ اگر صحیح بات بھی کہی ہو تو اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو۔ وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی نظر کے دھندلاپن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔ نہ اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہ تک پہنچا۔ وہ روایات کو اسی طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ خدا کی قسم وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں جو اس سے پوچھے جاتے ہیں اور نہ اس منصب کے قابل ہے جو اسے سپرد کیا گیا ہے۔ جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ کوئی قابل اعتنا علم ہی نہیں قرار دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے اس کے آگے یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے (ناحق بہائے ہوئے) خون اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مر جاتے ہیں۔ ان میں قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسے پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول و قیمتی چیز نہیں اس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے۔ ان کے نزدیک نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں۔ (دیکھئے نہج البلاغہ مترجم مفتی صاحب ص۸۳ طبع مصری اصل)۔

حکیم اسلام امام عالی مقام کے اس کلام حقیقت ترجمان سے یہ حقیقت واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ ان تمام اختلافات و خرافات کے ذمہ دار وہ گندم نما جو فروش اور نہاد اہل علم ہیں جو جہل مرکب کا شکار ہیں اور خود فریبی یا بلفظ دیگر یہ عالم ہے کہ کچھ نہ جاننے کے باوجود وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں ؎

ہر کس کہ نداند و نداند کہ نداند — در جہل مرکب ابد الدہر بماند

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ — وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

آج اکثر و بیشتر ایسے ہی لوگوں پر دینی امور کا دارومدار ہے اور عقائد و اعمال میں انہی کے بیان پر انحصار ہے یہی لوگ منبر کے اجارہ دار اور یہی مذہب و ملت کے ناخدا سمجھے جاتے ہیں جسے وہ اپنی روایتی نااہلی

کی بنا پر ہلاکت کے طلاطم خیز بھنور میں ڈال رہے ہیں مگر عوام کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ عالم و جاہل عادل و فاسق، مخلص، خود غرض اور ہادی و مضل میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں کامیابی و مقبولیت کا صرف ایک ہی معیار ہے کہ اسٹیج پر آنے والا اگر ذاکر ہے تو اس کی آواز اچھی ہو، اور اگر مولوی ہے تو چٹپٹے نکتے بیان کرکے مجمع کو خوب اچھال سکے۔ اگرچہ وہ نکات بالکل خلاف عقل و شریعت ہی کیوں نہ ہوں جب وہ نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند کرکے اس کے بیان پر مہر تصدیق ثبت کر دیتے ہیں۔ وہ سوچنے اور سمجھنے اور اگر مجلس خواں (خواہ کتنا ہی گیا گزرا ہوا کیوں نہ ہو) اپنے ہی مذہب کے مسلمہ علماء کے خلاف ذاتی حسد و عناد کی بنا پر کوئی بے اصل و بے بنیاد خلاف عقل و نقل بات کہہ دے تو وہ اس کی تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اگرچہ جانتے سب ہیں کہ حق و باطل میں صرف چار انگشت کا فاصلہ ہے۔

آہ فکری و تقلید و زوالِ تحقیق

اور اہل منبر ان لوگوں کی سادگی اور ان کی اس معصوم عقیدت سے جو ان کو مجلس حسینؑ پڑھنے والوں سے ہے پورا پورا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے پنجابی بھائی اس صفت میں سب لوگوں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ شاعر مشرق نے پنجابیوں کی اس حالت کا کیسے لطیف انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت — کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا — ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے — یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

(ضرب کلیم)

اصحاب آئمہ کا دینی امور میں اہتمام

چونکہ دین اور بالخصوص اصول دین کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔ اصول عقائد میں معمولی سی لغزش انسان کو ابدی ہلاکت کا شکار اور آتش جہنم کا ایندھن بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اس لئے آئمہ طاہرین کے تربیت یافتہ مومنین بالخصوص اس امر کی نزاکت سے کما حقہٗ واقف و آگاہ تھے۔ اس لئے وہ اس سلسلہ میں بہت محتاط رہتے تھے۔ وہ دین کے ہر ہر معاملہ میں ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنے کی بجائے اپنے آئمہ اطہارؑ سے استصواب کرتے اور اصلاح لیتے تھے اور کسی کتاب پر عمل کرنا ہوتا تو اگرچہ اس کا مؤلف جلیل القدر بھی ہوتا تب بھی اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے ان کی خدمت میں پیش کرکے اس کی توثیق کراتے۔ چنانچہ ابو جعفر جعفری بیان کرتے ہیں کہ ادخلت کتاب الیوم واللیلة الذی الفہ یونس بن عبد الرحمٰن علی ابی الحسن العسکری فنظر فیہ وتصفحہ کلہ ثم قال ھذا دینی ودین آبائی وھو الحق کلہ۔ (رجال کشی صفحہ

میں نے کتاب عمل الیوم واللیلۃ مؤلفہ جناب یونس بن عبدالرحمٰن حضرت عسکریؑ کی خدمت میں بغرض توثیق پیش کی۔ آپ نے اس پر نگاہ ڈالی اور تمام کتاب کو صفحہ بصفحہ ملاحظہ فرما کر فرمایا یہی میرا دین اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ یہ تمام حق و صداقت ہے، حالانکہ جناب یونس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں یونس فی زمانہ کسلمان فی زمانہ (رجال کشی ص۳۰۸ طبع بمبئی)، لیکن پھر بھی آنجناب ابو جعفر جعفریؑ نے مقام عمل میں اس پر اکتفا نہیں کی جب تک امام عالی مقام سے اس کتاب کی توثیق نہیں کرالی۔ اسی طرح بریق ابن تبرک کے متعلق مروی ہے کہ اس نے سامرا میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر جناب فضل بن شاذان کی کتاب "یوم ولیلۃ" پیش کی اس پر نظر فرمانے اور توثیق کرنے کی استدعا کی۔ چنانچہ امامؑ نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا ھذا صحیح ینبغی ان تعمل بہ "یہ بالکل صحیح ہے چاہیئے کہ اس پر عمل کرو" (مفاتیح الجنان ص۲۲۲)

اسی طرح اگر ان کو کسی عالم دین سے دینی مسائل دریافت کرنا مطلوب ہوتے تو جب تک ائمہ اطہارؑ سے اس عالم کے دین و دیانت اور علم و فضل کی تصدیق نہ کرا لیتے اس وقت تک دینی امور میں اس پر اعتماد نہ کرتے۔ اس واسطے بارگاہ معصومینؑ میں حاضر ہو کر استفسار کرتے کہ ہم ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ لہذا بوقت ضرورت اپنی دینی ضروریات کے بارے میں کس سے سوال کریں؟ حضرات معصومینؑ ان کی رہبری فرماتے ہیں کہ فلاں شخص سے دینی معلومات و مسائل حاصل کرو۔ چنانچہ جناب حسنؒ بن علی بن یقطین بیان کرتے ہیں قلت لابی الحسن الرضاؑ جعلت فداک انی لا اکاد اصل الیک أسئلک عن کل ما احتاج الیہ من معالم دینی افیونس بن عبدالرحمٰن ثقۃ آخذ عنہ ما احتاج الیہ من معالم دینی قال نعم۔ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ہر وقت حاضر خدمت ہو کر آپ سے اپنے تمام دینی ضروریات دریافت نہیں کر سکتا کیا یونس بن عبدالرحمٰن قابل وثوق آدمی ہے اس سے اپنے دینی معلومات حاصل کر سکتا ہوں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں (رجال کشی ص۳۰۰)۔ اسی طرح علی بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ قلت للرضاؑ شقتی بعیدۃ و لست اصل الیک فی کل وقت فممن آخذ معالم دینی؟ فقال من زکریا بن آدم القمی المامون علی الدین والدنیا۔ میں نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت عرض کیا کہ میرا گھر بہت دور ہے اس لئے ہر وقت جناب کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا لہذا اپنے معالم دین کس سے حاصل کروں؟ آنجنابؑ نے فرمایا زکریا ابن آدم قمی سے حاصل کرو کیونکہ وہ دین و دنیا کے معاملات میں امین ہے۔

(رجال کشی ص۳۹۶)

اصولِ عقائد کے معاملہ میں ان کی احتیاط اور بھی شدید تھی وہ جب تک اپنے جملہ اعتقادات کو بارگاہِ آئمہ معصومین میں پیش کرکے ان کی صحت وحقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت نہ کرا لیتے تھے۔ اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لیتے تھے چنانچہ عمرو بن حریث بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ جعلت فداک الا اقص علیک دینی الذی ادین اللہ بہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں! کیا میں اپنا دین اور اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش نہ کروں، قال بلی یا عمرو آپ نے فرمایا ہاں اے عمرو، قلت انی ادین اللہ بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم شہر رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا والولایۃ لعلی بن ابی طالب والولایۃ للحسن والحسین والولایۃ لعلی بن الحسین والولایۃ لمحمد بن علی ولک من بعدہ وانکم ائمتی علیہ احیی وعلیہ اموت وادین اللہ بہ قال یا عمرو ھذا واللہ دینی ودین آبائی۔ میں نے عرض کیا میرا دین و اعتقاد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا کے بندۂ خاص اور رسولؐ ہیں قیامت کا آنا برحق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں خدا ضرور مُردوں کو زندہ کرے گا اور نماز کا پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ماہِ رمضان کے روزے رکھنا اور جو استطاعت رکھتا ہو اس پر حج بیت اللہ کرنا واجب ہے اور جناب رسولِ خدا کے بعد حضرت امیرالمومنینؑ اور حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ اور پھر آپ کی ولایت و امامت کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ آپ ہی میرے برحق امام ہیں، اسی عقیدہ پر زندہ ہوں اور اسی پر مروں گا۔ امامؑ نے فرمایا اے عمرو! خدا کی قسم یہی میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے (رجال کشی ص۲۳۱) اسی طرح یوسف سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ قلت لابی عبداللہ اصف لک دینی الذی ادین اللہ بہ فان اکن علی الحق فثبتنی وان اکن علی غیر الحق فردنی الی الحق میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا میں اپنا اعتقاد آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اگر میں حق پر ہوں تو مجھے اس پر ثابت رکھئے اور اگر باطل پر ہوں تو حق کی طرف میری رہبری فرمائیے۔ قال ہات امام نے فرمایا بیان کرو، قلت اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان علیاً کان اماماً وان الحسن کان اماماً وان الحسین کان اماماً وان علی بن الحسین کان اماماً فقال عند ذلک مرارا رحمک اللہ ثم قال ھذا واللہ دین اللہ ودین ملائکتہ ودینی ودین آبائی الذی لا یقبل اللہ غیرہ میں نے عرض کیا میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے اور حضرت محمدؐ اس کے بندۂ خاص اور رسول ہیں اور یہ کہ حضرت علیؑ

میرے امام ہیں۔ اسی طرح ان کے بعد یکے بعد دیگرے امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت علی بن الحسینؑ اور حضرت محمد بن علیؑ میرے امام ہیں اور ان کے بعد آپ اپنے آباء طاہرینؑ کے طریقہ پر میرے امام ہیں۔ راوی کہتا ہے یہ سن کر امام علیہ السلام نے کئی بار مجھے فرمایا رحمک اللہ (خدا تم پر رحم کرے) پھر فرمایا خدا یہی خدا اور اس کے ملائکہ اور میرا و میرے آباء و اجداد کا وہ دین ہے کہ جس کے علاوہ اور کوئی دین خدا قبول نہیں کرتا (رجال کشی ص۲۸۴)، نوح بن ابراہیم محاربی بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اس طرح اپنا عقیدہ پیش کیا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ و ان علیا امام ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی ثم انت فقال رحمک اللہ ثم قال اتقوا اللہ علیکم بالورع و صدق الحدیث و اداء الامانۃ و عفۃ البطن والفرج۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے جناب محمد مصطفیٰؐ اس کے عبد خاص اور رسول ہیں ان کے بعد جناب علی علیہ السلام امام برحق ہیں ان کے بعد امام حسنؑ پھر امام حسینؑ پھر علی بن الحسینؑ پھر محمد بن علیؑ اور ان کے بعد آپ امام برحق ہیں یہ سن کر امام نے فرمایا خدا تم پر رحم فرمائے پھر فرمایا خدا سے ڈرو، تم پر ورع و تقویٰ، سچ بولنا، امانت ادا کرنا اور عفت شکم و فرج لازم ہے (رجال کشی ص۲۴۳) اس قسم کے بیسیوں واقعات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں ہم نے صرف بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار واقعات بیان کر دیئے ہیں جو کہ عقل سلیم اور طبع مستقیم رکھنے والے حضرات کو غفلت سے جھنجوڑ کر بیدار کرنے کے لئے کافی ہیں۔

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

ائمہ کی شدت گرفت کا بیان

اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے اس سلسلہ میں حضرات ائمہ اطہارؑ کی گرفت بھی اتنی سخت تھی کہ وہ اپنے تمام پیرواؤں کو دین میں ایک حرف کی کمی یا بیشی کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ عنقریب مختلف شکوک و شبہات میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس آفت سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو دعائے غریق کو پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا وہ دعائے غریق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ میں نے اس دعا کو دہراتے وقت یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ کہہ دیا۔ امام نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا مقلب القلوب والابصار ہے مگر تو اس طرح کہہ جس طرح میں کہتا ہوں: یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک۔ (مفاتیح الجنان ص۳۲۴، رضینا ذکرنا ما کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ الخ)

موجودہ دور میں مدعیان تشیع کی روش و رفتار پر تبصرہ

یہ تھا اصحاب ائمہ کے دینی معاملات میں حزم و احتیاط کا اجمالی نمونہ جس سے ناظرین کرام بآسانی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی نگاہوں میں دین و ایمان کی کس قدر اہمیت تھی؟ مگر افسوس آج یہ عالم ہے کہ اکثر

تنازع ہو، وہ دیکھیں کہ تم میں سے جو شخص ہماری حدیثوں کا راوی ہو، ہمارے حلال و حرام پر تحقیقی نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کی (فقہی) معرفت بھی رکھتا ہو، اسے اپنا ثالث (یعنی) حاکم تسلیم کریں کیونکہ میں ایسے شخص کو (عمومی طور پر) حاکم بناتا ہوں۔ پس جب وہ ہمارے احکام کے مطابق کوئی فیصلہ کرے اور اسے قبول نہ کیا جائے۔ تو رد کرنے والا یہ سمجھے کہ اس نے اللہ سبحانہ کے حکم کو خفیف سمجھا ہے اور اس عالم کے فیصلہ کو نہیں بلکہ ہمارے فیصلہ کو رد کیا ہے اور ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا کافر اور گویا خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانے والا ہے اور یہ کھلا ہوا خدا کے ساتھ شرک ہے۔" (احتجاج طبرسیؒ) لہذا چاہئے تو یہ تھا کہ ہمارے عوام اہل ایمان میں یہ شعور و احساس ہوتا کہ اگر کسی کتاب پر عمل کرنا چاہتے تو پہلے ان ترجمان شریعت سے اس کی توثیق کراتے یا اگر کسی عالم سے دینی مسائل دریافت کرنا چاہتے تو پہلے ان مجتہدین اسلام سے اس کے علم و فضل اور دین و دیانت کی تصدیق کراتے پھر دینی معاملات میں ان کے بیان پر اعتماد کرتے۔ اسی طرح اپنے اعتقادات کو علمائے اعلام کی خدمت میں پیش کر کے ان کی صحت و صداقت پر ان سے مہر توثیق لگواتے۔ تاکہ سعادت دارین و فلاح کونین حاصل ہوتے مگر آہ

کیا پوچھتے ہو ہائے رفتار عہد نو ہر سمت میں فریب کا بازار گرم ہے

آج عام لوگ حقیقت سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ ان کو حقیقی علماء کی پہچان ہی نہیں ہے تو پھر ان کی طرف رجوع کیوں کر کریں گے وہ تو صرف اسے ہی عالم دین سمجھتے ہیں جو منبر پر کوس لمن الملک الیوم بجاتا ہے اور فن منبری میں مہارت تامہ رکھتا ہے اور غلط یا صحیح ہر مبتذل قسم کے نکتوں سے مجمع کو خوب اچھال سکتا ہے اور خود اپنے منہ سے عالم و علامہ ہونے کا اعلان کرتا ہے حالانکہ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے من قال انا عالم فهو جاهل۔ جو شخص خود کہے کہ میں عالم ہوں سمجھو کہ وہ جاہل ہے (منیۃ المرید از شہید ثانیؒ) یا پھر دنیا والے اسے عالم اجل و فاضل بے بدل سمجھتے ہیں جس کا لباس زرق برق اور جبہ و دستار قیمتی و نفیس ہو۔ جناب پیغمبر اسلام روحی لہ الفداء نے شاید اسی زمانہ کے متعلق فرمایا تھا سیاتی علی امتی زمان لا یعرفون العلماء الا بثوب حسن میری امت پر ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ وہ علماء کو صرف عمدہ لباس سے پہچانیں گے (جامع الاخبار ص ۱۳۰ طبع نجف) بنا بریں عوام الناس کی یہ حالت کیوں نہ ہو جبکہ آج منبروں پر بعض غیر ذمہ دار لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو علمائے اعلام و مجتہدین کرام سے (ان پر) کئی قسم کے غلط اتہامات و الزام لگا کر بدظن کرنے اور ان کو اپنے دینی و ایمانی مراکز سے علیحدہ کرنے میں شب و روز مشغول و منہمک ہیں حالانکہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ

کچھ اہل غرض لوگ یہ کہہ کر کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے لہذا اعتقادیات میں ہر شخص آزاد ہے اسے اپنی تحقیق کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اس طرح یہ لوگ سادہ لوح عوام کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے ان کو عقائد کے نازک معاملہ میں [illegible] رہنے کی تلقین کرکے علمائے اعلام سے دور رکھنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قطع نظر اس اختلاف کے کہ جو

اصول دین میں تقلید کے جواز یا عدم جواز میں ہے، کیونکہ یہ بجائے خود انتہائی پیچیدہ اور مشکل مسائل میں سے ہے چنانچہ محقق قمی علیہ الرحمہ قوانین الاصول ج ۲ ص ۱۶۶ میں فرماتے ہیں "ھذہ المسئلۃ من المشکلات" اور بہت سے علماء اعلام اصول دین میں بھی تقلید جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے محقق طوسیؒ (در قواعد العقائد) محدث ملا محسن فیضؒ (در علم الیقین) علامہ شیخ انصاریؒ (در رسائل)، مولانا احمد حسین گوپالپوریؒ (در تفسیر انوار القرآن) بہرحال بنا بر مشہور کہ اصول عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے تو بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ فروع میں پابند اور اصول میں شتر بے مہار کی طرح آزاد ہے کہ جو جی میں آئے وہ عقیدہ رکھے۔ حاشا وکلا بلکہ اس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ عقائد میں بلا دلیل کسی بات کا ماننا درست نہیں ہے کیونکہ تقلید کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قبول قول الغیر من غیر دلیل (معالم، قوانین اور کفایہ وغیرہ) یعنی بلا دلیل کسی کے قول کو تسلیم کرنے کا نام تقلید ہے۔ بنا بر مشہور عقائد میں تقلید کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقلید سے جزم و یقین حاصل نہیں ہوتا اور اصول عقائد میں یقین محکم درکار ہے

اُصول اعتقاد میں اخبار احاد پر اعتماد جائز نہیں

یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جو موجب یقین نہ ہو اصول عقائد میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جیسے آیات متشابہات اور اخبار احادؒ (غیر متواترہ)۔ علمائے اعلام نے ان امور کی تصریحات فرمائی ہیں (۱)۔ چنانچہ جناب آقائی شعرانی مقدمہ شرح اصول کافی ملا صالح مازندرانی ج ۱ ص ۳ پر لکھتے ہیں "ثم من اہم ما یجب ان یعلم ان الاعتماد فی الاصول علی العقل والکتاب والاخبار المتواترۃ وبالجملۃ ما یوجب الیقین دون اخبار الآحاد" یعنی سب سے اہم بات جس کا جاننا واجب و لازم ہے وہ یہ ہے کہ اصول عقائد میں صرف عقل سلیم، مسلمات عقلیہ، قرآن مجید، آیات محکمات اور اخبار متواترہ غرضیکہ ہر وہ چیز جو موجب یقین ہو اس پر اعتماد کرنا چاہیئے نہ اخبار احاد پر (۲) رسالہ ہدیۃ العوام ص ۲۵ طبع مراد آباد پر مرقوم ہے "از محققین را ذکر فرمودہ اند و آں آنست کہ در مرحلۂ اعتقاد عمل بر اخبار احاد روا نیست۔"

۱؎ حدیث کی دو قسمیں ہیں متواتر اور واحد۔ ہر وہ حدیث جس کو ابتداء سے آخر تک اس قدر جماعت کثیرہ نقل کرے جس کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادۃً محال ہو۔ اسے خبر متواتر کہا جاتا ہے۔ اور جو حدیث اس طرح نہ ہو اُسے خبر واحد کہا جاتا ہے۔ پھر ہر ایک کی کئی قسمیں ہیں۔ ولیس ھھنا مجال للتفصیل۔ یہ مختصر وضاحت صرف اس لئے کر دی گئی ہے کہ آج کل بعض وعظ کرنے اور قلم اٹھانے والوں میں ایسے فضلاء کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جن کو خبر واحد کا اصطلاحی مفہوم بھی معلوم نہیں ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خبر واحد وہ ہوتی ہے جو صرف ایک کتاب میں موجود ہو۔ اور اگر دو تین کتابوں میں درج ہو جائے تو پھر وہ خبر واحد نہیں رہتی۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست (منہ عفی عنہ)

(٢) سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیثہ سلسلہ نسیج احتشام پر ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں فھو متضمن اخبار الاحاد وھی لا تصلح للاستناد فی اصول الاعتقاد یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے اور اصول اعتقاد میں اس پر اعتقاد نہیں کیا جا سکتا (۳) جناب موصوف کے والد معظم سرکار غفرانمآب قدس سرہ اپنی کتاب اساس الاصول طبع لکھنؤ ص۸۲ پر تحریر فرماتے ہیں فان التعویل علی الآحاد فیھا غیر معقول۔ یعنی اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔ (۵) اسی طرح فاضل جلیل شیخ حسن بن شہید ثانی قدس سرہما اپنی کتاب معالم ص۱۸۲ پر لکھتے ہیں فان التعویل علی الاحاد فیھا غیر معقول" اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اخبار احاد چونکہ موجب جزم و یقین نہیں حالانکہ اصول عقائد میں علم و یقین کا حاصل کرنا لازم ہے مقدر یہ ہر حال اصول دین میں تقلید کے ناجائز ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں علماء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنا شرعاً ممنوع ہے حاشا و کلا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ رجوع تو اصول و فروع دین میں بہر حال علماء اعلام ہی کی طرف کرنا ہے۔ ہاں اصول و فروع میں فرق صرف اس قدر ہے کہ فروع دین میں بلا تقاضائے دلیل ان کا حکم ماننا لازم ہے مگر اصول دین میں دلیل کا تقاضا کیا جائے گا تاکہ عقیدہ بالدلیل ہو نہ بالتقلید۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ورنہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر علماء اعلام کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے تو پھر اس سلسلہ میں جہلاء کی طرف رجوع کیا جائے گا؟ یا اپنے اپنے آراء فاسدہ و خیالات کاسدہ پر اعتماد کیا جائے گا۔ یا صاحب الدلیل قسم کے اہل علم کی لکھی ہوئی رطب و یابس سے لبریز کتب و رسائل پر عمل درآمد کیا جائے گا؟ ما لکم کیف تحکمون؟

علاوہ بریں یہاں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اگر اصول دین میں یہ دھاندلی روا رکھی جائے تو پھر باطل پرست فرقوں کو بھی ناجی تسلیم کرنا پڑے گا اور کسی اہل حق کو ان کے برخلاف لب کشائی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ بنا بریں قاعدہ وہ اپنے غلط عقائد سے متعلق یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم حق بجانب ہوں گے کہ جب اصول عقائد میں ہر شخص کو خدا نے بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے تو ہمارے ذاتی خیال و رائے یا ذاتی تحقیق کے مطابق یہی عقائد صحیح ہیں اس طرح مذہب کیا ہوگا بچوں کا کھلونا یا موم کی ناک جس سے جب جی چاہا جس طرف چاہا توڑ مروڑ کے اپنے خیال کے مطابق بنا لیا کیا جنس آزادی اور مطلق العنانی کا آخری نتیجہ یہ ہو کیا کوئی عقلمند ہمدرد مذہب و ملت اسے روا سمجھ سکتا ہے اور کیا مذہب اس کی اجازت دے سکتا ہے؟ مگر افسوس ہے

ہر بات یہاں کی الٹی ہے یاں الٹی گنگا بہتی ہے۔

ائمہ اطہار کی معرفت میں اختلافِ انظار اور اس کی اصلی وجہ

اقوام عالم کی تاریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہمیشہ عام لوگ بزرگان دین اور پیشوایان ایمان و یقین کے بارے میں افراط و تفریط

کا شکار رہے ہیں۔ ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ ان کے بعض نادان دوست انہیں ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھاتے رہے اور بعض احمق دشمن ان کو ان کے اصل مقام سے گراتے رہے۔ اسی غلو جذبۂ محبت و عقیدت نے یہودیوں و نصرانیوں کو حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ابن اللہ ہونے کا فاسد نظریہ قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ "قالت الیہود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ" ..... اسی سے خدائے لم یزل نے ان نادانوں کو تنبیہ فرمائی۔ یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکم و لا تقولوا علی اللہ الا الحق۔ "اے اہل کتاب! اپنے دینی معاملہ میں غلو و حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کے متعلق وہی بات کہو جو برحق ہے" اور اس کے مقابل ان کے نابکار دشمن ان ذوات مقدسہ کو بس عجیب بات اپنے جیسا عام آدمی سمجھ کر نہ صرف ان کے علم و فضل اور عصمت و طہارت کا بلکہ ان کی نبوت و رسالت کا بھی انکار کر بیٹھے۔ قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد آباؤنا "تم بالکل ہر لحاظ سے ہم جیسے انسان ہو تم صرف یہ چاہتے ہو ان (دیوتوں) کی عبادت سے ہمیں روک دو جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے" ہمیشہ ہر دور میں ایسے لوگ بہت ہی قلیل تعداد میں رہے ہیں۔ اور وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جنہوں نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ افراط و تفریط کی آلائش سے اپنے دامن کو ملوث نہ ہونے دیا اور ہادیان دین کی محبت و مودت کے نازک معاملہ میں "صراط مستقیم" پر گامزن رہے۔ و قلیل ما ھم۔ خلاصۂ کلام ایں کہ اسی طریقۂ جاریہ و سنت مستمرہ کے مطابق حضرات ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بھی لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ کم توفیق و کم عقل لوگ تو ان بزرگواروں کے فضائل و کمالات اور مناقب و معجزات کی تاب نہ لاکر غلو و تفویض کے گہرے سمندر میں غرق ہو گئے اور کئی قسم کے فاسد نظریات ان بزرگواروں کے متعلق از خود قائم کر لئے (تفصیل کے لئے احسن الفوائد صفحہ [illegible] ملاحظہ ہو) بعض شقی و بدبخت ان کے نہ صرف صحیح فضائل و کمالات بلکہ ان کی خلافت و امامت تک کا انکار کر کے ضلالت و ہلاکت ابدی کے عمیق گڑھے میں جا گرے اور یہ دونوں قسم کے لوگ وہ تھے جنہوں نے اس انتہائی نازک و خطرناک مقام میں ان منار رشد و ہادیان دین و ایمان کی مقدس تعلیمات سے روگردانی کر کے خود اپنی ناقص عقلوں اور فاسد رایوں پر اعتماد کیا لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ ضلوا و اضلوا (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) تیسرا گروہ وہ تھا جس نے دیگر تمام عقائد و اعمال کی طرح اس مقام معرفت نبیؐ و امامؑ پر بھی انہی حجج الٰہیہ کے مقدس تعلیمات و ارشادات کو اپنے لئے خضر راہ و مشعل ہدایت بنایا اس لئے وہ ہمیشہ جادۂ اعتدال پر گامزن رہے۔ اور افراط و تفریط و غلو و تفویض کی ہلاکت خیزیوں اور وبال و نکال ہر دو کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ و مصؤن رہے (خیر الامور اوسطہا) ہے ذات احدیت کا یہ وعدہ ہے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین "جو حق و حقیقت کو تلاش کرنے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنا صحیح راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اور خدا تو یقیناً احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ بالکل یہی مضمون جناب امیر المومنینؑ کے متعلق عام لوگوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے اور پھر دو

گروہوں کے ہلاک اور تیسرے گروہ کے ناجی ہونے کے بارے میں جناب رسولِ خداؐ کا ارشاد معتبر بحار ص۲۳۵ پر موجود ہے۔

غلو و تفویض کی مذمت ارشاداتِ معصومینؑ کی روشنی میں

باوجودیکہ حکمائے اسلام یعنی آئمہ اہلبیت علیہم السلام نے لوگوں کو افراط و تفریط سے بچانے، ضلالت و غوایت کی ان تیرہ و تار وادیوں سے نکالنے اور ان کو جادۂ اعتدال پر چلانے کے متعلق کوئی امکانی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن بموجب افادات تنقلب من فی النار جنہوں نے ہلاک و برباد ہونا تھا وہ ہلاک ہو کر ہی رہے ؎ جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ائمہ اطہار کے ارشادات کے اس انبار سے بطور نمونہ مشتے از خروارے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سید الاولین والآخرین حضرت خاتم النبیینؐ اپنے حق میں افراط و غلو کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا ترفعونی فوق حقی فان اللہ تبارک و تعالیٰ اتخذنی عبداً قبل ان یتخذنی نبیاً مجھے میرے حقیقی مرتبہ و مقام سے زیادہ نہ بڑھاؤ کیونکہ خداوند عالم نے مجھے درجۂ نبوت عطا کرنے سے قبل اپنا بندۂ خاص بنایا ہے خدا کا ارشاد ہے "ما کان لبشر ان یؤتیه اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ" "کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا اُسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ سبحانہ کے سوا میرے بندے بن جاؤ" (عیون اخبار الرضا کذا فی التفسیر الصافی ص۷۹ وسابع البحار ص۲۳ باب نفی الغلو علیہم)

(۲) اسی سلسلہ میں سر اللہ فی العالمین حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں یہلک فیّ اثنان ولا ذنب لی محب مفرط و مبغض مفرط و انا ابرأ الی اللہ تبارک و تعالیٰ ممن یغلو فینا و یرفعنا فوق حدنا کبراءۃ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام من النصاریٰ الخ "میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ ایک حد سے بڑھانے والا (یعنی غالی) دوست اور دوسرا حد سے گھٹانے والا (یعنی) دشمن، میں بارگاہِ ایزدی میں ان لوگوں سے جو ہمارے متعلق غلو کرتے ہیں اور ہمیں ہماری حدود سے بڑھاتے ہیں، اسی طرح بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے نصرانیوں سے برأت ظاہر کی تھی" (عیون اخبار الرضا ص۲۴۲) یہی فرمان امام علیہ السلام نہج البلاغۃ ج ۲ ص۱۳ مطبوعہ مصر پر تھوڑے سے اختلافِ الفاظ کے ساتھ موجود ہے اس کے آخر میں ہے "وخیر الناس فیّ حالاً النمط الاوسط فالزموہ" "میرے متعلق قابلِ تعریف حالت درمیانہ روی اختیار کرنے والوں کی ہے تم اسی طریقہ کو لازم پکڑو۔"

(۳) جناب ابو خالد کابلیؒ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ یہودیوں نے جناب عزیرؑ کی محبت میں مبتلا ہو کر ان کے حق میں جو کہا سو کہا، (انہوں نے "ان کو خدا کا بیٹا کہا) حالانکہ عزیر ان سے ہیں اور نہ وہ عزیر سے ہیں اسی طرح نصرانیوں نے محبتِ عیسیٰؑ میں گرفتار ہو کر ان کے متعلق جو کچھ کہا سو کہا، انہوں نے

بھی ان کو خدا کا بیٹا کہا، نہ جناب عیسٰیؑ ان سے ہیں اور نہ وہ جناب عیسٰیؑ سے ہیں۔ ہمارا معاملہ بھی یہی ہے ان قوماً من شیعتنا سیحبونا حتی یقولوا فینا ما قالت الیہود فی عزیر وما قالت النصاریٰ فی عیسیٰ بن مریم فلاھم منا ولا نحن منھم۔ ہمارے شیعہ کہلانے والوں میں سے بھی کچھ لوگ ہمارے متعلق وہی کچھ کہیں گے جو کچھ یہودیوں نے عزیرؑ اور نصرانیوں نے عیسٰیؑ کے بارہ میں کہا تھا۔ سو وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم اُن سے ہیں (رجال کشی ص۹۹)

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ابو بصیر سے فرماتے ہیں یا ابا محمد ابرأ ممن زعم انا ارباب۔ اے ابو محمد! ان لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کرو جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم رب ہیں۔ قلت بریٔ اللہ منہ میں نے عرض کیا خدا ان سے بیزار ہو، پھر آپ نے فرمایا ابرأ ممن زعم انا انبیاء ان لوگوں سے بھی بیزاری ظاہر کرو جو ہمارے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نبی ہیں۔ میں نے عرض کیا بری اللہ منہ خدا ان سے بیزار ہو۔ (رجال کشی ص۱۹۱)

(۳) نیز انہی حضرت سے ایک حدیث کے ضمن میں مروی ہے فرمایا الویل لمن کذب علینا وان قوماً یقولون فینا مالا نقولہ فی انفسنا نبرأ الی اللہ منھم تبرأ الی اللہ منھم (رجال کشی ص۱۹۲) افسوس ہے ان لوگوں پر جو ہمارے اوپر افترا کرتے ہیں اور کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں۔ جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ ہم خدا کی بارگاہ میں ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں (دو بار فرمایا)

(۴) نیز انہی سرکارؑ سے منقول ہے فرمایا من قال انا انبیاء فعلیہ لعنۃ اللہ ومن شک فی ذلک فعلیہ لعنۃ اللہ جو شخص یہ کہے کہ ہم نبی ہیں اس پر خدا کی لعنت ہو اور جو اس میں شک کرے اس پر بھی خدا کی لعنت ہو (رجال کشی ص۱۹۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لعن اللہ من قال فینا مالا نقولہ فی انفسنا ولعن اللہ من ازالنا عن عبودیۃ اللہ الذی خلقنا والیہ مآبنا ومعادنا وبیدہ نواصینا (رجال ماما قانی ج۱ ص۲۳۶ ومشکوٰۃ ماصرور ص۲۲) "خدا اس بندے پر لعنت کرے جو ہمارے متعلق وہ بات کہے جو ہم خود اپنے متعلق نہیں کہتے اور ہمیں اس خدا کی بندگی سے ہٹائے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور پھر اُسی کی طرف ہماری بازگشت ہے اور اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہماری بست وکشاد ہے۔

(۵) مفضلؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صادق آل محمدؑ کی خدمت میں ابو الخطاب (غالی) اور بعض دوسرے غالیوں کا ذکر چھڑ گیا۔ آنجنابؑ نے فرمایا یا مفضل لا تقاعدوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تصافحوھم ولا توارثوھم (رجال کشی ص۱۹۲ کذا فی رجال ماما قانی ج۳ ص۱۹۱ ورسالہ البحار ص۳۴۲ ج۲) اے مفضل! نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ ان کے ہمراہ کھاؤ پیو۔ نہ ان کے ساتھ مصافحہ کرو۔ اور نہ ان کو وراثت میں شریک کرو۔ جناب علامہ مجلسیؒ اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قولہ لا توارثوھم ای لا تعطوھم المیراث فانھم مشرکون لا یرثون من المسلم ولا تواصلوھم بالمصاھرۃ الموجبۃ للتوارث الخ یعنی ان کو میراث

نہ دو کیونکہ یہ مشرک ہیں اس لئے مسلمان کے وارث نہیں بن سکتے۔ اور نہ ان کو رشتہ دو اور نہ ان سے لو جو توارث کا باعث ہوتا ہے (ہفتم بحار ص ۲۹۳)

(۹) حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من زعم ان اللہ عزوجل فوض امر الخلق والرزق الی حججہ فقد قال بالتفویض والقائل بالجبر کافر والقائل بالتفویض مشرک (عیون اخبار الرضا ص ۱۲۴ و احتجاج طبرسی ص ۲۲۵) جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ آئمہ علیہم السلام کے سپرد فرما دیا ہے وہ تفویض کا قائل ہے۔ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے

(۱۰) نیز بروایت حسین بن خالد انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا یا ابن خالد انما وضع الاخبار فی التشبیہ والجبر الغلاۃ الذین صغروا عظمۃ اللہ تعالیٰ فمن احبہم فقد ابغضنا ومن ابغضہم فقد احبنا ومن والاہم فقد عادانا ومن عاداہم فقد والانا ومن وصلہم فقد قطعنا ومن قطعہم فقد وصلنا ومن جفاہم فقد برنا ومن برہم فقد جفانا ومن اکرمہم فقد اھاننا ومن اھانہم فقد اکرمنا ومن قبلہم فقد ردنا ومن ردہم فقد قبلنا ومن احسن الیہم فقد اساء الینا ومن اساء الیہم فقد احسن الینا ومن صدقہم فقد کذبنا ومن کذبہم فقد صدقنا ومن اعطاہم فقد حرمنا ومن حرمہم فقد اعطانا یا ابن خالد من کان من شیعتنا فلا یتخذن منہم ولیا ولا نصیرا۔

اے فرزند خالد جبر و تشبیہ کے متعلق ہماری طرف جو اخبار منسوب ہیں یہ سب غالیوں نے گھڑی ہیں وہ غالی جو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلالت کو گھٹاتے ہیں۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے جو ان سے دوستی رکھتا ہے وہ ہم سے دشمنی رکھتا ہے جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ ہم سے دوستی رکھتا ہے۔ جو ان سے وصل کرتا ہے وہ ہم سے قطع کرتا ہے جو ان سے قطع تعلق کرتا ہے وہ ہم سے وصل کرتا ہے جو ان پر جفا کرتا ہے وہ ہم سے نیکی کرتا ہے جو ان کے ساتھ نیکی کرتا ہے وہ ہم پر جفا کرتا ہے جو ان کا اکرام و احترام کرتا ہے وہ ہماری توہین کرتا ہے اور جو ان کی توہین کرتا ہے وہ ہمارا احترام کرتا ہے جو انہیں قبول کرتا ہے وہ ہمیں رد کرتا ہے اور جو ان کو ٹھکراتا ہے وہ ہمیں قبول کرتا ہے جو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے برا سلوک کرتا ہے جو ان سے برا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے اچھا سلوک کرتا ہے جو ان کی تصدیق کرتا ہے وہ ہماری تکذیب کرتا ہے جو ان کی تکذیب کرتا ہے وہ ہماری تصدیق کرتا ہے جو ان کو دیتا ہے وہ ہمیں محروم کرتا ہے اور جو ان کو محروم کرتا ہے وہ ہمیں دیتا ہے۔
اے فرزند خالد جو شخص بھی ہمارے شیعوں میں سے ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بنائے (عیون اخبار الرضا باب ص ۹۴ کذا فی سابع البحار ص ۲۶۳)

(۱) فضیل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "احذروا على شبابكم الغلاة لا يفسدوهم فان الغلاة شر خلق الله يصغرون عظمة الله ويدعون الربوبية لعباد الله والله ان الغلاة لشر من اليهود والنصارى والمجوس والذين اشركوا" یعنی اپنے نوجوانوں کے متعلق غالیوں کی میل جول سے ڈرو۔ کہیں یہ (کمبخت) ان کے عقیدہ و عمل کو خراب نہ کردیں کیونکہ یہ غالی لوگ خدا کی تمام بُری مخلوق سے بدتر ہیں، جو خدا کی عظمت کو حقیر جانتے اور اس کے بندوں کے لئے ربوبیت کا دعوےٰ کرتے ہیں خدا کی قسم یہ غالی، یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور تمام مشرکوں سے بدتر ہیں (بحار ج، ص۲۶۵)

(۲) علی بن سالم اپنے والد (سالم) سے روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ادنى ما يخرج به الرجل من الايمان ان يجلس الى غال فيستمع حديثه ويصدقه على قوله ان ابي حدثني عن ابيه عن جده عليهم السلام ان رسول الله صلى الله عليه وآله قال صنفان من امتي لا نصيب لهما في الاسلام الغلاة والقدرية" یعنی کم از کم وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ ہے کہ کسی غالی کے پاس بیٹھے اور توجہ سے اس کی بات سن کر تصدیق کردے میرے والد ماجد نے اپنے اب وجدؑ سے مجھ تک جناب رسول خدا کی یہ حدیث پہنچائی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میری اُمت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک غالی، دوسرا قدریہ (ہفتم بحار ص۳۳۹)

(۳) ابو حمزہ ثمالی جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا یا حمزة! لا تضعوا علياً دون ما وضعه الله ولا ترفعوه فوق ما رفعه الله كفى بعلي ان يقاتل اهل الكرة ويزوج اهل الجنة اے ابو حمزہ نہ تو علی کو اس مقام و منزل سے پست کرو جس پر خدا نے ان کو فائز کیا ہے اور نہ اس حد سے ان کو بلند تر کرو جس قدر خدا نے انہیں بلند کیا ہے جناب علیؑ کی عظمت کے لئے، اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ زمانۂ رجعت میں جنگ و جدال کریں اور اہل جنت کی تزویج فرمائیں (بصائر الدرجات طبع جدید ص۴۱۵ ہفتم بحار ص۳۴۳)

(۴) ابو ہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے غلاۃ و مفوضہ کے بارے میں سوال کیا امام نے فرمایا "الغلاة كفار والمفوضة مشركون من جالسهم او خالطهم او آكلهم او شاربهم او واصلهم او زوجهم او تزوج اليهم او امنهم او ائتمنهم على امانة او صدق حديثهم او اعانهم بشطر كلمة خرج من ولاية الله عز وجل وولاية رسول الله صلى الله عليه وآله وولايتنا اهل البيت" غالی کافر اور مفوضہ مشرک ہیں۔ جو شخص ان لوگوں کے پاس بیٹھے یا ان سے میل جول رکھے یا ان کے ساتھ مل کر کھائے پئے یا ان کے ساتھ تعلقات قائم کرے یا ان کو رشتہ دے یا ان سے رشتہ لے یا ان کا امین بنے یا کسی امانت پر ان کو امین بنائے۔ یا ان کی کسی بات کی تصدیق کرے یا ان کی اعانت و امداد کرے اگرچہ ایک کلمہ کے ساتھ ہی ہو تو وہ خدا اور رسولؐ اور ہم اہل بیت کی ولایت

سے خارج ہو جاتا ہے (عیون الاخبار ج ۲ ص۲۰۳ طبع جدید سفینۃ البحار ص۲۰۳)

(۵) فضیل بن عثمان روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اتقوا اللہ وعظموا اللہ وعظموا رسوله ولا تفضلوا علی رسول اللہ احدا فان اللہ تبارک وتعالی قد فضله واحبوا اهل بیت نبیکم حبا مقتصدا ولا تغلوا ولا تفرقوا ولا تقولوا ما لا نقول فانکم ان قلتم وقلنا متم ومتنا ثم بعثکم وبعثنا فکنا حیث یشاء اللہ وکنتم " اللہ سے ڈرو اور اس کی عظمت وجلالت کا خیال رکھو۔ اسی طرح اس کے رسولؐ کی تکریم وتعظیم کرو۔ اور کسی کو بھی ان پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو سب کائنات پر فضیلت دی ہے اور اہل بیت رسولؐ سے درمیانہ قسم کی محبت کرو۔ نہ غلو کرو اور نہ ہم تفریق اور ہمارے متعلق وہ بات نہ کرو جو ہم نہیں کہتے کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا یعنی ہم نے کچھ کہا اور تم نے کچھ تو ہم بھی مر گئے اور تم بھی۔ پھر خدا ہمیں اور تمہیں مبعوث ومحشور کرے گا۔ پھر جہاں چاہے گا ہم اور تم ہوں گے یعنی تم ہم سے الگ ہو گے اور ہماری زیارت سے محروم رہو گے۔ (بحار الانوار ج ۷ ص۲۳۹)

(۶) متعدد اخبار وآثار میں مذکور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ظاہری دور خلافت میں اپنے متعلق غلو کرنے والوں کو زندہ در آتش کر دیا تھا۔ (سفینۃ البحار ص۳۴۹ منہاج البراعۃ ج ۲ ص۲۵۶)

ان اخبار معصومینؑ میں جس شد ومد کے ساتھ غلاۃ کی مذمت کی گئی ہے اور جس طرح ان کو یہودیوں اور مجوسیوں سے بدتر قرار دے کر کافر قرار دیا گیا ہے اور ائمہ طاہرینؑ نے جس انداز میں اپنے نام لیواؤں کو اس بدترین خلائق گروہ کی مجالست وہم نشینی سے سخت ممانعت فرمائی ہے وہ اب مزید کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے "آنجا کہ عیان است چہ حاجت بیان است" انہی حقائق کی بنا پر عالم ربانی شیخ عبد اللہ مامقانی نے فرمایا ہے "اجمع العلماء علی کفر الغلاۃ" غالیوں کے کفر پر تمام علماء وفقہا کا اجماع واتفاق ہے (تنقیح المقال ج ۳ ص۳۴۵) فلا غلو ولا تفریط ولا تقصیر ولا تفویض فی الاسلام وفی حب اهل البیت علیهم السلام بل امر بین الامرین کما لا یخفی علی اولی الافہام وفقنا اللہ للعمل علی تعالیم القرآن وتعالیم النبی واهل بیته علیه وعلیهم السلام

توضیح یہ معنی مخفی نہ رہے کہ ان احادیث شریفہ میں جہاں جہاں تفویض کی مذمت کی گئی ہے وہ تو مفوضہ کے ساتھ مخصوص ہے ہی لیکن جہاں جہاں غلو اور غالیوں کی شدید مذمت کی گئی ہے اس میں بھی مفوضہ شریک ہیں کیونکہ مفوضہ بھی غالیوں کی ہی ایک خاص قسم ہے جیسا کہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "والمفوضۃ صنف من الغلاۃ وقولهم الذی فارقوا به من سواهم من الغلاۃ اعترافهم بحدوث الائمۃ وخلقهم ونفی القدم عنهم واضافۃ الخلق والرزق مع ذلک الیهم ودعواهم ان اللہ سبحانه وتعالی تفرد بخلقهم خاصۃ وانه فوض الیهم خلق العالم بما فیه وجمیع الافعال۔" یعنی مفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہیں۔ ہاں جس بات میں وہ

دوسرے عام غالیوں سے جدا ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ائمہ کو حادث و مخلوق تسلیم کرتے ہیں اور ان کو قدیم نہیں سمجھتے۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ خلق و رزق کو انہی بزرگواروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ خدا نے صرف محمدؐ و آل محمدؑ کو پیدا کیا ہے پھر اس نے عالم و مافیہا کی خلقت ان حضرات کے سپرد کر دی ہے لہٰذا وہی اس کے خالق ہیں۔ شرح عقائد صدوق ص ۲۰۰، ایسا ہی افادہ جناب آقائے شیخ فضل اللہ زنجانی رحمہ اللہ نے اوائل المقالات شیخ المفیدؒ کے حاشیہ ص ۲۲ پر فرمایا ہے۔ پھر ان آیات و روایات سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے فی الجملہ کچھ حدود ہیں۔ (وہ کل مخلوق محدود ہیں) ہے اگر ان کو بڑھایا جائے تو انسان غلو و افراط میں مبتلا ہو کر ابدی ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بزرگوار بار بار یہ نہ فرماتے کہ ہمیں ہمارے حدود سے آگے نہ بڑھاؤ کیونکہ جب ان کی کوئی حد تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس سے بڑھانے یا اس بڑھانے کی ممانعت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک عظیم شبہ اور اس کا ازالہ

بعض وہ لوگ جو راسخ فی الافراط ہیں وہ تو یہاں تک کہہ دیا کرتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں سرے سے غلو ہو ہی نہیں سکتا اور وہ حقیقت ان کی مدح میں ہمارا غلو بھی قاصر ہے اور اس سلسلہ میں وہ بعض عقلی و نقلی شبہات بھی پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ عقلی شبہ کہ غلو حد سے بڑھنے یا بڑھانے کا نام ہے۔ مگر جب ہمیں ائمہ اطہارؑ کی حد ہی معلوم نہیں ہے تو پھر ان کے حق میں غلو کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور نقلی شبہ یہ کہ کئی روایات میں باختلاف الفاظ وارد ہے کہ "لا تتخذونا اربابا" یا "نزلونا عن الربوبیة وقولوا فی فضلنا ما شئتم ولن تبلغوا" "ہمیں رب نہ کہو پھر جو چاہو ہمارے حق میں بیان کرو۔ ہرگز ہماری حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے" (بصائر الدرجات و بحار الانوار وغیرہ) اگرچہ ہم احسن الفوائد میں اس شبہ کا مفصل جواب لکھ چکے ہیں تاہم مناسبت مقام کی بنا پر یہاں بھی کچھ حقائق پیش کئے جاتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ یہ شبہ چند وجوہ باطل اور درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ سب بعض جوشیلے خطابات و عقیدت کی پیداوار ہے جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے یہ کہنا کہ ہمیں ان بزرگواروں کی حدود کا بالکل کچھ بھی پتہ نہیں لہٰذا غلو نہیں ہو سکتا کس قدر بعید از حقیقت بات ہے ہمیں یقیناً ان ذوات مقدسہ کے کچھ ایسی واضح حدود و قیود کا علم ہے کہ کیا ان کو خدا کہنا یا صفات خداوندی میں شریک قرار دینا ان کے حدود سے تجاوز نہیں؟ اور کیا یہ کھلا ہوا غلو نہیں؟ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ ان کی عبادت کرنا چاہئے یا خدا ان میں حلول کرتا ہے یا یہ خدا کے اوتار ہیں یا وہ خدا کے ساتھ متحد ہیں یہ واضح تجاوز عن الحد نہیں ہے؟ نیز اگر ان کو مربوب کی بجائے رب، عابد کی بجائے معبود، مرزوق کی جگہ رازق، حادث کی جگہ قدیم، ممکن کی جگہ واجب الوجود کہا جائے تو کیا یہ کھلم کھلا غلو اور ان کے حدود عبودیت سے تجاوز نہیں؟ اتنا تو ہمارے یہ مولوی صاحبان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو بالذات خالق و رازق اور بالذات عالم الغیب کہنا غلو ہے پھر ان کا یہ کلیہ کہاں گیا کہ ان کے حق میں

تو ممکن ہی نہیں ہے جس طرح خدا کے کچھ صفات ثبوتیہ (جو اس کی شان کے لائق ہیں) اور کچھ صفات سلبیہ (جو اس کی شان اقدس کے لائق نہیں) ہیں۔ ان کے متعلق اس کی معرفت لازم ہے گو اپنی جگہ پر بھی وہ ... محدود و محاط نہیں ہو جاتا۔ بلا تشبیہ ائمہ علیہم السلام کے بھی کچھ ایجابی و سلبی صفات ہیں جن کے مطابق ان کو ماننا واجب ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پھر بھی من کل الوجوہ محدود اور ہماری عقل میں نہیں سما جاتے۔ بنابریں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کو رب کہا جائے اور نہ ان کو ان صفات کا حامل قرار دیا جائے جو عہدہ و خلیفہ ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں اور نہ ان کی نبوت و رسالت کا ادعا کیا جائے۔ تو پھر وہ تمام علم صفات و کمالات علمیہ و عملیہ اور فضائل و فواضل نفسانیہ و روحانیہ جو کسی بھی مخلوق میں پائے جا سکتے ہیں وہ تمام کے تمام ان ذوات مقدسہ میں بدرجۂ اتم و اکمل موجود ہیں اور ان کی شان اور ان کا مقام فی الواقع اس قدر اجل و ارفع ہے کہ عام انسانی طائر عقل و خیال ان کی بلندی کو چھو بھی نہیں سکتا (لا یرقی الی لطیفہ و منیف رتبتہم نبی مرسل ...) ورنہ ہی عام انسان ان کے محامد و مناقب کا احصاء و احاطہ کر سکتا ہے (لو کانت الریاض اقلاماً و البحار مداداً والانس کتاباً و الجن حساباً لما احصوا فضائل علی بن ابی طالب علیہ السلام وغیرہ) اور نہ ہی انسانی فہم و فراست ان کی عظمت و جلالت کا صحیح اندازہ کر سکتی ہے (الامام من حیث النجم من ایدی المتناولین۔ اصول کافی)۔

صفات ربوبی کون سی ہیں؟

اب صرف اس بات کی تحقیق باقی رہ گئی کہ رب کے شرعاً معنی کیا ہیں؟ اور وہ کون سی صفات ہیں جو عہدۂ ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں؟ جو کچھ ارشادات معصومینؑ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے رب اس ذات کو کہا جاتا ہے جو خالق و رازق و مالک دو جہان اور ساری کائنات کا ناظم و مدبر امور ہے چنانچہ تفسیر صافی (ص ۳) پر حضرت امیر المومنینؑ سے اس کے یہ معنی مذکور ہیں "مالکھم و خالقھم و سائق ارزاقھم الیھم من حیث یعلمون و من حیث لا یعلمون یقلب الحیوانات فی قدرتہ و یغذوھا من رزقہ و یحوطھا بکنفہ و یدبر کلاً منھا بمصلحتہ و یمسک الجمادات بقدرتہ و یمسک ما اتصل منھا من التھافت و المتھافت عن التلاصق و السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ و الارض ان ینخسف الا بامرہ" یعنی ہر مخلوق کا مالک اور خالق اور وہاں سے ان تک ان کا رزق پہنچانے والا ہے جہاں سے ان کو گمان ہو یا نہ ہو وہ تمام حیوانات کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ الٹتا پلٹتا ہے اور اپنے رزق سے ان کی غذا کا بندوبست کرتا ہے اور اپنی حفاظت سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اپنی صوابدید کے مطابق ہر ایک کی تدبیر کرتا ہے جمادات کو اپنی قدرت مطلقہ کے ساتھ روکے رکھتا ہے وہ ان (جمادات) میں سے جو متصل ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتا اور جو منفصل و جدا ہیں ان کو باہم متصل نہیں ہونے دیتا اور آسمان کو گرنے اور زمین کو پانی میں دھنسنے سے بچاتا ہے۔ (دمعۂ ساکبہ ص ۴۹ مختصر اصل الشرائع ص ۴ کذا فی عیون الاخبار ص ۸۵ وحدیقۂ سلطانیہ ج ۲ ص ۱۸ وغیرہ)

بنا بریں نزلونا عن الربوبیۃ ہمیں درجہ ربوبیت سے نیچے رکھو، یا لا تتخذونا اربابا ہمیں رب نہ بناؤ کا کوئی صاحب عقل و دانش انسان یہ مطلب ہرگز نہیں لے سکتا کہ ان پر صرف لفظ "رب" کا اطلاق ممنوع ہے، جو کہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہر تربیت کنندہ پر بولا جا سکتا ہے جس کا سہارا لے کر اور اس کے شرعی مفہوم سے آنکھیں بند کر کے بعض حضرات نے عجیب گل کھلائے ہیں فتدبر، باقی جو چاہے صفات ربوبیت ان میں تسلیم کر لی جائیں۔ یا خود ساختہ اور من گھڑت فضائل ان کی طرف منسوب کر دیے جائیں حاشا وکلا۔ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تمام صفات جو عہدۂ ربوبیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جن کا ایک شمہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے ان تمام صفات کا ان حضرات میں قائل ہونا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی المام باسالیب الکلام ولا سیما بکلام الائمۃ علیہم السلام الذی ہو امام الکلام۔

ذیل میں اس بیان کردہ صاف و صریح مفہوم و معنی کی تائید بعض علماء اعلام کے کلام حق ترجمان سے کی جاتی ہے تاکہ یہ مطلب بالکل آشکار اور بے غبار ہو جائے۔

کن کن صورتوں میں غلو لازم آتا ہے؟

ماہر کار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نبی و امام کے حق میں غلو کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بحار الانوار ج ۲۵ ص ۳۴۶ طبع تبریز میں رقمطراز ہیں۔ اعلم ان الغلو فی النبی والائمۃ علیہم الصلوٰۃ والسلام انما یکون بالقول بالوہیتہم او بکونہم شرکاء للہ تعالیٰ فی المعبودیۃ او فی الخلق والرزق او ان اللہ تعالیٰ حل فیہم او اتحد بہم او انہم یعلمون الغیب بغیر وحی او الہام من اللہ تعالیٰ او بالقول فی الائمۃ علیہم السلام انہم کانوا انبیاء او بتناسخ ارواح بعضہم الی بعض، او القول بان معرفتہم تغنی عن جمیع الطاعات ولا تکلیف معہا بترک المعاصی والقول بکل منہا الحاد وکفر وخروج عن الدین کما دلت علیہ الادلۃ العقلیۃ والایات والاخبار السالفۃ وغیرہا وقد عرفت ان الائمۃ علیہم السلام تبرؤا منہم وحکموا بکفرہم وامروا بقتلہم وان قرع سمعک شئ من الاخبار الموہمۃ لشئ من ذلک فہی اما مأولۃ او ہی من مفتریات الغلاۃ ولکن افرط بعض المتکلمین والمحدثین فی الغلو لقصورہم من معرفۃ الائمۃ علیہم السلام وعجزہم عن ادراک غرائب احوالہم وعجائب شؤنہم فقدحوا فی کثیر من الرواۃ الثقات لنقلہم بعض غرائب المعجزات حتی قال بعضہم من الغلو نفی السہو عنہم، والقول بانہم یعلمون ما کان و ما یکون وغیر ذلک مع انہ قد ورد فی اخبار کثیرۃ لا تقولوا فینا ربا وقولوا ما شئتم ولن تبلغوا وورد ان امرنا صعب مستصعب لا یحملہ الا ملک مقرب او نبی مرسل او عبد مؤمن امتحن اللہ

قلبه للایمان وورد لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتله وغیر ذلک مما مر وسیأتی فلا بد للمؤمن المتدین ان لا یبادر برد ما ورد عنهم من فضائلهم ومعجزاتهم ومعالی امورهم الا اذا ثبت خلافه بضرورة الدین او بقواطع البراهین او بالآیات المحکمة او بالاخبار المتواترة کما مر فی باب التسلیم وغیره

"جاننا چاہئے کہ نبی و امام علیہم السلام میں کئی طرح غلو متصور ہو سکتا ہے (۱) ان کو خدا قرار دیا جائے (۲) یا معبود، (۳) خالق و رازق ہونے میں ان کو خدا کا شریک قرار دیا جائے۔ (۴) یا یہ کہا جائے کہ خدا نے ان کے اندر حلول کیا ہوا ہے اور یہ خدا کے اوتار ہیں۔ (۵) یا خدا ان کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ (۶) یا یہ نظریہ قائم کیا جائے کہ وہ وحی والہام کے بغیر خود بخود علم غیب جانتے ہیں (۷) یا ان کو انبیاء تسلیم کیا جائے (۸) یا یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان کی روحیں یک دوسر میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ (۹) یا یہ کہ ان کی معرفت تمام عبادات الٰہیہ سے بے نیاز کر دیتی ہے (۱۰) اور جب ان کی معرفت حاصل ہو جائے تو گناہ ترک کرنے کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن بعض متکلمین و محدثین نے معرفت ائمہ اور ان کے غرائب احوال و عجائب شئوں سے قاصر و عاجز ہونے کی وجہ سے غلو کے معاملہ میں افراط سے کام لیا ہے چنانچہ انہوں نے بہت ثقہ راویوں پر صرف اس لئے قدح کی کہ انہوں نے ان بزرگواروں کے بعض عجیب معجزات نقل کر دیئے تھے بعض علمائے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ان حضرات سے سہو کی نفی کرنا یا ان کو ماکان و مایکون کا عالم ماننا بھی غلو میں داخل ہے۔ حالانکہ بہت سے اخبار میں وارد ہے کہ ہمیں رب نہ کہو اور جو چاہو کہو۔ ہرگز ہماری گہرائی تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی وارد ہے کہ ہمارا معاملہ بڑا سخت مشکل ہے اسے صرف کوئی نبی مرسل، ملک مقرب یا بندۂ مومن برداشت کر سکتا ہے جس کے ایمان کا خدائے رحمن نے امتحان لے لیا ہو۔ نیز وارد ہے کہ اگر ابوذرؓ کو علم ہو جائے کہ قلب سلمانؓ میں کیا ہے تو وہ اسے قتل کر دے۔ الی غیر ذلک۔ اس لئے ایک مومن متدین کے لئے لازم ہے کہ ان فضائل و معجزات کے متعلق جو روایات وارد ہیں۔ ان کے انکار کرنے میں عجلت سے کام نہ لے جب تک ان کا خلاف حق ہونا ضرورت دین، قطعی یقینی، آیات محکمہ اور روایات متواترہ سے ثابت نہ ہو جائے جیسا کہ باب التسلیم وغیرہ میں گزر چکا ہے۔"

(۱) سید العلماء حضرت علامہ سید حسین ابن سرکار غفران مآب لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ۵۰ مبحث امامت ص۱۹۹ پر سرکار علامہ مجلسی قدس سرہ القدسی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "قول تفصیل ایں مرام بہ تحقیق ایں مقام آنست کہ غلو ہمیں منحصر نیست در آنچہ ذکر فرمودہ بلکہ اثبات سائر صفات مختصہ حضرت باری جلت عظمتہ از قدم و ازلیت و تجرد و نفی مکانیت و زمانیت و اثبات نبوت و رسالت و ہرچہ مخالف ضرورت دین و تو طبع بر یں ست برائے حضرات معصومین علیہم غلو و کفر است و اثبات مدارج رفیعہ و مراتب منیعہ کہ بایں حدود نرسد با دلۂ قطعیہ و احادیث متواترہ برائے حضرات از قبیل معجزات و خوارق عادات ثابت باشد عین ایمان و واجب الاذعان و آنچہ

از احادیث فضائل موضوع ومخالف اصول قطعیہ منقول ومشروع باشد انکار آں واجب ولازم است وآنچہ از فضائل باخبار احاد ماثور باشد ومخالف ضروریات وقطعیات نباشد آں را بمحض استبعاد رد نمی تواں کرد ونہ بالجزم والیقین اعتقاد بآں تواں کرد بلکہ علم آں را بحوالہ بحضرات وذوات طیبات باید نمود واستنکاف از آں نتواں فرمود۔ تخلیص میں کہتا ہوں کہ اس مقام کی تفصیل مع تحقیق یہ ہے کہ غلو ممنوع صرف انہی صورتوں میں منحصر نہیں جن کا تذکرہ سرکار علامہ نے فرمایا ہے بلکہ وہ تمام صفات جو ذات اقدس الہی کے ساتھ خاص ہیں جیسے قدیم وازلی ہونا اور جسم وجسمانیات سے مجرد اور زمان ومکان سے منزہ ہونا ان صفات کا ان کی ذوات مقدسہ میں تسلیم کرنا اسی طرح ان کو نبی و رسول ماننا اور ہر اس چیز کا ان حضرات کے متعلق قائل ہونا جو ضرورت دین اور قطعی براہین کے خلاف ہے یہ سب غلو اور کفر ہے ہاں ان کے مدارج رفیعہ ومراتب عالیہ از قسم معجزات وخوارق عادات جو دلائل قاطعہ واحادیث متواترہ سے ثابت ہیں ان کا قائل ہونا عین ایمان اور واجب الاذعان ہے البتہ وہ فضائل جو وضعی اور مخالف اصول شرعیہ اخبار وآثار کے ذریعہ منقول ہوں ان کا رد کرنا واجب ولازم ہے اور وہ فضائل جو اخبار احاد کے ذریعہ منقول ہوں اور ضروریات دین وقطعیات شرع قویم کے مخالف بھی ہوں ان کو نہ تو محض عقلی استبعاد کی بنا پر مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان پر بالیقین اعتقاد رکھا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان کے حقیقی علم کو ان ہی ذوات مقدسہ کے سپرد کرنا چاہیے اور انکار نہ کرنا چاہیے۔[۱]

(۲) محدث خبیر مولانا ابو الحسن الشریف مرآۃ الانوار میں غلو کے متعلق مباحث طویلہ لکھنے کے بعد آخر میں ص۴۵ پر بطور خلاصہ لکھتے ہیں " وبالجملہ مناط الحکم بالافراط والدخول فی الغلو ادعاء الربوبیۃ لغیر الرب وادعاء النبوۃ لغیر النبی او ادعاء الامامۃ لغیر الامام کما ھو صریح حدیث الحسن بن الجھم المذکور فی عیون الاخبار ج ۲ ص ۲ عن الرضا علیہ السلام حیث قال بعد ان ذکر کفر الغلاۃ وبرائتہ منہ فمن ادعی للائمۃ نبوۃ او لغیر الائمۃ امامۃ فنحن منہ براء فی الدنیا والآخرۃ وعلی ھذا یدخل المخالفون ایضاً فی الغلاۃ ، الی ان قال ، وتامل فیما ذکرنا صادقاً حتی تعرف ان الحق الذی علیہ محققوا اصحابنا المحققین من المتقدمین والمتاخرین فی غیر ھذین الصنفین الافراط والتفریط بل ھو ان رب العالمین وخالق الخلائق ورازقھم اجمعین ھو اللہ وحدہ لا نبی

---

[۱] جناب آقا محسن مرحوم نے صراط الحق ج ۲ ص۲۴۲ پر بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ ہم بغرض افادہ اسے من وعن یہاں درج کرتے ہیں۔ اور صاحب تبصرہ اور صاحب صراط الحق نے جو افادہ فرمایا ہے اس موضوع پر ہماری تحقیق بھی یہی ہے اور اگر تعصب وعناد کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو کسی حق نما حق پسند کو اس میں شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ (رسالہ ص۲۳)

القادر الذی لا شریک له ولا شبیه وان رسوله محمداً والائمة الاثنا عشر من ولده عبید الله
مخلوقون مربوبون کسائر الخلق مکلّفون بلوازم العبودیة من فعل الطاعات وترک المناهی بلا
احتمال النبوة فی الائمة ولا مدخلیة لهم ولا للنبی فیما هو من علائق الالوهیة وخصائص العبودیة۔

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ افراط و غلو کا دارومدار اس امر پر ہے کہ غیر رب کی ربوبیت، غیر نبی کی نبوت یا غیر امام کی امامت کا دعویٰ کیا جائے۔ جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کے ارشاد سے واضح ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص انبیاء کی ربوبیت یا ائمہ کی نبوت یا غیر امام کی امامت کا ادعا کرے ہم اس سے دنیا و آخرت میں بری و بیزار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفوضہ بھی غالیوں میں داخل ......

درمیانہ راستہ

ہمارے مذکورہ بالا مطالب میں غور و تامل کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ عقیدۂ حقہ جس کے ہمارے تمام علماء محققین متقدمین و متاخرین قائل ہیں وہ ان ہر دو افراط و تفریط والے نظریوں کے برخلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ عالمین کا پالنے والا اور ساری کائنات کا خالق و رازق خداوند قادر و قدیم ہی ہے جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ دوسری مخلوق کی مانند خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ اور عبودیت و بندگی کے لوازم از قسم بجا آوری طاعات و ترک معاصی و مناہی پر کاربند ہیں۔ نہ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال ہے اور نہ سرکار محمد و آل محمد علیہ وعلیہم السلام کو ان چیزوں میں کوئی دخل ہے جن کا تعلق شانِ الوہیت اور خصائص ربوبیت سے ہے (انتہی کلامہ) بعد ازاں جو بات اطولیہ ہیں جسے بوجہ خوف طوالت درج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بزرگوار پہلی مخلوق اور علت غائی ممکنات اور علم و عمل میں تمام کائنات کے سید و سردار ہیں اور اپنے خصوصی مدارج و مراتب اور مدائح و مناقب کی بنا پر مخلوق خدا میں ان کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اور یہ بزرگوار ہمارے دینی و دنیوی راہنما اور بادشاہ ہیں۔ خدا اس محدث جلیل کا بھلا کرے جس نے ائمہ اطہارؑ کے اس قدر ظاہری و باطنی فضائل و کمالات اپنی کتاب "مرآۃ الانوار" میں جمع کئے ہیں کہ ان سے زیادہ تو کیا شاید ان کے برابر بھی کسی اور عالم نے جمع کئے ہوں۔ ولا ینبئک مثل خبیر۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ — **روایت فضائل کے رد و قبول کا معیار** — سر دست جناب موصوف تحریر فرماتے ہیں "اقول کل ما ورد من اوصاف النبیؐ والائمة بطریق صحیح معتمد ولم یکن له معارض من العقل والنقل نأخذ به ونلتزم به فانهم قوم معصومون وقولهم حجة کما تقدم واما اذا لم یثبت کذلک فان کان مخالفاً للعقل او النقل فلا نقول به بل نعتقد عدمه ان لم یکن

(باقی ص۳۴ پر)

(۴) مولانا سید محمد سبطین صاحب سرسوی نے مقدمہ [illegible] متعلق غلو کی تحقیق کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں غلو لازم آتا ہے اور نبی اور امام [illegible] ہیں۔ یہ ان کی ربوبیت کے قائل ہوں معبودیت میں ان کو شریک گردانیں اور خلق اور رزق میں ان کو خدا کا شریک [illegible] کہ جس طرح خدا خلق کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں، اور جس طرح خدا رزق دیتا ہے یہ بھی اپنی مخلوق کو رزق دیتے ہیں [illegible] اور یہ خدا کے اوتار ہیں یا انسانی صورت میں خدا ہیں۔ (جس طرح ہندو اپنے اوتاروں کے قائل ہیں) یا کہیں یہ خدا کی ذات سے متحد ہیں [illegible] اور خدا ایک ہی ہیں (جس طرح عیسائی خدا، روح القدس اور عیسیٰ کو متحد الذات مانتے ہیں اور تینوں کو ایک کہتے ہیں) یا کہیں وہ خود بالذات عالم الغیب ہیں بغیر خدا کے الہام و وحی کے خود بخود سب کو جانتے ہیں یا ائمہ طاہرین کو [illegible] کے قائل ہوں [illegible] کی ارواح ایک ہی ہیں تناسخ کے طور پر منتقل ہوتی رہتی ہیں [illegible] مختلف [illegible] میں [illegible] رہتی ہیں یا یہ کہیں کہ دنیا میں بس ان کی معرفت کافی ہے خدائی عبادات و اطاعت کی [illegible] ہے [illegible] گناہوں کے ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تمام باتیں کفر و الحاد و شرک و غلو میں [illegible] اسلام سے خارج [illegible] ائمہ ان ہی عقائد سے بیزار تھے اور ان کے [illegible] تھے۔

ان حضرات کی یہ فرمائشات آویزۂ گوش بنانے کے قابل ہیں ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست‌تر دارند
جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

نزلونا عن الربوبیة کا صحیح مفہوم

[illegible] تمسک [illegible] حدیث نزلونا عن الربوبیة [illegible] لا تبلغوا [illegible] روایت تفسیر [illegible]

[illegible] ولا [illegible] ما سوی اللہ [illegible] عربیة [illegible] وقولوا ما شئتم [illegible] امورا [illegible] من القول الباطل۔

یہیں [illegible] ہوں کہ پیغمبر اسلام [illegible] ائمہ علیہم السلام [illegible] صحیح طریقہ سے مروی ہیں۔

[illegible] علیہ السلام وارد است پس نسبت علی و ورق بآں حضرت منافی [illegible]
[illegible] عموم است [illegible]
تخصیص [illegible] عموم [illegible] لا الٰہ الا [illegible] سلامیہ [illegible]
[illegible] عموم این روایت [illegible] محصنة والحال انہ یجب [illegible]
[illegible] مخصصة [illegible]
[illegible]
[illegible] روایت [illegible]
[illegible] اعتقاد [illegible] بالک وخالق

[illegible] کوئی عقلی یا [illegible]
[illegible] زیادہ عقلی یا شرعی
[illegible] کسی مسلّمہ اصول [illegible] کے خلاف [illegible]
[illegible] اور اگر [illegible] منقول [illegible] یا صرف عقلی [illegible]
[illegible] عصمت کے ساتھ [illegible] صورت میں [illegible]
دلیل قطعی [illegible] رسول [illegible] کائنات سے افضل واشرف
[illegible] وارد ہے کہ [illegible]
[illegible] مقام کے ذیل [illegible] انسان کے
[illegible] تمام فضائل و کمالات ان کی طرف منسوب [illegible] ثابت
[illegible] حرام میں ——— داخل ہے [illegible] حسین
[illegible] فرمایا ہے [illegible] عصمت حضرات [illegible] "بلا دلیل
[illegible] کوئی فضیلت [illegible] عصمت [illegible] جائز نہیں ہے (حدیقہ سلطانیہ ج۱ ص۳)
یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم وماذا بعد الحق الا الضلال (سچ فرمایا)

[illegible] ضعیف السند [illegible] جناب آقائے [illegible] کتاب [illegible] کے حاشیہ پر [illegible]
[illegible] کرتے ہوئے لکھتے ہیں [illegible] روایات مختلف الفاظها علی ما [illegible] علیها [illegible] لکن
ضعیف سند فلاحظها فی [illegible] من المجلد السابع من البحار [illegible]

اور رزق ہے جیسا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی طرف منسوب تفسیر میں مذکور ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی طرف خلق کرنے اور رزق دینے کی نسبت دینا ان کو مرتبۂ ربوبیت سے نیچے رکھنے کے منافی ہے۔

ثالثاً مذکورہ بالا جوابات سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو بھی یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عموم "ردّوا ما شئتم" کے ساتھ تمسک ہے اور یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ کوئی بھی عموم ایسا نہیں جو تخصیص خوردہ نہ ہو الا ما شذ و ندر۔ لہٰذا جس طرح من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ (جو بھی کلمہ توحید پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا) کا عموم تمام اسلامی فرقوں کی نجات کی دلیل نہیں بن سکتا۔ بالکل اسی طرح اس روایت "ردّوا ما شئتم" کا عموم بھی دلیل نہیں بن سکتا۔ (کہ ان کو خالق و رازق تسلیم کیا جائے) علاوہ بریں اگر اس عموم کو تخصیص خوردہ تسلیم نہ کریں حالانکہ ان بزرگواروں کو ان تمام صفات سے منزہ ماننا واجب ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہیں جیسے قدیم ہونا۔ اسی طرح ان کو درجۂ نبوت سے بھی منزہ ماننا لازم ہے پس بنا بریں حقائق "قولوا فینا ما شئتم" کے عموم سے مراد یہ ہوگی کہ ہر وہ مدح و ثنا جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو وہ جائز ہے نہ یہ کہ ہر وہ بات جو غلط یا صحیح ہو اپنے دل سے تراش کر کے ان کی طرف منسوب کرنا درست ہو۔ (معاذ اللہ) یا ایہا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور۔

لو علم ابوذرؓ ما فی قلب سلمانؓ کے صحیح مفہوم کا بیان

آج ہو رہا ہے برعکس نہند
نام زنگی کافور ہو رہا ہے

عجیب بات ہے ہر جاہل عبقری اور ہر جاہل علم و عرفان کا عارف نظر آتا ہے جس جاہل و احمق کو دیکھو مقداد و ابوذر بنتے بنتے بلکہ سلمانؓ بننے کا مدعی نظر آتا ہے۔ ع

وکل یدعی وصلاً بلیلیٰ ۔ ولیلیٰ لا تقر لہم بذاکا

چنانچہ اس سلسلہ میں بعض لوگ "لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہ" سے تمسک کرتے ہوئے دوسروں کو معرفت اہل بیتؑ

(بقیہ حاشیہ ص ٣٥) ولو کانت صحیحۃ سنداً لما قلت بوقتها الیہ کما لا یخفی ولا یحسن بہا فاضل یرتضی بہا ولعل بمقتضاہ۔ یعنی جہاں تک میں نے تتبع کیا ہے اس مضمون کی مختلف عبارات کے ساتھ چار روایتیں ملی ہیں۔ جیسا کہ بحار جلد ۲۵ کے ص ۲۷۳ و ص ۲۸۳ و ص ۲۸۹ اور ص ۲۹۵ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور یہ سب کی سب ضعیف السند ہیں۔ اور اگر بالفرض صحیح السند بھی ہوتیں تب بھی میں ان کے مطابق عقیدہ نہ رکھتا۔ جو اخبار احاد ہوتے ہیں اور ... کسی عمل سے ... متعلق ... ہے۔ ... کو پسند کرے گا اور ان کے مطابق عقیدہ رکھے گا ... قابل ہوگا۔ منہ عفی عنہ

سے عاری اور اپنی معرفت کاملہ کا دعویدار دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہ سوچنے کی بھی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ آخر اس مجمل و متشابہ خبر واحد کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ ملا سوچے سمجھے "ہر کس بقدر فہمش فہمیدہ مدعا را" اپنے دعوے باطل پر استشہاد کرتا ہے۔ صوفی کہتا ہے کہ اس سے مراد وحدۃ الوجود کی منزل ہے۔ غالی کہتا ہے اس سے مراد علیؑ کی الوہیت ہے۔ قائل تفویض یہ کہتا ہے کہ اس سے مقصود اہل بیتؑ کا خالق و رازق ہونا ہے اور کوئی اس سے معرفت کے درجات مراد لیتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ لہٰذا اگر ایسی مجمل حدیثوں کے ساتھ تمسک کرنا درست ہو تو پھر تو ہر باطل فرقہ سے اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دے گا۔ اس کے نظریہ کے بطلان پر کیا دلیل ہے؟ ع

ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے

آئیے ذرا اصول درایۃ الحدیث کے میزان پر جانچ کر اس کا جائزہ لیں کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں اس سے استدلال کرنا کہاں تک درست ہے؟ سو واضح رہے کہ

اولاً یہ روایت خبر واحد ہے اور سابقہ اوراق میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اصول اعتقاد میں خبر واحد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ثانیاً یہ بھی ضعیف السند ہے (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳؎ ملاحظہ ہو) بعد ازیں کس طرح اس پر استدلال کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے؟ ثالثاً یہ خبر مجمل و متشابہ ہے علماء اعلام اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں حیران و سرگرداں نظر آتے ہیں۔

اختلاف آراء کا نمونہ

(۱) چنانچہ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب امالی (ص   طبع ایران) میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے جناب ابوذرؓ و سلمانؓ کی باہمی خالص محبت و   اخوت مراد ہے وہ فرماتے ہیں کہ قتلہ میں ضمیر مرفوع مستتر ہے جس کا مرجع علم اور ضمیر منصوب کا مرجع ابوذرؓ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ابوذرؓ کو معلوم ہو جائے کہ جناب سلمانؓ کے دل میں ان کے متعلق کس قدر اخوت و محبت کے والہانہ جذبات کا دریا موجزن ہے تو یہ انکشاف ابوذرؓ کو از فرط مسرت قتل کر دے" غرضیکہ خوشی باعث مرگ بن جائے ع

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

(۲) حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳؎ پر اس کے متعلق لکھتے ہیں: ای من مراتب معرفۃ اللہ ومعرفۃ النبی والائمۃ صلوات اللہ علیہم وغیرہا مما ذکرنا سابقاً فلو کان اظہر سلمانؓ لہ شیئاً من ذلک کان لا یحتملہ ویحملہ علی الکذب والارتداد او العلوم والاعمال الغریبۃ التی لو اظہرہا لہ لحملہا علی السحر فقتلہ او کان یفشیہ فیصیر سبباً لقتل سلمانؓ وقیل الضمیر المرفوع راجع الی العلم والمنصوب الی ابی ذرؓ ای لقتل ذلک العلم ابا ذر ای کان لا یحتملہ عقلہ فیکفر بذلک او المعنیٰ لو القی الیہ تلک الاسرار وہو یکتمہا لمات من شدۃ الصبر علیہا او لا یحتمل غیرہ وصیانتہ فیظہرہا للناس

فیقتلونہ الخ یعنی اس سے مراد خود رسولؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کی معرفت کے مراتب ہیں [illegible] جیسا کہ ہم سابقاً
بیان کر چکے ہیں۔ اگر جناب سلمانؓ ان کو ابوذرؓ کے سامنے ظاہر کر دیتے تو وہ ان کو برداشت نہ کر سکتے [illegible]
جھوٹ اور کفر پر محمول کرتے یا اس سے جناب سلمانؓ کے علوم اور اعمال عجیبہ و کرامات مراد ہیں۔ جناب سلمانؓ
ان کا اظہار کر دیتے تو جناب ابوذرؓ ان کو سحر و جادو پر محمول کر کے جناب سلمانؓ کو قتل کر دیتے یا ان رازہائے سربستہ
کا افشا کر دیتے جو قتل سلمانؓ کا موجب بن جاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضمیر [illegible]
ابوذرؓ ہیں مطلب یہ ہے کہ ابوذرؓ کی عقل اس علم کی متحمل نہ ہو سکتی [illegible] وقتی ہلاکت
بن جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ اسرار ابوذرؓ کو بتا کر ان کے چھپانے کا ان کو حکم دیا جاتا تو وہ [illegible]
جاتے یا لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے اور لوگ ان کو قتل کر دیتے الخ

(۲) فاضل متکلم مولانا سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ۱ ص [illegible] پر اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
"مخفی نماند کہ در تفسیر مجملات و متشابہات جسارت لائق نیست و جزم بیکے از معانی محتملہ [illegible]
کہ حضرات قائل آں کلمات [illegible] خود اندو اعتراف بعدم علم [illegible] مقامات [illegible]
...... و ما رسبیل تجویز احتمالات جہت ابطال استدلال [illegible] [illegible]
حدیث بسبب احتمال چندیں احتمال [illegible] داشتہ باشد۔ [illegible]
نباشد معنی حدیث ایں چنیں باشد کہ [illegible] ابوذر بر کمالات و منازلات سلمانؓ مطلع [illegible]
[illegible] دنیا بین مستقل بحسد و عناد و منجر بقتل و فساد می گردید۔ [illegible] یا ابوذرؓ سلمانؓ [illegible] مقامات
و کرامات ایشان [illegible] گمان میکرد [illegible] و حمل لائق نیست سلمانؓ [illegible] مراتب
جلیلہ جائز نیست پس ممتنع است [illegible] ساحر [illegible] است ..... و بعد از
چند احتمال فرمودہ و فی ہذا لمجبر آخر ترکنا ہا مخافۃ التطویل" یعنی مخفی نہ رہے کہ مجملات و متشابہات کی تفسیر میں جسارت
کرنا درست نہیں ہے اور ان کے ان معنوں میں سے جن کا احتمال موجود ہو [illegible] کسی ایک معنی [illegible] صحیح
ہی کیوں نہ ہو جزم و یقین کر لینا درست نہیں ہے کیونکہ کہنے والے بزرگوار [illegible] جانتے ہیں [illegible]
مقامات پر اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لینا محض سینہ زوری سے کام ہے [illegible] رہا ہے
... ہم بطور احتمال چند معنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ مخالف [illegible] کا بطلان [illegible] صحیح و
عیاں ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب اس حدیث میں چند احتمال موجود ہیں تو تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ تمہارے بیان کردہ غلط
معنی ہی مراد ہیں۔ یہ کیوں جائز نہیں کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اگر جناب ابوذرؓ جناب سلمانؓ کے علمی و عملی حالات

و مقامات پر مطلع ہو جائیں۔ تو ان کی دوستی دشمنی اور ان کی مودت نفرت و عناد سے تبدیل ہو کر قتل و سفاکی تک منجر ہو جائے۔ ... یا یہ ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ جس قدر جناب سلمانؓ کو محمد و آل محمد علیہم السلام کے مقامات و کرامات کا علم تھا اگر اس کا اندازہ ابوذرؓ کو ہو جاتا تو وہ یہ سمجھتے کہ اس قدر بلند درجہ معرفت کا حصول نبی یا وصی کے علاوہ کسی اور شخص کے لئے ممکن نہیں اور چونکہ سلمانؓ نبی و وصی تو ہے نہیں لہٰذا ابوذرؓ یہی خیال کرتے کہ وہ تصنع و تکلف اور سحر و ساحری سے یہ باتیں ظاہر کر رہے ہیں اور ساحر کا قتل جائز ہے۔

اس روایت میں اور بھی چند احتمال ہیں جنہیں بوجہ خوف طوالت ہم نے نظر انداز کر دیا ہے

مراتب ایمانی میں اختلاف

جہاں تک ہماری ناقص تحقیق کا تعلق ہے اس کے مطابق مذکورہ بالا تمام احتمالات میں سے قوی ترین احتمال یہ ہے کیونکہ تحقیق تو اسی بنا پر کہ ایمان زیادت و نقصان ... ثابت ہو ... دوسری تمام چیزوں کی طرح ایمان کے مراتب میں بھی اختلاف و تفاوت کا سلسلہ برابر جاری و ساری ہے۔ ... یہ حدیث مراتب ایمانی کے اختلاف پر محمول ہے ... کیونکہ ... محمد و آل محمد علیہم السلام کے بکثرت ارشادات سے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ایمان کے دس درجے و مراتب ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا

یا عبد العزیز ان الایمان عشرة درجات بمنزلة السلم یصعد منه مرقاة بعد مرقاة فلا یقولن صاحب الواحد لصاحب الاثنین لست علی شیء ولا یقولن صاحب الاثنین لصاحب الثالث لست علی شیء حتی ینتهی الی العاشر ... ولا تسقط من هو دونک فیسقطک من هو فوقک واذا رأیت من هو اسفل منک بدرجة فارفعه الیک برفق ولا تحملن علیه ما لا یطیق فتکسره فان من کسر مؤمنا فعلیه جبره ...

اے عبد العزیز! ایمان کے دس درجے ہیں جیسے سیڑھی کے ذریعہ انسان یکے بعد دیگرے اوپر چڑھتا ہے پہلے درجے والا مومن دوسرے درجے والے مومن کو ہرگز یہ نہ کہے کہ تو مومن نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے درجے والا تیسرے درجے والے سے ... یہاں تک کہ دسویں مرتبہ تک پہنچ جائے۔ پھر فرمایا سلمان دسویں درجہ پر اور ابوذرؓ نویں پر اور مقداد آٹھویں درجہ پر فائز ہے۔ اسی طرح تمہیں یہ حق بھی نہیں کہ تم اپنے سے پست درجے کے مومن کو ... ساقط کرو ورنہ جو مومن تم سے بلند رتبہ پر ہے وہ تمہیں (درجۂ ایمانی سے) گرا دے گا جب بھی اپنے سے پست درجہ والے مومن کو دیکھو تو نرمی سے اسے اپنے مقام کی طرف لے آؤ۔ اور اس پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ اسے برداشت نہ کر سکے اور ٹوٹ جائے۔ کیونکہ جو شخص کسی بندۂ مومن کو توڑتا ہے۔ اس کا جوڑنا بھی اس پر لازم ہے (اصول کافی ... باب درجات الایمان ...)

معرفت کا کم ترین درجہ

معرفت پروردگار کے متعلق ادنیٰ ترین درجہ معرفت یہ ہے کہ اس ذات جمیع ... جمیع صفات کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے۔ الاقرار بانہ لا الٰہ غیرہ

ولا شبیه له ولا نظیر له وانه مثبت قدیم موجود غیر فقید وانه لیس کمثله شیء کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی اس کا ہمسر و نظیر ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی چیز اس کی مثل و مانند نہیں ہے جیسا کہ ابوالفتح جرجانی کے امام رضا علیہ السلام سے ادنی المعرفۃ کے متعلق سوال کے جواب میں امام علیہ السلام سے مروی ہے۔ (عیون اخبار الرضا ج ۱ ص ۱۳۳ طبع جدید) اور معرفت امامت کے متعلق بقول علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی کے حضرت شہید ثانی نے ایمان بالتصدیق بامامۃ الائمۃ والاعتقاد بفرض طاعتہم* کو کافی قرار دیا ہے۔ ایمان کے سلسلہ میں کم از کم ائمہ اہلبیت کی امامت و خلافت بلافصل کا عقیدہ رکھنا کافی ہے ([illegible] ص ۲۰۲) اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کی جائے (بحار ج ۶۵ ص ۲۶۱) اسی طرح جعفر کناسی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں: "ادنیٰ ما یکون به العبد مومناً" میرے آقا ایمان کا پست ترین درجہ کون سا ہے جس کا عقیدہ رکھنے سے انسان مومن کہلا سکتا ہے فرمایا: یشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ ویقر لہ بالطاعۃ ویعرف امام زمانہ فاذا فعل ذلک فہو مومن۔ اس بات کی گواہی دے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جناب محمد مصطفیٰ اس کے بندہ خاص اور رسول ہیں نیز ان کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے امام زمانہ کو پہچانے جب ان امور کا عقیدہ رکھے تو مومن کہلانے کا حقدار ہو جائے گا۔ (بحار ج ۶۵ ص ۱۶) اور اگر اس کے ساتھ یہ اجمالی عقیدہ بھی منضم ہو جائے تو پھر نور علیٰ نور کا مصداق ہو جائے کہ جہاں تک جناب محمد مصطفیٰ کی ذات کا تعلق ہے وہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اور جہاں تک علی و اولاد علی کا تعلق ہے وہ "بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر" کے مصداق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خالق ہر شے کے اعتبار سے خدا بے مثل و بے مثال ہے اور مخلوق خدا میں محمد و آل محمد علیہم السلام کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

ہر ایک مومن کا مقام معلوم ہے

احادیث اہل بیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عام اہل ایمان و ایقان میں سے بھی ہر ایک کا مقام ہے۔ کوئی بھی دوسرے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جہاں احادیث میں یہ وارد ہے کہ لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہ، وہاں آنحضرت کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ یا سلمان لو عرض علمک علی مقداد لکفر ویا مقداد لو عرض علمک علی سلمان لکفر۔ اے سلمان! اگر تمہارا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے اور اے مقداد! اگر تیرا علم سلمان پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۴۲، رجال کشی ص ۱۲)

انہی حقائق کی بنا پر سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے: اقول بل الظاهر ان كلا من اهل الحق العليا من المقربين لا يحتمل علمه الآخر كما روى الكشي باسناده عن ابي بصير قال سمعت ابا عبد الله يقول قال رسول الله يا سلمان لو عرض علمك على مقداد لكفر يا مقداد لو عرض علمك على سلمان لكفر (مرآۃ العقول ج ۴ ص ۳۱۳) "میں کہتا ہوں عام مخلوق میں سے بالخصوص مقربین بارگاہ میں سے ہر ایک شخص ایک علم کو برداشت کر سکتا ہے۔

* اماموں کی اطاعت کو فرض سمجھے

جسے دوسرا برداشت نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ فاضل کشی نے اپنے سلسلۂ سند سے ابوبصیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے جناب صادق آلِ محمد علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسولِ خدا نے جناب سلمانؓ سے فرمایا کہ اگر تمہارا علم مقدادؓ پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے پھر فرمایا، اے مقدادؓ! اگر تمہارا علم سلمانؓ پر پیش کیا جائے تو وہ (بوجہ عدم تحمل) کافر ہو جائے۔ وما منا الا له مقام معلوم

جنابِ سلمانؓ کا عقیدۂ توحید

عام طور پر جناب سلمانؓ کے معارفِ امامت و ولایت کا ہی تذکرہ کیا جاتا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق ایسا اور ویسا عقیدہ رکھتے تھے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں اس امر پر بھی قدرے روشنی ڈالیں کہ ان کا توحید باری کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔ عمر بن الخطاب نے (حضرت) جناب سلمانؓ سے ان کا حسب و نسب دریافت کیا انہوں نے جواب میں فرمایا انا سلمان بن عبد الله كنت ضالاً فهداني الله بمحمد صلى الله عليه وآله وسلم وكنت عائلاً فاغناني الله بمحمد صلى الله عليه وآله وسلم وكنت مملوكاً فاعتقني الله بمحمد صلى الله عليه وآله وسلم هذا حسبي ونسبي۔ میں سلمان بن عبد اللہ ہوں گمراہ تھا خدا نے جناب محمد مصطفیٰ کے ذریعہ ہدایت فرمائی فقیر و نادار تھا خدا نے رسولِ خدا کے طفیل مالدار بنایا۔ اور غلام تھا خدا نے آنحضرتؐ کے وسیلہ سے آزادی عطا فرمائی۔ یہ ہے میرا حسب و نسب۔

جب جناب رسولِ خداؐ کو سلمانؓ کے اس عارفانہ و موحدانہ جواب کی اطلاع ملی تو فرمایا يا معشر قريش ان حسب الرجل دينه ومروته خلقه واصله عقله قال الله عزوجل انا خلقناكم من ذكر وانثى وجعلناكم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقاكم اے گروہ قریش آدمی کا حسب اس کا دین، اس کی مروّت اس کا خلق اور اس کی اصل اس کی عقل ہے خدا فرماتا ہے ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا، اور پھر تمہیں مختلف قبائل پر تقسیم کر دیا۔ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ قابل احترام وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔ بعد ازاں جناب سلمانؓ سے فرمایا ليس لاحد عليك فضل الا بتقوى الله عزوجل وان كان التقوى لك عليهم فانت افضل۔ سلمانؓ! کسی شخص کو تم پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ و پرہیزگاری سے لیکن اگر اس (تقویٰ) میں تمہیں دوسروں پر برتری حاصل ہے تو پھر یقیناً تم ہی ان سے افضل ہو (منہج الرجال ص ۱۶۰ طبع ایران)

ایک دوسرے سے بیزاری اختیار کرنے کی ممانعت

بکثرت احادیث معتبرہ میں بلند درجہ والے مومن کو پست درجہ والے مومن سے برأت و بیزاری اختیار کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس قسم کی بعض احادیث سطور بالا میں گذر چکی ہیں۔ علاوہ ازیں مزید توضیح کی خاطر یہاں ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں ما انتم والبراءة يبرأ بعضكم من بعض ان المؤمنين بعضهم افضل من بعض وبعضهم اكثر صلوة

من بعض وبعضهم انفذ بصيرة من بعض وهي الدرجات" تم ایک دوسرے سے بیزاری کرنے والے کون
ہوتے ہو؟ ایک دوسرے سے برائت اختیار کر رہا ہے؟ (کیا تمہیں معلوم نہیں) کہ بعض اہل ایمان دوسرے بعض
اہل ایمان سے افضل ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض مومن دوسرے بعض مومنین سے، صوم وصلوٰۃ کے زیادہ پابند
ہوتے ہیں۔ اور بعض بعض سے زیادہ بابصیرت ہوتے ہیں یہ درجات ایمانی کا اختلاف وتفاوت ہے"
(تنقیح المقال ج ۱ ص ۹۵) بلکہ بعض حدیثوں میں ان لوگوں سے بھی دوستی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جو صرف ائمہ اہل بیت
کی ولایت وافضلیت کے قائل ہوں (بحار ج ۱۵ ص ۳۳)

موجودہ دور کے مدعیان علم وایمان کی روش پر تبصرہ

کہاں ائمہ اطہار کی یہ پاکیزہ تعلیمات اور کہاں موجودہ دور کے نام نہاد
اہل علم کی روش ورفتار۔ آج ان حضرات شائقین دعرفاء کاملین پر کفر وارتداد کے فتاویٰ لگائے جا رہے ہیں جو تمام عقائد
حقہ ایمانیہ کے قائل اور بالخصوص ائمہ اہل بیت کی ولایت وامامت، علم وفضل اور عصمت وطہارت کے قائل
ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو نہ صرف امت محمدیہ کے تمام لوگوں سے بلکہ ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین
کا بھی سید وسردار مانتے ہیں۔ اور ان کے تمام حقیقی دشمنوں سے برائت وبیزاری اختیار کرنا نہ صرف عقیدۃً
بلکہ قولاً وفعلاً۔ تقریراً وتحریراً اس کی نشر واشاعت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

"علماء اعلام کے ساتھ تحریر وتقریر میں تخاطب وتنابز بالالقاب کا وہ غیر مہذب اور غیر شریفانہ انداز اختیار کیا جا رہا ہے کہ
اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں سے بھی روا نہیں ارشاد قدرت ہے ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن اور الی اللہ
المشتکی وھو اسرع الحاسبین واحکم الحاکمین۔ بلکہ حقیقت حال سے بے خبر سادہ لوح عوام سے ان علماء اعلام کے
خلاف مقاطعہ کرنے کی قراردادیں پاس کرائی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ حضرات یہ بات پلے باندھ لیں کہ ؎

سعد والوں کا نکرمات کہ نشگی نہیں ؛ میرے خالق سے تمہیں کوئی بچا سکتا نہیں

وھو حسبنا ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون

تفریط وتقصیر کرنے والوں کی مذمت ارشادات معصومین کی روشنی میں

چونکہ ولایت وامامت اہلبیت
علیہم السلام کے اقرار کے بغیر نہ عقیدۂ توحید درست ہو سکتا ہے نہ ہی اعتقاد نبوت مکمل ہو سکتا ہے اس لئے ہادیان دین نے
ولایت وامامت ائمہ اطہار پر زور دیتے ہوئے اسی پر قبولیت اعمال کا دارومدار قرار دیا ہے۔ اور اس کے انکار کو موجب حبط و
ضبط اعمال وعبادات قرار دیا گیا ہے (۱) چنانچہ جناب رسالتمآب حضرت امیر علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔
من مات وهو يحبك كان مع النبيين في درجتهم يوم القيامة ومن مات وهو يبغضك فلا يبالي مات

یہودی اور نصرانی۔ یا علیؑ جو شخص آپ سے محبت کرے گا وہ بروز قیامت انبیاء کے درجہ میں ان کے ہمراہ ہو گا۔ اور جو شخص آپ کا بغض لے کر مرے گا وہ پروا نہ کرے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر (مرآۃ۔ الاولہ، رد مشکواۃ الاسرار ص۳۰)

(۲) اسی طرح آنحضرتؐ کا یہ ارشاد جو مسلم بین الفریقین ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ (ایضاً ص۲) جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے وہ جاہلیت (کفر و شرک) کی موت مرتا ہے۔

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں بنی الاسلام علی خمسۃ دعائم اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم شھر رمضان وحج البیت والولایۃ لنا اھل البیتؑ (مرآۃ ۔ رد ص۳۱ وامالی شیخ مفید دمستدرک الوسائل ج ص۳) اسلام کا سنگ بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے نماز کا قائم کرنا زکوٰۃ دینا روزہ رکھنا حج بیت اللہ کرنا اور ہم اہل بیتؑ کی ولایت کا اقرار کرنا۔

(۴) حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں لکل شئی اساس واساس الاسلام حب اھل البیت۔ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد ہم اہل بیتؑ کی محبت ہے (ایضاً ص۳۲)

(۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلہ سند سے جناب رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب جبرئیلؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا محمدؐ السلام یقرئک السلام ویقول خلقت السموات السبع وما فیھن والارضین وما علیھن وما خلقت موضعاً اعظم من الرکن والمقام ولو ان عبداً دعانی ھناک منذ خلقت السموات والارضین ثم لقینی جاحداً الولایۃ علی لاکببتہ فی سقر۔ یا محمدؐ السلام (یعنی خدائے رحمٰن تحفۂ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے کہ میں نے سات آسمان و زمین اور ان کی درمیانی مخلوق پیدا کی ہے میں نے کوئی ایسا مقام پیدا نہیں کیا جو میری نظر قدرت میں رکن (حجر اسود) اور مقام (مقام ابراہیمؑ) سے زیادہ عظیم الشان ہو۔ اگر کوئی بندہ اس جگہ پر بیٹھ کر بندائے آفرینش زمین و آسمان سے لے کر آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک میری دعا و پکار میں مشغول رہے لیکن (بروز قیامت) علیؑ کی ولایت کا منکر ہو کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میں اسے منہ کے بل جہنم میں ڈال دونگا۔ (بحار ج ۷ ص۵۵)

(۶) حضرت امام زین العابدینؑ اپنے آباؤ اجداد طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے جناب رسولؐ خدا سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا الزموا مودتنا اھل البیتؑ فانہ من لقی اللہ یوم القیامۃ وھو یودنا دخل الجنۃ بشفاعتنا والذی نفسی بیدہ لاینفع عبد عملہ الا بمعرفۃ حقنا (بحار ج ۷ ص۵۵) ہم خاندان نبوت کی محبت و مودت کو لازم پکڑو کیونکہ بروز قیامت جو شخص ہماری محبت کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گا۔ وہ ہماری شفاعت کی وجہ سے ضرور داخل جنت ہو گا۔ اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے

ہمارے حقوق کی معرفت کے بغیر کسی بندہ کو اس کے اعمال فائدہ نہ دیں گے۔

(۲) ایک اور حدیث کے ضمن میں جو انہی بزرگوار کے سلسلہ سند سے آنحضرتؐ سے مروی ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں:۔ والذی نفس محمد بیدہ لو ان عبدا جاء یوم القیامۃ بعمل سبعین نبیا ما قبل اللہ ذالک منہ حتی یلقاہ بولایتی وولایۃ اهل بیتی (بحار، ج ۷، ص ۵۵۵) "اس ذات ذوالجلال کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی شخص (بالفرض) بروز قیامت ستر نبیوں کے عمل کے برابر عمل لے کر بھی حاضر ہو مگر جب تک میری اور میرے اہل بیتؑ کی ولایت کا قائل نہ ہوگا خدا ہرگز اس کے اعمال قبول نہیں کرے گا"۔

(۳) امالی شیخ مفید ص... طبع نجف اشرف میں بروایت محمد بن مسلم جناب امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث کے آخر میں منقول ہے فرمایا نحن اهل البیت لا یقبل اللہ عمل عبد وهو یشک فینا "ہم وہ اہل بیت رسولؐ ہیں کہ خداوند عالم کسی ایسے بندے کا عمل ہرگز قبول نہیں کرتا جو ہماری امامت و ولایت میں شک کرنے والا ہے"۔

(۴) مرآۃ الانوار ص۲۳ میں بحوالہ اصول کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا وصل اللہ طاعۃ ولی امرہ بطاعۃ رسولہ وطاعۃ رسولہ بطاعتہ فمن ترک طاعۃ ولاۃ الامر لم یطع اللہ ولا رسولہ "خداتعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو اطاعت رسولؐ کے ساتھ اور اطاعت رسولؐ کو اپنی اطاعت کے ساتھ مقرون کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص اولی الامر کی اطاعت نہیں کرتا اس نے خدا و رسولؐ کی بھی اطاعت نہیں کی ہے"۔

(۵) اسی کتاب کے ص... پر بحوالہ ثواب الاعمال حضرت صادق علیہ السلام سے یہاں تک منقول ہے فرمایا الناصب لنا اهل البیت لا یبالی صام او صلی او زنی او سرق انہ فی النار انہ فی النار "جو شخص ہمارا دشمن ہے اس کے لئے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا یا زنا اور چوری کرنا برابر ہے وہ بہر حال جہنم ہی میں جائے گا"۔ ونعم ما قیل ع

من لم یوال فی البریۃ حیدرا — سیان عند اللہ صلی او زنی

انہی حقائق کی بنا پر حضرت علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: اعلم ان الامامیۃ اجمعوا علی اشتراط صحۃ الاعمال وقبولها بالایمان الذی من جملتہ الاقرار بولایۃ جمیع الائمۃ علیہم السلام وامامتہم والاخبار الدالۃ علیہ متواترۃ بین الخاصۃ والعامۃ۔ یعنی "جاننا چاہئے کہ تمام فرقہ حقہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام اعمال کی صحت اور قبولیت کی شرط ایمان ہے اور منجملہ ایمان کے تمام ائمہ اطہارؑ کی امامت و ولایت کا اقرار بھی ہے۔ اور اس امر پر جو روایات دلالت کرتی ہیں وہ فریقین کے نزدیک متواتر ہیں" (بحار، ج ۷، ص ۵۵۵)

اور رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؒ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں: "اعتقادنا فیمن جحد امامۃ امیر المومنین والائمۃ من بعدہ علیہم السلام انہ کمن جحد نبوۃ جمیع الانبیاء (رسالہ اعتقادیہ)

جو شخص حضرت امیر المومنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ کی امامت کا انکار کرے اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو تمام نبیوں کی نبوت کا انکار کرے۔

تشریح یہاں چند لفظوں میں اس امر کی تشریح کر دینا بھی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا ارشادات معصومین سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ولایت و وصایت ائمہ اطہار کا اعتقاد و اقرار اعمال شرعیہ کی صحت اور قبولیت کی شرط ہے۔ یعنی اس کے بغیر کوئی عمل صالح شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اقرار ولایت اعمال صالحہ کی بجا آوری سے کلو خلاصی اور چھٹی دلانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ بعض عوام الناس کے ذہنوں میں بعض غیر ذمہ دار اہل منبر و مضمون نگاروں نے راسخ کر دیا ہے۔ بلکہ احادیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمل صالح کی بجا آوری اور محرمات سے اجتناب کے بغیر ولایت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں لا تنال ولایتنا الّا بالورع والعمل "یعنی عمل صالح کی بجا آوری اور محرمات شرعیہ سے دامن بچائے بغیر ہماری ولایت حاصل ہو ہی نہیں سکتی" (اصول کافی طبع لکھنؤ)

اسی طرح ان ذوات عالیہ کے فضائل صحیحہ و مناقب کی قولاً و فعلاً نشر و اشاعت کرنے کی مدح اور ان کے انکار کرنے کی مذمت سے کتب حدیث پر ہیں۔ اس سلسلہ میں صرف بحار الانوار حصہ ہفتم کا مطالعہ کر لینا ہی کافی ہے۔

لیکن ان تمام تاکیدات و تہدیدات اور ترغیبات کے باوجود کثیر لوگ نہ افراط سے باز آئے اور نہ تفریط سے رکے اور اعتدال کا دامن ہاتھوں سے چھوڑ بیٹھے۔ "وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون" چنانچہ بعض کم بخت نہ صرف مسئلہ نفی کا انکار بلکہ ان ذوات قدسیہ کی امامت و خلافت کا بھی انکار کر کے ابدی ہلاکت کا شکار ہو گئے اور بعض احمق غلو اندر محبت اختیار کر کے غلو و تفویض کے تہ وبالا سمندر میں غرق ہو گئے۔ اور ائمہ اہل بیتؑ کے بارے میں محض اپنے ذاتی خیالات و قیاسات اور غلط تاویلات سے وہ وہ عجیب و غریب من گھڑت نظریات قائم کئے۔ کہ جن کا آیات قرآنیہ میں کہیں وجود ہے۔ اور نہ صحیح احادیث نبویہ و ارشادات ولویہ میں کوئی نام و نشان ہے۔ نہ کلام علماء اعلام سے کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اور نہ عقل سلیم ان کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب میں ہم ایسے ہی بعض نظریات فاسدہ کا مع مثل نقد و تبصرہ تذکرہ کریں گے۔ جو عجیب سے عقائد کے گرد اس دور میں بعض غلو نواز حضرات کی گنگھنت پر تقریر و تحریر میں مو شگافی و قال اور مرکز بحث و جدال بنے ہوئے ہیں۔ اور ہر جگہ پر غلط یا صحیح انداز میں ان پر بحث و تمحیص کا سلسلہ بڑے شد و مد کے ساتھ برابر جاری و ساری ہے جس سے ایک طرف ہماری وحدت ملی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو دوسری طرف اغیار کے لئے اسباب تضحیک مہیا ہو رہے ہیں۔

تفریط و تقصیر کا مفہوم کیا ہے؟ آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں شعوری قیاسات و

خیالات کو مذہب کا نام دے کر حقائق کا راستہ چھوڑنا علماء محققین کو بنیا پنتیوا اور ابتا سمجھ کر حقیقی علماء کو پاکستان پر زبان عتراض دراز کرنا ۔ اپنے آپ کو عارف المعارف سمجھنا اور علمائے اعلام کو مقصر قرار دینا عامۃ الناس کا شیوہ و شعار بن چکا ہے جیسا کہ سابقہ بیانات میں بھی اس امر پر تبصرہ کیا جا چکا ہے ۔ اب جبکہ بفضلہ تعالیٰ حقائق مذہب و معارف ملت حقہ کو بیان کئے جا رہے ہیں تو یہاں مختصر الفاظ میں اس امر پر بھی تبصرہ کر دینا ۔ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ تقصیر کیا ہے ؟ سو مخفی نہ رہے کہ تقصیر و تفریط باب تفعیل تقصیر یقصر و فرط یفرط کے مصدر ہیں جن کے معنی میں کسی کے حق میں کوتاہی کرنا ، اور یہ کوتاہی کئی طرح متحقق ہو سکتی ہے (۱) جو شخص جس مرتبہ و منزلت پر ہو اس کا اقرار نہ کیا جائے ۔

(۲) اسے مبدا فیض سے جو فضائل و کمالات عطا ہوئے ہوں اُن کا انکار کیا جائے ۔

(۳) مخدوم کو خادم کے برابر سمجھا جائے ۔ بنا بریں ائمہ طاہرین کے حق میں مقصر وہ لوگ سمجھے جائیں گے جو ان کی خلافت و امامت کا اقرار نہ کریں ، قرآن اور مستند احادیث کی روشنی میں ان کے مسلم الثبوت فضائل و مناقب میں ان کا انکار کریں ۔ اور ان کو اُمت محمدیہ کے عام لوگوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کمتر سمجھیں ۔ علماء نے تقصیر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے ہم ذیل میں دو چار شہادتیں پیش کرتے ہیں ۔

(۱) محدث جلیل ابوالحسن شریف مرآۃ الانوار ص ۳ پر لکھتے ہیں " فاعلم ان الناس فی تعرف احوال الائمۃ علی طرفی نقیض فان جماعۃ منھم سلکوا فی ذلک مسالک الافراط حتی رفعوا الی حد الغلو والتفویض وجماعۃ منھم اخذوا فی طریق التفریط بحیث انکروا کثیراً مما ورد فی فضائلھم صلوات اللہ علیھم الخ

جاننا چاہیئے کہ عام لوگوں نے ائمہ اطہار کی معرفت میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے بعض نے افراط کی راہ اختیار کی ۔ یہاں تک کہ غلو و تفویض تک پہنچ گئے اور بعض تفریط کے راستہ پر گامزن ہو گئے ۔ یہاں تک ان کے بہت سے قرآن و حدیث میں وارد شدہ فضائل کا انکار کر بیٹھے "

(۲) شیخ احمد احسائی شرح الزیارۃ ص ۳ پر بذیل شرح فقرہ والمقصر فی حقکم زاہق کے معنی ہالک بیان کرنے کے بعد جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ھلک فیّ اثنان محب غال و مبغض قال (میرے متعلق دو شخص ہلاک ہوں گے حد سے بڑھانے والا یعنی دوست اور حد سے گھٹانے والا دشمن) اور پھر مبغض قال سے مراد مقصر لیتے ہوئے مقصر کا مصداق یوں بیان کیا ہے " وھو المقصر فی حقکم بان یعدل بھم غیرھم من سائر الخلق او یتقدم علیھم فی قول او فعل وھو ھالک وھو للمقصر فی حقھم فان حقھم علی جمیع الخلق ان یرفعوا مقامھم عن جمیع الخلائق ویضعوا مقامھم من مقام الخالق جل وعلا فمن ازالھم عن مقامھم الذی اقامھم اللہ فیہ بوضع او رفع فھو ھالک " مقصر وہ ہوتا ہے جو ان ذوات مقدسہ کو عام لوگوں کے برابر سمجھے یا کسی قول و فعل میں ان سے آگے بڑھے وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا ۔ وہ ان کے حق میں کوتاہی کرنے والا ہے ۔ کیونکہ

[illegible]

[illegible]

ان بزرگواروں کا تمام مخلوقات پر حق ہے کہ وہ ان کو تمام مخلوقات خدا سے بلند اور خالق کائنات سے پست سمجھیں پس جو شخص بھی ان حضرات کو ان کے حقیقی مقام سے جس پر خدا نے ان کو فائز کیا ہے بڑھاتا ہے یا ان کے مقام سے گھٹاتا ہے وہ بلند کرکے یا پست کرکے وہ یقیناً ہلاکت کا شکار ہے۔

(۲) جناب آغا ئے حاج مرزا محمد احمد آبادی اپنی کتاب شمس طالعہ در شرح زیارت جامعہ ص۲۸۶ میں فقرۂ مذکورہ بالا کی شرح میں لکھتے ہیں "یعنی ہر کہ در حق شما تقصیر کند یا آنکہ زائل کند شما را از آں مقامے کہ خدا برائے شما قرار دادہ یا آنکہ بالا برد مقام شمارا بمقام ربوبیت یا جحت کند شما را از آں مراتبے کہ بحکم اللہ قیام داشتید ہلاک شود و تباہ شود ہست دین او و نجات آخرت او" جو شخص آپ کے حق میں تقصیر کرے یعنی آپ کو آپ کے اس مقام سے گرائے جو خدا نے آپ کو عطا فرمایا ہے یا ں طور پر کہ آپ کو اس قدر بلند کرے کہ ربوبیت کے مقام تک پہنچا دے یا جو اللہ نے آپ کو جو مراتب و مناصب عطا فرمائے ہیں ان سے آپ کو پست سمجھے اس کا دین برباد اور نجات اخروی تباہ ہے"

(۳) سید العلماء جناب علامہ سید حسین لکھنوی اپنی جلیل القدر کتاب حدیقۂ سلطانیہ ج ۲ ص ۳۴۲ پر مقصر کا معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "و مقصر آنانند کہ اثبات خطا و گناہ با نبیاء و اوصیاء می نمایند و از دلیل عقل و نقل چشم پوشی می کنند" یعنی مقصر وہ لوگ ہیں جو دلیل عقلی و شرعی سے چشم پوشی کرتے ہوئے انبیاء و اوصیاء کو خطاکار و گنہگار سمجھتے ہیں۔ ان چار معتبر شہادتوں کے بعد اب کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں جہاں ہمارے بیان کردہ مفہوم تقصیر و تفریط کی حرف حرف تائید و تشدید ہوتی ہے وہاں یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے کہ تقصیر کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ غلو بھی اس میں داخل ہے حتیٰ کہ غالی کو بھی مقصر کہا جاسکتا ہے لہذا احباب جہاں غلو کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ تو غالیوں کے ساتھ مخصوص ہے ہی لیکن جہاں جہاں مقصرین کی مذمت وارد ہے اس میں بھی غالی شریک غالب ہیں۔ فتأمل۔

غالی مقصر سے بدتر ہے

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جاچکا ہے اگرچہ شرعی نقطۂ نظر سے غلو و تقصیر دونوں مذموم و ممنوع ہیں لیکن چونکہ تفاوت و اختلاف کا قانون قدرت ہر چیز میں جاری و ساری ہے اس لئے اس کا سلسلہ یہاں بھی کارفرما ہے۔ قرآن، سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان اور ان سے استنباط کردہ کلام فقہاء اعلام پر نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح و عیاں ہوجاتی ہے کہ غالی کا مقام مقصر سے بھی پست تر اور بدتر ہے اس کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) قرآن و حدیث میں جس قدر غلو و غلاۃ کی مذمت و منقصت وارد ہوئی ہے اتنی تقصیر و مقصرین کی وارد نہیں ہوئی جیسا کہ سابقہ مباحث پر اجمالی نظر کرنے سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہوجاتی ہے۔

(۲) متعدد احادیث معصومین میں وارد ہے کہ الینا یرجع الغالی فلا نقبلہ وبنا یلحق المقصر فنقبلہ

یعنی غالی ہماری طرف رجوع کرتا ہے تو ہم اُسے قبول نہیں کرتے لیکن جب مقصّر ہم سے ملنا چاہے تو ہم اُسے قبول کر لیتے ہیں"
(بحوالہ بحار جلد ۲۵ مرآۃ الانوار صفحہ ۹ وغیرہ) اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ غالی کی حالت (بکیفیت) آلِ محمد
علیہم السلام کی نظر میں مقصر سے بدتر ہے۔

(۳) فقہاء امامیہ کا غالی کے کفر اور اس کی نجاست پر اتفاق ہے جیسا کہ ان کی کتب فقہ کے ابواب طہارت کے عناوین
نجاسات و نجاست اس پر شاہد و عادل ہیں۔ علامہ ربانی جناب شیخ عبداللہ مامقانی فرماتے ہیں "و اجمعوا العلماء علی کفر الغالی"
یعنی غالیوں کے کفر پر تمام علماء و فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے (رجال مامقانی ج ۱ صفحہ ۲۲) لیکن جہاں تک نظر قاصر کا تعلق
ہے مقصر پر بعنوان مقصر آج تک کسی فقیہ نے کفر کا حکم نہیں لگایا اگرچہ ہلاکت اخروی میں دونوں باہم شریک ہیں وھو شیئ
احوک لا یخفی علی من یبالی حلال ھذا الدیار و نظر ھذہ الامور بعین البصیرۃ والاعتبار۔

عام لوگ تقصیر سے تو ڈرتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس امر کے اثبات کے لئے کافی ہے کہ غلو ہو یا تقصیر، افراط ہو یا تفریط، مردود راستے ہیں جو ہلاکت ابدی کی طرف جاتے ہیں وخیر الامور اوسطہا لہذا ان دونوں راستوں سے اجتناب لازم ہے لیکن جب یہ حقیقت ثابت ہو چکی کہ غلو تقصیر سے بھی بدتر ہے تو اس سے اور بھی زیادہ دامن بچانے کی ضرورت ہے۔ لیکن عام لوگوں کا معاملہ بھی عجیب ہے وہ مقام اعتقاد میں تقصیر سے تو بہت ڈرتے اور اس کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ کہیں ائمہ اطہار کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ مگر وہ غلو و شرک سے ذرہ بھی نہیں ہچکچاتے کہ کہیں اس سے خدا کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس کی آلائش سے دامن بچانا اور بھی اشد ضروری ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ اگر ائمہ اطہار کے مراتب عالیہ کے پہچاننے میں قدرے کمی بھی واقع ہو گئی تو بخشش ممکن ہے (بشرطیکہ انکار امامت و ولایت نہ کیا جائے) لیکن اگر خالق کی صفات مخلوق پر تسلیم کر لی گئیں۔ وہ اس طرح توحید افعالی کا عقیدہ خراب و برباد ہو گیا تو پھر دین و آخرت تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ وذلک ھو الخسران المبین (اعاذنا اللہ منہ و جمیع المؤمنین)۔ اگر انسان ایک عرصہ تک دنیا میں زندہ رہا اور اس نے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی تو اس سے بڑا گنہگار کوئی نہیں کیونکہ جس کی نعمت میں تمام زندگی بسر کرتا، اٹھتا بیٹھتا، سوتا جاگتا، کھاتا پیتا، کروٹیں بدلتا رہا۔ جس کی نعمتیں تمام عمر اس کا اوڑھنا بچھونا رہیں۔ ایک ملکا سا سانس بھی جس کی نعمت سے علیحدہ نہ لے سکا بلکہ خفیف سی حرکت بھی جس کی نعمت سے باہر نہ کر سکا ایک پلک بھی جس کی نعمت کے بغیر نہ ہلا سکا ایک قدم بھی جس کی نعمت سے الگ نہ اٹھا سکا۔ اور ایک خیال بھی جس کی نعمت کے بغیر نہ دوڑا سکا۔ اگر اسی کی معرفت حاصل نہ کی تو کیا ایسے محسن کش، احسان فراموش، ناشکرے، خود غرض کمینہ فطرت سے زیادہ کوئی قابل نفرت ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(توحید القرآن صفحہ ۴ از مولانا محمد ہارون صاحب زنگی پوری)

ہم نہ غالی ہیں اور نہ قالی ہیں!

جناب امیر المومنینؑ کا ارشاد واجب الاعتقاد ہے هلك فيّ صنفان محب مفرط يذهب به الحب الى غير الحق ومبغض مفرط يذهب به البغض الى غير الحق وخير الناس فيّ حالاً النمط الاوسط فالزموه" یعنی میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہو جائیں گے ایک وہ (نام نہاد) افراط کرنے والا محب۔ جسے (غلط انداز) محبت خلاف حق غلط راستہ پر لے جائے۔ اور دوسرا وہ افراط کرنے والا دشمن جسے میری عداوت غلط راستہ پر چلا دے۔ ہاں البتہ میرے متعلق سب سے بہتر طریقہ درمیانہ روی اختیار کرنے والوں کا ہے تم اسی طریقہ کو لازم پکڑو (نہج البلاغہ ج ۲ صلا طبع مصر)

مولائے کائنات کے اس ارشاد (اور اس جیسے بیسیوں دوسرے ارشادات) کی روشنی میں ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نہ محب غالی ہیں اور نہ مبغض قالی ہیں

نہ غالی ہیں نہ قالی ہیں مگر ہم تو موالی ہیں

ربنا ما ادعوا وقولنا ما قالوا جہاں تک غالی نہ ہونے کا تعلق ہے وہ تو عیاں را چہ بیاں کا مصداق ہے ولا یخفیٰ علیہ محل من مخالفینا۔ اور جہاں تک مقصر و قالی نہ ہونے کا تعلق ہے (جس کا الزام مخالف ہمیں دیتے ہیں) اگرچہ اس الزام کا غلط و بے بنیاد ہونا معزِ روشن سے بھی زیادہ واضح و عیاں ہے اور محتاج تردید نہیں مگر بامر مجبوری اتمام حجت کے لئے صرف اتنا لکھا جاتا ہے کہ سطور بالا میں مقصر کا مفہوم واضح کیا جا چکا ہے کہ مقصر وہ ہے (۱) جو آل محمدؑ کی امامت و ولایت کا انکار کرے (۲) انکو عام لوگوں کے برابر سمجھے (۳) جو ان کو گنہگار سمجھے (۴) جو ان کے مسلمہ فضائل و کمالات کا انکار کرے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہم میں نہیں پائی جاتی۔ جہاں تک ان کی ولایت و امامت کا تعلق ہے۔ اس موضوع پر ہم خود بڑی بڑی ضخیم کتابیں شائع کر کے گم گشتگانِ وادیٔ ضلالت کے لئے چراغ ہدایت روشن کر چکے ہیں۔ اور ولایت کے ضروری ہونے پر خود سطور بالا میں اس قدر لکھا گیا ہے کہ مزید لکھنے کی گنجائش نہیں نیز اس کا ایک معتدبہ حصہ "احسن الفوائد" میں بھی مذکور ہے۔ اور جہاں تک ان بزرگواروں کو عام لوگوں کے برابر سمجھنے کا تعلق ہے ہم کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ برابری تو بجائے خود ہم تو آل محمدؑ کا مقام عمومی سطح سے اس قدر بلند و بالا سمجھتے ہیں کہ امتِ محمدیہ وغیرہ کے تمام لوگوں کا ان ذواتِ مقدسہ کے بالمقابل نام لینا بھی ان کی توہین ہے ہم تو ان کو سوائے سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے تمام انبیاء و مرسلینؑ، ملائکہ مقربین، اور شہداء و صدیقین غرضیکہ تمام عباد اللہ الصالحین، (سماویین و ارضیین) سے افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ جس پر ہمارے کتب و رسائل اور مضامین شاہد عادل موجود ہیں۔ اور جہاں تک ان کے متعلق گناہ و عصیاں کا تعلق ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم مہد سے لے کر لحد تک ان ذواتِ مقدسہ کو ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عمداً سہواً، خطاً، نسیاناً معصوم و مطہر جانتے ہیں۔ ثبوت کے لئے ہمارے کتب و رسائل (اثبات الامامت وغیرہ) موجود ہیں۔ اور جہاں تک ان کے فضائل کا تعلق ہے تو ان کے

وہ تمام ظاہری و باطنی فضائل و کمالات جو قرآن اور خود سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے مستند و صحیح فرمان کے ذریعہ ثابت ہیں۔ ان کے اقرار کو صرف جزو ایمان ہی نہیں بلکہ ان کے انکار کو کفر و شرک تصور کرتے ہیں۔ ان حقائق سے صرف ہماری ہی نہیں بلکہ ہمارے تمام ہم خیال علماء اعلام مثلاً علامہ حسین بخش جاڑا صاحب قبلہ کی تفسیر "انوار النجف" "لمعۃ الانوار" وغیرہ چھلک رہی ہیں۔ اور اگر ان حالات میں بھی کوئی شخص خوف خدا اور خوف حشر و نشر سے بالا ہو کر ہمیں مفوضہ کہتا ہے تو ہم بیچارے اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وهو خير الحاكمين۔ ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون۔ "دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست" خدا ہماری قومی و ملی زبوں حالی پر رحم فرمائے اور ہمیں اتحاد و اتفاق کی توفیق دے۔ اور ہم سب کو اپنی اور اپنے اولیاء کی صحیح معرفت عطا فرما کر ان پر ثابت قدم رکھے بجاہ نبی و آلہ الطاہرین صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ اللهم عرفني نفسك فانك ان لم تعرفني نفسك لم اعرف نبيك اللهم عرفني نبيك فانك ان لم تعرفني نبيك لم اعرف حجتك اللهم عرفني حجتك فانك ان لم تعرفني حجتك ضللت عن ديني فاقرأ ما سيتلى عليك وتدبر فيه وتشكر ولا تكن من الجاحدين فتكون من الخاسرين۔ قل يا ايها الناس قد جاءكم الحق من ربكم فمن اهتدى فانما يهتدي لنفسه ومن ضل فانما يضل عليها وما انا عليكم بوكيل

روایت میں درایت کی اہمیت

سابقہ مباحث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ روایت میں درایت اس کی سند و دلالت میں غور و فکر کرنے کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہمیشہ ہر زمانہ میں بالعموم افراط و تفریط کی گمراہی میں مبتلا ہونے والے لوگ روایت میں درایت کے اصول کی پابندی نہ کرنے کے سبب ہی ایسے ہوئے کہ سلسلہ سند اور اس کے (اور اسی طرح آیات قرآنی کے) معنی و مفہوم میں صحیح تحقیق کرنے اور صحیح طور پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے ہیں۔ اسی لئے ائمہ طاہرین نے روایت سے زیادہ درایت پر زور دیا ہے۔

جناب امیر المومنین فرماتے ہیں "اعقلوا الخبر عقل درایۃ لا عقل روایۃ فان رواۃ العلم کثیر ورعاتہ قلیل" یعنی کوئی حدیث سنو تو درایت (شرائط درایت) کے ساتھ سمجھو۔ نہ کہ صرف روایت کے ساتھ کیونکہ علم کے نقل کرنے والے بہت ہیں مگر اس کی رعایت (و نگہداشت) کرنے والے تھوڑے ہیں۔ (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۴۸ طبع مصر)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "حديث تدريه خير من الف ترويه" یعنی ایک روایت کا صحیح طور پر سمجھ لینا اور سوچ سمجھ لینا ایک ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر ہے۔ (معانی الاخبار صدوق ص ۲)

نیز انہی جناب سے مروی ہے فرمایا "ولا يكون الرجل فقيها حتى يعرف معاريض كلامنا" کوئی شخص اس وقت تک فقیہ اور صاحب بصیرت نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے کلام کے تمام معانی و اشارات کو نہ سمجھے۔ (ایضاً ص ۱)

یہ ارشاد بھی معدن نبوت کا ہے کہ "اعرفوا منازل شيعتنا بقدر ما يحسنون من رواياتهم عنا" ہمارے شیعوں کی قدر و منزلت معلوم کرنا ہو تو یہ دیکھو کہ وہ ہماری روایات کو کس قدر اور کس اچھے انداز میں پیش کرتے

میں (رجال کشی ص۲) ان حقائق کے پیش نظر جو بات مزید کسی دلیل کی محتاج نہیں رہ جاتی ہے کہ اصول دین ہوں یا فروع دین، فضائل اہل بیت ہوں یا ان کے مصائب ان میں ہر کس و ناکس کی بیان کردہ ہر روایت کو نہ قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ بغیر غور و تدبر کے بغیر اس کے مطابق عقیدہ رکھا یا عمل کیا جا سکتا ہے گو یہ اصول عقائد میں یہ شدت دیگر فروعات سے بھی زیادہ سخت ہے۔

قبولیت روایات کا معیار و میزان

انہی حقائق کے پیش نظر روحانی حکمائے اسلام یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام نے روایات کے رد و قبول کے کچھ تو عمدہ ضوابط مقرر فرمائے ہیں۔ جس سے ان قواعد کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جناب رسول خدا کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔ ان علی کل حق حقیقۃ وعلی کل [illegible] فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ یعنی ہر حق پر حقیقت اور ہر درستی پر روشنی ہوتی ہے پس جو حدیث قرآن کے موافق ہو اسے لے لو اور جو قرآن کے مخالف ہو اسے ترک کر دو۔ اسی طرح جناب امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا کل شئی مردود الی الکتاب والسنۃ و کل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔ ہر چیز کو کتاب و سنت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور ہر وہ حدیث جو قرآن کے مطابق نہ ہو وہ باطل ہے۔ نیز انہی بزرگوار سے منقول ہے فرمایا مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف۔ ہر وہ حدیث جو قرآن کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے (اصول کافی ص۳۵ طبع قدیم ایران)

بنا بریں ہر ہر روایت کے متعلق یہ جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ اس کا راوی کون کون اور کیسا ہے؟ جس کتاب میں درج ہے اس کا اور اس کے مصنف و مؤلف کا علمی مقام کیا ہے؟ نیز یہ کہ قرآن کے مطابق ہے یا نہ؟ اس کے معارض کوئی اور روایت ہے یا نہ؟ اور بصورت معارض کی موجودگی کی صورت میں ترجیح کس کو دی جانی چاہیئے۔ نیز یہ کہ آیا وہ روایت کسی عقلی یا شرعی مسلمہ اصول سے متصادم تو نہیں؟ آیا مذہب حقہ کے موافق ہے یا مخالف؟ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور یہ کہ آیا علماء محققین نے اسے اس کے ظاہری معنوں پر محمول کیا ہے یا اس کی تاویل کی ہے؟ اور اگر تاویل کی ہے تو وہ صحیح تاویل ہے یا نہ؟ ان تمام امور پر غور و تدبر کرنا لازم ہے۔ ہاں البتہ جب کوئی روایت ان تمام اصولوں پر پوری اترے اس کا قبول کرنا واجب اور انکار دائرہ ایمانی سے خروج کا باعث ہے۔ والا فقریہ تضرب الجدار۔

قدر مجموعہ گل مرغ سحر داند و بس — کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست (حافظ)

غالیوں کی دسیسہ کاریاں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ کتب رجال و سیر کی اجمالی سیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اطہار کے زمانہ میں ایسے (غالی) لوگ بکثرت موجود تھے جو اپنے عقائد فاسدہ کی تائید میں خود خانہ زاد حدیثیں گھڑ گھڑ کر بلکہ لطائف الحیل سے ان کو کتب اصحاب ائمہ میں درج کر دیتے۔ (منہاج برح ج۱۴ ص۲۱۳ طبع جدید ایران، رجال کشی ص۱۴۶ وغیرہ)

ائمۂ اطہارؑ کو بھی ان کی ان عیارانہ کارستانیوں کا علم تھا اس لئے وہ برابر اپنے مخلص نام لیواؤں کو ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں و کارگذاریوں سے آگاہ فرماتے رہتے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں، انا اھل بیت صدیقون لا نخلو من کذاب یکذب علینا ویسقط صدقنا بکذبہ عند الناس (ہم سچا خانوادہ ہیں لیکن ہم جھوٹ بولنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہتے۔ جو اپنے جھوٹ سے ہمارے سچ کو بھی لوگوں کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ رجال کشی ص۲۵۷) اسی رجال کشی ص۱۹۵ پر جناب امام رضا علیہ السلام سے ان کذابوں میں سے بعض کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے۔ کہ بنانؔ امام زین العابدینؑ پر جھوٹ بولتا تھا۔ ابو الخطابؔ امام جعفر صادق علیہ السلام پر۔ محمد بن بشیرؔ امام موسیٰ کاظمؑ پر اور محمد بن فراتؔ مجھ پر افترا پردازی کرتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ... مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے جو میرے والد پر جھوٹ بولتا تھا۔ رجال کشی ص۱۹۵ نیز انہی بزرگوار سے مروی ہے فرمایا لا تقبلوا علینا حدیثا الا ما وافق القرآن والسنۃ او تجدون معہ شاھدا من احادیثنا المتقدمۃ فان المغیرۃ بن سعید لعنہ اللہ دس فی کتب اصحاب ابی احادیث لم یحدث بہا ابی فاتقوا اللہ ولا تقبلوا علینا ما خالف قول ربنا تعالیٰ وسنۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانا اذا حدثنا قلنا قال اللہ عز وجل وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رجال کشی ص۱۴۶ منہاج البراعۃ ج۲ ص۱۹) (ہم پر) جو حدیثیں ہماری طرف منسوب ہوں۔ ان میں سے صرف ان کو قبول کرو۔ جو قرآن وسنت کے موافق ہوں۔ یا جن کی تائید میں ہماری سابقہ حدیثوں سے کوئی شاہد پاؤ۔ کیونکہ مغیرہ بن سعید نے، خدا اس پر لعنت کرے، میرے والد امام محمد باقرؑ کے اصحاب کی کتب حدیث میں کئی جعلی حدیثیں داخل کر دی ہیں جو کبھی میرے والد نے بیان نہیں فرمائی تھیں۔ خدا سے ڈرو ہمارے متعلق کوئی ایسی بات قبول نہ کرو جو قول خدا وسنت پیغمبرؐ کے خلاف ہو۔ کیونکہ ہم جب کچھ بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ نے یوں فرمایا ہے۔" (یعنی اپنی رائے وقیاس سے کچھ نہیں کہتے اور نہ ہی غیر معصوم کا قول نقل کرتے ہیں) ان حقائق کی موجودگی میں ہر وہ روایت جو ان ذوات مقدسہ کی طرف منسوب ہو کیونکر آنکھیں بند کر کے اسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

عصر حاضر کے جدید مؤلفین کی تلوّن مزاجیاں

اس دور جدید کے بعض جدت پسند جدید مؤلفین کی حالت بھی عجیب ہے جب ماننے پر آئیں تو یہ کہہ کر "زبان معصومؑ کو تسلیم کرنا واجب ہے" "خطبۃ البیان" جیسے بے سروپا اور بے اصل و بے تُک خطبات کو بھی تسلیم کر کے ان پر اپنے عقائد کی بنیاد قائم کر لیتے ہیں۔ اور جب انکار پر آمادہ ہوں تو منہج تحقیق کے ہر دو سے مقیم بحار میں درج شدہ حدیث، امام جس میں خلقت نوری سے خلقت روحی مراد لی گئی ہے کو مجہول الحال مؤلف کی تالیف کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔ بلکہ اصول کافی کی یونس بن عبد الرحمٰن والی صحیح السند روایت جس میں عمود نوری کی تشریح فرشتہ کے ساتھ

کی گئی ہے۔ جیسے سرکار علامہ مجلسیؒ جیسے محدث خبیر نے صحیح السند تسلیم کیا ہے (مرآۃ العقول ج ۱، ص۲۹۰) اس کو اپنے مدعا کے خلاف پاکر خبر واحد کہہ کر اور اس کے بعض راویوں پر بزعم خود جرح کر کے مسترد کر دیتے ہیں اور اس کے باوجود نہ ان کے ایمان و ایقان میں کوئی رخنہ واقع ہوتا ہے اور نہ ہی معرفت امام میں کوئی فرق پڑتا ہے ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

لیکن اگر اصول روایت و درایت کے مطابق ہم کسی بے سروپا روایت کو ناقابل استدلال قرار دے دیں تو زمین سر پر اٹھا کر داد و فریاد کی جاتی ہے اور اسے عدم معرفت امام کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ مالکم کیف تحکمون؟

متشابہ اخبار و آثار

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو ہر دو ایات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ بکثرت احادیث معتبرہ میں وارد ہے کہ ان فی اخبارنا متشابہا کمتشابہ القرآن و محکما کمحکم القرآن فردوا متشابہہا الی محکمہا ولا تتبعوا متشابہہا دون محکمہا فتضلوا۔ ہمارے اخبار کچھ متشابہ ہیں مثل متشابہ قرآن اور کچھ محکم ہیں مانند محکم قرآن۔ لہٰذا تم متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاؤ۔ اور خبردار محکم کو چھوڑ کر متشابہ کی اتباع نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ (عیون اخبار الرضا ج ۱ ص۲۹۰ و احتجاج طبرسی ص۲۳۲) اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ وہ کسی بھی روایت پر عقیدہ و عمل کی دیوار استوار کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کر لیں کہ وہ روایت محکم ہے یا متشابہ؟ اگر اس امر کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو پھر مطابق فرمان امام گمراہی یقینی ہے۔

(اعاذنا اللہ منہ)

ازالۂ شبہ

بعض احادیث میں وارد ہے کہ ہماری حدیثیں سخت مشکل ہیں۔ ان کا تحمل صرف نبی مرسل، یا ملک مقرب یا مومن ممتحن ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جب تمہارے پاس ہماری حدیث پہنچے اور مطلب سمجھ میں آجائے تو فبہا ورنہ اسے عالم آل محمدؐ (امامؑ) کی طرف لوٹاؤ۔ خبردار انکار نہ کرنا کیونکہ ہماری حدیث کا انکار کفر ہے۔ (بصائر، جلد ہفتم بحار وغیرہ) اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ان صعب مستصعب احادیث سے مراد کیا ہے وہ کیا یہ معارف امامت کے متعلق ہیں یا ائمہ کے بعض عجائب و غرائب احوال سے ان کا تعلق ہے یا علم ماکان سے وابستہ ہیں۔ یا ان سے مخالفین کی مذمت مراد ہے یا عالم آخرت کے بعض اسرار و رموز مراد ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر ان کی کوئی مناسب حال تاویل لازماً کرنی پڑے گی۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ نے ان کی دو تاویلیں کی ہیں۔

تاویل اوّل۔ یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ امام معصومؑ کی حدیث ہے اسے ٹھکرا دیا جائے ظاہر ہے کہ اس صورت میں امامؑ کا استخفاف لازم آتا ہے جو عدم ایمان بلکہ عدم اسلام کی دلیل ہے۔

تاویل دوم۔ آیات محکمات اور روایات متواترات پر پیش کئے بغیر محض اپنی رائے ناقص و قیاس فاسد

سے اسے مسترد کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ روش و رفتار بھی انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ ملاحظہ ہو مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳۱۔ ان فی ذالک لاٰیات لقوم یعقلون۔

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

ہم تصدق چہاردہ معصومینؑ خدائے جلیل و اکرم کے خاص فضل و کرم سے گذشتہ سال عقائدِ ایمانیہ و تحقیق اصولِ اسلامیہ پر ایک مکمل و مدلل کتاب بنام "احسن الفوائد فی شرح العقائد" ملک کر ابناء قوم و ملت کے سامنے پیش کر چکے ہیں جس میں قریباً قریباً تمام شیعہ عقائد و مسلمات کو قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے اور دیگر فرقہائے اسلام کے مقابلہ میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے شیعہ اصول و عقائد کی برتری واضح کی گئی ہے اور ہر موضوع پر ملاحدہ و منکرین کے شکوک و شبہات کو عقل و نقل اور آئمہ علوم قدیمہ و جدیدہ کی روشنی میں بڑے عمدہ و احسن انداز میں رد کیا گیا ہے۔ اور یہ کتاب رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے رسالہ شریفہ اعتقادیہ کی شرح ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد جہاں علماء اعلام و دیگر اربابِ تحقیق و انصاف نے اسے اس صدی کا علمی شاہکار اور اپنے موضوع پر تحقیقی و علمی اعتبار سے بے مثال کتاب قرار دیا جیسا کہ اس کتاب کی تقریظوں و تبصروں سے یہ بات واضح ہے جو اس پر لکھے گئے والحمد للہ علی احسانہ وہاں چونکہ اس سے بعض غلو نواز حضرات کے طبع زاد عقاید پر کاری ضرب لگی تھی اس لئے انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ اس کے اور اس کے مصنف کے خلاف محاذ قائم کر کے محوِ آرائی کرنا اپنا فریضہ سمجھ لیا۔ یہ اپنی سرشت و سرشت کا فرق ہے کہ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ ان حضرت کے خیال کے مطابق ہم سے غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ ہم باوجود ائمہ اہل بیتؑ کے بے شمار صحیح فضائل و مناقب بیان کرنے کے) ان ذواتِ قدسیہ کے خالق و رازق اور محی و ممیت ہونے کی نفی کر دی اور ان کو خالق و رازق قرار دیئے جانے والے نظریہ کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا۔ فذالک ذنب لست عنہ اتوب۔ اسی طرح اور بھی بعض عقائد صحیحہ ایسے تھے جو ان کے ذاتی خیالات کے متصادم تھے۔

بہرحال جب ہم نے یہ دیکھا کہ آجکل بعض اہم دینی عقائد پر اخبارات و رسائل و رسائل پر طبع آزمائیاں اور ہنگامہ آرائیاں ہو رہی ہیں اور بعض صحیح عقائد کو بعض دین فروش لوگ غلط انداز میں عوام کے سامنے پیش کر کے انہیں شیعہ اعلام اور مدارس دینیہ سے بدظن کرنے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ چٹھیاں ہیں کچھ دینی مسائل پر بعض ہم فتاوی ہیں۔ کچھ اخبارات و جرائد کے مضامین ہیں۔ جن میں حق کشی، باطل کوشی و رضائے خالق کی بجائے رضائے مخلوق کی رضا جوئی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کس طرح سے ان کو سمجھاؤں   یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے نظم انجمن بگڑا

سمجھا گیا کہ قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم نیز تحقیقات علماء متقدمین و متاخرین کی روشنی میں منصفانہ و جامع تبصرہ کر کے احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا مذہبی فریضہ انجام دیں۔ تاکہ عذر و نذر اور اتمامِ حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔

ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حيّ عن بينة اسی لئے کتاب کو دس ابواب پر تقسیم کر کے بعد از استخارہ یہ کتاب لکھنا شروع کر دی ہے بحمد اللہ ہر باب میں ایک ایک اہم موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وهو حسبی ونعم الوکیل

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم — تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

اصول الشریعہ کے اشاعت کے بعد کیا ہوا!

احسن الفوائد کی اشاعت کے بعد جو حالات رونما ہوئے تھے ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔

اصول الشریعہ جو اصلاح اعمال و عقائد کے جذبہ سے سرشار ہو کر لکھی گئی تھی یقیناً علم دوست اور تحقیق پسند حلقوں کی طرف سے توقع سے بھی زیادہ اس کی پذیرائی کی گئی۔ الحمد للہ۔ مگر جن لوگوں نے پہلے احسن الفوائد کی مخالفت کی تھی۔ ان کی طرف سے تو اب گویا مخالفت کا آتش فشاں پہاڑ پھوٹ پڑا۔ اور تقریر و تحریر میں اس کے خلاف تہذیب و شرافت کے تمام تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے وہ ہڑبونگ مچایا کہ الامان والحفیظ تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

ہماری دوسری کتب بالعموم اور "احسن الفوائد" و "اصول الشریعہ" بالخصوص عظیم کتابیں ہیں

ہم یہ بات کسی تعلّی اور تکبر کی بنا پر نہیں (جو کہ مذموم ہے) بلکہ محض تحدیث نعمت پروردگار کی بنا پر (جو کہ ممدوح ہے) کہہ رہے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ہماری دوسری کتابیں بالعموم اور احسن الفوائد و اصول الشریعہ بالخصوص دنیائے اسلام و تشیع کی عظیم کتابوں میں سے ہیں۔

عظمت کتب کا معیار کیا ہے؟

یہ مسلّمہ عقلائی قاعدہ ہے کہ ہر دعویٰ کے اثبات کے لئے ثبوت لازم ہوتا ہے۔ ورنہ وہ دعویٰ نظر عقلاء میں قابل قبول نہیں ہوتا۔ بنابریں مذکورہ بالا دعویٰ کے ثبوت میں پہلے ہم معیار عظمت کے متعلق "ایک مشہور انگریز مصنف رابرٹ ڈاؤنز کی رائے گرامی پیش کرتے ہیں۔ جس نے دنیا کی عظیم سو کتابوں کا انتخاب شائع کیا۔ اور اس کا نام رکھا "کتابیں جنہوں نے دنیا بدل ڈالی" جس کا اردو ترجمہ ملک کے مشہور قلمکار ادیب غلام رسول مہر نے کیا ہے۔ اس کے بعد اس معیار کی روشنی میں اپنی کتابوں کی عظمت کا جائزہ لیں گے ان شاء اللہ وہ اس کتاب کے مقدمہ میں عظمت و اثر آفرینی کے معیار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اثر کی حیثیت کا بڑی حد تک عملی معیار یہی ہے کہ مخالف و موافق معاصرانہ ردعمل پیش نظر رکھے جائیں اگر کسی کتاب کے خلاف شدید جذبات ابھرے اور اسی اہتمام سے حامیوں نے کتاب کی تائید میں سرگرمی دکھائی تو اغلب خیال یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب نے لوگوں کے افکار پر گہرا اثر ڈالا ہے"

اس معیار کی روشنی میں اصول الشریعہ وغیرہ کا جائزہ

اگر بنظر انصاف حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے

کہ ہماری تمام پر وہ کتابیں اس معیارِ عظمت پر صدقِ صد پوری اتری ہیں جب سے یہ کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں۔ موافقت و مخالفت کا ایک طوفان اُمڈ آیا ہے۔ اگر ایک فریق یہ کہہ کر "فھذا کتاب لا یحبہ الا مومن ولا یبغضہ الا منافق" انہیں ایمان و نفاق کا میزان قرار دے رہا ہے۔ تو دوسرا گروہ انہیں قابلِ ضبطی اور سوختنی قرار دے رہا ہے۔ تقریر و تحریر میں باہم دونوں فریق برسرِ پیکار ہیں۔ اور پوری شدت سے ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں اگرچہ حامی گروہ نے تہذیب و متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جبکہ مخالف گروہ نے اخلاق و تہذیب کے تمام تقاضوں کو پامال کر دیا ہے۔ کل اناء بالذی فیہ یترشح

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے وہ ضمیر و خیال کی آزادی کو سلب نہیں کرتا۔ اور نہ ہی وہ حریتِ فکر و رائے کا دشمن ہے وہ دلیل و برہان سے اطمینانِ نفس کرائے بغیر صرف جبر و اکراہ سے کوئی بات نہیں منواتا۔ وہ مجموعۂ ترہات و خرافات نہیں۔ بلکہ سراسر حقائق و معارف کا بیش بہا خزینہ ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے ؎

آزادیِ افکار سے ہے ان کی تباہی	رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ

اہلِ دانش و بینش سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح پادریوں نے عیسائیت کو خرافات کا مجموعہ بنا ڈالا تھا اور اپنے قول و کردار سے نئی پود کے ذہنوں میں یہ چیز راسخ کر دی تھی کہ مذہب عقل و خرد کا ساتھ دینے سے قاصر ہے اور ترقی کی راہ میں سنگِ گراں اور اس تاثر کو تاہ اندیش گروہ کے اس رویہ سے مزید تقویت ملی کہ انہوں نے سینکڑوں، فلسفہ و سائنس کے محققین اور موجدین کو چُن چُن کر ہلاک، اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اس لئے ان تنگ نظر کور باطن پادریوں کی روش و رفتار سے تنگ آ کر اور ان کے خود مذہبی اصولوں سے بیزار ہو کر نئی پود نے مذہب کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اور مذہب کا جُوا گردن سے اتار پھینکا یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہے مگر ہے بہرحال حقیقت کہ موجودہ دور کے ملا و مولوی بھی اپنے غلط اندازِ تبلیغ اور اپنی غلط روش و رفتار سے نئی پود کو مذہب سے بیگانہ و بیزار کرنے میں خاص کردار ادا کر رہے ہیں جب نئی پود یہ دیکھے گی۔ کہ فلاں عالم کی نظر میں فلاں عالم کافر اور فلاں مولوی کی نگاہ میں فلاں ملحد۔ تو وہ بالآخر نجات کسی اور دین میں ہی تلاش کرے گی۔ یا بالکل ہی لامذہب ہو جائے گی۔ ولا قدر اللہ

مخالفت کا طوفان

مذکورہ بالا اصول کے مطابق جب یہ بات ثابت ہے کہ اسلام حریتِ فکر و رائے کا مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے اور وہ ہر صاحبِ فکر و نظر کو دلیل و برہان کے ساتھ بطریقِ احسن اپنے نظریہ کے اظہار کا حق دیتا ہے۔ تو اگر بالفرض مولوی صاحبان کے خیال کے مطابق ہم نے کوئی نیا نظریہ بھی پیش کیا تھا۔ تو عدل و انصاف اور صدقِ نیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ہاؤ ہو کرنے کی بجائے ہماری کتب کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے اور اگر کوئی مطلب ان کو بظاہر حق کے خلاف معلوم ہوتا۔ تو پہلے تو خود اس کے لئے کوئی مناسب تاویل کرتے۔ کما ورد فی الحدیث احمل فعل اخیک علی احسنہ۔ اور اگر ایسا نہ کر سکتے تو پھر مصنف کی طرف رجوع کرتے کیونکہ

التصنیف را مصنّف نیکو کند بیان" تاکہ وہ حقیقتِ حال کی وضاحت کر دیتے۔ یا اگر فی الواقع وہ مطلب غلط ہوتا تو شکریہ کے ساتھ ہم اس کی اصلاح کر لیتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ اپنی عقاید و نظریات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے جن پر قریباً چودہ سو سال کے شیعہ علماء اعلام کا اتفاق ہے اور پھر ہر ہر موضوع و مسئلہ پر متعدد آیات قرآنیہ، بیسیوں احادیث معصومیہ، اور سینکڑوں اقوال علماء امامیہ پیش کئے ہیں جس کے بعد کسی منصف مزاج آدمی کے لئے کسی قسم کے شک و ریب کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ الا علی اکمہ۔ لا یبصر القمرا کیا اصلاح کا یہی طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہیں۔ ہم نے تو ہمیشہ ان کو دعوت دی ہے کہ باہم دگر بیٹھ کر افہام و تفہیم کریں۔ اگر ہماری غلطی ثابت ہو جائے تو ہم اس کا اعتراف و ازالہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ حضرات کسی اصلاحی اقدام پر آمادہ نہیں ہیں۔

یہ سب ہاؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت کا نتیجہ ہے

مگر افسوس ان لوگوں نے خوف خدا اور خوف حشر و نشر اور پاس مذہب و ملت سے بالا ہو کر اور اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ "عرض المسلم کدمہ" (کہ مسلمان کی عزت و ناموس کا احترام اس کے خون کی طرح واجب ہے) اور اس بات سے بھی قطع نظر کر کے کہ اہل ایمان کو ذلیل و رسوا کرنے کی ناکام کوشش کرنے والوں کا انجام کیا ہے "ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا" اپنے مخصوص اغراض کے تحت جو طوفان بدتمیزی و فتنہ انگیزی بپا کیا ہے۔ اور جس بھونڈے انداز میں خالص علمی مسائل اعتقادیہ کو علمی سطح پر سلجھانے کی بجائے عوامی سطح پر اچھال اچھال کر قوم کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کیا ہے اور جس طرح اغیار کے لئے اسباب تضحیک فراہم کئے۔ اور ملک کے کونہ کونہ میں فتنہ و فساد کی آگ روشن کی۔ عین اس وقت جبکہ ان کی زبانوں پر "لا تفسدوا فی الارض" کا ورد جاری تھا وہ یہ بھول گئے کہ "الفتنۃ اکبر من القتل"۔ بہر حال ان کی اس روش کے پیش نظر ہر معمولی عقل و خرد رکھنے والا انسان بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب ہاؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت اور ذاتی غلبہ و اقتدار کے جذبہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب خود آرائی اور نبرد آزمائی صرف اس لئے ہے کہ ہم نے بعونہ تعالیٰ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر غرضیکہ ہر علمی میدان میں ان لوگوں کا حدود اربعہ بیان کر کے ان کی حقیقتیں بے نقاب کر دی ہیں۔ اور ان کے علم و عمل اور دین و دیانت کا صحیح طول و عرض واضح کر دیا ہے۔

نہیں شکایت ہے ہم فقیروں کے عارضِ حسرت رقم سے ... کہ اسکی سحر نگاریوں سے عجب حقائق نکھر رہے ہیں

اس لئے وہ مذہب کی آڑ لے کر ذاتی انتقام کی آگ بجھا رہے ہیں۔ ان کو اس کی مطلق پروا نہیں کہ قوم بے عملی و بدعقیدگی کی کن اتھاہ گہرائیوں میں گر رہی ہے؟ زمانہ کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے؟ موجودہ دور کے تقاضے کیا ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ کار کیا ہے؟ وہ آج سے کئی سو سال پرانے کھینچے ہوئے خطوط تبلیغ پر آنکھیں بند کر کے چل رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے زور تقریر و تحریر صرف کر رہے ہیں۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ان کی اس

جنگ زندگی کو دین و مذہب سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا قوم و ملت سے کوئی ہمدردی ہے۔ مگر ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ وہ اپنے ان اوچھے ہتھیاروں سے اپنے وقار کی گرتی ہوئی دیوار کو زیادہ دیر تک سہارا نہیں دے سکتے۔ اب قوم بیدار ہو چکی ہے اور ان کا یوم الحساب قریب آگیا ہے۔ اب ان کے قصر عظمت و کبریائی کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ اور ان کی مذہبیت اور اخلاص بے نقاب ہو چکے ہیں۔ قوم ان سے متنفر ہے اور ان کے کردار سے بے زار ہو رہی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو رہی ہے کہ اب تک اس نے منبر و محراب ان کے حوالے کر کے کھویا کیا ہے اور پایا کیا ہے قوم اب اس نہج پر سوچ رہی ہے کہ چالیس پچاس سال ہو گئے یہ سب لوگ ہمیں سونے کی چڑیا سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے نوچ رہے ہیں۔ مگر اس پورے عرصہ دراز میں انہوں نے ہمارے مستقبل کو تابناک و درخشاں بنانے کے لئے کوئی دینی مدرسہ کھولا؟ یا ہمیں کوئی پیش نماز وغیرہ مہیا کیا؟ کوئی مدرس پیدا کیا؟ اور جب تقسیم ملک کے بعد ہمارے مقامی بھائیوں نے دینی مدارس کھولے جن کی بدولت آج نہ مدرسین کی کوئی کمی ہے نہ مبلغین کی، نہ پیش نمازوں کی، تو ان لوگوں نے بجائے حوصلہ افزائی کے الٹا ان کے خلاف تقریر و تحریر میں محاذ قائم کر دیا "ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون"

تشدد و فتنہ انگیزی علمی شکست خوردگی کی دلیل ہے

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کے اندر شر انگیزی، فتنہ خیزی اور مذہب کے نام پر طوفان بدتمیزی کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ وہ اس غلط جذبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ بلکہ وہ "الفتنۃ اشد من القتل" کہہ کر اس فساد کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر ظلم و ستم کرنے اور فتنہ و فساد پھیلانے والے یا خود لامذہب ہوتے ہیں۔ ان کے اندر مذہب کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یا پھر مذہبی حقائق و معارف سے یکسر جاہل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ تشدد و زیادتی پر صرف وہی لوگ اترتے ہیں جن کے علمی ترکش میں کوئی تیر نہیں ہوتا۔ اور وہ علمی سطح پر گفتگو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ قرآن ایسے عبرتناک واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ خدا جب حضرت نوح شب و روز ایک کر کے نہایت بے غرضی و بے لوثی سے قوم کو دعوت الی الحق دیتے ہیں۔ اور دلائل سے ان کے غلط نظریات کا تار و پود بکھیر دیتے ہیں تو قوم جب علمی میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو تشدد پر اتر آتی ہے اور کہتی ہے لئن لم تنتہ ینوح لتکونن من المرجومین (پ ۱۹ س شعراء ع ۱۱) اے نوح! اگر آپ ان باتوں سے باز نہ آئے تو آپ کو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا اسی طرح جب خلیل خدا نے ہمدردی خلائق کے نیک جذبے سے سرشار ہو کر بڑے احسن انداز میں قوم کو ان کے عقیدہ و عمل کی غلطی پر ٹوکا اور دلیل و برہان سے خدا کے سچے راستہ کی طرف بلایا تو جاہل قوم نے وہی جواب دیا جو قبل ازیں جناب نوح

کو دیا گیا تھا یعنی یا ابراہیم لئن لم تنتہ لارجمنک (پ ۱۶ مریم ع ۳) اگر آپ اس عقیدہ و تبلیغ سے باز نہ آئے تو آپ کو سنگسار کر دیا جائے گا۔

اسی طرح جب جناب لوطؑ نے اپنی قوم کو چاہ ضلالت سے نکالنے کے لئے عملی جد و جہد شروع کی اور دلیل کی زبان میں ان سے بات کرنا چاہی تو قوم نے ان کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔ اخرجوھم من قریتکم (پ ۸ اعراف ع ۱۰) ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ اور وہ بار بار حملہ کر کے چڑھ آتے رہے اور ان کو ڈراتے دھمکاتے بھی رہے تاکہ کسی طرح وہ اپنے مشن سے دست بردار ہو جائیں۔

جب جناب شعیبؑ نے قوم کو صحیح راستہ کی تبلیغ شروع کی تو ان کے مخالفین نے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا۔ لنخرجنک یا شعیب والذین امنوا معک من قریتنا (پ ۹ الاعراف ع ۱۱) اے شعیبؑ اس عقیدہ اور اس کی نشر و اشاعت سے باز آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ اپنے شہر سے نکال دیں گے۔"

پھر حضرت موسیٰؑ اور ان کے متبعین سے بھی وہی متشددانہ سلوک کیا گیا جو ان سے پہلے انبیاءؑ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ فرعون نے جناب موسیٰؑ کو دھمکی دی لئن اتخذت الٰہا غیری لاجعلنک من المسجونین (پ ۱۹ شعراء ع ۲) اگر میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ اسی طرح اپنے کارپردازوں کو حکم دیا اقتلوا ابناء الذین امنوا معہ واستحیوا نساءھم (پ ۲۴ مومن ع ۳) جو لوگ موسیٰؑ پر ایمان لائے ہیں۔ ان کے بیٹوں کو قتل کر دو۔ اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو۔"

پھر دیکھئے جناب عیسیٰؑ کو اسی تبلیغ حق کے جرم میں کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور جناب خاتم الانبیاءؐ پر مصائب و شدائد کے وہ کوہ گراں گرائے گئے اور وہ وہ مظالم ڈھائے گئے۔ کہ جن کے تصور سے ہی انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے خود آنحضرتؐ کا ارشاد ہے ما اوذی نبی کما اوذیت جس قدر راہ حق میں مجھے روحانی و جسمانی اذیت و تکلیف دی گئی ہے اتنی کسی نبی کو نہیں دی گئی۔" اور پھر آنحضرتؐ کی عترت اطہار پر تو فقط دین اور احقاق حق و ابطال باطل کے جرم میں اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ ظلم و ستم کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہمیشہ برابر ہوتا رہا۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ کیا ظلم و ستم کرنے والے کبھی بادیان دین کے پائے ثبات میں لغزش و تزلزل پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ کیا ان کو اپنے مشن سے دست بردار کر سکے۔ کیا ان کی مقدس گردنوں کو باطل کے سامنے خم کر سکے۔ نہیں اور ہرگز نہیں تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ان حضرات نے ہمیشہ باوجود فضا کے ناموافق ہونے کے پوری جرأت سے اپنا مشن جاری رکھا اور جب کبھی حالات نے بہت ہی نازک صورت اختیار کر لی تو اپنی مقدس گردنیں کٹوا لیں اور نوک سنان پر چڑھوا لیں مگر ان کو باطل کے سامنے جھکانا یا باطل کی ہاں میں ہاں ملانا گوارا نہ کیا۔ ولنا فی الانبیاء والائمۃ اسوۃ حسنۃ۔

کب دبا کے جبر سے دبتے ہیں کہ جن کے
ایمان و یقین جن میں کئے رہتے ہیں تنویر

جوابی کتب کا غیر مُتناہی سلسلہ

جب سے ان حضرات نے اختلاف و افتراق کا یہ موجودہ قبیح سلسلہ شروع کیا ہے ہم نے ہر سطح پر واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر اس فتنہ سامانی اور ہنگامہ آرائی سے ان حضرات کے کچھ ذاتی اغراض و مفادات وابستہ نہیں ہیں تو پھر دو باتوں میں سے ایک قبول کریں:

(۱) باہم مل بیٹھ کر علمی سطح پر گفتگو کرکے کوئی صحیح حل تلاش کریں۔

(۲) یا اپنے دینی و ملی مرکز نجف اشرف کے مجتہد اعلم کی طرف رجوع کریں پھر پوری قوم ان کے مدلل و محکم فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ نہ صرف ہم بلکہ کئی ہمدردان قوم و ملت اس سلسلہ میں مخلصانہ کوششیں کر کرکے تھک گئے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں "وہاں ایک خامشی ہے ان سب کے جواب میں"

اس سے یہ حقیقت نصف النہار کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ فساد ہے۔ قوم کا سنجیدہ طبقہ ان کی اس روش و رفتار سے بیزار بھی ہے اور حیران و پریشان بھی۔ اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ

ع: ما مریداں رو بسوئے قبلہ چوں آریم چوں — رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

ان حضرات کی روش سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں فی زمانہ دین کی خدمت "اصول الشریعہ کی جواب نویسی" میں ہی منحصر ہے۔ و بس۔

لکھنے والوں کے انواع و اقسام

ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ لکھنے والوں کی متعدد قسمیں ہیں: کچھ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر قلم اٹھاتے ہیں، کچھ قوم و ملت کی خدمت کے لئے دست و قلم کو جنبش دیتے ہیں۔ اور کچھ دین و مذہب کی حمایت کے صالح جذبہ سے سرشار ہو کر میدان تحریر میں قدم رکھتے ہیں۔ اہل قلم کے انہی اقسام میں سے ایک قسم اُن لکھنے والوں کی بھی ہے جو محض اس لئے قلم اُٹھاتے ہیں کہ اس سے دُنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بھی موجود ہیں۔ اس لئے وہ اپنی ذات کی معرفی کرانے اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے علماء و فضلاء کے کلام پر غلط سلط تنقید کرکے اپنی اس خواہش کی تکمیل کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک مشہور شاعر کا بیٹا بدقسمتی سے نالائق نکلا جس کا اس کے عظیم والد کو بڑا صدمہ تھا اور ہر وقت اپنے اس نالائق فرزند کو شہرت کے بام عروج پر پہنچانے کی فکر و تدبیر میں غلطاں و پیچاں رہتا تھا۔ بالآخر بڑے غور و فکر کے بعد اسے ایک تدبیر سوجھی۔ بیٹے کو بلا کر کہا کہ میری وفات کے بعد بڑے مسلم الثبوت اساتذۂ فن شعراء کے کلام کو سامنے رکھ کر ان پر غلط سلط تنقید کر دیا کرنا۔ اس سے سادہ لوح عوام پر تمہاری قابلیت کی دھاک بیٹھ جائے گی اور وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر یہ بہت بڑا شاعر نہ ہوتا تو اتنے بڑے جلیل القدر شعراء کے کلام پر تنقید کیوں کرتا؟ بنا بریں بہت سے لکھنے والے محض اس نظریہ کے تحت قلم کیف ہو کر اپنے نامۂ اعمال کی طرح کاغذ سیاہ کرتے ہیں اور علماء اعلام کے منہ لگتے ہیں کہ اس طرح اُن کو سستی شہرت حاصل ہو جائے۔ اور عام لوگ اُن کو بھی عالم و فاضل سمجھیں گے جیسا کہ "اصول الشریعہ" کے خلاف

قلم بکف صف آرا حضرات میں ہر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ اس کیمپ میں کچھ مادر زاد علامے، کچھ خانہ ساز مولانے اور کچھ علم و فضل سے عاری کلانے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ اگر عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس صف میں کچھ بڈھے اور کچھ بچے ہیں۔ اور اگر ان کے علمی و عملی حالات و کوائف پر اجمالی نگاہ ڈالی جائے تو بقول شاعر اس منڈی میں ہر قسم کا مال موجود ہے مثلاً ؎

کچھ چھوٹے ہیں کچھ بچے ہیں، کچھ بڈھے ہیں کچھ بچے ہیں — کچھ فتنہ و شر کے بانی ہیں، کچھ دین کے دشمن جانی ہیں

کچھ منطقی اور ملّے ہیں کچھ جاہل اور سیانے ہیں — کچھ اہل حق کے تاجر ہیں، کچھ کاسہ لیس مہاجر ہیں

بولیں تو خطیب شہر کی ہیں، گھولیں تو سیاسی زہر بھی ہیں — کچھ موتی ہیں کچھ مالا ہیں، کچھ دال میں کالا کالا ہیں

مگر یا ہیں ہم اب سب کے سب کہ

اب قوم کی خاطر مرتے ہیں، اسلام کا بھی دم بھرتے ہیں

؎ مدے کہ غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدم — کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ان جوابی کتب میں کیا ہے؟

صرف اصول الشریعہ کے بارے تمام تقریباً آٹھ دس جوابات اس وقت تک منظر عام پر آچکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ برابر جاری ہے ہم اگر ان کے مؤلفین کا علمی حدود اربعہ بیان کریں اور ان کے علمی شاہکاروں کا مکمل تجزیہ پیش کریں۔ تو ان کو شکایت ہوگی۔ جبین ناز پر شکنیں ابھریں گی اور آبگینہ ہائے دل کو ٹھیس لگے گی۔ اور یہ بات ہمیں گوارا نہیں ہے ؎

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم — انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

البتہ اس سوال کہ "ان کتب میں کیا ہے" کے جواب میں اس قدر عرض کرنے کی جسارت کریں گے۔ کہ ان میں اکثر و بیشتر العرض گالی گلوچ و کذب و افترا و پروپیگنڈہ و فریب کاری تہام و الزام تراشی۔ سب و شتم تنابز بالالقاب اپنی خود ستائی دوسرے اہل علم و بیان کی رسوائی الیہ فریبی دھوکہ دہی ہجو و طنز اور نفاق بازی سے لبریز اور علمی حقائق و دقائق و انداز شرافت سے عاری ہوئے کا وہ غلیظ پلندہ ہیں کہ باستثناء آیات مبارکہ و اسماء مقدسہ اگر ان کو جلا یا جائے اور کوئی صحیح و تندرست آدمی اس آگ تاپے تو بعید نہیں کہ وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو جائے۔ بعض حضرات نے وہ انداز تحریر اختیار کیا ہے کہ اس نے جانڈوں کو بھی مات کر دیا ہے اور بعض مطالب تو لکھنے والوں کے خیالات کی طرح یوں پریشان و منتشر ہیں کہ ان پر کشکول ہونے کا گمان ہوتا ہے اور بعض کی زبان وہ جناتی ہے جس پر کہ

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

صادق آتا ہے۔ الغرض ان جوابی کتب میں سوائے سمت عقیدہ علمی تنال در تحقیقی تھیک نہ باقی سب کچھ ہے۔ دوسرے لفظوں میں مخالفت برائے مخالفت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

تضاد ہی تضاد

یہ بات کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ہے کہ جو تحاذبہ ہو اس کے کلام میں تناقض و تضاد ضرور ہوتا ہے۔ خدائے رحمٰن نے قرآن میں اختلاف و تناقض کے نہ ہونے کو اس کی حقانیت و صداقت کا برہان بنا کر پیش کیا ہے: "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" (اگر یہ غیر خدا کا دمن گھڑت) کلام ہوتا تو ضرور اس میں اختلاف موجود ہوتا) اس مسلمہ قاعدہ کی صداقت اس وقت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے، جب ان جوابی کتب کے مندرجات پر طائرانہ نگاہ ڈالی جاتی ہے یہ لوگ حُبِّ جاہ، سستی شہرت حاصل کرنے کی چاہ اور ہماری اعداد و ضد و مخالفت کے جنون سے مجنون ہو کر اس وادی پُر خار میں کود تو پڑے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ خود ان کے بیانات تضاد و تناقض کا بدترین نمونہ ہیں۔ ایک کا رُخ مشرق کی طرف ہے تو دوسرے کا مغرب کی جانب۔ اور ایک کا منہ جنوب کی سمت ہے تو دوسرا شمال کی طرف متوجہ ہے گویا کہ وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں ؎

کبھی گرتا ہوں ساغر پر کبھی جھکتا ہوں مینا پر
مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

ان کی اس قابلِ رحم روش و رفتار کو دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر نوکِ قلم پر آ جاتا ہے ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ہم ذیل میں ان حضرات کے مختلف القسم تضادات و تناقضات کا بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے مقدمہ کے ان محدود صفحات میں گنجائش نہیں ہے ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

ایک مؤلف کا دوسرے مؤلف سے تضاد

ان حضرات کا یہ تضاد کئی قسم کا ہے۔ ایک کا دوسرے سے اختلاف، ایک ہی مؤلف کی ایک ہی تالیف میں باہمی اختلاف، ایک مؤلف کی دو کتابوں میں اختلاف اور مؤلف و ناشر میں اختلاف ہم بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں ان اختلافات کے بعض نادر نمونے پیش کرتے ہیں۔ جیسے عنوان بالا سے متعلق چند مواد ملاحظہ ہوں۔

(۱) موجودہ اختلاف کے بیان سبب میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں "ہمارا اور حضرات شیعین کا اختلاف دو باہمی مقابلہ کفر و ایمان کا مقابلہ نہیں۔ بلکہ تعظیم و توہین کا مقابلہ ہے" (حقائق ابو سائط ص۱۲) دوسرے صاحب لکھتے ہیں "باختلاف کلیت عبادان کا مناط درجات بیان سے ہے" (جواہر الاسرار ص۲) موجودہ مسائل اختلافیہ شیعیان پاکستان

۱؎ ہم نے ہی ... ٹھیک ہی ہے ... حقائق ابو سائط ... محمد ... صلی اللہ علیہ وسلم کی ... دوسری کتاب میں ثابت کیا ہے کہ ... کو سمجھنے سے عقول عاجز ہیں ... ص ...

۲؎ ہم نے دلائل عقلیہ و شرعیہ کے کیمیاوی تجربہ سے ان مصنوعی جواہر کا خزف ریزہ ہونا ثابت کر دیا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

کہ فریقین کا ہر شخص مومن قرار پاتا ہے۔" (ایضاً ص۱۰۹)

(۲) "ائمہ اہل بیتؑ کی طرف خلق و رزق کی نسبت دینے میں اختلاف"۔ ۲۴ حضرات کے دستخطوں سے شائع شدہ رسالہ "حقائق مذہب اہلبیتؑ" کے صفحہ ۵ سوال نمبر … "کیا آنحضرت صلعم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء و اماتت و خلق و رزق کے کام کرتے ہیں" کے جواب میں لکھا جاتا ہے "یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے"۔۔۔ "کون کہتا ہے کہ خلق و رزق و اماتت و احیاء ان کی ڈیوٹی ہے یہ تو ان کے غلاموں کی ڈیوٹی ہے۔" (حقائق العقائد[1] ص۹۵)۔ لیکن ایک صاحب لکھتے ہیں "اسی طرح ہم ان ذوات مقدسہ کو خالق و رازق اور محی و ممیت اور حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں۔" (حقائق الوسائل ص۹۹/۱۴۰) ایک اور صاحب لکھتے ہیں "معلوم ہوا کہ خلق و رزق و احیاء و اماتت وغیرہ باذن اللہ ملائکہ وغیر ملائکہ انجام دیتے ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی طرف ان کاموں کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی توہین ہے۔" (معالم الشریعہ ص۲۰۱) ایک اور صاحب لکھتے ہیں "اس شرح سے معلوم ہو کہ تمام امور کا اجراء یہی ذوات مقدسہ کرتے ہیں۔ ان کا وظیفہ یعنی ڈیوٹی ہے جو ان کے شایان شان ہے (حقائق الوسائل ص۱۰۱) ایک اور صاحب لکھتے ہیں "اور بعد خلق کائنات تدبیر عالم ان بزرگواروں کو خدا نے تفویض کیا ہے۔" (اسرار الشریعہ فی عقائد اثنا عشریہ[2] ص۱۵۱) "جمیع مخلوق کے امور اللہ تبارک نے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو تفویض کر دیئے ہیں۔" (ایضاً ص۱۰۹) اس کے ساتھ صاحب حقائق العقائد (ص۱۳۰) کا یہ فتویٰ بھی دیکھے قابل ہے "کسی شیعہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے سپرد ہے۔ یہ تہمت لگانے تہمت ہے کسی شیعہ کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کام اُن کے غلاموں کے سپرد ہیں" ؎

ہیں سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

(۳) "ائمہ کے پاس ملائکہ کیوں آتے ہیں اس میں اختلاف"۔ ایک صاحب لکھتے ہیں "حق تعالیٰ اپنے

---

[1] نام ہے حقائق العقائد مگر کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب بیچارہ ذہنی شک و ریب میں چکر لگا رہے ہیں کہیں فرماتے ہیں "کیا ممکن نہیں ہے کہ مصدر جہالت آیت میں رسول سلام رحمن وہی کا ذکر ہے وہ وہی فطری طاقت ہو (ص۱۳۱) اور کہیں لکھتے ہیں "جب ملائکہ مستحب ولی ہو سکتے ہیں تو تبلیغ و تعبیر بھی ہو سکتے ہیں (ص۳۰) افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہیں کو امکان عقلی و امکان وقوعی کا فرق بھی معلوم نہیں لیکن مباحث میں پڑ کر کتابیں لکھ رہے ہیں اور عالم کہلانے پر مصر ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

[2] عربی نام ہے یہ مؤلف کی علمی لیاقت و قابلیت کا آئینہ دار ہے۔ وہ لکھتے ہیں کس قدر مقام تاسف ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں وہ لوگ بھی علمی مباحث میں حصہ لے کر علماء سے الجھ رہے ہیں جو کتاب کا صحیح نام بھی ظاہر کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے اور عربی و فارسی تو کجا خود اردو کی چند سطریں بھی صحیح گرائمر کے مطابق لکھنے کی استعداد کے مالک نہیں ؎ تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو (منہ عفی عنہ)

تمام مقدر امور کے احکام کو پہلے ان ذواتِ مقدسہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور پھر ان کو کائنات میں ملائکہ کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے جس کا مقصد محض ان حضرات معصومینؑ کی عظمت و جلالت اور رفعتِ شان کا اظہار ہے نہ یہ کہ یہ ذواتِ مقدسہ ان کے فعال و اختیارات میں شریک یا مختار ہیں۔" (جواہر الاسرار ص۶۵) دوسرے صاحب لکھتے ہیں۔

"اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ صرف اضافہ علم ہے یا تعظیماً و سلام کی خاطر ولی زمان کے پاس فیصلہ شدہ امور اور ملائکہ سے کرتے ہیں۔ تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ دعاوی اہل بیت علیہم السلام کا منہ چڑاتا ہے (اسرار الشریعہ ص۲۹) تیسرے صاحب لکھتے ہیں "لیکن جب امور کے اجراء کا وقت آتا ہے تو ان تمام مقدرات کا علم محمد و آل محمد علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ فیصلہ شدہ امور کا اجراء ہوتا ہے اور یہ حضرات اپنے خدام یعنی فرشتوں کو مامور کر دیتے ہیں (حقائق الوسائط ص۵۱)

(۴) ائمہ کے قدیم ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف: ایک صاحب لکھتے ہیں "چونکہ محمد و آل محمد علیہم السلام خلقت میں سب سے سابق ہیں لہٰذا اقدم ہیں کیونکہ سابق الموجودات ہیں" (حقائق الوسائط ص۲۹) دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

"ائمہ معصومینؑ کو قدیم نہ مانا جائے کیونکہ یہ صفت مختص بہ پروردگار عالم ہے۔" (معالم الشریعہ ص۲۳)

(۵) نور و بشر کے مسئلہ میں اختلاف: ایک صاحب لکھتے ہیں "اور تھے ہی مجسم نور" (حقائق العقائد ص۱۲۳) دوسرے صاحب لکھتے ہیں "ہمارے ساتھ بشریت میں مشارکت رکھتے ہیں" (حقائق الوسائط ص۵۱)

(۶) نور کی تعریف میں اختلاف: ایک صاحب لکھتے ہیں "نور روشنی کو کہتے ہیں" (حقائق العقائد ص۱۹۴) اس سے ظاہر ہے کہ نور عرض ہے۔ دوسرے صاحب لکھتے ہیں "النور ظاهر بنفسه والمظهر لغيره" یعنی جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو۔ اور وہ اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے" (حقائق الوسائط ص۲۰) قطع نظر دعویٰ کی صحت و سقم سے۔ اس تعریف میں نور کو جوہر تسلیم کیا گیا ہے۔

(۷) مؤلف کوکب دری کے مذہب میں اختلاف: ایک صاحب لکھتے ہیں وہ اہل سنت میں سے تھے (معالم الشریعہ ص۳۰) دوسرے صاحب اسے شیعہ بتاتے ہیں (جواہر الاسرار ص۶۲)

ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس تضاد کی دوسری قسم یہ ہے۔ ایک مؤلف کی دو تالیفوں میں اختلاف و تضاد۔ اس کے بھی بعض نمونے ملاحظہ ہوں۔ موجودہ بحران العقائد سے پہلے جو کچھ لکھا وہ ہمارے بیان کردہ حقائق کے مطابق ہے اور جب ہماری ضد و مخالفت میں قلم اٹھایا تو اپنے سابقہ بیانات پر بھی یک جنبش قلم پانی پھیر دیا۔ چنانچہ دینیات کورس حصہ ... میں لکھا ہے۔ "معجزہ فعل خدا ہے۔ مگر اسی مؤلف نے موجودہ کتاب حقائق العقائد ص۲۳۳ و ۲۴۰ وغیرہ کئی مقامات پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ معجزہ نبی و امام کی قوت سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔"

رسالہ دینیات حصہ ... پر لکھا ہے "نبی و امام انسان کامل ہوتا ہے" مگر حقائق العقائد ص۲۱۰ تا ۲۲۳ نیز ص۲۲۵ پر خیال ان کی

نوع مسجود اور ان کو فوق البشر ثابت کرنے کی لاحاصل سعی کی گئی ہے۔

ایک ہی مؤلف کا ایک ہی کتاب میں تضاد

یہ اس گروہ کے تضادات کی تیسری قسم ہے۔ کہ ایک ہی مؤلف کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی کتاب میں کہیں کچھ لکھتا ہے اور کہیں کچھ۔ چنانچہ صاحب حقائق الوسائل ص۹ پر موجودہ اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں "کفر و اسلام کا نہیں بلکہ تعظیم و توہین اہل بیتؑ کا مقابلہ ہے" مگر صفحہ ۲۵۶ پر انہی عقائد کی وجہ سے صحابہ پر کفر کے تمام احکام نافذ کرتے ہوئے لکھتا ہے "مخالفین کا ذبیحہ حرام، ان کی اقتداء میں نماز باطل، ان کی گواہی مردود، ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ثابت ہے"۔ اسی طرح ص۲۹۵ پر لکھتا ہے کہ "معجزات انبیاء و ائمہ ہی کے افعال ہیں" مگر ص۳۱۳ پر لکھا ہے "اصطلاحی معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مد مقابل کے مطالبہ کے وقت دکھایا جاتا ہے اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا"۔ اسی کتاب کے ص۲۵۶ پر صحابہ پر محض اس جرم کی پاداش میں کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے کہ وہ معجزہ کو فعل خدا مانتے ہیں۔ اس لئے بوجہ مجبرہ ہونے کے محکوم بکفر ہیں۔ اور یہاں خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس میں نبی کا کوئی دخل نہیں ہے یعنی نبی اس سلسلہ میں مجبور ہے۔ کیونکہ خدا کا فعل ہے تو اس طرح اپنے فتویٰ کی زد میں خود بھی آگئے ؎

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ص۹۹ پر لکھتا ہے "وہ وحدہ لاشریک ہے" مگر ص۱۰۴ پر پہنچ کر یہ لکھا کہ "ہم محمد و آل محمد علیہم السلام کو خالق و رازق، محی و ممیت تسلیم کرتے ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں ان حضرات کو تمام صفات خدا کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔ اور یہی اعتقاد حق ہے"۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا تعصب و عناد اور حسد و ضد کا برا کرے کہ یہ صفات رذیلہ انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہیں ؎

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

ایک اور صاحب اپنی کتاب "معالم الشریعہ فی سفرہ و تبصرۃ علی عقائد الشیعہ۔ من ناقلہ کلب ماب العلیؑ" ص۱۱ پر لکھتے ہیں "جہاں تک اللہ کی معرفت اور اس کی توحید کا تعلق ہے وہ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے اور ہم پر اسی قدر واجب ہے کہ ہم اس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں خواہ ذات میں ہو یا صفات میں، افعال میں ہو یا عبادات میں"[1] مگر ص۱۲ پر لکھتے ہیں "ربوبیت سے تنزیل کا صرف یہی مقصد ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو قدیم نہ مانا جائے کیونکہ

۱؎ علمی جلالت و جہالت کی شعاعیں ہم سے ہی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ ارباب علم کے لئے مقام تدبر ہے کہ جس کتاب کے صرف نام میں ہی چند علمی غلطیاں موجود ہوں اس کے دوسرے مندرجات و مطالب کی صحت کا کیا عالم ہوگا۔ ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ کتاب ... [illegible] شیعہ معالم الاقوال ... [illegible]

یہ صفت مختص بہ پروردگارِ عالم ہے۔ یہ صفت کسی ممکن کے لئے نہ بالذات ممکن ہے نہ باذن اللہ ممکن ہے نہ حقیقتاً نہ مجازاً اور باقی صفات کا باذن اللہ ممکن ہی وجود ممکن ہے۔" لیکن ص۱۶۳ پر لکھا ہے "وہ رب ہیں بلکہ اس کے بندے ہیں" ص۱۲۱ پر توقیع مبارک کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے اپنا عقیدہ یوں ظاہر کرتے ہیں کہ "ہم اپنے رب کی بلا واسطہ صنعت ہیں اور باقی مخلوق ہماری صنعت ہے" "گر ص۲۰ پر لکھا ہے" اور آنحضرتؐ کی طرف ان کاموں (خلق و رزق و امانت و احیاء) تاقیل، کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی توہین ہے کیونکہ یہ تمام کام ان کے نوکروں چاکروں کا ہے۔"

کبھی اقرار کرتے ہیں، کبھی انکار کرتے ہیں

ایک اور صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں "ائمہ اہل بیتؑ خالقِ عالم نہیں ہیں۔ ایسے عقیدہ کو احادیث صحیحہ رد کرتی ہیں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے اعتقادیہ میں تحریر فرمایا ہے "لا تعتقد انہم خلقوا العالم بامر اللہ فانا قد نھینا فی صحاح الاخبار عن القول بہ" یہ اعتقاد نہ رکھو کہ ائمہؑ نے امرِ خدا سے عالم کو پیدا کیا کیونکہ صحیح احادیث میں اس اعتقاد سے روکا گیا ہے۔" (حقائق العقائد ص۲۱) مگر ص۱۴۳ پر پہنچ کر یہ لکھتے ہیں "پس اس قاعدہ کی رو سے ثابت ہے کہ غیر اللہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام خالق و رازق ہیں۔ فعل خلق و رزق ان کا فعل ہے اور یہ شرک نہیں۔"

ببوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد۔"

مؤلف و ناشر کا باہمی تضاد

اس سلسلہ میں تضاد بیانی کی یہ آخری قسم ہے کہ ایک شخص کتاب تالیف کرتا ہے دوسرا اپنے حواشی اور نوٹس دے کر شائع کرتا ہے لیکن بموجب "من ہمہ سرایم وطنبور ما ہم چہ سراید" مؤلف کچھ کہتا ہے اور ناشر کچھ، ایک کا رخ ایک طرف ہے اور دوسرے کا دوسری طرف۔ مثلاً صاحب جواہر الاسرار ص۵۸ پر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ "بندوں کے رزق ائمہ معصومینؑ کے دستہائے مبارک سے جاری کئے جاتے ہیں" مگر ناشر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ پر یوں لکھتے ہیں "بندوں کے رزق کا ائمہ طاہرینؑ کے ہاتھوں پر جاری کرنے سے مراد آپ کے وسیلہ و برکت اور توسط سے جاری کرنا ہے۔" اسی کتاب کے باب چہارم ص۱۱۰ پر بزعم خود مؤلف نے "آنحضرتؐ اور ائمہ معصومینؑ کے عالم غیب ہونے کا اثبات" کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے مگر ناشر نے ص۱۲۰ کے حاشیہ پر یہ کہہ کر سرے سے اس بحث کو لایعنی قرار دے دیا کہ "یہاں تک حقیر نے فریقین کی عبارات علم غیب سے متعلق دیکھی ہیں، سوائے لفظی و اصطلاحی اختلاف کے کچھ نہیں پایا۔" اسی طرح مرتب کتاب نے باب ششم ص۱۶۰ پر بزعم خود یہ ثابت کرنے کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے ہیں کہ "آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ حاضر و ناظر ہیں۔" مگر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ میں ناشر صاحب رقمطراز ہیں "نحن لا نعنی بالحاضر بلا، لہ حضر بالقوۃ ولا نقول انہم موجودون فی کل مکان باجسامہم علیہ ولا یخلو منہم مکان" "حاضر سے مراد حاضر بالقوہ ہے نہ کہ بالفعل یا جسم

ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ متعدد اجسام کے ذریعہ ہر جگہ موجود ہیں۔ اور ان سے کوئی جگہ خالی نہیں البتہ ایسا ہے کہ اگر یہ ذوات مقدسہ کسی جگہ حاضر ہونا چاہیں تو آن واحد میں عالم خدمت سے حاضر ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ جگہ ہزار میل دور ہو یا نزدیک۔"

ہم نے بلا نقد و تبصرہ ان تضادات و تناقضات کے چند نادر نمونے قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے یہاں پیش کر دئیے ہیں۔ جن کو دیکھ کر بابصیرت ناظرین ان حضرات کی دینی بصیرت اور تفقہ فی الدین کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ نیز تحقیق پسند طبائع انہی اختلافات و تضادات کے اندر اصل حقیقت کا بھی سراغ لگا سکتی ہیں۔ ؎

سکوتی بیان عندها و کلام — و فیه عبرة للعاقلین

لیکن آہ ما اکثر العبر و اقل الاعتبار فهل من مدکر۔ ؎

مجلس چو بر شکست تماشا بما رسید — در بزم چوں نماند کسے ما بما رسید

افسوس کہ ع — سب اٹھ گئے بازار سے جب تک تو ہم آئے

ایک کھلی حقیقت

کسی کتاب کا جواب ایک ہوتا ہے کسی کے دو یا زیادہ سے زیادہ تین مگر اصول الشریعہ کے اب تک آٹھ دس جوابات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اور نہ معلوم کتنے والا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ع

نہ منزل کے سہارے پر نہ رہبر کے اشارے پر

تو اب حقیقت حال دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان حضرات کے دل و دماغ پر یہ بات مسلط ہے کہ ان سے اصول الشریعہ کا جواب نہیں دیا جا سکا جیسا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی کتاب کو سراہتے ہوئے دوسرے کی کتاب کو ناقص ظاہر کر رہا ہے (کما هو مصرح عن بعض الثقات) یا یہ حضرات اس جواب نویسی اور کتب فروشی کو آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اور علمی میدان میں سستی شہرت حاصل کرنے کا آسان وسیلہ سمجھتے ہیں۔ بہر حال ؎

توئی نشناسند و رازے ست و گرنہ — اینہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ہمارا ردعمل

خدائے قدیر نے ہمارے قلم میں بفضلہ تعالیٰ اس قدر طاقت و توانائی ودیعت فرمائی ہے۔ کہ اگر چاہیں تو موجب کلوخ انداز را پاداش سنگ است۔ و بمصداق البادی اظلم ہر ہر کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ اور انہی کے ردیف قافیہ میں جواب آں غزل پیش کر سکتے ہیں۔ اور اگر دیکھا جائے اس مقدس جماعت کی کتاب زندگی کے صرف چند اوراق پریشاں کو منظر عام پر لائیں تو ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ و زندگی تلخ۔ اور سر چھپانے کے لئے جگہ عنقا اور ان کا سارا غرور و ندامت پادر ہوا ہو جائے اور ہو گئے ہیں اس کارروائی میں حق بجانب

؎ جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں پاک و ہند کی جنگ زوروں پر ہے۔ اس وقت بھی خطرہ کا سائرن بج چکا ہے۔ ہوائی حملوں کا سلسلہ جاری ہے جاری ہے تیز دل افواج ہمارا ... ہماری فوجوں کو تیر کا جواب پتھر سے دے کر دشمن کو شکست دے رہی ہیں۔ دنیا دیکھ رہی ہے۔ (باقی برصفحہ ۹۸)

مگر یہ وہ ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے۔

اولاً اصولاً ہم پر جواب دہی کی ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم نے اس کتاب کی طبع اول میں جواب نویسی کے لئے دس شرائط مقرر کی تھیں۔ جن میں سے پہلی اور اہم شرط یہ تھی کہ ہمارے دلائل و براہین کو من وعن نقل کر کے جواب دیا جائے۔ تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجانے کے بعد قارئین کرام کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں آسانی ہو۔ مگر ان بزعم خود جواب نویسندگان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کو مس بھی کرے۔ البتہ ان لوگوں کو کتر بیونت کرنے، غلط بحث کرنے، اور عبارتوں کو توڑ موڑ کر رائی کا پہاڑ بنانے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ نہ معلوم دانش سکاری کو علیحدہ کر کے صرف لا تقربوا الصلوٰۃ پیش کرنے والی ذہنیت اس گروہ نے کس مدرسہ میں زانوئے ادب تہ کرنے سے حاصل کی ہے؛

ثانیاً تقریر و تحریر میں سب و شتم اور کذب، افترا اور رنگ آرائی کی ان حضرات نے جو نیو رکھی ہے۔ وہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار سے بمراحل دور ہے۔ بلکہ اس سے دشمنان اہل بیت کے کردار کا عکس آشکار ہوتا ہے۔ اس لئے سیرت آل محمدؐ اس قابل مذمت روش و رفتار کے اختیار کرنے سے مانع ہے ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ مگر خانوادہ عصمت و طہارت کی مقدس سیرت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ ولکل وجہۃ ھو مولیھا اور پھر رب العباد کا ارشاد ہے کہ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ مسلمان تو بجائے خود خدائے رحمٰن کا تو یہ فرمان ہے کہ اہل کتاب سے بھی احسن طریقہ پر گفتگو کرو۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے ولا تجادلوا اھل الکتب الا بالتی ھی احسن" بنا بریں یہوں کے ساتھ کیونکر شدت و غلظت برتی جا سکتی ہے؟ ورنہ انہی کے ردیف قافیہ میں اس انداز میں جواب آں غزل پیش کر کے ان کی ضیافت طبع کی جاتی کہ ساری زندگی اپنے زخم چاٹتے رہتے۔ کیونکہ ؎

جراحات السنان لہا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

ہمیں بھی آتی ہے بات کرنی مگر یہ کہنا ہی خوب تر ہے تمہاری خاطر بہانے میں کہ تم سے ہم بے خبر ہے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹) باوجود یکہ دشمن کا اسلحہ اور تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن فتح و نصرت ہر محاذ پر پاک فوج کا مقدر بن کر ان کے پاؤں چوم رہی ہے کیوں؟ محض اس لئے کہ پاکستانی حق پر ہیں اور ایک عظیم مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ مخالف کا کوئی لیتہ نصب العین نہیں بلکہ محض توسیع پسندی۔ اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے سلسلہ میں مادی طاقت کے گھمنڈ پر ہوتے ہوئے آزمائی کر رہا ہے۔ لیکن ہماری حرب عزما لا الہ الا اللہ اور عقاد رسالت (محمد رسول اللہ) اور نعرہ حیدری (علی ولی اللہ) کی گونج کے سامنے دشمن کے ہیا رسے ٹینک دھنی ہوئی کپاس کی طرح فضائے محیط میں اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر اب مادہ پرست دنیا بھی یہ بات سمجھ گئی ہے۔ کہ کامیابی و کامرانی کے لئے سچائی اور دسائل (ماہنامہ ... ۹۹)

ثالثاً ہمیں سخت اندیشہ ہے کہ اس نوک جھونک اور بیت بازی سے علماء کا رہا سہا وقار جس کو یہ لوگ اپنے قول وفعل سے پہلے ہی سخت دھچکا لگا چکے ہیں، بھی خاک میں مل جائے گا بلکہ اس طرح مذہب کا جنازہ نکل جائے گا اور اغیار واجانب یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جس مذہب کے علماء کا یہ اخلاق و کردار ہے۔ "آں مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم"

ہمیں ذاتی وقار و اقتدار سے مذہب و ملت کی فلاح و بہبود زیادہ عزیز ہے۔ ہم سب کچھ گوارا کر سکتے ہیں مگر دین و مذہب کے وقار پر آنچ آنا برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم نے ان کے عائد کردہ ذاتی اتہامات اور خرافات کا کوئی نوٹس نہیں لیا ہاں البتہ اگر کتابوں میں کوئی توجہ کے لائق اور قابل جواب چیز تھی تو اسے نظر انداز بھی نہیں کیا بلکہ پوری متانت و رزانت سے اس کا جواب پیش کر دیا ہے۔ بعد ازیں اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں جوابی کتاب لاجواب ہے اگر یہ حضرات بنظر غائر اصول الشریعہ کے موجودہ ایڈیشن کا مطالعہ فرمائیں گے تو بزعم خویش اپنے تمام پیش کردہ دلائل و مسائل کا نقد جواب با صواب حاضر پائیں گے۔ البتہ ہمیں خدائے رحیم کے لطف و کرم اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تائید و شفاعت پر بھروسہ کرتے ہوئے یقین کامل ہے کہ یہ تمام جوابی کتب برساتی کیڑوں کی طرح کچھ عرصہ کے بعد اپنی موت آپ مر جائیں گی۔ اور حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گی۔ البتہ ہم نے جو مشعل ہدایت روشن کی ہے قیام قیامت تک دنیا اس کی ضیا پاشیوں سے استفادہ و استفاضہ کرتی رہے گی انشاء اللہ

شہرت گستیم گیتی بعد من خواہد شدن

فقد منا الیٰ ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثوراً ہم نے بحمد اللہ توفیق گرز حق مار کر باطل کے سر کا مغز نکال کر رکھ دیا ہے۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق والحمد للہ رب العالمین علیٰ حسن توفیقہ لاحقاق الحق وابطال الباطل بالدلائل والبراھین

توجہ طلب نکتہ

جس طرح قرون اولیٰ میں ذاتی اقتدار کے بندے اور تمام نہاد لیڈران قوم حقیقی مصلحین یعنی انبیاء و مرسلین کو نظر عامہ سے گرانے اور ان کے کلام کو غیر موثر بنانے کے لئے ان کو شاعر، مجنون، سفیہ، ضال، ساحر، کذاب اور نامعلوم کن کن قبیح القاب کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ مگر ان امور کو حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) ہمارا ایک ادنیٰ جیسی ہے بلکہ اس نے لئے مدد کی، نفرتوں اور صدق بیانی کی اشد ضرورت ہے۔ اور یہی مرتبہ خود وہ عظیم طاقت ہے کہ اس کے مقدم کو، باطل کوئی بھی طاقت سے سرنگوں نہیں کر سکتی۔ خدا نہ کرے اگر مرتبہ ہماری ہو گی اس لئے کہ ہم حق پر ہیں۔ اسی طرح مودودیوں کی اس جنگ زرگری میں بھی جہاں ہمارے مخالفین کو اپنی عددی کثرت اور وسائل کی برتری پر ناز ہے ہمیں اپنی حقانیت وصداقت پر فخر ہے۔ اس لئے بموجب یعلو ولا یعلیٰ علیہ الحمد للہ ہماری نصرت اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تائید ہمارے ساتھ ہے اس لئے فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی ہمارا مقدر ہے۔
(باقی دیکھو ص ۷۰)

تعلق نہ تھا۔ اس لئے عقلاء روزگار پر ان قصہ پردازوں کے کذب و افترا کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ہاں البتہ وقتی طور پر سادہ لوح لوگوں پر ان کے اس پروپیگنڈے کا کچھ اثر ضرور ہو جاتا تھا۔ اور وہ ان کے دام تزویر میں آ جاتے تھے۔ بلا تشبیہ اسی طرح آج بھی منبر و محراب کے بعض اجارہ دار اور قوم کی قیادت و سیادت کے بلا شرکت غیرے دعویداروں نے بیچارے سادہ لوح عوام کو اپنے خود ساختہ علماء سے دور رکھنے اور اپنی اجارہ داری کی دکان چمکانے کی خاطر فقط "وہابی" مقرر کر رکھا ہے۔ اس لئے جب عالم دین کی تذلیل کر کے اسے انظار عامہ سے گرانا اور اس طرح اس کے علم و فضل کو غیر مؤثر بنانا مطلوب ہو تو اس پر فوراً "وہابی" ہونے کا فتویٰ عائد کر دیا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ کاٹھ کی ہنڈیا زیادہ دیر چولہے پر نہیں ٹھہر سکتی۔ اور نہ ہی کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر تک سطح آب پر چل سکتی ہے نہ جھوٹ کی ناؤ چلتی ہے کیونکہ اس سے بہت جلد ان کی افترا پردازی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور دوسروں کو ذلیل و رسوا کرنے والے اپنے ہاتھ سے کھودے ہوئے کنوئیں میں گر کر خود ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد رسول ہے من حفر بئراً لاخیہ وقع فیہ یعنی چاہ کن را چاہ درپیش۔ ؎

میرے مخالفین ہمیشہ ہوئے ذلیل میری فروتنی نے کیا مجھ کو ارجمند

اور اپنی کیفیت تو یہ ہے کہ ع نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایت زمانہ ؎

میرو تو زمیں میں مری نظر میں مشت خاک پہنچا سکی نہ گردش دوراں مجھے گزند

الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ حق و حقیقت پر ہزار پردے ڈالے جائیں مگر قدرت کا ہاتھ دست قدرت سے ان تمام پردوں کو یک لخت کر دیتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ حق کا بول بالا ہوتا ہے ع وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔

مقام شکر ہے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی اگرچہ بہت قلیل ہیں وقلیل من عبادی الشکور، ہماری قوم میں خدا کے فضل و کرم سے کچھ تو دیندار، خدا ترس اور حیادار افراد موجود ہیں جو حق و باطل، عالم و جاہل اور صالح و طالح میں امتیاز کرنے کی صلاحیت و دیانت رکھتے ہیں۔ وہ ہر فریق کی روش اور رفتار و کردار اور گفتار اور اپنے اپنے موقف پر ان سے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لے کر بآسانی حق و باطل کا فیصلہ اور علماء حق و علماء سوء کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں اور وہ اس بات کو بھی بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ ہاؤ ہو اور فتنہ و فساد کی جو غیر گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی خاطر ہے۔ یا اس میں درد قوم و ملت کا جذبہ کارفرما ہے بہر حال مقام مایوسی نہیں ہے ؎ نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہم نے اس کتاب میں یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر ہر مسئلہ و موضوع پر پہلے قرآن مجید کی آیات محکمات پیش کی ہیں اس کے بعد

بقیہ حاشیہ ص۶۹۔ قدرت کاملہ کا وعدہ ہے وحقا علینا نصر المومنین۔ اس لئے ع ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا۔ نصر من اللہ وفتح قریب (مرتب عفی عنہ)

جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کی مستند احادیث درج کی ہیں۔ بعد ازاں قریباً چودہ سو سال کے مشہور شیعہ علماء اعلام و اساطین اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیانات معتبر حوالجات سے قلم بند کئے ہیں۔ اور سب کے آخر میں دوسرے فریق کے وہ تمام شکوک و شبہات جو وہ پیش کیا کرتے ہیں یا اس مقام پر پیش کئے جا سکتے ہیں پیش کر کے ان کے مکمل و مدلل تحقیقی جوابات پیش کر دیئے ہیں، تاکہ اتمام حجت میں کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور طالبان حق کے لئے حق و صدق اپنی پوری تاب و تابش اور جلوہ ریزی و ضیا خیزی کے ساتھ اس طرح سامنے آجائے کہ ظلمت کذب و باطل کے تمام تیرہ و تار بادل چھٹ جائیں۔ اور یہ خاکدان عالم بقعۂ نور بن جائے یہدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام

یہ تعجب نہیں مشکل ہے یہ حل معانی کا ؎ کہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید والسلام علی من اتبع الھدیٰ

وانا الاحقر محمد حسین علی عنہ

شب دوشنبہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

بوقت ۱۰ بجے شب

سرگودھا

طبع ثانی:-

۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء بمطابق ۲۹ شوال ۱۳۹۱ھ

بروز شنبہ بوقت پونے چھ بجے شام

کاتب رشید وزیر حسین شیرازی

سرگودھا

طبع ثالث:-

۲۸ فروری ۱۹۸۳ء بمطابق ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

بروز سوموار بوقت سوا بارہ بجے دن

والحمد للہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وبہ نستعین

اُصُولُ الشَّرِیْعَۃ فِیْ عَقَائِدِ الشِّیْعَۃ

الحمد للہ الذی لا یبلغ مدحتہ القائلون۔ ولا یحصی نعمائہ العادون۔ ولا یؤدی[1] حقہ المجتہدون۔ الذی لا یدرکہ بُعد الہمم ولا ینالہ غوص الفطن الذی لیس لصفتہ حد محدود ولا نعت موجود ولا وقت معدود ولا اجل ممدود فطر الخلائق بقدرتہ ونشر الریاح برحمتہ ووتد بالصخور میدان ارضہ۔ الحمد للہ العلی عن شبہ المخلوقین۔ الغالب لمقال الواصفین۔ الظاہر بعجائب تدبیرہ للناظرین۔ والباطن بجلال عزتہ عن توہم المتوہمین۔ العالم بلا اکتساب ولا ازدیاد ولا علم مستفاد۔ المقدر لجمیع الامور بلا رویۃ ولا ضمیر وشرائف صلواتہ ونوامی برکاتہ علی محمد عبدہ ورسولہ۔ الخاتم لما سبق۔ والفاتح لما انغلق والمعلن الحق بالحق والدافع جیشات الاباطیل الدامغ صولات الاضالیل۔ القائم علی امرہ والحافظ علی عہدہ۔ الذی ارسلہ نذیرا للعالمین وعلی آلہ الطاہرین الذین ہم اساس الدین وعماد الیقین الیہم یفیئ الغالی وبہم یلحق التالی۔ الی یوم الدین —— اما بعد ——

تمہید سدید جیسا کہ مقدمہ میں تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ و حسن توفیقہ مذہب شیعہ خیر البریہ کے تمام اصول و عقائد کے فریضۂ تحریر سے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ جس کا عنوان "احسن الفوائد فی شرح العقائد" لکھ کر سبکدوش ہو چکے ہیں، اب اس کتاب مستطاب میں ان عقائد و مسائل کا تکرار و اعادہ کرنا مقصود نہیں ہے مذہب شیعہ کے تمام تفصیلی عقائد مع الدلائل دیکھنے اور پھر ان حقائق کی روشنی میں اپنے اعتقادات و نظریات کی اصلاح کرنے کے خواہشمند حضرات اس کتاب مستطاب کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں تو محض موجودہ دور کے ان بعض اختلافی مسائل و عقائد

---

[1] یہ خطبہ مبارکہ نہج البلاغہ کے مختلف مقامات سے ماخوذ و مستنبط ہے بلا تغیر (منہ عفی عنہ)

ومسائل کا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ، اتفاق علماء متقدمین و متاخرین اور عقل سلیم کی روشنی میں تفصیلی تذکرہ کرنا ہے، جن کا زیادہ تر تعلق نبیؐ و امامؑ کی معرفت شان و مقام کے ساتھ ہے۔ البتہ اصل مطلب کو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک جامع حدیث شریف بیان کر دی جائے جس میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مصدقہ تمام ضروری عقائد و مسائل بکمال اختصار موجود ہیں۔

حدیث شریف مشتمل بر اکثر عقائد شیعہ امامیہ کثرہم اللہ فی البریہ

اس حدیث کو رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب التوحید صفحہ ۸۱ طبع بمبئی میں اور ان سے جناب غفران مآبؒ نے عماد الاسلام ج ۱ صفحہ ۸ میں اور دیگر علمائے اعلام نے اپنی اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے۔ جناب شہزادہ عبد العظیم بن عبد اللہ حسنی بیان کرتے ہیں (بحذف الاسناد) دخلت علی سیدی علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم فلما بصرنی قال مرحبا بک یا ابا القاسم انت ولینا حقاً قال فقلت یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ انی ارید ان اعرض علیک دینی فان کان مرضیا ثبت علیہ حتی القی اللہ عز وجل فقال ہاتہا یا ابا القاسم فقلت انی اقول ان اللہ تبارک وتعالیٰ واحد لیس کمثلہ شیٔ خارج من الحدین حد الابطال وحد التشبیہ وانہ لیس بجسم ولا صورۃ ولا عرض ولا جوہر بل ہو مجسم الاجسام ومصور الصور وخالق الاعراض والجواہر ورب کل شیٔ ومالکہ وجاعلہ ومحدثہ وان محمداً عبدہ ورسولہ خاتم النبیین فلا نبی بعدہ الی یوم القیمۃ واقول ان الخلیفۃ وولی الامر من بعدہ امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب ثم الحسنؑ ثم الحسینؑ ثم علیؑ بن الحسین ثم محمدؑ بن علیؑ ثم جعفرؑ بن محمدؑ ثم موسیٰؑ بن جعفرؑ ثم علیؑ بن موسیٰؑ ثم محمدؑ بن علیؑ ثم انت مولائیؑ فقال علیہ السلام ومن بعدی الحسنؑ ابنی فکیف للناس بالخلف من بعدہ قال فقلت وکیف ذاک یا مولائیؑ قال لانہ لا یری شخصہ ولا یحل ذکرہ باسمہ حتی یخرج فیملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً فقلت اقررت واقول ان ولیہم ولی اللہ وعدوہم عدو اللہ وطاعتہم طاعۃ اللہ ومعصیتہم معصیۃ اللہ واقول ان المعراج حق والمسألۃ فی القبر حق وان الجنۃ حق والنار حق والصراط حق والمیزان حق وان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور واقول ان الفرائض الواجبۃ بعد الولایۃ الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم والحج والجہاد والامر بالمعروف والنہی عن المنکر فقال علی بن محمد علیہما السلام یا ابا القاسم ہذا واللہ دین اللہ الذی ارتضاہ لعبادہ فاثبت علیہ ثبتک اللہ بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا والاخرۃ ——

ترجمہ حدیث

اس جلیل القدر حدیث کی شرح و بسط کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن ہم تنگیٔ فضائے وقت و تنگیٔ عیش صرف ایک مطالب خیز ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت شہزادہ عبد العظیم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے مولا و آقا حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آنجناب نے مجھے دیکھا تو فرمایا: مرحبا اے ابو القاسم! تم ہمارے حقیقی موالی ہو۔ میں نے عرض کیا فرزند رسولؐ! میں چاہتا ہوں کہ اپنا دین و اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش کروں تاکہ اگر پسندیدہ ہو تو تا زیست اس پر ثابت قدم رہوں (اور بصورت دیگر اس سے عدول کروں) امام عالی مقام نے فرمایا: ہاں اے ابو القاسم پیش کرو۔ میں نے عرض کیا توحید کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند عالم (ذات و صفات میں) واحد و یگانہ ہے کوئی بھی اس کا ہمسر و نظیر نہیں ہے۔ وہ ابطال و تشبیہ کی دونوں حدوں سے خارج ہے (نہ تو وہ معطل محض کا مصداق ہے اور نہ ہی ذات و صفات میں مخلوق کی مانند ہے) اور نہ وہ جسم و صورت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ عرض و جوہر کی قسم سے ہے بلکہ وہ جسموں کو جسم بنانے والا، صورتوں کو صورت عطا کرنے والا اور اعراض و جواہر کا خالق ہے (پھر خالق اپنی مخلوق اور صانع اپنی مصنوع کے ساتھ کیونکر متصف ہو سکتا ہے) وہ کائنات کی ہر چیز کا رب اور خالق و مالک ہے۔ اور نبوت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ جناب محمد مصطفٰیؐ اللہ سبحانہ کے بندۂ خاص، اس کے رسول اور تمام انبیاء کے سلسلۂ مبارکہ کے ختم کرنے والے ہیں۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی نبی (نہ ہی بحیثیت رتبہ یا ابتائی بحیثیت) نبی نہیں آ سکتا۔ اور امامت کے بارے میں میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسالت مآبؐ کے بعد ان کے جانشین، امام برحق اور ولی امر حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ ہیں ان کے بعد حضرت امام حسنؑ۔ ان کے بعد امام حسینؑ پھر حضرت علی بن الحسینؑ پھر حضرت محمد بن علیؑ۔ پھر جعفر بن محمدؑ پھر حضرت موسیٰ بن جعفرؑ پھر حضرت علی بن موسیٰؑ پھر حضرت محمد بن علیؑ اور ان کے بعد آپ امام برحق ہیں۔ جب شہزادہ عبد العظیم کا سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تو امام عالی مقام نے فرمایا اور میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ (عسکری) امام ہوگا۔ اور اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی جب حسن عسکریؑ کے خلف (صالح) کا دور ہوگا۔ شہزادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرے آقا! اس وقت کیا حالت ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا (بوجہ غیبت کبریٰ) نہ تو وہ دکھائی دیں گے اور ان کے ظہور تک ان کو ان کے مخصوص نام (م ح م د) سے یاد کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ ہاں جب ظہور فرمائیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح اس سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ شہزادہ کا بیان ہے کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا میں ان کی امامت و خلافت کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ پھر اپنے عقائد کا سلسلہ جاری کرتے ہوئے کہا: اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان ائمہ اہل بیتؑ کا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ (جسمانی) معراج رسولؐ برحق ہے اور قبر میں سوال و جواب کا ہونا بھی برحق ہے۔ اسی طرح جنت و جہنم کا وجود بھی برحق ہے اسی طرح پل صراط اور اعمال کا میزان عدل پر تولا جانا بھی برحق ہے اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ایک دن ضرور خدائے تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور میرا یہ

یہی عقیدہ ہے کہ ولایت اہلبیت کے بعد مندرجہ ذیل امور واجب ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے دین حق کی یہ صراحت سن کر فرمایا اے ابو القاسم! خدا کی قسم یہی وہ خدا کا (پسندیدہ) دین ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے منتخب فرمایا ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخٰسرین) اس پر ثابت قدم رہو۔ خدا تمہیں دنیا و آخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔"

اس حدیث کی جامعیت کے متعلق جناب غفرانمآبؒ کا بیان

حضرت علامہ سید دلدار علی غفرانمآبؒ نے عماد الاسلام میں اس حدیث شریف کو درج کرنے کے بعد اس کی جامعیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "ھذا الحدیث الشریف مشتمل لجلّ عقائد الشیعۃ الامامیۃ ومعظم الاصول الاثنا عشریۃ ولذلک المعصوم علیہ السلام حسنہ واثنی علیہ وقال مشیراً الیہ ھذا دین اللہ الذی ارتضاہ" (ترجمہ اعتناء) یعنی یہ حدیث شریف حضرات شیعہ امامیہ کے اکثر اصول و عقائد پر مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے امام معصوم علیہ السلام نے اس کی تحسین و تعریف فرمائی ہے۔ اور اس کی اسی جامعیت کے پیش نظر فرمایا ہے کہ یہی خدا کا پسندیدہ دین ہے۔"

ارباب عقل و انصاف کیلئے لمحہ فکریہ

ناظرین کرام مکرر سہ کرر اس حدیث شریف پر غور فرمائیں کہ اس حدیث میں عقائد حقہ ایمانیہ کو کس صاف و سادہ اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آیا اس میں موجودہ دور کی لایعنی ابحاث و عقائد کی طرف کوئی اشارہ تک موجود ہے؟ جن کو آجکل صرف محور قیل و قال اور مرکز جنگ و جدال ہی نہیں بلکہ انہی پر اسلام و ایمان کا دارومدار سمجھا جا رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ ائمہ اطہارؑ مجسم نور ہیں۔ وہ نوع انسانی کے فرد کامل نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ وہ باذن اللہ خالق و رازق اور محیی و ممیت ہیں۔ اور یہ کہ وہ عالم الغیب ہیں اور وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں الی غیر ذلک من العقائد المخترعۃ۔ اس حدیث شریف ہی پر کیا منحصر ہے۔ اس قسم کی بیسیوں قدر احادیث معتبرہ کا ذخیرہ موجود ہے جن میں عقائد امامیہ کا تذکرہ ہے۔ یا وہ روایات جن میں بعض اصحاب ائمہؑ کا اپنے اعتقادات کو بغرض تصحیح و تصدیق بارگاہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین میں پیش کرنے کا تذکرہ ہے (جن کا ایک نمونہ مقدمہ کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے) ہمیں بھی ان غیر ضروری مسائل کا غلط غلو آمیز نظریہ کا، ہندوستان تک ہمیں تقاضیں سے بہ حیثیت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان مختلف روایات کو ایمانیات و اعتقادیات میں ہرگز کوئی دخل نہیں ہے۔ ع

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لئے

اس قدر تمہیدی بیانات کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وبہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

پہلا باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی علیحدہ نوع ہونے یا بنی نوع انسان کے ہی اکمل افراد ہونے کا بیان

اہل افراط یعنی غلاۃ اور مفوضہ کے طبع زاد عقائد و نظریات میں سے ایک نظریہ فاسدہ یہ بھی ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام نوع انسانی کے افراد کامل نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ اس غلط عقیدہ کی بنیاد انہوں نے ایک عجیب مفروضہ پر قائم کی ہے چونکہ ہر منطقی نوع کے لئے "جنس" و "فصل" کا ہونا ضروری ہے جن سے مل کر نوع عالم وجود میں آتی ہے اس لئے ان لوگوں نے ان ذوات مقدسہ کی جنس "بشر" اور فصل "وحی" کو قرار دیتے ہوئے علیحدہ نوع تجویز کی ہے اس سلسلہ میں ان کے بیانات کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

"تعریف کی جو حد ہوتی ہے وہ تمام کی ہے وہ اپنے افراد پر حاوی ہے اور غیر افراد اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ "قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی" لفظ بشر جنس ہے تمام انسان بشر میں شریک ہیں اور مساوی ہیں اور نبی بھی بشر ہے فصل ممیز "یوحی الی" ہے جو نبی کو عام انسانوں سے جدا و ممیز کرتی ہے جس طرح "انسان حیوان ناطق" یا "الانسان حیوان منطیق" و انسان حیوان ناطق ہے یا انسان وہ حیوان ہے جو نطق رکھتا ہے۔ یہی حیوان جنس ہے جس میں تمام انسان و حیوان شریک و مساوی ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان حیوان میں شریک ہوتے ہوئے گھوڑا، گدھا بن جائے۔ اسی طرح انسانوں میں نبی بشر کی حیثیت سے شریک ہونے سے نبی عام انسان زید، بکر جیسا نہیں ہو جائے گا "ناطق یا منطق" ملانے سے انسان تمام حیوان سے ممیز و ممتاز ہو جائے گا۔ اسی طرح لفظ بشر جنس ہے اور "یوحی الی" ملانے سے نبی دوسرے بشروں اور انسانوں سے جدا و ممتاز ہو جائے گا۔ ہر نطق میں حیوان شریک ہے نہ تمام انسان "یوحی الی" میں شریک ہے نطق صرف انسان کی صفت ہے اور وحی صرف نبی کی صفت ہے لہذا نبی اور عام انسانوں میں وہی فرق ہے جو عام حیوان اور انسانوں میں فرق ہے۔"

اس نظریہ کے ابطال اور انبیاء و ائمہ کے نوع انسانی کے اکمل افراد ہونے کے اثبات پر دلائل قرآن کریم، احادیث معصومین، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں

برادران ایمانی پر مخفی و مستور نہ رہے کہ یہ نظریہ فاسدہ قرآن کریم، تعلیمات معصومین، اتفاق علماء

متقدمین و متاخرین اور مسلمات عقل سلیم کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے واجب الرد اور قطعاً ناقابل قبول ہے ہم ذیل میں اس کے ابطال پر چند عقلی و نقلی دلائل کا مختصر سا خاکہ پیش کرتے ہیں تاکہ اس اعتقاد کا بالکل بے بنیاد ہونا عام دنیا پر واضح و عیاں ہو جائے۔

پہلی دلیل | یہ قیاسی نظریہ ان حضرات کے علم معقول (منطق و فلسفہ وغیرہ) سے بالکل تہی دامن ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ اس فن کے طفل کتب بھی یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جنس و فصل کا شمار "ذاتیات" میں ہوتا ہے۔ نہ کہ عرضیات" میں یعنی انواع عالم میں سے کوئی بھی نوع جنس و فصل کے بغیر کتم عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر قدم نہیں رکھ سکتی۔ خلاصہ یہ کہ جنس و فصل کے بغیر کسی بھی نوع کا وجود میں آنا محال ہے کیونکہ اس کی ماہیت و حقیقت کی ایک جزء جنس اور دوسری جزء فصل ہے۔ بنا بریں یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ کوئی بھی نوع کسی وقت بھی (جنس کی طرح) اپنی فصل سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ شرح مطالع مطبوعہ اسلامبول ص۵۵ پر ذاتی کے یہ معنی لکھے ہیں۔ "وهو ما يكون جزء ماهية الشئ" جو کسی ماہیت و حقیقت کی جزء ہو پھر ص۵۶ پر بیان کیا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں "والذاتي اما جنس او فصل" ایک کا نام جنس ہے اور دوسری کا فصل ہے۔ اور ص۵۶ پر ذاتی کے خواص شمار کرتے ہوئے لکھا ہے "والذاتي يمتنع رفعه عن الماهية اى اذا تصور مع الماهية امتنع الحكم بسلبه عنها ويجب اثباته لها اى لا يمكن تصورها الا مع تصوره موصوفة به ويتقدم عليها فى الوجود الذهنى والخارجى" الخ یعنی کسی شئی کی ذاتی کا اس سے علیحدہ ہونا ناممکن ہے یعنی جب بھی شئی کے ساتھ ذاتی کا تصور کیا جائے تو اس کا اثبات شئی کے لئے واجب اور علیحدگی محال ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی شئی کا تصور بھی اس کی ذاتی کے بغیر ناممکن ہے اور یہ ذاتی اس شئی پر وجود ذہنی و خارجی میں مقدم ہوتی ہے۔ (تقدم الجزء على الكل)

اسی طرح کتاب نقد الآراء المنطقیہ ص۲۲۹ پر ذاتی کے خصوصیات شش گانہ بیان کرتے ہوئے پہلی خصوصیت یہی لکھی ہے کہ "عدم تحقق الشئ بدونه" شئی اس کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی

بعد تیسری خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ "ما كان بين الثبوت للشئ ويمتنع الحكم بسلبه" یعنی اس کا ثبوت شئی کیلئے بین ہو (محتاج دلیل نہیں) اور اس سے جدا ہونا محال ہو اور پانچویں خصوصیت یہ تحریر فرمائی ہے کہ "ما يتقدم على الشئ فى الوجود الذهنى والخارجى تقدماً ذاتياً لاحتياج ذاته اليها بحسب الوجود" یعنی ذاتی وہ ہوتی ہے جو شئی سے اس کے وجود ذہنی و خارجی میں تقدم ذاتی رکھتی ہو کیونکہ شئی اپنی ذات و ماہیت میں اس کی طرف محتاج ہوتی ہے۔ (ایسا ہی افادہ منطق کی مشہور کتب حمد اللہ اور قاضی وغیرہ میں فرمایا گیا ہے) الغرض یہ ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ←

ص۵۵ [illegible]

کہ کوئی مسعود پڑھ لکھا وہ حقیقت انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ جس طرح نطق کے بغیر، جو کہ اس کی فصل ہے، انسان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کہا حیوان ناطق، تو اگر اسی طرح وحی بھی نبی کی فصل ہے تو اس کے بغیر نبی کا تصور بھی ناممکن ہوگا۔ ہمارے حقائق آئیے اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا وحی مقومات نبی میں داخل ہے یا نہ۔ آیا نبی کا وجود اس کے بغیر متحقق ہوسکتا ہے یا نہ؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی صریح نصوص موجود ہیں جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ وحی نبی کی ذات میں داخل نہیں ہے اور اس کے بغیر نہ صرف یہ کہ نبی کا تصور ممکن ہے۔ بلکہ وجود خارجی بھی ممکن ہے یہاں صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء (شوریٰ ۵۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح الامین کو تیری طرف وحی کے ساتھ بھیجا اس کے پہلے تو یہ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور یہ کہ تعلیم ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کردیں۔ (ترجمہ فرمان علی) اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی تو نہیں جان سکتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان لیکن ہم نے اسے نور قرار دیا ہے جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں (القرآن الحکیم)

(بقیہ حاشیہ صفحہ) پاس ہیں نے اپنی پرانی کتاب میں "مدرسین کو کتب درسیہ کا بھی علم نہیں ہے" کا عنوان قائم کرکے جذبات کی رو میں بہہ کر یا اپنی طبعی عمر کے تقاضوں سے مجبور ہوکر لکھنؤ کے نصاب تعلیم کی تعریف کرتے ہوئے پاکستان کے نصاب مولوی فاضل کے ساتھ ساتھ نجف اشرف جیسے مرکز علم و ایمان کے نصاب تعلیم پر بھی ہاتھ صاف کردیئے اور یہ نہ سوچا کہ نجف اشرف کا نصاب و مقام تو بہت اونچا ہے خود مولوی فاضل کا کورس ایسا ہے کہ ہم نے لکھنؤ کے کئی ممتاز الافاضل پاس حضرات کو کئی کئی بار امتحان مولوی فاضل دیتے اور اس میں ناکام ہوتے دیکھا ہے۔ بہرحال یہ صاحب کتاب جانتے تھے کہ یہاں حمد اللہ کا نام غلط لکھا گیا ہے کیونکہ یہ مسئلہ منطق کی بحث تصورات سے متعلق ہے اور حمد اللہ میں سرے سے یہ مبحث ہے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ صرف تصدیقات کے مباحث پر مشتمل ہے انہوں نے یہ تنقید شدید کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ بعض اوقات ایک حصے کے بعض مباحث متعلقہ کتب میں کسی حیثیت سے دوسرے بعض حصوں میں جگہ پا جاتے ہیں چنانچہ ہمارے متعلقہ مسئلہ کی بھی یہی حیثیت ہے جو اس کا اصل مقام گو بحث تصورات ہی ہے مگر کسی حیثیت سے تصدیقات میں بھی آگیا ہے لیجئے ہم اس کے مقام کی نشاندہی کئے دیتے ہیں حمد اللہ صفحہ ۵۸ طبع مفید عام لاہور مع حاشیہ فاضل تونکی میں تسلسل تنائج معارف کے ضمن میں لکھا ہے فان الجنس و الفصل والنوع وان کانت موجودۃ بوجود واحد ... یعنی جنس، فصل اور نوع ایک ہی وجود سے موجود ہیں۔ اس کے حاشیہ نمبر ۵ پر فاضل تونکی نے یہ فائدہ لکھا ہے حاصلہ ان کلامن الجنس والفصل والنوع وان کانت موجودۃ بوجود واحد ... متحدۃ فیما بینھما الخ ... وکذلک ... ھو المحقق الآن مفھوم الجنس والفصل احدی مفھوم النوع فلا یتصور وجودہ فی مرتبۃ من المراتب الا ویکون وجودھما فی ضمنہ ۱۲ (منہ) یعنی اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جنس، فصل اور نوع اگرچہ بالذات ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہیں ...

(باقی دیکھیں صفحہ ۸۹)

(۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح (الامین) کو تمہاری طرف وحی کے ساتھ بھیجا جس کے پہلے تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور یہ کہ تعلیم ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کر دیں (ترجمہ مقبول)

ہم اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ کہ آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد کتنا وقت ایسی حالت میں گزرا۔ آیا یہ کیفیت کسی وقت میں تھی یا امکان میں تھی یا صرف ایک حالت تھی۔ کیونکہ اس موضوع پر آج سے تقریباً نصف صدی پہلے بعض علماء میں بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بعض مستقل کتابیں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ بہرکیف مختاط سے مختاط الفاظ میں اس قدر تو اس آیت مبارکہ سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ ایک وقت (اگرچہ بالکل مختصر سہی) ایسا ضرور تھا۔ کہ آنحضرتؐ تو موجود تھے (خلقت اول، روحانی و نورانی ہی سہی) لیکن ہنوز وحی کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا۔ اور نہ ہی ابھی روح القدس کے ساتھ ارتباط قائم ہوا تھا۔ مزید اطمینان قلب کے لئے اس آیت مبارکہ کی جو تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ ملاحظہ کریں۔ انہ سئل عن العلم اھو شیئ یتعلمہ العالم من افواہ الرجال ام فی الکتاب عندکم تقرؤنہ فتعلمون منہ قال الامر اعظم من ذالک واوجب اما سمعت قول اللہ عزوجل وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ثم قال ای شیئ یقول اصحابک فی ھذہ الایۃ ایقرون انہ کان فی حال ما یدری ما الکتاب ولا الایمان فقلت لا ادری جعلت فداک ما یقولون قال بلی قد کان فی حال لا یدری ما الکتاب ولا الایمان حتی بعث اللہ عزوجل الروح التی ذکر فی الکتاب فلما اوحاھا الیہ علم بھا العلم والفھم وھی الروح التی یعطیھا اللہ عزوجل من شاء فاذا اعطاھا عبدا علمہ الفھم یعنی امامؑ سے ان کے علم کے متعلق سوال کیا گیا۔ کہ عالم (امام) لوگوں کے منہوں سے اسے حاصل کرتا ہے۔ یا آپ کے پاس کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے آپ پڑھ کر معلوم کر لیتے ہیں؟ آنجناب نے فرمایا اصل حقیقت اس سے اجل و ارفع ہے۔ کیا تم نے ارشاد قدرت نہیں سنا وکذالک اوحینا الیک روحا۔ پھر فرمایا: تمہارے اصحاب اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ آیا وہ یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ پر ایسی حالت بھی گزری ہے

(بقیہ حاشیہ ص) ہیں اور دونوں (داخلی و خارجی) زمینی ہیں ان کے درمیان ایسا ہی ہدایاتی ارتکاز پایا جاتا ہے کہ جس طرح نفس کا "مفہوم زوج" کے مفہوم میں اس طرح داخل ہے کہ کسی (خارجی یا ذہنی) مرتبہ وجود میں زوج کا تصور بھی ان دونوں کے بغیر نہیں کیا جا سکتا" اس پوری عبارت کا مفہوم اور خط کشیدہ مقام پر بالخصوص گہری نظر ڈالیں۔ کیا یہ بعینہ ہمارا متعلقہ مسئلہ نہیں ہے؟ ایسے مقام پر یہ شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے

وقل للذی یدعی فی العلم فلسفۃ   حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء

ہمارا مطلب اس شعر سے ہے کہ   شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور   (منہ عفی عنہ)

کہ وہ کتاب و ایمان کو سمجھ جانتے تھے، راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں مجھے تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ امام نے فرمایا کہ ہاں ایک حالت ایسی تھی کہ آنحضرت نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے یہاں تک کہ خداوند عالم نے وہ روح ان کو عطا کی جس کا ذکر اس نے قرآن میں فرمایا ہے پس جب خدا نے یہ روح ان کو عطا فرمائی تو اس وقت ان کو خاص علم و فہم عطا ہو گیا۔ پس یہ وہ روح ہے کہ اپنے بندوں میں سے خدا جس (نبی یا امام) کو عطا فرما دے تو اسے اس کے ذریعے سے خاص علم و فہم بھی عطا فرما دیتا ہے (تفسیر صافی ص۴۶۴ و تفسیر برہان ج۴ ص۱۳۳ و اصول کافی ص۱۳۱) انہی کتب کے انہی صفحات پر اس امر کے بھی مختلف متعدد احادیث موجود ہیں کہ اس روح سے روح القدس مراد ہے۔"

لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ "وحی" کو بھی فصل ممیز نہیں قرار دیا جا سکتا البتہ تشریعی وحی خصائص نبوت و رسالت میں سے ہے وخاصۃ الشئی ما یوجد فی الشئی ولا یوجد فی غیرہ یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس کے بغیر کسی اور چیز میں نہ پایا جائے۔ مگر خاصہ کا شمار عرضیات خفی میں ہوتا ہے نہ ذاتیات میں کما لا یخفی علی اولی الابصار۔ ہاں اگر حضرات اہل منطق کی اصطلاح کے خلاف فصل ممیز سے مراد خاصہ ہی لیتے ہیں تو یہ اور بات ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح لیکن اس سے ان ذوات مقدسہ کی نوع علیحدہ ثابت نہیں ہو سکتی۔ کما ھو اوضح من ان یخفی۔

لے اس مقام پر اکثر جواب خواہ نویسندگان نے عجیب گل کھلائے ہیں۔ گرچہ ہیں بڑے ہیں اور عجیب اتہام لگائے ہیں۔ مگر کوئی علمی و تحقیقی چیز پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی یہ ان کے بس کا روگ ہے بعض نے تو یہ لکھا ہے کہ آیت میں قضیہ سالبہ بانتفاء موضوع ہے یعنی آنحضرت کو جب ابھی خلعت وجود ہی نہیں ملی تھی اس وقت کتاب و ایمان کا علم بھی نہ تھا۔ یہ درست ہے کہ قضیہ سالبہ بعض اوقات انتفاء موضوع سے بھی صادق آتا ہے جس طرح کہ انتفاء محمول سے صادق آتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ قرائن حالیہ و مقالیہ دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے کہ کس جگہ اس کا صدق محمول کے انتفاء سے ہے اور کہاں موضوع کے منتفی ہونے کی وجہ سے؟ اس مقام پر جب روایات اہل بیت میں صراحت موجود ہے کہ "کان فی حال لا یدری ما الکتاب ولا الایمان" یعنی ایک ایسی حالت بھی تھی کہ آنحضرت تو تھے مگر علم کتاب و ایمان نہ تھا؟ تو بعد ازیں بھی یہ کہنا کہ یہاں قضیہ سالبہ بانتفاء موضوع ہے تفسیر بالرائے نہیں تو اور کیا ہے؟

اور بعض نے یہ تحقیق انیق فرمائی کہ اس مقام پر وحی سے مراد فطری وحی ہے جس طرح آیت و اوحینا الی النحل میں شہد کی مکھی کی وحی کو بھی فطری وحی مراد ہے یعنی ہم نے یہ چیز اس کی فطرت میں ودیعت کر دی۔ اور یہ قیاس کرنے والے نے اس قدر بھی نہ سوچا کہ یہ قیاس اور وہ بھی مع الفارق ہے جو عند العقل باطل ہے۔ اشرف الانبیاء کا قیاس شہد کی مکھی پر کرنا۔ کیا اس میں شان رسالت کا استخفاف نہیں؟ حالانکہ اہل بیت کی روایات متکاثرہ میں وارد ہے کہ یہاں "اوحینا الیک روحاً من امرنا" سے مراد روح القدس ہے جیسا کہ تفسیر قمی، صافی اور برہان وغیرہ ایسی احادیث سے لبریز ہیں۔ ان تمام ارشادات معصومین کو اپنے زعم باطل کے خلاف پا کر
(باقی دیکھو ص)

دوسری دلیل

ایک مسلم الثبوت عقلائی قاعدہ ہے کہ دلیل کو عموم و خصوص میں دعویٰ کے مطابق ہونا چاہئے یعنی یہ کہ اگر دعویٰ عام ہو تو دلیل بھی عام ہونی چاہئے۔ اور اگر دعویٰ خاص ہو تو دلیل بھی خاص ہونی چاہئے لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی دعویٰ تو عام ہے مگر دلیل خاص جو کہ عند العقلاء باطل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ انبیاء اور ائمہ ہر دو کی نوع علیحدہ ہے مگر دلیل میں صرف وحی کو فصل ممیز کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ بشر جنس اور وحی فصل ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس وحی سے مراد تشریعی و نبوتی وحی ہے یا وحی غیر تشریعی؟ اگر پہلی شق کو اختیار کیا جائے کہ اس سے وحی تشریعی مراد ہے (کما ہو الحق)، تو پھر یہ دلیل (بنا بر تسلیم و دون اثباتہ خرط القتاد) زیادہ سے زیادہ انبیاء کی نوع کے علیحدہ ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ائمہ علیہم السلام پر تشریعی وحی کے نازل نہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے۔ اور اس کا قائل دائرہ اسلام سے خارج ہے چنانچہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ اوائل المقالات ص۴۵ پر قمطراز ہیں **وانما منعت من نزول الوحی علیہم والایحاء بالاشیاء الیہم للاجماع علی المنع من ذلک والاتفاق علی انہ من زعم ان احداً بعد نبینا یوحی الیہ فقد اخطاء وکفر۔** جس میں ہے اس لئے ائمہ اطہار پر وحی تشریعی کے نزول کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آں حضرتؐ کے بعد کسی شخص پر وحی ہوتی ہے وہ خطا کار بلکہ کافر ہے۔ اسی طرح محقق جلیل جناب سید علی خان ریاض السالکین ص۳ پر فرماتے ہیں **"الوحی من خواص الرسالۃ"** (تشریعی) وحی رسالت و نبوت کے خواص میں سے ہے اور اگر دوسری شق اختیار کی جائے یعنی اس سے مراد غیر تشریعی وحی لی جائے۔ تو وہ صرف ائمہ کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ ایسی وحی غیر انبیاء و ائمہ کو بھی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ آیات قرآنیہ **واوحینا الی ام موسیٰ** ہم نے مادر موسیٰ کو وحی کی **واوحینا الی النحل** ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی وغیرہ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا پھر یہ وحی نبی یا امامؑ کی "فصل ممیز" کیسے کر سکتی ہے؟ یہیں تھے دو حساب سوریوں پاک ہو گئے۔

(بقیہ حاشیہ ص۸۰) نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ بالا فاسد نظریہ کا تمام تر تقیہ بار ؑ کی بدترین مثال ہے **ومن فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔** (تفسیر صافی ص۳ وغیرہ) اور بعض بے خوف خدا سے بالا ہو کر ہم پر یہ افترا پردازی کی ہم نے چالیس برس تک جناب رسول خداؐ کو جوہل لکھا ہے (معاذ اللہ) چالیس برس تو رہا نے تو ہماری عبارت میں کہیں آنحضرتؐ کی ظاہری جسمانی حقیقت تک کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بلکہ عبارت کے سیاق و سباق میں غور و تدبر کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں حقیقت روحانی و نورانی کے وقت کا تذکرہ ہے کہ خدا نے آنحضرتؐ کو خلق کرنے کے بعد روح القدس سے ان کا رشتہ قائم کیا اور اس کے ساتھ ہی علم و ایمان اور دیگر فیوض کے افاضہ کا سلسلہ جاری ہو گیا جو اب تک برابر جاری ہے۔ اور اس بیان کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ علم ان حضرات کی ذات میں داخل نہیں۔ بلکہ عطیہ پروردگار ہے بہذا کچھ قاصد تو ماننا پڑے گا۔ کہ خدا نے ان کو پیدا کیا۔ اور پھر علم عطا کیا ہے اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔ **ھدوا الی الطیب من القول وھدوا الی صراط الحمید** (منہ عفی عنہ)

بنا بریں حقائق تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ورہوں بیجا کیوجہ سے ناقابل قبول ہے ہاتوا برھانکم ان کنتم صادقین!

تیسری دلیل اس فاسد عقیدہ میں بشر کو جنس قرار دیا گیا ہے یہ ان حضرات کے علم معقولات سے ناواقفیت کی ایک بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں (جن کی تفصیل چوتھی دلیل میں آرہی ہے) نیز انسان حقیقی نوع ہے (نہ اضافی) اور یہ حقیقت ارباب منطق کے نزدیک محقق و مسلّم ہے کہ کوئی نوع حقیقی ہرگز جنس نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں بشر کو جنس تصور کرکے انبیاء اور ائمہ کی کس طرح علیحدہ نوع تسلیم کی جا سکتی ہے؟ ان ھذا الا اختلاق

چوتھی دلیل اس نظریہ میں ان حضرات نے انبیاء و ائمہ کو بشر تسلیم کرنے کے باوجود انسانوں کے علاوہ ان کی علیحدہ نوع تسلیم کرکے جہاں علم معقول سے اپنی تہی دامنی کا ثبوت دیا ہے (جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے) وہاں لغت عربی سے بھی اپنی ناواقفیت کا ثبوت فراہم کیا ہے کیونکہ معمولی عربی دان صاحبان پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ بشر اور انسان ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ بطور نمونہ چند مستند کتب لغت کے حوالہ جات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

قاموس اللغات ج ۱ ص ۳۸۲ طبع مصر پر لکھا ہے البشر محرکۃ الانسان ذکراً او انثیٰ واحداً او جمعاً الخ یعنی بشر کا مطلب ہے انسان خواہ مرد ہو یا عورت ایک ہو یا ایک سے زائد۔ کلیات ابو البقاء ص ۸۷ پر لکھا ہے البشر ھو علم لنفس الحقیقۃ من غیر اعتبار کونہا مقیدۃ بالتشخصات والصور یعنی بشر نفس حقیقت (انسانیہ) کا نام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ شخصی تشخصات اور (فردی) تعینات (جیسے وحدت و کثرت تذکیر و تانیث حسن و قبح وغیرہا) سے متصف و مقید ہو" قرآن و حدیث کی مشہور لغت مجمع البحرین ص ۲۵۵ طبع ایران پر لکھا ہے البشر الانسان الواحد والجمع المذکر والمؤنث فی ذلک سواء" یعنی بشر انسان کا دوسرا نام ہے اس لفظ میں مذکر و مؤنث واحد اور جمع برابر ہیں۔ اسی طرح لغات القرآن یعنی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۸۴ پر لکھا ہے۔ البشر الانسان ذکراً او انثیٰ ککل افی مرآۃ العقول مجلسی ج ۱ ص ۲۹۲) یعنی بشر کا مطلب ہے انسان اس میں مرد، عورت، واحد، جمع برابر ہے۔ مشہور لغت القرآن مفردات راغب اصفہانی ص ۴۸ پر لکھا ہے وعبّر عن الانسان بالبشر اعتباراً بظہور جلدہ من الشعر۔ انسان کو بشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا چہرہ بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں بلکہ ظاہر ہے۔ اسی طرح عربی کی سب سے بڑی مبسوط مفصل کتاب لسان العرب ج ۴ ص ۶۰ طبع لبنان پر لکھا ہے البشر الانسان الواحد والجمع والمذکر والمؤنث فی ذلک سواء۔ عصر حاضر کی مستند لغت المنجد ص ۳۶ پر لکھا ہے البشر الانسان ذکراً او انثیٰ واحداً او جمعاً ان عبارتوں کا بھی مطلب وہی ہے جو مذکورہ بالا عبارات کا ہے ان حقائق سے یہ بات ظاہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں نہ یہ کہ وہ دو مختلف

حقیقتیں ہوں۔ ہاں ان کے درمیان صرف اعتباری فرق ہے یعنی ایک ہی حقیقت کو اس اعتبار سے کہ وہ ظاہر بجلد ہے اور اس کا جسم بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں ہے بشر کہہ دیا جاتا ہے یعنی بادی البشرہ۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۲۵ طبع قدیم پر لکھا ہے و سمی بشراً لانہ ظاہر الجلد لا یوارید شعر ولا صوف یعنی انسان کو بشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے جسم کی کھال بالوں یا صوف ڈھانپے ہوئے نہیں۔ بلکہ کھلا ہوا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ اس میں انس و محبت کا جذبہ وجوہر نمایاں طور پر موجود ہے اسے انسان کہہ دیا جاتا ہے ورنہ ہر دو کا مصداق ایک ہی ہے کما لا یخفیٰ۔ اگر اسماء و صفات کے تعدد و اختلاف سے کسی شئے کی حقیقت بھی متعدد ہو جائے تو پھر خدا ایک نہیں رہے گا۔ بلکہ نناوے بلکہ ایک ہزار ہو جائیں گے۔ کیونکہ دعائے جوشن کبیر میں خدا کے ایک ہزار اسماء و صفات مذکور ہیں۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے ؎

عباراتنا شتی وحسنک واحد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وکل الی ذالک الجمال یشیر

ان حقائق کی موجودگی میں انبیاءؑ و ائمہؑ کے بشر ہونے کا اقرار اور انسان ہونے سے انکار کو عجائبات روزگار میں سے شمار نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

پانچویں دلیل آیات قرآن کریم احادیث معصومینؑ اور جمہور مسلمین کے اتفاق کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے۔ کہ تمام انواع عالم اور تمام موجودات ارضی و سماوی سے حضرت انسان افضل و اشرف ہے جیسا کہ آیت مبارکہ **ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا** (پ ۱۵)۔ بنی اسرائیل رکوع ۷) اور یقیناً ہم نے اولاد آدمؑ کو عزت دی اور خشکی اور تری میں ان کو سواریاں دیں۔ اور اچھی اچھی چیزوں سے ان کو روزی دی۔ اور سب مخلوق پر ان کو ایسی فضیلت دی جیسا کہ فضیلت دینے کا حق ہے۔ سے صاف ظاہر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں **فضلنا بنی آدم علی سائر الخلق**۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے (تفسیر صافی ص ۲۹۵ و تفسیر برہان ج ۲ ص ۴۳۱) تفسیر صافی کے اسی صفحہ پر حضرت امیر المومنینؑ سے انسانی صورت کے متعلق مروی ہے **انہا اکرم صورۃ علی اللہ** انسانی صورت نگار قدرت میں سب سے زیادہ مکرم و محترم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے فضیلت و اشرفیت کا تاج حضرت انسان کے سر پر رکھا ہے **فتبارک اللہ احسن الخالقین**۔

ازالۂ شبہ شاید کسی کو یہاں یہ شبہ لاحق ہو کہ ارشاد ایزدی **وفضلناھم علی کثیر** سے تو صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اکثر مخلوق خدا پر برتری حاصل ہے نہ کہ تمام پر عند التحقیق یہ شبہ بالکل بے حقیقت ہے۔ محقق علام شبر نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ **ان المراد بالکثیر الجمیع فوضع الکثیر موضع الجمیع والمعنی انا**

فضلناهم علی من خلقنا وهم کثیر ... وفی القرآن ومحاورات العرب من ذلک مالا یحصٰی ولا یخفی علی من عرف کلامهم (تفسیر مجمع البیان ج ۶ ص ۴۲۹) یعنی کثیر سے مراد جمیع ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور یہ مخلوق کثرت سے ہے قرآن اور محاورات عرب میں اس قسم کی کثرت سے مثالیں موجود ہیں کہ کثیر سے مراد جمیع ہوتی ہے تفصیل کے لئے فقہ اللغۃ ثعالبی ملاحظہ ہو اسی طرح علامہ شہر ابن آشوب نے اپنی جلیل القدر کتاب متشابہ القرآن و مختلفہ ج ۲ ص ۳ طبع ایران پر اسی آیت مبارکہ کے ضمن میں لکھا ہے فالمو دبقوله علے کثیر ممن خلقنا۔ انا فضلناهم علی من خلقنا وهم کثیر ولم یرد التبعیض کما قال ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً۔ المعنی لا تشتروا بها ثمناً فکل ثمن تاخذونه عنها قلیل ولم یرد التخصیص والمنع من الثمن القلیل خاصة یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور وہ مخلوق بکثرت ہے خدا کا یہ مقصد نہیں کہ اس نے انسان کو صرف بعض مخلوق پر فضیلت دی ہے جیسے ارشاد قدرت ہے کہ میری آیات کو قلیل عوض کے بدلے فروخت نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں تم جو معاوضہ بھی لوگے وہ قلیل ہوگا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف قلیل معاوضہ لینا ممنوع ہے اور کثیر جائز ہے۔ حضرت علامہ حائری مرحوم نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج ۱۵ ص ۲۳۰ سے لے کر ص ۲۴۲ تک پورے دس عدد دلائل انسان کے تمام مخلوقات عالم سے افضل ہونے پر ذکر فرمائے ہیں۔ من شاء فلیراجع۔ المیہ صاحب رسالہ انوار قدیریہ ص ۱۹ و ص ۲۰ پر لکھتے ہیں "نوع انسان باعتبار جامعیت حقیقت اکمل انواع است" یعنی انسانی نوع اپنی حقیقت کی جامعیت کے اعتبار سے تمام انواع سے زیادہ مکمل ہے"۔

جناب مولانا محمد سبطین صاحب لکھتے ہیں "حکماء حال و حکماء سلف کا اتفاق ہے کہ انسان آخر درجہ تکوینات رکھتا ہے اور اس سے بالا سوائے خدا کے کوئی ہستی نہیں ہے باقی تمام انواع اس کے ماتحت ہیں۔ اس سے اوپر اور اس سے بالا کوئی نوع نہیں ہے اس سے بالا بس ذات خالق ہی ہے اور اس لئے کل حکماء سلف و فلاسفہ حال کا اتفاق ہے کہ انسان جو کہ ششم درجہ تکوینات اور آخری مرتبہ کائنات میں ہے اشرف المخلوقات و افضل کائنات ہے" (پیغام توحید ص ۱۵ طبع لاہور) اسی طرح اس رسالہ کے ص ۳۵ و ص ۳۶ پر معلم کامل رتبی بے انسانی نوعیت کے دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں "باقی انواع عالم انسان سے پست تر ہیں۔ وہ ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ فیضان تعمیم نہیں ہو سکتے .... اور نوع بشر سے بالا کوئی نوع نہیں ہے ---- وہ کوئی خاص بشر ہی ہو سکتا ہے۔ (ص ۳۵) بنابریں حقائق یہ کہاں کی دانشمندی ہے اور اس میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی کیا فضیلت ہے کہ اشرف و اعلیٰ نوع سے نکال کر ان کے لئے کوئی اور ادنیٰ و اسفل نوع تجویز کی جائے۔ آیا یہ پیار کرنے اور بزرگواروں کی تعظیم ہوئی یا تنقیص؟ ان هذا الا اختلاق!

گر بچہ ہے چہ ... نگر برکس بقدر ہمت اوست

قل کل یعمل علی شاکلته زیادہ سے زیادہ عام الناس کے ذہن میں جو کھٹکا پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید یہ کسی نوع انسانی

نوع سے افضل ہو۔ مگر ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر تمام مسلمانوں کا نہیں تو کم از کم شیعیانِ حیدرِ کرار تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ہمارے ائمہ طاہرینؑ نہ صرف ملائکہ سے افضل ہیں بلکہ ان کے مخدوم ہیں۔ اور فرشتے ان کی خدمت کرنے کو اپنے لئے باعثِ صد سعادت و افتخار سمجھتے ہیں۔ کتاب دمعۂ ساکبہ ص۲۶ میں ایک طویل حدیث کے آخر میں جناب جبرئیل امین کا خدمت اہل بیت کی وجہ سے فخر و مباہات کرنا یہی الفاظ مروی ہے من مثلی انا خادم محمد و آل محمد۔ خود ائمہ اطہار کا ارشاد ہے ان الملائکۃ لخدامنا و خدام محبینا یعنی فرشتے ہمارے اور ہمارے خاص شیعوں کے خادم ہیں (اصول شرائع الاسلام) یہ پوری بحث اور اس موضوع پر دلائل قاطعہ ہماری کتاب احسن الفوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن اس زمانہ میں اس طرح الٹی گنگا بہہ رہی ہے کہ جو شخص ائمہ اہل بیتؑ کو ذات میں فرشتہ سمجھے اسے تو آج عارف معارف اہل بیتؑ سمجھا جاتا ہے اور جو شخص ان بزرگواروں کو فرشتوں سمیت تمام کائنات سے افضل و اشرف سمجھے اسے معرفت سے عاری کہا جاتا ہے۔ ع

انقلابات ہیں زمانے کے

چھٹی دلیل حقیقت حال یہ ہے یہ بیان کی مصداق ہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہوں یا ائمہ طاہرینؑ خداوند عالم ان کو اس لئے مقرر کرتا ہے اور بھیجتا ہے کہ جن کی طرف ان کو بھیجا گیا ہے ان کے لئے ان بزرگواروں کا ہر قول و فعل حجت اور نمونۂ عمل ہے اور ان کا قول و کردار اہل عالم کے لئے مشعلِ راہ اور ان کا اسوۂ حسنہ منارۂ سعادت ثابت ہو چنانچہ خدائے حکیم بعثت انبیاءؑ کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (پ ۶ س نساء ع ۲۳)۔ وہ سب رسول (ہم نے) خوشخبری دینے والے (بھی) تھے۔ اور ڈرانے والے بھی۔ تاکہ ان کے آنے کے بعد اللہ پر آدمیوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے (ترجمہ فرمانؒ)۔ ظاہر ہے کہ یہ اتمام حجت اسی صورت میں ہی ممکن ہے کہ یہ بزرگوار انہی لوگوں کی نوع سے ہوں جن کے لئے ان کو ہادی و رہبر بنا کر بھیجا گیا ہے ورنہ واضح ہے کہ اگر وہ بزرگوار کسی اور نوع کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پھر ان کے اقوال اور بالخصوص افعال جیسے نماز، روزہ اور مصائب و شدائد پر صبر و ثبات وغیرہ لوگوں کے لئے اتمام حجت کا باعث قرار نہیں پا سکتے کیونکہ اس صورت میں گمراہ لوگ بآسانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو خلاصی مل سکتی ہے کیونکہ ہمارے رہنماؤں اور ہدایت کے علمبرداروں کی نوع علیحدہ ہے اس لئے ان پر دنیوی مشکلات و مصائب اور آلام و شدائد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر وہ سردیوں میں نماز پڑھتے یا گرمیوں میں روزہ رکھتے یا کسی تکلیف و مصیبت پر صبر کرتے ہیں تو اس میں ان کا کمال ہی کیا ہے۔ جبکہ سردی و گرمی اور بھوک و پیاس اور تکلیف و مصیبت کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اس لئے ان کے یہ افعال و اعمال ہمارے لئے حجت نہیں ہیں۔ اہل عقل و دانش انصاف سے فرمائیں کہ اس صورت میں کیا اتمامِ حجت خدا نامکمل نہیں رہ جاتی؟ لہٰذا عقل سلیم مجبور کرتی ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ کا انسانی نوع سے ہونا لازم ہے خدائے حکیم نے ان حضرات کے بشر و انسان ہونے کا یہی فلسفہ

بیان فرمایا ہے وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشراً رسولاً. قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکاً رسولاً. (پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۰) اور آدمیوں کو جب کہ ان کے پاس ہدایت آچکی ایمان لانے سے روکا کسی چیز نے سوا اس کے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ خدا نے کسی آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے (تم) یہ کہہ دو کہ اگر اس زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (ترجمہ مقبول)

علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص ۱۴۴ پر ذیل آیت مبارکہ وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم (ہم نے تم سے پہلے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے) فلسفہ بشریت انبیاء بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے الشکل الی الشکل امیل وبہ انس وعنہ افھم ومن لا انفۃ منہ ابعد۔ اسی طرح علامہ شہر ابن آشوب نے متشابہ القرآن ج ۱ ص ۲۰ پر مذکورہ بالا آیت کے تحت لکھا ہے وجہ اللطف فی ارسال الرجال من البشر ان الشکل الی شکلہ آنس وعنہ افھم والا نفۃ منہ ابعد لانہ یجری نفسہ والانسان لا یأنف من نفسہ وکذا فی جلد ۲ ص ۲۳ (یعنی انسانوں میں سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجنے میں یہ لطف خداوندی ہے کہ شکل اپنے ہم شکل سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اس سے بہتر طریقہ پر استفادہ کرتی ہے۔ اور اس سے نفرت نہیں کرتی کیونکہ وہ اُسے اپنا ہم نفس تصور کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے نفس سے نفرت نہیں کرتا۔) حضرت علامہ حائری مرحوم اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج ۱۵ ص ۳۱ پر ذیل آیت سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً لکھتے ہیں۔ اقول۔ پس ازیں جا معلوم شد کہ معتقد ایشاں ہمیں بود کہ بشریت مانع رسالت وایشاں از غایت جہالت ونہایت ضلالت در مسئلہ خطا کردند ونہ دانستند کہ تجانس موجب تو انس است وتخالف مقتضی تنافر الجنس الی الجنس یمیل پس بالیقین ثابت شد کہ رسول از جنس مرسل الیھم باید باشد تا افادہ واستفادہ در میان پیدا آید (خو العالم یعنی میں کہتا ہوں کہ ان کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ بشریت رسالت سے مانع ہے لیکن انہوں نے اپنی انتہائی جہالت وضلالت کی وجہ سے اس مسئلہ میں غلطی کی اور یہ نہ سمجھا کہ ہم قسم ہونا باعث انس اور ہم قسم نہ ہونا باعث نفرت ہوتا ہے کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس۔ پس یہ بات بالیقین ثابت ہو گئی کہ رسول کو مرسل الیہم کی قسم سے ہونا چاہیئے تاکہ بآسانی افادہ واستفادہ ہو سکے۔ واللہ العالم

ایک ضروری وضاحت کہا جا سکتا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ صرف لباس بشریت میں ملبوس ہیں در باطن بشر وانسان نہیں ہیں بلکہ کچھ اور ہی ہیں۔ ان باطل بین حضرات سے التماس ہے کہ اگر اس نظریہ کی کوئی اساس و بنیاد ہوتی تو پھر خدائے حکیم خود انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین کی بشریت کا فلسفہ بیان کر کے کفار و مشرکین کی تسلی وتسکین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف یہ کہہ کر ان کا ناطقہ بند کر دیا جاتا کہ تم دین کو تباہ دینی سے دیکھ، انبیاء و اوصیاء کو بشر سمجھ رہے ہو یہ تمہاری نظر کا دھوکہ ہے وہ در حقیقت بشر و انسان نہیں بلکہ کسی اور نوع کے افراد ہیں۔ اور صرف بشری جامہ میں ملبوس ہیں لیکن

جب یہ جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ بشریت کا فلسفہ دراز سمجھا کر ان کو قائل کرنے کی سعی جمیل کی گئی ہے۔ کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے ان کی طرف رسول بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ لیکن جب انسانوں کی طرف بھیجنا مقصود تھا تو ضرورت تھی کہ کسی انسان کامل کو ہی بھیجا جائے۔ تو اس سے واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ لوگ حقیقی انسان کامل ہیں

نیز یہ بھی مخفی نہ رہے کہ سطور بالا میں بعض علمائے کرام کا جو کلام پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بار بار جنس بشر کا لفظ استعمال ہوئی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے اس خیال کے لوگوں کی تائید ہوتی ہے۔ جو بشر کو جنس اور روحی کو فصل قرار دیتے ہوئے انبیاء کی نوع علیحدہ تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جنس کا لفظ اس کے لغوی معنی (قسم) میں استعمال کی گئی ہے نہ کہ منطق والے اصطلاحی معنی میں۔ اس امر کی مزید وضاحت چھٹویں دلیل کے ضمن میں کی جائے گی۔ منہ

ایک توہم کا ازالہ :- اسی طرح یہاں یہ نہ سمجھا جاتا ہے کہ جناب رسول خدا کی عترت اطہار نہیں کہ ان کو انسان تسلیم کیا جائے وہ تو پورے عالمین کے ہادی ہیں تو اس توہم کے ازالہ کے لئے پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہاں جو بحث ہو رہی ہے وہ صرف آنحضرت اور ائمہ اہل بیت کے متعلق نہیں بلکہ یہ سب انبیاء و اوصیاء کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ سرکار ختمی مرتبت اور ان کی عترت اطہار کے علاوہ باقی تمام انبیاء و اوصیاء صرف بنی نوع انسان کے ہی راہنما تھے۔ لہذا وہاں تو فلسفہ البشریت کے پیش نظر ان کو بشر و انسان تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور دوسری التماس یہ ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ آنحضرت عالمین کے بشیر و نذیر اور ائمہ اطہار عالمین کے رہنما و پیشوا ہیں۔ اور اس عالمین میں بے شمار انواع کا جال بچھا ہوا ہے کوئی نوع عالی ہے۔ کوئی سافل ہے۔ اور کوئی متوسط۔ تو ظاہر ہے کہ ان پیشواؤں کا تعلق بھی آخر ضرور کسی نوع سے ہوگا۔ اب حقیقت حال تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو نوع عالی سے ہوگا۔ یا سافل سے۔ یا متوسط سے۔ آخری دو شقیں تو بالبداہت باطل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ مقتدی کی نوع بلند اور مقتدا اور پیشوا کی پست ہو۔ ان هذا الا اختلاق۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ پہلی شق ہی صحیح ہے یعنی ان کا تعلق نوع عالی سے ہی ہونا چاہئے۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ نوع عالی کونسی ہے؟ تو ہم ابھی اوپر پانچویں دلیل میں ثابت کر چکے ہیں کہ تمام انواع عالم میں سے انسانی نوع ہی سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار حد تک واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کا تعلق اسی انسانی نوع سے ہے

ساتویں دلیل بکثرت آیات محکمہ اور روایات متواترہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام پر لفظ "انسان" کا اطلاق کیا گیا ہے بطور نمونہ صرف چند آیات مقدسہ پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں (۱) ارشاد قدرت ہے "ام یحسدون الناس علی ما آتیهم الله من فضله" (پ ۵ س نساء ع ۵) یا وہ لوگوں پر اس کا حسد کرتے ہیں جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے" (ترجمہ مقبول)

اس آیت مبارکہ میں "الناس" (لوگوں) سے مراد حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں جیسا کہ اصول کافی تفسیر برہان اور

تفسیر صافی وغیرہ کتب میں مروی ہے (۱) سورۂ زلزال میں ہے جب بروز قیامت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا۔ تو قال الانسان مالہا ایک انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے، تفاسیر اہل بیتؑ میں یہی ہے کہ اس انسان سے مراد حضرت امیر علیہ السلام ہیں۔ (مرآۃ الانوار صـ وغیرہ) (۲) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ باتفاق فریقین یہ آیت مبارکہ جناب امیر المومنینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۃ دہر جو اہل بیتؑ کا قرآنی قصیدہ ہے۔ اس میں کئی بار ان پر انسان کا اطلاق ہوا ہے۔ اس پر کیا منحصر ہے روایات اور علماء اعلام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تین سو سے زیادہ آیات ائمہ اہل بیتؑ کی مدح و ثنا میں وارد ہیں۔ اور ان میں اکثر و بیشتر میں ان کو انسان ہی کہا گیا ہے۔ تو اگر اس فاسد نظریہ کی بنا پر یہ ذوات مقدسہ انسان نہیں (معاذ اللہ) بلکہ ان کی نوع الگ ہے تو پھر ان آیات کا مصداق کوئی اور تلاش کرنا پڑے گا۔ انہی حقائق کی بنا پر علامہ ابو الحسن الشریف اپنی کتاب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار صـ پر اصول کافی کے حوالے سے ایک روایت نقل کرنے کے بعد جس میں ایک آدمی کا حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ناس، اشباہ، نسناس، اور نسناس کا مطلب دریافت کرنا اور آنجنابؑ کا شہزادہ امام حسنؑ کو جواب پر مامور کرنا۔ اور امام حسنؑ کا الناس (لوگوں) سے جناب رسول خداؐ و ائمہ ہدیٰ اور اشباہ الناس (لوگوں سے مشابہ) سے شیعان اہل بیتؑ اور نسناس سے مخالفین کا مراد لینا مذکور ہے فرماتے ہیں والاخبار فی تاویل الناس بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والائمۃ کثیرۃ۔ یعنی اس سلسلہ میں بکثرت اخبار موجود ہیں کہ الناس سے جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ مراد ہیں

جو لوگ علوم عربیہ سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ التبادر علامۃ الحقیقۃ کہ کسی لفظ کو سن کر کسی معنی کا متبادر الی الذہن ہونا (جلد ذہن میں آنا) اس کے حقیقی معنی ہونے کی قطعی دلیل ہوا کرتا ہے۔ جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل اور قرینہ موجود نہ ہو (معالم، قوانین اور کفایۃ الاصول و مطول وغیرہ کتب معانی و اصول ملاحظہ ہوں) لہٰذا جب انبیاءؑ و ائمہؑ پر لفظ انسان کا اطلاق ہوا ہے۔ تو جب تک اس اطلاق کے مجاز ہونے پر کوئی قطعی قرینہ اور دلیل نہ پیش کی جائے اس وقت تک اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ انسان کا ان ذوات مقدسہ پر حقیقی معنوں میں اطلاق ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کوئی قرینۂ مجاز نہیں ہے لہٰذا لامحالہ اسے اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا جائے گا وہو المقصود۔ حق یہ ہے کہ اصل اور حقیقی انسان تو یہی ہی ذوات مقدسہ ہیں جن پر پورے عالم انسانیت کو فخر و ناز ہے۔ عام لوگ اس لئے انسان کو معمولی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہیں۔ اس لئے خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ بزرگوار انسان ہوتے تو ہم جیسے ہی ہوں گے حالانکہ ع   آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا
اگر ان کو مقام انسانی کی بلندی کا علم ہوتا تو وہ قطعاً انبیاءؑ و ائمہؑ کے انسان ہونے کا یوں انکار نہ کرتے۔

آٹھویں دلیل جن اخبار و آثار میں وارد ہے کہ انبیاء و ائمہ جنس بشر سے ہیں اگرچہ ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ نوع بشر سے ہیں کیونکہ ارباب علم و انصاف جانتے ہیں کہ ان مقامات میں جنس کے لغوی معنی مراد ہیں نہ منطقی ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث میں یہ الفاظ لغت عرب کے اعتبار سے استعمال ہوئے ہیں نہ کہ فلاسفہ و مناطقہ یونان کی اصطلاح کے لحاظ سے جیسا کہ گلستان قرآن و حدیث کی سیر کرنے والے اہل علم و عرفان پر یہ حقیقت واضح و عیاں ہے۔ واضح ہے کہ جنس کے معنی لغت عرب میں "ضرب" یعنی نوع و قسم کے ہیں چنانچہ لغت کی مشہور و مستند کتاب منجد ص ۱۰۱ طبع ۸ میں ہے الجنس [illegible] الضرب من الشئ والاصل مثلا الجنس من الابل [illegible] یعنی ہر وہ چیز جو کسی شئ کی قسم سے ہو مثلاً اونٹ چوپایوں کی جنس یعنی قسم سے ہے وکذا فی القاموس ج ۲ ص ۲۰۸ طبع مصر۔ علاوہ بریں لغوی معنا ہے جنس نوع اور صنف باہم متقارب المعنی الفاظ ہیں اور ایک دوسرے کے معنوں میں مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ اگر بایں ہمہ کوئی صاحب اسی بات پر مصر اور بضد ہوں کہ جب تک آل محمد کے فرمان میں لفظ نوع نہیں دکھایا جائے گا اس وقت تک وہ ان کو انسانی نوع کے افراد نہیں تسلیم کریں گے تو ان کی ضیافت طبع کے لئے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کیا جاتا ہے۔ کئی اخبار و آثار میں ان ذوات قدسیہ کے لئے نوع انسانی کے افراد ہونے کی تصریح موجود ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں احتمل رسول اللہ علیاً یوم یدل بذلک ان یعلم نوعه انه هو الذی یحمل عن ظهر رسول الله من الدین والعدة و الاداء عنه من بعده ۔ "جناب رسول خدا نے یہ گوارا کیا کہ حضرت علی کو اپنے کاندھوں پر سوار کرکے یہ چاہا کہ اپنے نوع انسان کو یہ بتائیں کہ جناب علی ہی ایک ایسے آدمی ہیں جو آنحضرت کے بعد آپ کے قرضوں اور وعدوں کو پورا کرکے آپ کی پشت سے بوجھ ہلکا کریں گے۔" (الدمعة الساکبة ج ۱ ص ۱)

مرآة العقول علامہ مجلسی ج ۱ ص ۲ میں مرقوم ہے "فعلمت انه لابد من سفراء بينه و بينهم ولابد ان يكونوا من نوع البشر وان يكونوا مع مشاركتهم لهم فی الخلق والتركيب ما يتميزون به عن سائر افرادهم و خلافتهم مقدسين منزهين روحانيين ليفهموا ملأ الاعلى كما مر ذكره فيما مضى ومعصومين مؤيدين بالمعجزات ليكونوا حجة على غيرهم الخ ذرا آگے چل کر مزید لکھا ہے فاذا تمهدت هذه المقدمات فثبت وتبين انه واجب ان يوجد من بين الانسان من يكون له خصوصية ليست لسائر الناس وهي الامور الخارقة للعادة (۱۲) الخ "اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان سفیروں کا ہونا ضروری ہے [illegible] نوع بشر سے ہوں اور یہ بھی ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ خلقت و ترکیب میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوں [illegible] مخصوص اخلاق و طور طریقے میں [illegible] ملائکہ [illegible] عالم بالا [illegible] اور یہ بھی کہ وہ معصوم ہوں اور معجزات سے مؤید ہوں تاکہ دوسروں پر حجت خدا قرار پا سکیں۔" [illegible] عبارت کا ترجمہ ہے پس جب یہ مقدمات ذہن نشین ہو گئے تو ثابت و واضح ہو گیا کہ [illegible] واجب ہے کہ عام انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہوں [illegible] جن میں ایسی خصوصیت پائی جائے جو عام لوگوں میں نہ ہو اور وہ خصوصیت [illegible] خارق عادت امور و معجزات ہیں۔"

لیجئے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے لئے نوعِ انسانی سے ہونے کی تصریحات بھی مل گئیں۔ فماذا بعد الحق الا الضلال ہم نے ارشاداتِ معصومینؑ کی روشنی میں ان حضرات کا بنی نوعِ انسان سے ہونا دکھا دیا ہے۔ اگر علیحدہ نوع کے مدعیوں میں کچھ بھی تب و تاب ہے تو وہ بھی اسی طرح ارشادِ معصومؑ سے علیحدہ نوع کی تصریح پیش کریں۔ وہ لا یاتون بہ ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو پھر اس فاسد عقیدہ سے توبہ کریں۔

نویں دلیل اگر تا حال بھی کسی ضدی الطبع آدمی کی تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم مزید اتمامِ حجت کی خاطر اس سے بھی بڑھ کر تصریح پیش کرتے ہیں۔ بعض اخبار و آثار میں انبیاءؑ و ائمہؑ کے صنفِ بشر سے ہونے کی تصریح بھی موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ منطقی اصطلاح میں صنف "وہ نوع ہے جو کسی خارج از ذات خصوصیت سے مقید و مشروط ہو جیسے انسان کے لئے زنگی، رومی، عراقی، ایرانی، پاکستانی، مکی، مدنی، لاہوری، پشاوری وغیرہ (حقائق الوسائط ص۱۰۱)

حضرت حسین بن روح سفیرِ خاص امام العصر (ارواحنا فداہ) عجل اللہ فرجہ جن کے مناقب و محامد سے کتب سیر و تواریخ چھلک رہی ہیں اور ان کے فضائل کا ایک معتد بہ حصہ حقائق الوسائط اور جواہر الاسرار میں بھی موجود ہے، یہ جناب فلسفہ بشریت انبیاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ولکنہ جلت عظمتہ یبعث الیہم من اجناسہم واصنافہم بشرا امثالہم ولو بعث الیہم رسلاً من غیر صنفہم وصورہم لنفروا عنہم ولم یقبلوا منہم الخ

یعنی خداوند عالم لوگوں کی طرف انہی کی جنس اور صنف سے ان جیسے بشروں اور انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ اگر وہ ان کی طرف ایسے رسول بھیجتا جو ان کی صنف و صورت سے نہ ہوتے تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے احکام قبول نہ کرتے (احتجاج طبرسی ص۲۴۲ طبع نجف)۔ ایسا ہی ایک استدلال جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا و خلق کے درمیان ایسے وسائط معرفت کا وجود ضروری ہے جو مشارکین للناس فی احوالہم علی مشارکتہم فی الخلق والترکیب مؤیدین من عند الحکیم العلیم (احتجاج ص۱۸۳)

تنبیہ ان احادیث میں لفظ جنس وارد ہے اگر وہاں جنس سے منطقی جنس مراد لی جائے تو پھر یہاں لفظ "نوع" اور "صنف" سے بھی ان کے منطقی معنے مراد لئے جائیں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں لغوی معنے مراد ہیں تو پھر جنس کے بھی لغوی معنے ہی مراد لینے پڑیں گے۔ حذو النعل بالنعل بہرحال جو شق بھی اختیار کی جائے ہمارا مدعا بہر حال حاصل ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ نوعِ انسانی کے افراد کاملہ ہیں۔ یہ دھاندلی کسی طرح بھی روا نہیں رکھی جا سکتی کہ جنس سے مراد تو منطقی جنس ہو۔ اور نوع و صنف سے لغوی؟ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض؟ ان ھذا الا شیء عجاب۔

دسویں دلیل احادیث متظافرہ و متکاثرہ میں وارد ہے کہ اہل ایمان و ایقان اور سرکار محمدؐ و آل محمدؑ علیہ وعلیہم السلام ایک ہی طینت مقدسہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ذیل میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے دو چار احادیث

معتبرہ پیش کی جاتی ہیں۔ (۱) جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں۔ انی خلقت انا و انت من طینة واحدة ففضلت منها فضلة فخلق منها شیعتنا ۔ اے یا علیؑ! میں اور تم ایک ہی طینت (مٹی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس مخصوص طینت میں سے کچھ بچ گئی جس سے ہمارے شیعہ پیدا ہوئے (امالی شیخ طوسی ص۱۹۹ طبع ایران)

(۲) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں انا و شیعتنا خلقنا من طینة من علیین۔ ہم اور ہمارے شیعہ علیین کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں (امالی مذکور ص۲۰۶)

(۳) نیز انہی جناب سے مروی ہے فرمایا شیعتنا جزء منا خلقوا من فضل طینتنا یسوئهم ما یسوءنا و یسرهم ما یسرنا۔ ہمارے شیعہ ہماری جزء ہیں وہ ہماری بچی ہوئی طینت سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے جو چیز ہمیں دکھ پہنچائے ان کو بھی دکھ پہنچاتی ہے۔ اور جو چیز ہمیں خوش کرے وہ ان کو بھی خوش کرتی ہے (ایضاً ص۳۰۵)

(۴) جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں۔ ان فی الفردوس لعیناً احلی من الشهد والین من الزبد وابرد من الثلج و اطیب من المسک فیها طینة خلقنا الله عزوجل منها و خلق منه شیعتنا فمن لم یکن من تلك الطینة فلیس منا ولا من شیعتنا یعنی فردوس بریں میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں مکھن سے زیادہ نرم، برف سے زیادہ ٹھنڈا، اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اس میں ایک خاص طینت (مٹی) ہے۔ جس سے خدائے عزوجل نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو پیدا کیا ہے پس جو شخص اس مقدس طینت سے پیدا نہیں ہوا وہ نہ ہم سے ہے اور نہ ہمارے شیعوں میں سے ہے۔ (ایضاً ص۱۹۱ کذا فی الدمعة الساکبة ج۱ ص۲۳)

(۵) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لانا و ایاکم من نور الله عزوجل فجعلنا و طینتنا و طینتکم واحدة۔ یعنی ہم اور آپ (شیعہ) خدائے عزوجل کے خاص نور سے ہیں۔ اس نے ہمیں اور ہماری و تمہاری طینت کو ایک بنایا ہے (علل الشرائع ص۳۳ طبع قدیم)

اسی طرح بصائر الدرجات ص۱۱ وغیرہ میں اس قسم کے اتحاد طینت کے متعلق قریباً سو احادیث موجود ہیں۔ نیز الدمعة الساکبة ص۱۱ پر بھی اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں فراجع۔

ابراز حقیقت جہاں ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرات ائمہ اطہار علیہم السلام اور ان کے مخلص موالیان کی طینت ایک ہے تو اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ جن بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ائمہ اس مخصوص طینت سے پیدا ہوئے کہ لیس لاحد فیها نصیب "جس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ اس سے بظاہر مخالفین مراد ہیں کیونکہ اہل ولا و ایمان تو خود معصومینؑ کے ارشاد باسداد کے مطابق اس طینت مقدسہ میں شریک ہیں۔ اس لئے ان کو اس حصہ سے محروم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ العالم

جب روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی کہ اہل ایمان و ایقان سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام والا

مقدس طینت ہی سے پیدا ہوئے ہیں تو بعد ازیں یہ حقیقت محتاج بیان نہیں رہتی کہ اگر اہل بیت، ائمہ علیہم السلام کی نوع علیحدہ ہے تو پھر مومنین کی نوع بھی علیحدہ تسلیم کرنا پڑے گی۔ اور اگر اہل ایمان انسانی نوع کے فرد ہیں اور یقیناً ہیں۔ تو پھر ائمہ اہل بیتؑ کو بھی اسی نوع کے افراد کاملہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ درست ہے کہ اس موضوع کے متعلق وارد شدہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ جس طینت سے خدا نے ہمارے بدن خلق فرمائے ہیں، اسی سے ہمارے شیعوں کے قلوب کو پیدا کیا ہے (اصول کافی)۔ مگر ان روایتوں سے بھی اس مخصوص طینت میں باہمی اشتراک تو ثابت ہے۔ ان روایات کی بنا پر بھی نوع ایک ہی رہے گی۔ وھذا اشھر من ان یخفی۔

گیارھویں دلیل

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ کہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے سلسلۂ آباء و اجداد کے وہ بزرگوار جو نبی نہیں ہیں یقیناً۔ ان کے متعلق تو یہ کہ انبیاء کی نوع تو محل بحث ہے اور اسی طرح ان کی امہات معظمات مثلاً جناب رسول خدا اور حضرت امیرؑ کے والدین یقیناً اسی نوع انسان کے ہی افراد ہیں۔ انکا سلسلۂ آباء اور امہات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ نیز ان کی ذریت و اولاد سادات کرام بھی بالاتفاق انسان ہی ہیں تو اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب اس مقدس خانوادہ کے سلسلہ بالا و سلسلہ پائیں میں سب انسان ہی انسان ہیں تو صرف درمیان سے یہ نوع کیونکر تبدیل ہو گئی؟ اور کس طرح یہ بزرگوار نوع انسانی کے حدود سے نکل کر اور نوع کے افراد بن گئے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان اس کی کوئی صحیح اور معقول وجہ پیش کر سکتا ہے؟ اور کیا عقل انسانی اس لاینحل عقدہ کو حل کر سکتی ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اسلام میں جو کہ عقل و خرد کا دین ہے۔ جو دین فطرت ہے ایسے غیر معقول نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ ایسے خلاف عقل و فطرت عقیدہ کی تائید کر سکتا ہے۔ اسی لئے فاتح اسلام کا منطق عمل (خداوند تعالیٰ ایسے) پیغمبر اسلامؐ سے اعلان کراتا ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ۔ اب لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے کہ اس کا اقرار کریں یا انکار۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

بارھویں دلیل

تمام متقدمین و متاخرین علماء شیعہ امامیہ کثر اللہ امثالہم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء و مرسلین و اوصیاء، ائمہ طاہرینؑ سب کے سب نوع انسان سے تعلق رکھتے ہیں اور فی الحقیقت انسان کہلانے کے حقدار یہی ہیں۔ قرائن قاطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کے عہد میں اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا۔ سب ہی بالاتفاق انبیاء و ائمہ کو حقیقی بشر و انسان ہی سمجھتے تھے۔ اور اگر کچھ تھا بھی تو وہ اس قدر خفیف اور اختلاف کرنے والوں کی شخصیت اس قدر معمولی اور غیر اہم تھی کہ علماء ان کو درخور اعتنا اور قابل توجہ ہی نہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان کی کتب میں اس بحث کا کوئی مخصوص عنوان نہیں ملتا۔ ہاں ان کے کلام حقیقت ترجمان میں کچھ خفی یا جلی اشارات اور بعض جگہ ویسے ضمنی تصریحات ضرور ملتے ہیں جن سے ان کے عقائد حقہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔ چنانچہ پہلا جس شخص نے اس اختراعی عقیدہ کو ہوا دی اور باقاعدہ مدون کیا وہ شیخ احمد احسائی ہے جس نے اپنی خود ساختہ نظریات کو کفر و اسلام کا دارومدار سمجھا جاتا

ہے بہرحال ذیل میں علماء کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں

(۱) حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ اوائل المقالات ص۲۹ طبع ایران پر لکھتے ہیں۔ اتفقت الامامیۃ علی ان انبیاء اللہ تعالیٰ عزوجل ورسلہ من البشر افضل من الملائکۃ یعنی تمام فرقہ امامیہ کا اتفاق ہے کہ بشر میں سے جو خدا کے انبیاء ہیں وہ فرشتوں سے افضل ہیں۔"

(۲) حضرت شیخ صدوقؒ اس سلسلہ میں حضرت ابوالقاسم حسین بن روح نائب خاص حضرت حجتؑ کا استدلال نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ولکن عزوجل بعث الیہم رسلاً من اجناسہم واصنافہم بشراً مثلہم فلو بعث الیہم رسلاً من غیر صنفہم وصورہم لنفروا عنہم ولم یقبلوا منہم۔ لیکن خداوند عالم نے لوگوں کی طرف انہی کی جنس و صنف سے بشر رسول بنا کر بھیجے اگر وہ ان کی جنس و صنف کے علاوہ کسی اور صنف و صورت کے نبی و رسول بھیجتا تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کی بات قبول نہ کرتے۔

(علل الشرائع ج ۱ ص۲۳ طبع قم)

(۳) سرکار علامہ حلیؒ باب حادی عشر ص۳۲ پر نبی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ النبی ھو الانسان المخبر عن اللہ بغیر واسطۃ احد من البشر۔ یعنی نبی وہ انسان ہے جو کسی بشر کے واسطہ کے بغیر اللہ کی طرف سے خبر دے۔ کذا فی شرحہ وکذا افادہ الطریحی فی مجمع البحرین ص) قریباً تمام کتب علم کلام میں نبی کی یہی تعریف کی گئی ہے۔ فراجع

(۴) عالم عارف حضرت محسن فیض کاشانیؒ اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین ص طبع ایران پر صفات نبی و امام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ویجب ان یکون انساناً لان مباشرۃ الملک بتعلیم الانسان علی ھذا الوجہ مستحیل کما قال اللہ عزوجل ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیہم ما یلبسون یعنی نبی و امام کا انسان ہونا واجب ہے کیونکہ فرشتہ کا اس طرح سے انسانوں کو تعلیم دینا محال ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو آخر اس کو بھی مرد صورت بناتے اور جو شبہ یہ لوگ کر رہے ہیں وہی شبہ گویا ہم خود ان پر اس وقت بھی ڈال دیتے (ترجمہ قرآن)

(۵) سرکار علامہ مجلسیؒ فلسفہ بشریت انبیاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں فاحب واقتضی حکمتہ البالغۃ ان یعرف خلقہ بالتوحید ویخصوہ بہ ولم یکن ذلک ممکناً الا بارسال الرسل لما قد تقدم من کمال علوہ ونہایۃ سموہ وانحطاط درجۃ المکلفین وجہلہم وعجزہم فلذا جعل بینہ وبین خلقہ سفراء یفیض علیہم من جہۃ کمالہم ویفیضوا علی الخلق من جہۃ بشریتہم ومجانستہم لہم (بحار الانوار ج ۵ ص) یعنی خدا کی حکمت بالغہ نے تقاضا کیا اور خدا نے پسند فرمایا کہ اپنی مخلوق کو اپنی توحید کی

معرفی کرائے اور خلق اس کی توحید کی قائل ہو۔ اور یہ امر بغیر رسولوں کے بھیجنے کے ممکن نہ تھا کیونکہ وہ انتہائی مرتبہ کمال و بلندی پر فائز ہے اور مکلفین عجز و قصور کے انتہائی پست درجہ پر ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان کچھ سفیر مقرر فرمائے جن پر ان کے کمال کی وجہ سے (احکام) نازل کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اپنی مجانست و بشریت کی وجہ سے وہ (احکام) پہنچاتے ہیں۔

(۹) شیخ اکبر شیخ جعفر کاشف الغطا نجفی اپنی کتاب کشف الغطا صلا پر اتمام حجت کے لئے ادمی کے انسانوں سے ہونے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولا بارسال من لا یدخل تحت قسم الناس من الملائکۃ والجن والنسناس لان النفوس لا تسکن الیہ یعنی اگر کوئی ایسا ادمی بھیجا جائے جو انسانوں کی قسم (نوع) سے نہ ہو بلکہ فرشتوں یا جنوں یا نسناس کی قسم سے ہو تو حجت تمام نہیں ہو سکتی کیونکہ نفوس انسانی اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔"

(۱۰) حضرت مولانا دلدار علیؒ صاحب لکھنوی عماد الاسلام ج ۲ صفحہ پر نبی کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ومعنی النبی فی الاصطلاح انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی اللہ یعنی اصطلاح میں نبی کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک انسان ہے جسے خدا اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ جو کچھ اس پر جناب احدیت سے وحی ہو اس کی تبلیغ کرے۔ مسلہ بالا میں (۸) علامہ طبرسی (۹) علامہ شہر ابن آشوب (۱۰) اور علامہ مازندرانی مرحوم کا اس مسئلہ میں کلام حق ترجمان نقل ہو چکا ہے (۱۱) صاحب رسالہ صراط النجاۃ صفحہ طبع ایران پر لکھتے ہیں برائے خدا لازم است عقلاً کہ در روئے زمین از نوع بشر یک نفر شخص کامل من جمیع الجہات را بمنصب نبوت و خلافت الٰہیہ ممیز و معین نماید یعنی از روئے عقل خدا کے لئے لازم ہے کہ نوع بشر سے ایک ایسے شخص کو

(۱۲) آقائے سید مہدی موسوی نے اپنی کتاب لوامع الانوار طبع ایران کے صفحہ پر لکھا ہے لا یخفی ان الانبیاء والرسل من البشر فہو خیر منہم وافضل "یہ بات مخفی نہیں ہے کہ انبیاء و رسل بشر ہیں۔ اور جب حضرت امیر خیر البشر ہیں تو وہ (علی) یقیناً ان سے افضل ہوں گے"۔ اور صفحہ ۲۵۲ پر لکھتے ہیں ونعتقد ان علیاً بشر مخلوق من مخلوق اللہ تعالیٰ ووصی رسول اللہ "ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی بشر (انسان) ہیں اور منجملہ مخلوق خدا کے خدا کی مخلوق اور جناب رسول خدا کے وصی ہیں۔

(۱۳) جناب آقائے محسنی اپنی کتاب صراط الحق ج ۲ صفحہ طبع النجف میں انبیاء کے خواص شمار کرتے ہوئے یہ بھی خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں "کونہم کغیرہم فی اوصاف البشریۃ لقولہ تعالیٰ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ (الکہف) ولقولہ وما ارسلنا من قبلک من المرسلین الا انہم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان)" ضروری ہے کہ بشری اوصاف میں دوسرے انسانوں کی طرح ہوں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (اے رسول، تم کہدو کہ بحیثیت مخلوق، میں (بھی) تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں، فرق یہ ہے، میری طرف وحی کی جاتی ہے" نیز خدا کا ارشاد ہے اور ہم نے تم سے پہلے جو رسولؐ بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔ (ترجمہ مقبول)

[illegible]

(۱۴) فاضل جلیل جناب آقا سید اسماعیل نوری اپنی کتاب کفایۃ الموحدین ج ۲ ص ۱۸ پر نبوت مطلقہ کے اثبات کیلئے دلائل قائم کرتے ہوئے بطور نتیجہ لکھتے ہیں "پس لازم است کہ آں واضع از جنس بشر باشد کہ بتوانند نوع انسان الفت گیرند باو و انس نمایند با او الخ۔ پس لازم ہے کہ وہ (قانون کلی) واضع بشر کی قسم سے ہو تاکہ انسان اس سے الفت کریں اور اس سے مانوس ہوں"۔ اس مقام پر لفظ جنس بشر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ کیونکہ ہم قبل ازیں بھی اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ایسی عبارات میں جنس کا لغوی مفہوم مراد ہوتا ہے نہ کہ منطقی۔ اس کا مزید ثبوت خود فاضل موصوف کی اس عبارت سے ملتا ہے۔ سابقہ عبارت کے چند صفحے بعد ص ۱۸ پر انبیاء کے صاحب معجزہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "پس پیغمبر عبارت از فردیست از افراد انسان کہ متمکن باشد از کردن کاری کہ سایر مردم از آں عاجز باشند" پس پیغمبر انسانی افراد میں سے وہ فرد کامل ہے جو ایسا کام (معجزہ) انجام دینے پر قادر ہے جس کی انجام دہی سے تمام لوگ عاجز و قاصر ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا جنس بشر سے ہونے کا مطلب ہے نوع انسانی کا فرد اکمل ہونا۔

(۱۵) عالم جلیل جناب سید مہدی قزوینی نے اپنی کتاب بوار الغالین ص ۲۳ طبع بمبئی میں انبیاء و ائمہ کے بنی نوع انسان سے ہونے پر تمام مسلمانوں کے اجماع ۔۔۔ کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ شیخ احمد احسائی و بانی مذہب شیخیہ کے بعض عقائد سخیفہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "من جملۃ عقائد الشیخ احمد المخالفۃ لما علیہ المسلمون کون النبی و عترتہ خلقا فوق بنی آدم۔ الخ" شیخ احمد احسائی کے من جملہ ان عقائد کے جن میں اس نے تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے نبی اور ان کی عترت اطہار بنی آدم کے اوپر کوئی اور مخلوق ہیں۔ الخ

ان حقائق و دقائق کی روشنی میں معمولی خداداد عقل و انصاف رکھنے والا انسان بھی بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی انسان کے علاوہ کوئی اور نوع قرار دینا عقل و نقل اور قرآن کریم و حدیث معصومین اور اتفاق علماء کاملین کے سراسر خلاف ہے اور حقیقت واقعیہ یہی ہے کہ یہ ذوات عالیہ و متعالیہ نوع انسان کے ہی افضل ترین و مقدس ترین افراد ہیں۔ ہاں جہاں تک ان کے فضائل و کمالات اور محامد صفات کا تعلق ہے ان کی وجہ سے وہ صرف بنی نوع انسان ہی نہیں بلکہ جن و ملک بلکہ تمام کائنات کے سید و سردار ہیں۔ یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمۃ للمومنین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

جو کچھ اب تک اس موضوع پر سپرد قلم کیا گیا ہے وہ اگرچہ اہل عقل و انصاف کے لئے کافی سے بھی کچھ زیادہ ہے تاہم یہ بحث تشنہ تکمیل رہے گا اگر دوسرے حضرات کے مسلمہ دلائل و دلالتوں مناسب شکوک و شبہات ذکر کرکے ان کا پوری طرح ازالہ نہ کر دیا جائے اس لئے ہم ذیل میں یہ شبہات مع قطعی جوابات کے پیش کرتے ہیں۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب: جو لوگ انبیاء و ائمہ کی علیحدہ نوع تجویز کرکے بزعم خود اس میں ان کی عظمت کا راز

پوشیدہ سمجھتے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت بعض مغالطات و شبہات کا شکار ہیں۔ ان کا سب سے پہلا اور بڑا اشتباہ یا مغالطہ یہ ہے کہ اگر ان بزرگواروں کو نسانی نوع کے فرد تسلیم کیا جائے تو پھر ان کو تمام صفات و خصوصیات میں بھی عام انسانوں جیسا تسلیم کرنا پڑے گا اس طرح وہ ہم جیسے بجہت ہماری طرح ہو جائیں گے پھر ان کو ہم پر کیا فوقیت و فضیلت ہوگی اور وہ کس طرح نبی یا امام ہو سکیں گے۔ یہ اس امر کی سراسر غلط فہمی اور حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ کائنات عالم کی جہاں مختلف انواع میں باہمی فرق مراتب پایا جاتا ہے وہاں ہر نوع کے افراد میں بھی درجات و مراتب کا تفاوت و اختلاف موجود ہے اور ہر نوع میں فاضل و مفضول اور ادنیٰ و ارفع افراد پائے جاتے ہیں۔ فضلنا بعضهم على بعض فى الدرجات۔ اس میں شک نہیں کہ نبی بشر ہوتا ہے لیکن اگر ہم خاک ہیں تو وہ اکسیر، ہم پتھر ہیں تو وہ گوہر، ہم سنگ خارا وہ پارس، ہم ذرہ وہ آفتاب، ہم جاہل وہ عالم، ہم ناقص وہ کامل، ہم جسم قالب ہیں وہ جان عالم۔ وہ بشر ہے مگر روح مجسم، وہ جسم ہے مگر جسم مروّح۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جنسیت یا نوعیت میں شریک ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جملہ کمالات و صفات میں مساوی ہوں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حیوان نہایت ہی ضعیف القویٰ والحواس ہوتا ہے اور تمام حواس بھی نہیں رکھتا۔ اور ایک حیوان نہایت ہی قوی الحواس سریع الحس ہوتا ہے اور حرکت ارادی و حس میں درجۂ کمال پر پہنچا ہوا، حالانکہ دونوں حیوان ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح انسان تمام انسان کہلاتے ہیں لیکن ایک انسان نہایت پست درجہ میں ہوتا ہے حتیٰ کہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ اور ایک نہایت درجہ کامل۔ حالانکہ وہ بھی بشر ہے اور یہ بھی بشر۔ کہہ سکتے ہیں کہ باقل اور ابن حبنقہ جو حماقت میں ضرب المثل ہیں، بشر ہیں ملک انسان ہے مثل ارسطو و افلاطون۔ اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جملہ کمالات میں مساوی ہیں بلکہ اتنا فرق ہے کہ ان میں کوئی نسبت قائم نہیں کی جا سکتی۔ سوائے اس کے کہ صورت انسانی رکھتے ہیں اور آدمی کہلاتے ہیں (کشف الاسرار صفحہ ۲۹)۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ کی خلقت جس قسم کے مادہ سے ہوتی ہے اور عام لوگوں کی خلقت کا مادہ اور ہے۔ چنانچہ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ اس سال حج ادا کیا جس سال جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ جب جناب حمیدہ نے یہ خبر دی کہ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بوقت شکم مادر گرامی سے باہر تشریف لانے ہیں تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور سر مبارک بلند کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان هذه امارة رسول الله وامارة الوصى من بعده فقلت جعلت فداك وما هذه من امارة رسول الله وامارة الوصى من بعده فقال لى انه لما كانت الليلة التى علق فيها بجدى اتى آت جد ابى بكاس فيه شربة ارق من الماء وابيض من الزبد واحلى من الشهد وابرد من الثلج وابيض من اللبن فسقاه اياه وامره بالجماع فقام فجامع فعلق بجدى ولما كانت الليلة التى علق فيها بابى اتى آت جدى فسقاه كما سقى

جدی وامرہ بمثل امرہ فقام فیہا معہ فعلق بی ولما کانت اللیلۃ التی علق فیہا بی اتی آت ابی فسقاہ
کما سقاہم وامرہ بالذی امرہم بہ فقام فیہا معہ فعلق بی ولما کانت اللیلۃ التی علق فیہا بابنی اتانی آت کما
اتاہم ففعل بی کما فعل بہم فقمت وانا مسرور بما یہب اللہ لی فجامعت فعلق بابنی ہذا المولود
فدونکم فہو واللہ صاحبکم من بعدی وان نطفۃ الامام مما اخبرتک الخ (اصول کافی کتاب الحجۃ
باب موالید الائمہ جلد ۲ صفحہ ۳)

بے شک یہ جناب رسول خدا کی نشانی ہے اور آپ کے بعد علامت وصی، راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میری جان آپ پر فدا ہو علامت رسول اور علامت وصی کا کیا مطلب ہے، امام نے فرمایا جب کہ وہ شب آئی جس میں میرے جد بزرگوار کا انعقاد ہونا تھا۔ تو لایا ایک لانے والا جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس ایک جام جس میں شربت تھا جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ پس پلایا میرے جد بزرگوار کو۔ اس کے بعد خدا کا حکم پہنچا کہ مقاربت کریں۔ چنانچہ وہ اٹھ کر اپنی زوجہ محترمہ کے پاس گئے میرے جد کا انعقاد ہو گیا۔ اور جب میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہونا تھا تو اسی طرح لایا لانے والا شربت کا پیالہ میرے جد کے پاس اور ان کو پلایا جیسا کہ میرے جد کے پدر بزرگوار کو پلایا تھا۔ پھر ان کو خدا کا وہی حکم پہنچایا تھا پس میرے جد نے قدر مقاربت کی۔ پس میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہو گیا۔ اور جب وہ شب آئی جس میں میرا انعقاد ہونا تھا تو پھر لایا لانے والا جسے پلایا میرے والد بزرگوار کو جس طرح ان حضرات کو پلایا اور وہی حکم ہوا جس طرح ان حضرات کو حکم ہوا تھا۔ پس میرے والد نے تعمیل کی پس میرا انعقاد ہو گیا۔ اور جب وہ شب آئی جس میں میرے بیٹے کا انعقاد ہونا تھا۔ تو پھر لایا لانے والا پس اسی طرح کیا جس طرح ان حضرات کے ساتھ کیا تھا۔ پس میں اس بات کی وجہ سے خوش و خرم ہو کر اٹھا جو خدا مجھے عطا فرمانے والا تھا اور مباشرت کی پس میرے اس بیٹے کا انعقاد ہو گیا۔ جو اب پیدا ہوا ہے۔ خدا کی قسم! میرے بعد تمہارا صاحب (امام) یہی ہے۔ اور بے شک نطفہ امام کا اسی شربت سے ہوتا ہے جس کی تجھ کو خبر دی ہے"۔

پس امام نے نص فرما دی ہے کہ امام کا مادہ کثیف اور ارضی نہیں بلکہ لطیف اور عرشی ہوتا ہے "اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا ہرگز انکار نہیں ہے کہ امام کا مادہ نہایت طیب و لطیف اور پاکیزہ غذا سے تشکیل پاتا ہے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کی طینت مقدسہ نہایت اعلیٰ اور لطیف ہوتی ہے جیسا کہ اصول کافی بصائر الدرجات اور بعض بحار وغیرہ کتب میں اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ مگر باین ہمہ اس سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ ورنہ اگر اتنے سے اختلاف کی وجہ سے نوع بدل جائے تو پھر کافر و مسلم اور مومن و مخالف کی بھی نوعیں علیحدہ علیحدہ تسلیم کرنا پڑیں گی۔ کیونکہ متعدد احادیث میں ان سب کی طینتوں کا باہم مختلف ہونا بھی

مذکور ہے بطور نمونہ یہاں صرف ایک دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) عن علی بن الحسین علیہ السلام قال ان اللہ عزوجل خلق النبیین من طینۃ علیین قلوبہم وابدانہم وخلق قلوب المؤمنین من تلک الطینۃ وجعل خلق ابدان المؤمنین من دون ذلک وخلق الکفار من طینۃ سجین قلوبہم وابدانہم الحدیث طویل نقلناہ بقدر الحاجۃ یعنی خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں اور بدنوں کو طینت علیین (بہشت کی مٹی) سے پیدا کیا ہے اور مومنین کے دلوں کو بھی اسی طینت سے پیدا کیا ہے اور ان کے بدنوں کو اس کی نسبت قدرے پست طینت سے پیدا کیا اور کفار کے دلوں اور بدنوں کو طینت سجین (دوزخ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے (اصول کافی ص۲ جلد ۲ طبع تہران)

(۲) صالح بن سہل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا المؤمنون من طینۃ الانبیاء؟ کیا مومنین انبیاء والی طینت سے پیدا ہوئے ہیں؟ قال نعم فرمایا ہاں! (ایضاً ص۳)

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: خلق عدونا من سجین خدا نے ہمارے دشمنوں کو طینت سجین (دوزخ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے (ایضاً ص۳)

تو کیا ان احادیث کے پیش نظر کوئی شخص یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ مومن کی نوع الگ ہے اور کافر کی الگ؟ تو بالکل اسی طرح اس سے بھی نوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کہ نطفہ عرشی شربت سے متکون ہو یا فرشی غذا سے۔ شرعی اور طبی نقطہ نظر سے یہ درست ہے کہ غذا کی لطافت و کثافت اور حلت و حرمت کا وضعی اثر مولود کی سیرت اور اس کے کردار بلکہ اس کی جسمانی صحت پر بھی فی الجملہ اثر پڑتا ہے مگر یہ چیزے دیگر است۔ غذا کے اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی صاحب عقل سلیم اور طبع مستقیم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس غذا سے متولد ہونے والے بچوں کی نوعیں بھی مختلف ہوں گی؟ ما لکم کیف تحکمون۔

دوسرا جواب:—

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہو چکا ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں عام ارواح کے علاوہ ایک اور خاص روح ہوتی ہے جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جناب جابر جعفی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ امام نے فرمایا یا جابر ان فی الانبیاء والاوصیاء خمسۃ ارواح روح القدس وروح الایمان وروح الحیوۃ وروح القوۃ وروح الشہوۃ فبروح القدس یا جابر عرفوا ما تحت العرش الی ما تحت الثری۔ ثم قال یا جابر ان ہذہ الاربعۃ ارواح یصیبہا الحدثان الا روح القدس فانہا لا تلہو ولا تلعب۔ (اصول کافی ص۲۷۲ طبع ایران)

اے جابر! انبیاء اور ائمہ طاہرینؑ میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ روح قدس، روح قوت، روح شہوت، روح ایمان اور روح حیات۔ پس اے جابر یہ حضرات روح القدس کے ذریعہ سے ما تحت العرش سے ما تحت الثریٰ تک علم رکھتے ہیں۔

کا مادہ ماکول و مشروب عرشی سے متکون ہوتا ہے وہاں یہ بھی وارد ہے کہ مومن کا مادہ حقیقت بھی ماکول و مشروب عرشی سے بنتا ہے اما علم عند اللہ تعالیٰ ... حدیث جواہر ... ص۲ طبع قدیم ایران۔ اور اگر ایسا ہے باوجود مومنین کرام انسانی نوع سے ہی افراد ہیں تو پھر انبیاء و محمد علیہم السلام کو بھی نوع انسانی کے افراد ...

پھر فرمایا اے جابر: ان چار ارواح پر حوادث زمانیہ طاری ہوتے ہیں۔ مگر روح القدس پر حوادث زمانیہ طاری نہیں ہوتے۔ اور روح القدس نہ لہو و لعب میں مشغول ہوتی ہے اور نہ اس میں تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ یہ خاص روح تو خاص خاص برگزیدہ اور منتخب بندوں کو دی جاتی ہے یہ روح نبوت ہی ہے جو روح انسانی سے بلند و بالا ہے اور یہ روح ان کی ذاتیات میں داخل ہے، اور اس کا خاصہ واضح ہے۔ اور یہی فصل ممیز ہے، ماہیت ہی بشر اور روحی ہے۔ کیونکہ جنس اور فصل ممیز سے مل کر ماہیت شئی بنتی ہے۔ نیز کلام یہ کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی و امام کی بوجہ روح القدس کی زیادتی کے نوع علیحدہ ہے۔"

اس شبہ کے کئی جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا جواب: رُوح القدس کی حقیقت میں اختلاف

اس امر کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے کہ روح القدس کی حقیقت کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرشتہ ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ ایک اور قسم کی مخلوق ہے بعض نے دوسری روحوں کی طرح اسے جسم کے اندر تسلیم کیا ہے بعض نے جسم سے الگ مگر اس کے ہمراہ ہونے کا نظریہ قائم کیا ہے۔ جو صاحب روح کی برابر تائید و تسدید کرتا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ روح القدس دو ہیں، ایک جسم میں داخل ہے اور دوسرا خارج چنانچہ مولانا شیخ محمد تقی اصفہانی نے اپنی کتاب "ہدایات الرضویہ" کے حاشیہ پر اس کے متعلق سات احتمالات ذکر کئے ہیں۔ مگر کسی احتمال کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکے۔ لکھتے ہیں: ان شئت الحمل علی المراد بالروح العقل ففی الحدیث العقل اول الروحانیین من یمین العرش وهذا مطابق للحدیث اول ما خلق العقل وان اول ما خلق الله الروح. وان اراد به الملك ففی الحدیث الروح خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل. ویمکن ان یکون بمعنی الرحمة الدائمیة التی لا تزال لانهم احیاء عند ربهم یرزقون او بمعنی الرحمة القدسیة کما فی تفسیر قوله تعالیٰ انه لا ییأس من روح الله ای رحمته وذلك لانهم معادن الرحمة القدسیة فهذه الرحمة روح قدسی او بمعنی الایمان کما فی قوله تعالیٰ وایدهم بروح منه قیل هو الایمان وهو مروی عنهم وقیل الهدی والظاهر ان تسمیة الروح بالهدی والایمان باعتبار اطلاق اسم الحال علی المحل وقیل ان الروح هی نفس الانسان وحقیقته وهی اخفی الاشیاء یعنی روح سے مراد شاید عقل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ عقل عرش کے داہنی طرف موجود روحانی مخلوق میں سے ہے۔ اور یہ اس حدیث کے بھی مطابق ہے جس میں وارد ہے کہ سب سے پہلے خدا نے عقل کو پیدا کیا اور سب سے پہلے روح کو پیدا کیا یا اس سے مراد فرشتہ ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ روح جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبت مخلوق ہے۔ ممکن ہے روح بمعنی رحمت دائمیہ ہو۔ جو ہمیشہ ان بزرگواروں کو حاصل رہتی ہے کیونکہ وہ درحقیقت زندہ جاوید ہیں

اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں یا بمعنی رحمت قدسیہ ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت "انہ لا ییئس من روح اللہ" میں روح کی تفسیر رحمت کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ یہ بزرگوار رحمت قدسیہ کا منبع و معدن ہیں پس یہی رحمت قدسیہ روح القدس ہے۔ یا روح بمعنی ایمان ہے جیسا کہ ارشاد قدرت "وایدھم بروح منہ" میں روح کی تفسیر ایمان سے کی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد ہدایت ہے تو ظاہر ہے کہ روح القدس پر ایمان و ہدایت کا اطلاق مجازی ہے باعتبار اطلاق حال بر محل (کیونکہ روح القدس ہدایت و ایمان کا محل ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد حقیقت انسانیہ ہے اور یہ تمام ضروری اشیاء سے زیادہ مخفی و مستور ہے۔"

اسی طرح عالم ربانی جناب ملا محمد صالح مازندرانی نے اپنی شرح اصول کافی ج ۶ ص[۴۲] پر روح القدس کے متعلق چند احتمالات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "واللہ العالم و نا نستغفر اللہ مما اقول" اللہ ہی اس کی کیفیت کو بہتر جانتا ہے میں نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق بارگاہ قدرت سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔"

سرکار علامہ مجلسیؒ جیسا غواص بحار الانوار جلد ۲۵ ص[۴۹] پر روح القدس کے متعلق قریباً دس احتمالات ذکر کرنے کے بعد کسی کو کسی پر ترجیح دیئے بغیر اسے قالب اشکال و اجمال میں چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ثم اعلم ان الروح یطلق علی النفس الناطقۃ و علی الروح الحیوانیۃ الساریۃ فی البدن و علی خلق عظیم اما من جنس الملائکۃ او اعظم منھم و الارواح المذکورۃ ھنا یمکن ان یکون ارواحاً مختلفۃ متباینۃ بعضھا فی البدن و بعضھا خارجۃ عنہ، و یکون المراد بالجمیع النفس الناطقۃ باعتبار اعمالھا و احوالھا و درجاتھا و مراتبھا او اطلقت علی تلک الاحوال و الدرجات کما انہ یطلق علیھا النفس الامارۃ و اللوامۃ و الملھمۃ و المطمئنۃ بحسب درجاتھا و مراتبھا فی الطاعۃ و العقل الھیولانی و بالملکۃ و بالعقل المستفاد بحسب مراتبھا فی العلم و المعرفۃ و یحتمل ان یکون روح القوۃ و الشھوۃ و المدرج کلھا الروح الحیوانیۃ و روح الایمان و روح القدس النفس الناطقۃ بحسب کمالاتھا و تکون الاربعۃ سوی روح القدس مراتب النفس و روح القدس لخلق اعظم و ان ظاھر اکثر الاخبار مباینۃ روح القدس للنفس مرآۃ العقول ص[۴۹]، و یحتمل ان یکون ارتباط روح القدس علی النفس فی تلک الحالۃ او علی تلک النفس لتعلق روح القدس علی النفس فی تلک الحالۃ و علی الجوھر القدسی الذی یحصل لہ الارتباط بالنفس فی تلک الحالۃ کما تقول الحکماء فی ارتباط النفس بالعقل الفعال بزعمھم ربما یا دلّ اکثر الآیات و الاخبار اعتمد علی عقولھم القاصرۃ و افکارھم الخاسرۃ - (کذا فی مرآۃ العقول ج ۱، ص[۹۰]) و قال فی آخرہ و علم جمیع ذلک عند علیم الخبیر" یعنی جاننا چاہئے کہ روح کا چند معانی پر اطلاق ہوا ہے کبھی تو اس کا اطلاق نفس ناطقہ پر ہوتا ہے اور کبھی اس روح حیوانی پر جو بدن انسانی میں جاری و ساری ہے۔

کبھی اس مخلوق عظیم پر ہو یا تو ملائکہ کی قسم سے ہے یا ان سے بھی عظیم تر ہے۔ یہ ارواح جو ان احادیث میں یہاں مذکور ہیں ممکن ہے کہ یہ متعدد و مختلف اور باہم دیگر متضاد ہوں۔ بایں طور کہ بعض بدن میں داخل اور بعض اس سے خارج ہوں۔ اور ممکن ہے کہ ان تمام سے مراد نفس ناطقہ ہی ہو اور اس پر مختلف نام اس کے مختلف اعمال و احوال اور درجات کی وجہ سے اطلاق کئے گئے ہوں یا نفس ناطقہ کے بعض احوال و درجات پر ان روحوں کا اطلاق کیا گیا ہو۔ جس طرح کہ اسی مختلف احوال و درجات پر نفس امارہ، لوامہ، ملہمہ اور نفس مطمئنہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ باعتبار اطاعت و عقل ہیولانی، عقل بالملکہ اور عقل مستفاد کے مختلف مراتب علم و معرفت کے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ روح القوہ روح الشہوہ اور روح مدرج سے مراد روح حیوانی اور روح الایمان و روح القدس سے مراد نفس ناطقہ ہو۔ بحسب اس کے کمالات کے۔ یا روح القدس کے علاوہ دوسرے چاروں روحوں سے نفس انسانی کے مختلف مراتب مراد ہوں اور روح القدس سے مراد جبرئیل و میکائیل سے بھی عظیم تر مخلوق ہو۔ کیونکہ آثار و اخبار سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (روح القدس) نفس سے مختلف ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ روح القدس کا تعلق نفس سے اس کی اسی حالت (معرفت) میں ہوتا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسی نفس پر اس کی اس (عرفانی) کیفیت و حالت پر روح القدس کا اطلاق کیا گیا ہو۔ یا اس سے مراد وہ جوہر قدسی ہو جس کا ربط و تعلق نفس کے ساتھ اس کی اسی (معرفت تامہ) والی صورت میں ہوتا ہے جس طرح حکماء اپنے گمان کے مطابق نفس کے عقل فعال کے ساتھ ارتباط کے متعلق کہتے ہیں۔ اور اپنے عقول ناقصہ و آراء کاسدہ پر اعتماد کرتے ہوئے (اس موضوع کے متعلق) بہت آیات و روایات کی اسی کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔ ان تمام حقائق کا صحیح علم علیم و خبیر ذات ہی کو ہے۔"

قارئین کرام! ذرا اس غواص بحار اخبار ائمہ اطہارؑ کے اس کلام پر غور و تامل فرمائیں کہ انہوں نے روح القدس کے بارے میں کس قدر احتمالات کثیرہ ذکر فرمائے ہیں۔ اور بالآخر اس کی حقیقت تک اپنی نارسائی کا کس صراحت و صفائی کے ساتھ اقرار فرمایا ہے تو جس چیز کی حقیقت سمجھنے سے بڑے بڑے اعاظم علماء و جہابذہ فضلاء سپر انداز ہو گئے ہوں۔ اس مجہول الحقیقت چیز پر کیوں کر استدلال کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے؟

روح القدس کی حقیقت ائمہ اطہارؑ کے اخبار کی روشنی میں

جہاں تک ہم نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے اخبار و آثار کا تتبع و تفحص کیا ہے اور بقدر امکان و استطاعت جانفشانی اور عرق ریزی کرنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ "روح القدس" دیگر ارواح کی قسم سے نہیں بلکہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو جناب جبرئیل و میکائیل جیسے جلیل القدر فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔ یہ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ کے برابر ہمراہ رہا۔ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے ائمہ اطہارؑ کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ وہ اگرچہ بعض تائید و تسدید ہمیشہ ان بزرگواروں کے ہمراہ رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے روح مسدد بھی کہا جاتا ہے

مگر کبھی کبھی باقتضائے مصلحت ایزدی کچھ وقت کے لئے ان سے الگ بھی ہو جایا کرتا تھا۔ رہا یہ امر کہ اس کا ربط و تعلق کب نبیؐ و امامؑ سے ہوتا ہے؟ اس میں بھی سخت اختلاف ہے۔ اکثر اخبار و آثار سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ نبیؐ و امامؑ کے ظاہری مرتبۂ نبوت و امامت پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے البتہ بعض اخبار سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جسمانی ولادت کے ساتھ ہی اس اتصال و ارتباط کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور بعض آثار سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس جسمانی خلقت سے پہلے ان ذواتِ مقدسہ کی روحانی خلقت کے وقت ہی اس سے ربط و تعلق کا رشتہ قائم تھا۔ واللہ العالم

ذیل میں ہم اپنی اس تحقیق کے مختصر سے شواہد پیش کرتے ہیں۔ بصائر الدرجات ص۱۲۴ طبع قدیم پر ائمہ طاہرینؑ کی اس مضمون کی متعدد روایات وارد ہیں جن میں مختلف سائلین ان حضراتؑ سے دریافت کرتے ہیں: تسئلون عن الشئ فلا یکون عندکم علمہ قال ربما کان ذلک قلت کیف تصنعون؟ قال تلقانا بہ روح القدس کہ "کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے اور آپ کے پاس کا علم نہ ہو؟ فرمایا ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے۔ سائل نے کہا پھر آپ اُس وقت کیا کرتے ہیں؟ فرمایا روح القدس بجانب اللہ اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔ بعض روایات میں یہ لفظ وارد ہیں: فاذا ورد علینا الشئ لیس عندنا تلقانا بہ روح القدس جب ہمیں کوئی ایسا واقعہ درپیش آئے جس کا حل ہمارے پاس نہ ہو تو روح القدس اس کے متعلق ہم سے ملاقات کرتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ الفاظ موجود ہیں: ان عیینا شیئ تلقانا بہ روح القدس جب ہم کسی چیز کے بارے میں درماندہ ہو جائیں تو روح القدس تائید کرتا ہے (کما فی منہاج البراعۃ ج۲ ص۱۸۹) بصائر الدرجات کے اسی صفحہ پر امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے: ان الاوصیاء محدثون یحدثھم روح القدس ولا یرونہ (کہ اوصیاء محدَّث ہوتے ہیں روح القدس ان کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔ ص۱۳۵ پر ایک روایت درج ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت مبارکہ کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان میں وارد شدہ روح کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا ملک منذ انزل ذلک الملک لم یصعد الی السماء کان مع رسول اللہ وھو مع الائمۃ یسددھم یہ ایک فرشتہ ہے جب سے اترا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔ پہلے جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا پھر ان کے بعد ائمہ ہدیٰ کے ہمراہ۔ وہ ان کی تائید و تسدید کرتا رہتا ہے

ص۱۳۶ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا فاذا قبض النبیؐ انتقل روح القدس فصار فی الامام (کہ جب جناب رسولؐ خدا کا انتقال ہو گیا تو روح القدس امامِ برحق علیؑ کی طرف منتقل ہو گیا۔ اگر دوسری روحوں کی طرح روح القدس بھی ایک روح ہو تو پھر اس طرح تناسخ لازم آئے گا۔ جو تمام اہل اسلام کے نزدیک باطل اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: من قال بالتناسخ فھو کافر باللہ العظیم جو شخص تناسخ کا قائل ہو وہ کافر ہے۔" (عیون اخبار الرضا ص۲۰۲)

بصائر ص۱۲۵ پر متعدد روایات موجود ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ منذ انزل اللہ ذلک الروح علی محمد لم یصعد الی السماء وانہ لفینا جب سے خدا نے اس روح القدس کو آنحضرتؐ پر اتارا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا اور وہ ہم میں موجود ہے نیز اسی کتاب کے ص۱۲۳ پر وہی روایت متعدد طرق سے مروی ہے جو ہم پہلی دلیل کے ضمن میں تفسیر صافی و برہان و اصول کافی سے نقل کر چکے ہیں کہ امامؑ نے آنحضرتؐ کے متعلق فرمایا قد کان فی حال لا یدری ما الکتاب ولا الایمان حتی بعث اللہ تلک الروح فعلمہ بہا العلم والفہم وکذلک تجری تلک الروح اذا بعثہا اللہ الی عبد علمہ بہا العلم والفہم یعنی آنحضرتؐ پر ایک ایسی حالت بھی گذری ہے کہ کتاب و ایمان کا علم نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ خدا نے اس روح (القدس) کو بھیجا بس اس کے ذریعہ ان کو (مخصوص) علم و فہم عطا فرمایا۔ اسی طرح اس روح کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے جب خدا یہ روح اپنے کسی خاص بندے (امام) کے پاس بھیجتا ہے تو اسے (مخصوص) علم و فہم عطا فرما دیتا ہے۔

اسی طرح ص۱۲۴ کی بعض روایات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ روح "خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل لم یکن مع احد ممن مضی غیر محمد وهو مع الائمة یسددهم ولیس کلما طلب وجد" یہ جبرئیلؑ ومیکائیلؑ سے بھی عظیم الشان ایک مخلوق ہے سوائے سرور کائنات کے گذشتہ (انبیاءؑ و اوصیاءؑ) میں سے کسی کے ہمراہ نہ تھا۔ البتہ آنحضرتؐ کے بعد یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ہمراہ تسدید و تائید کی غرض سے رہتا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو ضرور پایا ہی جائے۔ بعض حضرات نے جملہ "خلق اعظم من جبرئیلؑ و میکائیلؑ" سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتا ہے یہ مطلب درست نہیں ہے اس کے بطلان پر علاوہ اس روایت کے جو بصائر کے حوالہ سے ہم پیش کر چکے ہیں بحار الانوار جلد ہفتم ص۲۶۵ پر متعدد روایات موجود ہیں جن میں مذکور ہے هو ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ وهو مع الائمة علیهم السلام وہ جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے بھی عظیم الشان ایک فرشتہ ہے جو پہلے جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا۔ پھر ان کے بعد ائمہؑ کے ہمراہ رہتا ہے۔ بصائر الدرجات کی مذکورہ بالا حدیث کے آخری جملہ ولیس کلما طلب وجد کی توضیح کرتے ہوئے علامہ مجلسی نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "ذلک الروح قد یحضر وقد یغیب ولیس کلما طلب وجد فلذا قد یتأخر جوابہم (بحار ج ۷ ص۲۶۲) یعنی اس جملہ کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ روح القدس کبھی حاضر ہوتا ہے اور کبھی غائب اور جب غائب ہو تو ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے۔ تو پایا ہی جائے اسی بنا پر بعض اوقات ان حضراتؑ کا جواب مؤخر ہو جاتا ہے۔ روح القدس کے بعض اوقات غائب ہو جانے کی تصریح۔ اس جملہ کی توضیح اور مجلسی مرحوم کے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید رجال کشی ص۲۴۱ اور رجال مامقانی ج ۲ ص۱۹۰ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے جس میں آپ نے اپنے والد ماجد

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو پیش آمدہ مسائل کے متعلق ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا غاب عنہ المحدث قلت و من المحدث قال ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ صلوات اللہ علیھم ولیس کلما طلب وجد یعنی اُس وقت محدث آپ سے غائب ہوگیا تھا۔ علاؤ بن رزین راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا محدث کون ہے؟ فرمایا وہ جبرئیلؑ ومیکائیلؑ سے عظیم المرتبت ایک فرشتہ ہے جو جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا اور ان کے بعد ائمہ ہدیٰؑ کے ساتھ رہتا ہے اور ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو وہ ضرور پایا جائے۔ مذکورہ بالا احادیث بصائر الدرجات طبع جدید کے ص۴۵۲ سے لیکر ص۴۶۲ تک نیز یہی احادیث مع شئی زائد بحار الانوار ج ۷ ص۲۸۷ تا ص۳۰۴ طبع ایران میں اسی طرح اصول کافی کتاب الحجۃ تفسیر برہان جلد ۴ مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار میں بھی ایسی روایات کا کافی ذخیرہ موجود ہے فراجع لتعرف صدق المقال وتنکشف لک الحال۔

روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل

چونکہ روح القدس کے فرشتہ ہونے پر بعض حلقوں کی طرف سے بہت سے وسوسے ہو رہے ہیں اس لئے اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا ہے

پہلی دلیل کثرت روایات معتبرہ میں اسے "ملک" (فرشتہ) کہا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی ص۳۲۳ طبع ایران قدیم میں بروایت ابی بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے قل الروح من امر ربی کی تفسیر میں فرمایا ھو ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ۔ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جو جبرئیلؑ ومیکائیلؑ سے بھی زیادہ عظیم المرتبہ ہے۔ یہ آنحضرتؐ کے ہمراہ تھا۔ اور ان کے بعد ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ رہا۔"

(۲) بحار ج ۷ ص۲۸۹ پر آیت مبارکہ "وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا" الآیۃ کی تفسیر میں انہی جناب سے مروی ہے ھو ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ وھو مع الائمۃ۔ مطلب یہی ہے۔

(۳) بصائر الدرجات ص۴۵۵ جز ۹ طبع جدید میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے فرمایا ملک منذ انزل اللہ ذلک الملک لم یصعد الی السماء کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ یسددھم۔ یہ روح ایک فرشتہ ہے جب سے خدا نے اسے زمین پر اتارا ہے پھر آسمان کی طرف نہیں گیا۔ یہ جناب رسول خداؐ کے ساتھ تھا۔ ان کے بعد ائمہ اطہارؑ کے ہمراہ ہے جو ان کی تسدید وتائید کرتا ہے۔

(۴) بحار ج ۷ ص۲۹۰ پر آیت مبارکہ "وایدھم بروح منہ" کی تفسیر میں بحوالہ تفسیر قمی امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل وکان مع رسول اللہ وھو مع الائمۃ علیھم السلام
اس مضمون کی چار روایات بصائر الدرجات ص۴۶۱ و ص۴۶۲ طبع جدید پر موجود ہیں۔ ان روایات سے ان روایات کی تشریح

بھی ہو جاتی ہے جس میں ہو "خلق اعظم من جبرئیل" ہو یا "ہو اعظم من جبرئیل" وارد ہے کہ یہ عظمت باعتبار مرتبہ و مقام ہے نہ باعتبار جنس و نوع فتدبر۔

دوسری دلیل صحیفہ کاملہ کی تیسری دعا فرشتوں پر درود و سلام کے متعلق ہے جس کا عنوان ہے "وکان من دعائہ علیہ السلام فی الصلوٰۃ علی حملۃ العرش وکل ملک مقرب"۔ اس دعاء مبارکہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نام بنام ملائکہ مقربین پر درود و سلام بھیجتے ہوئے فرماتے ہیں "والروح الذی ھو من امرک" اس روح پر بھی سلامتی نازل کر جو تیرے امر سے ہے (صحیفہ سجادیہ ص۲۲ طبع ایران) اس کی شرح کرتے ہوئے محدث جلیل جناب جزائری اپنی شرح نور الانوار ص۴۵ پر لکھتے ہیں "اشارۃ الی قولہ تعالیٰ یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً۔ وللمفسرین فیہ آراء ولنا آمروا بالعصار بسند صحیح عن ھشام بن سالم قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی قال خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل لم یکن مع احد ممن مضیٰ غیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ یوفقھم ویسددھم ولیس کلما طلب وجد۔ یعنی مفسرین نے اس آیت مبارکہ "قل الروح من امر ربی" کے متعلق مختلف رائیں قائم کی ہیں۔ مگر صحیح وہ ہے جسے صفار نے البصائر الدرجات ص۴۶۳ طبع جدید با سند صحیح بروایت ہشام بن سالم امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا یہ ایک مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبت ہے۔ جناب رسول خداؐ کے علاوہ اور کسی گذشتہ نبی کے ہمراہ نہ تھا آنحضرتؐ کے بعد یہ ائمہ اطہار کے ساتھ توفیق و تسدید کی خاطر موجود رہا ہے اور ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو پا یا جائے" ظاہر ہے کہ چونکہ یہ دعا صرف ملائکہ پر درود و سلام بھیجنے کے لئے وقف ہے تو اس میں جس روح کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ بھی ملائکہ میں سے ہی ہوگا۔ اسی طرح دعائے وداع ماہ رمضان میں دوسرے فرشتوں پر درود و سلام بھیجنے کے ساتھ ساتھ روح القدس پر بھی سلام کیا گیا ہے "وعلی رضوان خزنۃ الجنان وعلی مالک خازن النار وروح القدس والروح الامین حملۃ عرش المقربین" (مفاتیح الجنان ص۲۰۷)، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح القدس بھی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔

تیسری دلیل ماہ رمضان کی دعائے افتتاح میں امام زمانؑ کے متعلق دعا یہ فقرہ میں وارد ہے "وحفہ بملائکتک المقربین وایدہ بروح القدس" ان کو ملائکہ مقربین کے ساتھ گھیرے اور ان کی تائید روح القدس کے ساتھ فرما (مفاتیح الجنان ص۲۳۸ طبع ایران) یہاں بھی ملائکہ مقربین کے بعد روح القدس کا تذکرہ کیا گیا ہے نیز اگر روح القدس بدن میں داخل ہوتی تو پھر اس کے ساتھ تائید کی دعا کرنے کا کوئی محل ہی باقی نہیں رہتا۔ کما لا یخفیٰ۔

چوتھی دلیل کئی روایات میں وارد ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ کے علاوہ خدا اس کی تائید کرنے والوں کی وقتی طور پر روح القدس سے تائید کرتا ہے چنانچہ وارد ہے "ما قال فینا قائل بیتاً من الشعر حتیٰ یوید بروح القدس" (عیون الاخبار ص۴)

امام جعفر صادقؑ نے ہشام بن الحکم سے فرمایا لا تزال مؤیداً بروح القدس ما نصرتنا بلسانک (اصول کافی) نیز امام محمد باقرؑ نے کمیت شاعر سے فرمایا معک روح القدس ما ذببت عنا (رجال کشی) اسی طرح جناب رسول خدا نے

ازالہ شبہ | عیون اخبار الرضا باب ۲۶ ص ۲۰۰ پر امام رضاؑ سے مروی ہے ان اللہ قد ایدنا بروح منہ مقدسۃ مطہرۃ لیس بملک ولم تکن مع احد ممن مضی الا مع رسول اللہ وھو مع الائمۃ منا تسددھم و توفقھم وھو عمود من نور بیننا و بین اللہ عز و جل۔ خدا نے ہماری تائید ایک ایسی مقدس روح کے ذریعے کی ہے جو فرشتہ نہیں ہے۔ اور یہ سوائے آنحضرتؐ کے اور کسی نبی کے ساتھ نہ تھی آپ کے بعد ہم ائمہ اہل بیت کے ساتھ ہوئی ہے اور یہ ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے۔ اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ روح القدس اور عمود نور نبی و امام کی اسی روح کا نام ہے جو ان کی تکوین میں شامل ہے۔ اور یہ کہ روح القدس فرشتہ نہیں ہے۔ اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن میں روح القدس کا فرشتہ ہونا مذکور ہے فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس حدیث میں وارد شدہ جملہ " لیست بملک " وہ فرشتہ نہیں ہے کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یہ روح القدس عام فرشتوں جیسا نہیں ہے کیونکہ اس کی شان ان سے کہیں اجل و ارفع ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بکثرت روایات میں وارد ہے " ہو اعظم من جبرئیل و میکائیل " کہ وہ مرتبہ و مقام میں جبرئیلؑ سے بھی زیادہ جلیل ہے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض اس حدیث میں اور ان سابقہ احادیث میں تعارض تسلیم کر لیا جائے تو ترجیح ان ہی احادیث کو دی جائے گی جن میں اس کے فرشتہ ہونے کی تصریح موجود ہے۔ کیونکہ وہ احادیث تعداد کے اعتبار سے اکثر اور سند کے لحاظ سے اصح ہیں۔ جیسا کہ علم درایت الحدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ خذ بما اشتہر بین اصحابک ودع الشاذ النادر۔ جہاں تک روح القدس اور عمود نور کے متحد ہونے کا تعلق ہے یہ قطعاً غلط ہے۔ ہم اسی کتاب کے چھٹے باب میں ارشاد امام اور کلام علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ عمود نور سے ایک فرشتہ مراد ہے جو روح القدس کے علاوہ ہے۔ اسی عیون اخبار الرضا باب ۴۹ جزء اول ص ۱۳۲ طبع جدید پر امام رضا علیہ السلام کا ایک ارشاد موجود ہے۔ جو جبارۃ النص اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روح القدس اور عمود نور دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ فرماتے ہیں ان الامام مؤید بروح القدس و بینہ و بین اللہ عز وجل عمود من نور یری فیہ اعمال العباد کلما احتاج الیہ لدلالۃ اطلع علیہ " یعنی امام کی تائید روح القدس کے ساتھ ہوتی ہے اور امام و خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے اعمال دیکھتا ہے اور جس چیز کی طرف احتیاج ہو اس عمود کے ذریعہ اس پر آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس سے بڑھ کر اور کس طرح صراحت کی جا سکتی ہے کہ روح القدس اور ہے اور عمود نور اور۔ ان فی ذلک لذکری لقوم یعقلون۔

رُوح ایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان | بعض اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ روح الایمان بھی دوسرے

[illegible] نے حسان بن ثابت سے فرمایا لا تزال مؤیداً بروح القدس [illegible] ان تمام روایات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے حق میں شعر کہنے والوں اور حق کی نصرت کرنے والوں کی روح القدس سے تائید کی جاتی ہے۔ [illegible]
[illegible] احادیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ ہے [illegible]

ارواح کی طرح جزو بدن نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو مومن کو اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتا ہے چنانچہ اصول کافی (صفحہ ۴۳۹) پر روایت ابوبصیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا اذا هم العبد بذنب قال له روح الایمان لا تفعل وقال له الشیطان افعل واذا کان علی بطنها نزع منه روح الایمان جب انسان کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو روح ایمان سے کہتا ہے کہ گناہ نہ کر اور شیطان کہتا ہے کہ کر اور جب بندہ زانیہ عورت کے شکم پر سوار ہو جاتا ہے تو اس سے روح ایمان کو الگ کر دیا جاتا ہے (والعیاذ باللہ) اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت علامہ مجلسیؒ نے روح الایمان کے متعلق چھ احتمالات ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے پہلا احتمال یہ بیان کیا ہے کہ "ان یکون المراد به الملک کما صرح به فی بعض الاخبار وسمی بروح الایمان لانه مؤید له وسبب لبقائه فکانه روحه وبه حیاته" یعنی اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جیسا کہ اس کی تصریح بعض اخبار میں موجود ہے اور اس (فرشتہ) کا نام اس لئے روح الایمان رکھا گیا ہے کیونکہ یہ ایمان کی تائید کرتا ہے اور اس کی بقا کا سبب ہے تو گویا یہ ایمان کی روح ہے۔ اور اس سے ایمان کی زندگی وابستہ ہے پھر دوسرے پانچ احتمالات ذکر کرنے کے بعد آخر میں اسی پہلے احتمال کی تقویت کرتے ہوئے لکھا ہے "والاول اظهر علی قواعد متکلمی الامامیة وظواهر الاخبار" یعنی شیعہ متکلمین اور ظواہر اخبار کے پیش نظر پہلا احتمال ہی اظہر ہے (مرآۃ العقول ج ۲ صفحہ ۲۲۴) انہی بعض اخبار کی طرف جناب علامہ نے اشارہ فرمایا ہے وہ اصول کافی کے باب "الروح الذی ایّد به المؤمن" میں ہے (صفحہ ۴۳۱)، بروایت ابی خدیجہ جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے، فرمایا "ان الله تبارک وتعالی ایّد المؤمن بروح منه تحضره فی کل وقت یحسن فیه ویتقی ویغیب عنه فی کل وقت یذنب فیه ویعتدی" الحدیث یعنی خداوند عالم نے مومن کی تائید ایسی روح سے کی ہے کہ جب مومن نیکی کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو وہ موجود رہتی ہے، اور جب برائی کرتا اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جناب علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں۔ "قد مرّ تفسیر الروح والاظهر ان الروح ههنا ایضاً ملک" (روح) کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے اظہر یہ ہے کہ یہاں بھی روح سے مراد فرشتہ ہے (مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۲۳۵)۔

اس امر کی تائید اس روایت صادقیہ سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ہر بندۂ مومن کے دل میں دو کان ہیں ایک میں خناس (شیطان) پھونک مارتا ہے (وسوسہ ڈالتا ہے) اور دوسرے میں فرشتہ پھونک مارتا ہے (تائید کرتا ہے) فیؤید الله المؤمن بالملک فذلک قوله وایدهم بروح منه پس خدا اپنے بندۂ مومن کی فرشتہ سے تائید کرتا ہے۔ اور یہی خدا کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ خدا نے ان کی تائید ایک روح سے کی ہے (اصول کافی صفحہ ۴۳۲)

روح القدس و روح الایمان بدن میں داخل نہیں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں جب یہ بات الم نشرح ہو گئی کہ روح القدس اور روح الایمان دو فرشتوں کے نام ہیں تو پھر ان کے داخل جسم اور جزو بدن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ انہی ناقابل انکار حقائق کے پیش نظر

خواص بحار اخبار ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ و اصول کافی میں ۲۷۲ حضرت امیر المومنین سے جو طویل روایت مروی ہے جس میں وارد ہے واسکن فی ابدانہم ثلاثۃ ارواح روح القوۃ و روح الشہوۃ و روح البدن الخ یعنی خدا نے ان کے بدنوں میں تین روحیں ساکن کیں روح قوۃ، روح شہوۃ اور روح بدن الخ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تخصیص تلک الارواح بالابدان لان الروحین الآخرین لیسا مما یسکن البدن وان کانا متعلقین بہ" یعنی ان تین روحوں کو بدنوں کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ دوسری دو روحیں روح القدس اور روح الایمان، بدن میں ساکن نہیں ہوتیں، اگرچہ ان کا تعلق بدن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے (مرآۃ العقول ج ۲ ص ۲۹۱)

فی بمعنی مع مراد ہے

بنا بریں جن روایات میں وارد ہے کہ "فی الانبیاء والائمۃ خمسۃ ارواح" میں سے ظاہر بین اور حضرات مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام روحیں ان بزرگواروں کے بدن مقدسہ میں داخل ہیں اور جزو بدن ہیں۔ یہاں "فی" بمعنی مع ہے جس کا مفہوم "انبیاء و ائمہ میں" نہیں بلکہ "انبیاء و ائمہ کے ہمراہ پانچ روحیں ہوتی ہیں" ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا فی بمعنی مع استعمال ہوتی ہے؟ اس کا انکار اپنی جہالت کے اقرار کے مترادف ہے۔ علم نحو کی مشہور و مستند کتاب مغنی اللبیب ج ۱ ص ۱۶۸ طبع مصر پر "فی" کے دس معانی ذکر کرتے ہوئے دوسرے معنی مصاحبت و معیت لکھتے ہیں "الثانی المصاحبۃ نحو ادخلوا فی امم ای معہم" یعنی اس کے دوسرے معنی مصاحبت و معیت کے ہیں جیسے ادخلوا فی امم میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہاں "فی" "بمعنی مع" ہے۔

اسی طرح علامہ مجلسیؒ ایک دعا جس میں وارد ہے "واھدنی فیمن ھدیت" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وقیل فی بمعنی الی او بمعنی مع۔ کہا گیا ہے کہ یہاں "فی" "بمعنی الی" یا "بمعنی مع" ہے (مرآۃ العقول ج ۲ ص ۳۸۲) اس امر کی تائید ان احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جن میں یہ وارد ہے کہ "یکون معہم" یہ روح القدس ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا الآیۃ اور آیت قل الروح من امر ربی کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ھو ملک اعظم من جبرئیل و میکائیل کان مع رسول اللہ ومع الائمۃ۔ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظمت کا مالک ہے۔ یہ جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا اور ہمیں ائمہ اطہارؑ کے ساتھ (بحار الانوار ج ۷ ص ۲۶۵)

نیز اس مطلب کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ احادیث کی تعبیرات مختلف ہیں۔ بعض میں وارد ہے "فی الانبیاء والائمۃ خمسۃ ارواح" (بحار ج ۷ ص ۲۹۲) یہاں "فی" موجود ہے، بعض میں یوں وارد ہے "ان اللہ خلق الانبیاء والائمۃ علی خمسۃ ارواح" (بصائر الدرجات ص ۱۵۳ طبع جدید یہاں "علی" موجود ہے) اور

بعض روایات میں وارد ہے ان اللہ جعل للنبی خمسة ارواح (بحار ج ۶ ص ۲۲۶ و بحار ص ۵۵) یہاں "امام" موجود ہے، کچھ ہے ع

عباراتنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان حقائق کی روشنی میں صاحب طوالع الانوار وغیرہ کے اس قول سقیم کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ "ان روح القدس (ص ۱۴۰) کما هو کان فی نبی وهو جزء منه کسائر الارواح فکذلک فی الائمة وهو جزء منهم خلق اللہ فیهم (ارواح)، اسی طرح یہ کہنا بھی بوجہ عدم دلیل ناقابل قبول ہے کہ روح القدس دو ہیں ایک داخل بدن اور دوسرا خارج از بدن، ءاللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون؟

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض مدعیان علم نے اس مقام پر یہ تحقیق انیق فرمائی ہے کہ وہ روایات جن سے روح القدس کا فرشتہ ہونا ظاہر ہوتا ہے چونکہ وہ روایات اہل سنت کے مطابق ہیں اس لئے ناقابل قبول ہیں۔ لیکن اس دعویٰ کے اثبات میں تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۵ سے چار اقوال نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) روح القدس سے مراد جبرئیل ہے (۲) اس سے مراد انجیل ہے (۳) اس سے مراد اسم اعظم ہے (۴) اس سے مراد روح عیسوی ہے" یہ بات ہمارے لئے ناقابل فہم ہے کہ ہماری شیعی کسی ایک روایت میں بھی یہ درج نہیں ہے کہ روح القدس سے مراد جبرئیل ہے بلکہ یہ وارد ہے کہ ملک اعظم من جبرئیل و میکائیل (وہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے) اور مخالفین کی کسی ایک روایت میں بھی موجود نہیں کہ وہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے عظیم تر ہے! تو پھر یہ اہل سنت کی روایت کے ساتھ موافقت و مطابقت اور اس کی وجہ سے روایات اہل بیت کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟ یا للعجب! معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اس محقق نے کہیں سے یہ سن لیا کہ جو روایت شیعی مسلمات کے خلاف اور عامہ کے مذہب کے مطابق ہو وہ ناقابل استدلال ہوتی ہے لیکن جوہر لطیف سے دیگر طریقہ موجود ہو، یہ سوچا کہ شیعی مسلمات کی مخالفت اور روایات مخالفین سے مطابقت کا مفہوم کیا ہے؟ اور بلا سوچے سمجھے اس کو یہاں پر نافذ کر دیا۔ حالانکہ اس قاعدہ کا اس مقام سے کوئی ربط و تعلق ہی نہیں ہے اور ایسا ہی اس محقق نے آیت مبارکہ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان کے متعلق ہماری پیش کردہ تفسیر معصوم کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ کہ یہ تفسیر تفاسیر اہل سنت کے موافق ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ حالانکہ جو کچھ ہم نے کلام معصوم کی روشنی میں پیش کیا ہے وہ عالم ارواح و انوار والی خلقت کے متعلق ہے جو اس ظاہری و جسمانی خلقت سے ہزارہا سال مقدم ہے اور انہوں نے تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۱۰ سے جو مواد پیش کیا ہے اس میں اعلان نبوت سے قبل والی ظاہری زندگی مراد لی گئی ہے کیا اسی کا نام موافقت ہے؟ اگر یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے تو اس سے بڑھ کر تدلیس و تلبیس نہیں ہو سکتی۔ اور اگر غیر ارادی طور پر ایسا کیا ہے تو اس سے بڑھ کر جہالت و ضلالت متصور نہیں ہو سکتی۔ بہرحال وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ هباءً منثوراً

مذکورہ بالا احادیث سے استنباط کردہ نتائج

مذکورہ بالا ارشادات معصومینؑ پر نظر غائر ڈالنے سے مندرجہ ذیل امور واضح ہو جاتے ہیں:۔ (اوّل) ائمہ طاہرینؑ کے پاس مبدء فیض وجود خالق ہر موجود یعنی خدا سے وہ دوسرے علم و فضل حاصل کرنے کے بہت سے وسائل و ذرائع ہیں ایک طریقہ و ذریعہ روح القدس بھی ہے۔

(دوئم) یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔

(سوئم) یہ روح القدس عام ارواح کی طرح نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل جیسے جلیل القدر فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے

(چہارم) یہ روح القدس تا زیست جناب رسول خداؐ کے ہمراہ رہا اور ان کی رحلت کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے ائمہ ہدیٰ کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔

(پنجم) روح القدس کو جب سے زمین پر اتارا گیا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔

(ششم) جب روح القدس کا نبیؐ یا امامؑ کے ساتھ ارتباط قائم ہوتا ہے تو خدا ان کو خاص علم و فہم عطا فرماتا ہے۔

(ہفتم) روح القدس کی یک خاص فرد یا صنف ایسی ہے جو پیغمبر اسلام اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے جو سابقہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کے ہمراہ نہ تھی (دیباچہ تاویل سرکار علامہ مجلسیؒ نے بحار ج ۲ ص ۲۷۱ پر جمع بین الروایات کرتے ہوئے فرمائی ہے کہ بعض آیات و روایات سے اس کا تمام انبیاءؑ اور بعض میں اس کا صرف آنحضرتؐ اور ائمہ ہدیٰ کے ساتھ مختص ہونا ظاہر ہوتا ہے فلا تغفل)

(ہشتم) یہ روح القدس امامؑ کو ظاہری درجہ امامت پر فائز ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔

(نہم) یہ روح القدس ملائکہ کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق نہیں رکھتا۔

(دہم) یہ روح القدس مصلحت خداوندی کے تقاضوں کے مطابق کبھی کبھی نبیؐ و امامؑ سے کچھ لمحات کے لئے غائب بھی ہو جاتا ہے۔ بنا بریں بعض روایات میں وارد ہے کہ کلا تفارقہم ان کو اغلب اوقات پر محمول کیا جائے گا یعنی اکثر و بیشتر ہمراہ ہی رہتا ہے لہٰذا کبھی کبھار اس کی علیحدگی النادر فی حکم المعدوم کا حکم رکھتی ہے تلک عشرۃ کاملۃ بفضلہ تعالے ان حقائق کی روشنی میں اس نظریہ کہ یہ روح ان بزرگواروں کی ذاتیات میں داخل ہے" کا ہوائی قلعہ بطلان واضح و عیاں ہو گیا۔ اور اسی کے ساتھ وہ نتائج بھی کالعدم ہو گئے جو اس روح کے ذاتیات میں داخل تسلیم کرنے کے لئے مرتب کئے گئے تھے۔ کہ اس کا خاصہ وحی ہے اور اس سے حاصل شدہ کمالات ان کے ذاتی ہیں وغیرہ۔

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

جب مستند ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ثابت کر دیا گیا کہ روح القدس دوسری ارواح کی قسم سے نہیں جو بدن میں داخل ہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان فرشتہ ہے تو اس سے حاصل شدہ کمالات کیونکر ان کے ذاتی اور اس کی وجہ سے

ان کی نوع کیونکر علیحدہ ہو سکتی ہے؟

دُوسرا جواب اس شبہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے بفرضِ محال چند لمحات کے لئے روح القدس کو دیگر ارواح کی طرح ایک روح بھی تسلیم کر لیا جائے جو بدن میں داخل ہے تو بھی اس سے انبیاء و ائمہ میں ایک روح کی زیادتی ہے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ان حضرات کی نوع علیحدہ ہو کیونکہ یہ اختلاف ارواح تو مومنین و کفار کے درمیان بھی پایا جاتا ہے احادیث میں جہاں یہ وارد ہے کہ انبیاء و ائمہ میں پانچ روحیں ہوتی ہیں وہاں متعدد احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر میں تین اور مومن میں چار روحیں ہوتی ہیں۔ صرف تبرکاً و تیمناً ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔

بصائر الدرجات ص۱۲۳ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا فی الانبیاء والاوصیاء خمسة ارواح۔ روح البدن و روح القدس و روح القوة و روح الشهوة و روح الایمان وفی المومنین اربعة ارواح افقدها روح القدس روح البدن و روح القوة و روح الشهوة و روح الایمان وفی الکفار ثلاثة ارواح روح البدن و روح القوة و روح الشهوة الخ (کذا فی ساير البصائر ص۴۴ وغیرہ)

انبیاء و اوصیاء میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ روح البدن۔ روح القدس۔ روح القوة۔ روح الشہوة اور روح الایمان اور مومنین میں چار روحیں ہوتی ہیں ان میں صرف روح القدس کی کمی ہوتی ہے وہ چار روحیں یہ ہیں روح البدن۔ روح القوة روح الشہوة اور روح الایمان اور کفار میں صرف تین روحیں۔ روح البدن، روح القوة، اور روح الشہوة ہوتی ہیں الخ پس جب کفار میں تین روحیں ہیں اور اہل ایمان میں چار تو اس اختلاف کی وجہ سے کوئی ذی عقل و ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ کافر اور مومن کی نوعیں الگ الگ ہیں؟ اور بنا بریں خدا نہ کرے اگر کوئی مومن مرتد ہو جائے جیسا کہ کبھی کبھی واقع بھی ہوا ہے۔ یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے جیسا کہ عموماً یہ ہوتا رہتا ہے تو کیا اس طرح ان کی نوع بدل جائے گی؟ پھر تو نوع نہ ہوئی بازیچۂ اطفال ہو گیا۔ دراصل کج فہموں کے بغیر تو بات جچتی نظر نہیں آتی ہے

وبضدها تتبين الاشياء

اور اگر اس کافرانہ نظریہ کی ذرا سی بھی گنجائش ہو تو پھر اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے بقول شاعر ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

چوتھا شبہ اور اُس کا جواب (امری و خلقی خلقت کا تذکرہ) روح نبوتی، امامتی امری مخلوق ہے خلقی مخلوق نہیں ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے الا له الخلق والامر یعنی دونوں عالم خلق و امر کا وہی مالک و مدبر ہے لفظ خلق کا استعمال اکثر جسمانیت پر ہوتا ہے اور ہمیشہ اشیاء عالم خلق سے تعلق رکھنے والی تدریجاً درجہ بدرجہ وجود میں آتی ہیں عالم امر کی مخلوق کا تعلق صانع مطلق سے ہوتے ہی پورے کمال سمیت وجود میں آ جاتی ہے۔ نہ سبب کی احتیاج۔ نہ تدریج کو دخل۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول له

کن فیکون۔ پڑھو قصۂ آدم علیہ السلام نہ ماں نہ باپ، اسباب ظاہری نہیں ہیں۔ اسی طرح جناب عیسیٰؑ کی ولادت کا قصہ پڑھو، اس سے بالکل واضح ہے کہ انبیاء کی خلقت عالم امر سے ہے۔ اسباب ظاہری کی ضرورت نہیں، وہ عالم پیدا ہوتے ہیں۔ اربعہ عناصر ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے: یہ ہے ان حضرات کے دلائل اور با الفاظ مناسب شبہات کا خلاصہ جو وہ انبیاء و ائمہ کی علیحدہ نوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کے سلسلہ میں پیش کیا کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان امور کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ باتیں کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں۔ یہاں چند امور کی تنقیح ضروری ہے

امر اوّل کی تنقیح

"خلقی" و "امری" والی جس اصطلاح جدید کا اس شبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا قرآن و حدیث اور کلام علماء اعلام شیعہ میں کہیں نام و نشان تک موجود نہیں۔ اس کی ایجاد کا سہرا بانی فرقۂ شیخیہ مفوضہ شیخ احمد احسائی کے سر ہے۔ پھر اسی کے اگلے ہوئے نوالہ کو ہمارے ملک میں بعض لوگوں نے چبایا اور یہ موجودہ غلو نواز حضرات اسی کی جگالی کر رہے ہیں۔ آیت مبارکہ الا له الخلق والامر کا اس اصطلاح سے ہرگز کوئی تعلق نہیں یہ محض تفسیر بالرائے ہے۔ اس کا صاف و سادہ مطلب یہ ہے کہ حقیقی خالق و حاکم خدا ہی ہے جیسا کہ ارشاد و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لهم الخیرة ورنہ ظاہر ہے یہ اصطلاح بے معنی بالکل مہمل۔ کیا خلق و امر میں کوئی تضاد ہے؟ کیا عالم خلق والی مخلوق خدا کے امر کے بغیر پیدا ہوتی ہے؟ کیا ان لوگوں کے میول کے مطابق امری مخلوق مخلوق خدا نہیں ہے؟ یہ خدا کی حکمت و مصلحت پر منحصر ہے جسے چاہے آناً فاناً بلا مادہ و مدت اور بلا لحاظ سن و سال طبعی پیدا کر دے۔ (جیسے آدمؑ کو پیدا کیا اور بڑھاپے میں جناب خلیل کو اولاد سے نوازا۔ اور چاہے تو عام اسباب کے ماتحت بتدریج خلق فرمائے لا دافع لقضائہ۔ الخ

امر دوم

بنا بر تسلیم اصطلاح خود اصل شبہ میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ روح نبوتی و امامتی امری مخلوق ہے نہ خلقی یہ بات ہمارے محل نزاع سے خارج ہے کیونکہ بحث تو ظاہری و جسمانی خلقت میں ہے کہ وہ ظاہری اسباب و آلات کے ماتحت تدریجاً ہوتی ہے۔ یا ان کی محتاج نہیں؟ جہاں تک روح کی خلقت کا تعلق انبیاء و ائمہ کے ارواح مقدسہ پر کیا انحصار ہے سب لوگوں کی روحیں امری مخلوق ہیں۔ قل الروح من امر ربی کیا اس اصطلاح کے مطابق دوسرے لوگوں کی روحیں عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں؟ اور وہ ظاہری اسباب کے ماتحت عالم وجود میں آتی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو عالم ذر میں خدا نے کس طرح ان کو پیدا کر کے ان سے عہد الست لیا تھا؟ یا دوسری روحوں کی خلقت کے وقت کتنے دن یا ماہ و سال صرف ہوئے تھے؟ بینوا توجروا

امر سوم

اس شبہ میں دو تین انبیاء کی مثال پیش کر کے جس سے ایک قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے کہ سب انبیاء کی خلقت ایسی ہی ہوتی ہے جو کہ استقراء ناقص پر مبنی ہے۔ جو صرف موجب ظن ہوتا ہے۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ اگر ماں باپ یا صرف باپ کے بغیر پیدا ہونا ان کے امری مخلوق ہونے کی دلیل ہے تو پھر شہادت ہابیل کے

بعد خدا نے جو کوّا بھیجا تھا اس کے والدین کی نشاندہی کی جائے۔ حضرت صالحؑ کی ناقہ کے ماں باپ بھی بتائے جائیں؟ نیز حضرت موسیٰؑ کے سانپ اور عصائے موسیٰؑ، امام موسیٰ کاظمؑ کے شیرِ قالین کا سلسلۂ نسب بھی ظاہر کیا جائے؟ انہی چند مثالوں پر ہی کیا منحصر ہے ابتدائے آفرینش میں بدیع السموات والارض خالقِ کائنات نے جو بھی ذی روح (جاندار) چیزیں پیدا کی ہیں۔ یہ سب ماں باپ کے بغیر نہیں تھیں؟ کیا وہ مادہ و مدت کے بغیر وجود میں نہیں لائی گئیں تھیں؟ تو اگر امری مخلوق ہونے کا یہی معیار ہے تو پھر ساری کائنات امری مخلوق ہے۔ مالکم کیف تحکمون

بہرکیف اس اصطلاح کے مطابق خلقت امری ہوتی ہی وہاں ہے جہاں سلسلۂ اب وام نہ ہو۔ بنا بریں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ارواح کے اعتبار سے امری اور اجسام کے لحاظ سے خلقی مخلوق ہیں۔ امری خلقت کے اعتبار سے تمام امریوں (جن میں فرشتے سرفہرست ہیں) کے سردار، اور خلقی خلقت کے لحاظ سے تمام خلقی مخلوق سے تعلق رکھنے والی مخلوق کے سرتاج ہیں۔ علی خیر البشر من ابیٰ فقد کفر

امر چہارم ہماری متعدد روایات میں وارد ہے کہ پورے عالم امکان میں صرف دو مولود ایسے ملتے ہیں جو چھ ماہ کے پیدا ہوئے اور پھر زندہ بھی رہے ایک حضرت یحییٰؑ (بروایتے عیسیٰؑ) اور دوسرے جناب امام حسین علیہ السلام (اصول کافی، عاشر بحار وغیرہ) چنانچہ ہماری بکثرت روایات میں آیت مبارکہ حملہ و فصالہ ثلاثون شہرا کی تفسیر جناب امام حسینؑ کے ساتھ کی گئی ہے۔ (اصول کافی، عاشر بحار وغیرہ) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاءؑ و ائمہؑ پوری مدت حمل کے بعد متولد ہوتے ہیں۔ ورنہ صرف ان حضرات کی تخصیص کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ بعد ازیں خلقت امری کے نظریہ کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟

امر پنجم متعدد آثار و اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ عالم آب و گل میں صرف تین ایسے بزرگ پیدا ہوئے۔ جن کے حمل و وضع حمل کے آخری لمحہ تک بتقاضائے وقت خدا نے مخفی و مستور رکھا۔ ایک جناب ابراہیمؑ دوسرے جناب موسیٰؑ، تیسرے حضرت امام العصر والزمانؑ (قصص الانبیاء، بحار ج ۵، منتہی الآمال، بحار ۱۳، اصول کافی وغیرہ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کی ولادت کے وقت حالات کا تقاضا یہ تھا کہ حمل کو مخفی رکھا جائے جیسا کہ باخبر حضرات پر یہ حقائق مخفی نہیں ہیں۔ خود اسی بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے سب بزرگواروں کے حمل کے آثار نمایاں و آشکار ہوتے ہیں کیونکہ اگر سب حضرات کی یہی کیفیت ہوتی تو پھر ان صاحبان کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہتی۔ امام زمانہ کے حالات میں عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں لکھی جانے والی تمام کتب میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ نیمۂ شعبان کو جب امام حسن عسکریؑ نے اپنی عمۂ محترمہ جناب حکیمہ خاتون سے فرمایا کہ آج کی شب وہیں قیام فرمائیں۔ کیونکہ آج کی رات آخری حجتِ خدا کی ولادت ہونے والی ہے تو اس معظمہ نے امامؑ سے دریافت کیا کہ کس محترمہ کے بطن سے ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا۔ جناب نرجس خاتونؑ کے بطن سے! یہ سن کر جناب حکیمہ خاتون نے تعجب کے ہوتے کہا ان کے ہاں تو حمل کے کوئی آثار نہیں ہیں

امام نے ان کے تعجب کو رفع کرتے ہوئے فرمایا اس کی ولادت جناب موسیٰ کے نقش بنقش ہوگی یعنی جس طرح مصلحت وقت کے پیش نظر خدائے قادر نے ان کے حمل کو آخری وقت تک مخفی رکھا تھا۔ یہاں بھی وہی صورت حال درپیش ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جناب حکیمہ امام محمد تقی علیہ السلام کی دختر نیک اختر۔ امام علی نقی علیہ السلام کی ہمشیرہ، امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی، خانوادۂ عصمت کی فرد کامل اور اس مقدس خاندان کے حالات و خوارق کما حقہ واقف و آگاہ! تو کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ امام کی خلقت عالم امر سے تعلق رکھتی ہے وہ ظاہری اسباب و تدریج کے پابند نہیں ہوتے! اگر علم تھا، تو پھر حمل کے ظاہری آثار نہ دیکھ کر تعجب کیوں کیا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ امام نے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لئے جناب موسیٰ بن عمران کی مثال کیوں پیش فرمائی۔ یہ فرما کر کیوں نہ ان کو خاموش کر دیا "چھوپھی اماں! یہ امام کی ولادت ہے۔ اور ان کی خلقت امری ہوتی ہے۔ یہاں آثار حمل اور وضع حمل چہ معنی دارد؟ معلوم ہوا کہ نہ اس معلقہ کو اس بے سروپا نظریہ کا کوئی علم تھا اور نہ ہی امام حسن عسکری نے اسے بیان کیا۔ اور نہ ہی کسی اور امام عالی مقام کا ایسا کوئی فرمان کتب معتبرہ میں موجود ہے پھر نہ معلوم ان مولوی صاحبان کو کس نے یہ وحی کی ہے؟ ؎

ستر خدا کہ عارف سالک بکس نگفت در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید!

امر ششم

احادیث اہل بیت علیہم السلام میں انعقاد حمل سے لے کر وقت ولادت تک کے مکمل حالات و کوائف مذکور ہیں۔ بحار الانوار جلد ۶ جو کہ فضائل امامت کے سلسلہ میں مخصوص ہے" پر پورا ایک باب موجود ہے۔ جس کا عنوان ہے " احوال ولادتہم علیہم السلام وانعقاد نطفہم واحوالہم فی الرحم وعند الولادۃ و برکات ولادتہم صلوات اللہ علیہم فیہ بعض غرائب علومہم وشئونہم" اسی طرح دوسری احادیث میں یہ تفاصیل مرقوم ہیں۔ اس کا ایک شمہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

(۱) متعدد روایات میں وارد ہے کہ جب امام کے صلب کی طرف انتقال و[...] وقت آتا ہے تو خدا کے حکم سے ایک فرشتہ تحت العرش سے ایک پیالہ خدمت امام میں پیش کرتا ہے جس میں ایک مخصوص قسم کا شربت ہوتا ہے۔ جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے۔ امام عالی مقام اسے نوش کرنے کے بعد خدا کے حکم سے، اس طرح کے ساتھ مقاربت کرتے ہیں جس کے شکم سے حجت خدا نے پیدا ہونا ہوتا ہے بعض روایات میں یوں وارد ہے کہ خدا اس مخصوص شربت کا قطرہ دنیا کے کسی پھل یا سبزی پر ڈال دیتا ہے امام اسے تناول کرتا ہے، اور اس مخصوص غذا سے نطفہ متکون ہوتا ہے۔ اس قسم کی تمام احادیث اصول کافی ص ۱۹۹ کتاب الحجہ، بصائر، بحار ج ۶ ص ۲۲۲ وغیرہ میں موجود ہیں۔ ہمارے کرم فرماؤں میں سے صاحب جلاء العیون نے بھی ص ۲۲۳ پر ان کا ایک شمہ بذیل عنوان "حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی خلقت جسمانی" نقل کیا ہے فراجع

(۲) جب حمل کو چار ماہ گذر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ بحکم الہٰی اس کے داہنے کاندھے پر آیت ۔۔۔ لکھتا ہے

"وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم" بعض دوسری روایات میں وارد ہے کہ یہ آیت ولادت کے بعد لکھی جاتی ہے بعض شارحین کا خیال ہے کہ اس کتابت سے مراد استعارہ تشبیہ ہے۔ (صافی شرح کافی جزو ۳ حصہ ۱ ص ۱۴۹)

(۳) امام شکم مادر میں کلام سنتا ہے چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "لا تتکلموا فی الامام فان الامام یسمع الکلام وھو فی بطن امہ" امام کے متعلق (نامعقول) باتیں نہ کرو۔ امام کی یہ شان ہے، کہ وہ شکم مادر میں ہی کلام سنتا ہے۔ (اصول کافی ص ۱۹۹ منتہیٰ بحار ص ۲۲۶ بصائر ص ۲۳۳ طبع جدید)

(۴) امام جب شکم مادر میں ہوتا ہے تو سورہ انا انزلنا وغیرہ بعض سور و آیات کی تلاوت کرتا ہے (حق الیقین مجلسی ص ۲۰۳ حدیقہ سلطانیہ ص ۱۶۹)

(۵) اسحاق بن امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد ماجد سے خلقت امام علیہ السلام کے متعلق جو طویل روایت نقل کی ہے اس میں وارد ہے "فاذا کان لتسعۃ من شھرھا سمعت فی البیت حسًا شدیدًا" (اصول کافی ص ۱۹۹ بحار ج ۴ ص ۲۶۳) جب حمل کو نو ماہ گذر جائیں تو مادر امامؑ گھر میں سخت حس وحرکت کی آواز محسوس کرتی ہیں۔" اس عبارت کا ترجمہ فاضل قزوینی نے صافی شرح اصول کافی (جزو ۳ حصہ ۲ ص ۹۳) پر یوں کیا ہے "پس وقتیکہ شد نہ ماہ از ماہہائے آبستنی او شنید در خانہ آواز حرکتے سخت چنانچہ گویا بسیار ترددکنند" (کذا فی منتہی الآمال ج ۲ ص ۱۹۴)

(۶) جب امامؑ کی ولادت ہوتی ہے تو طاہر و مطہر و ناف بریدہ ختنہ شدہ، رو بقبلہ پیدا ہوتا ہے۔ دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھتا ہے سر آسمان کی طرف بلند کرکے توحید و رسالت کی شہادت دیتا ہے (اصول کافی ص ۱۹۹ منتہم بحار ص ۲۶۲ وغیرہ) بعض آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر شہادتین کے ساتھ ساتھ امام لاحق۔ امام سابق کی امامت کی بھی گواہی دیتا ہے۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۱۹۴)

ان حالات و کوائف میں ارباب عقل و دانش کے لئے لمحۂ فکریہ موجود ہے کہ جب ائمہ معصومینؑ کے ارشادات میں ابتدائے حمل سے لے کر نو ماہ تک اور پھر وضع حمل تک کے تمام جزئی کلی حالات و کیفیات کتب معتبرہ و اصول معتمدہ میں موجود ہیں تو آیا ان تمام حقائق کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کالشمس فوق الشجر واضح و آشکار ہو گئی کہ انبیاءؑ و ائمہؑ بھی جسمانی و بدنی خلقت کے اعتبار سے عالم خلق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں ان کے خصوصیات انہی کے ساتھ خاص ہیں۔ ان خصوصیات کا انکار کرنا کھلم کھلا تقصیر و تفریط ہے بالکل اسی طرح جس طرح انکی خلق و تدریجی ولادت کا انکار کرنا بھی کھلا ہوا غلو و افراط ہے۔ مگر اب تو بعض بے لگام مقررین نے اس ساری بحث کا خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ یہ بزرگوار نہ کسی سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ ان سے کوئی پیدا ہوا ہے جیسا کہ موثق ذرائع سے مسموع ہوا ہے گویا کہ یہ حضرات لم یلد ولم یولد کے مصداق ہیں۔ اس طرح بیک حرکت زبان ائمہ اطہارؑ اور سادات اخیار

کے حسب و نسب کو ہی ختم کر دیا گیا (خاک بدہن قائل) انا للہ و انا الیہ راجعون کاش سے
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

انبیاء و ائمہ کے صاحب علم لدنی ہونے کا بیان

یہ درست ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام عام لوگوں کی طرح شکم مادر سے جاہل (معاذ اللہ) پیدا نہیں ہوتے بلکہ مبداء فیض سے علم و معرفت لے کر عرصۂ ہستی میں قدم رکھتے ہیں اور وہ صاحب علم وہبی و لدنی ہوتے ہیں۔ ان کا علم کسبی و تحصیلی نہیں مگر یہ کہنا بھی ہرگز صحیح نہیں کہ وقت ولادت ہی تمام علوم کے اس طرح حامل ہوتے ہیں کہ اس میں مزید کچھ اضافہ کی گنجائش ہی نہ ہو بلکہ علم میں اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ ان کے آخری لمحات حیات بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اس امر کی مزید وضاحت تو ہم اس کتاب کے باب ششم و باب ہفتم میں پیش کریں گے۔ یہاں صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ جہاں قرآن مجید میں یہ وارد ہے کہ بشروہ بغلام علیم (پ ۲۶ ذاریات ع ۲) یعنی فرشتوں نے جناب ابراہیمؑ کو صاحب علم بچے کی ولادت کی بشارت دی۔ وہاں حضرت یوسفؑ کے بارے میں قرآن مجید میں خدا کا یہ فرمان بھی موجود ہے ولما بلغ اشدہ آتیناہ حکما و علما (پ ۱۲۔ س یوسف ع ۱۱) اور جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ گیا۔ تو ہم نے اس کو حکمت و علم عطا کیا۔ اسی طرح جناب موسیٰؑ کے متعلق خدا کا یہ ارشاد موجود ہے ولما بلغ اشدہ واستوی آتیناہ حکما و علما (پ ۲۰ سورہ قصص ع ۲) اور جب کہ موسیٰؑ اپنی پوری قوت کو پہنچے اور خوب ہاتھ پاؤں نکالے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا۔ (ترجمہ مقبول) اسی طرح سرکار ختمی مرتبتؐ کو خدا کا یہ حکم دینا بھی قرآن میں موجود ہے۔ کہ قل رب زدنی علما۔ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

انبیاء و ائمہ پر مواد ارضی کے اثر انداز نہ ہونے کے خیال کا ابطال

باقی رہا یہ خیال کہ مواد ارضی اور عناصر ان پر اثر انداز نہیں ہوتے تو اس کے متعلق صرف اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ وہ زہر جس سے ائمہ اطہارؑ کو شہید کیا جاتا رہا ہے آیا وہ مواد ارضی سے تعلق رکھتی تھی یا عالم بالا سے منگوائی گئی تھی؟ نیز وہ تیر اور سنان و شمشیر جن سے ان بزرگواروں کی شمع حیات کو گل کیا جاتا رہا ہے کیا وہ بھی زمین کے معدنیات میں سے جمادات سے تعلق رکھتے تھے یا وہ بھی آسمان سے اترتے تھے؟۔ اب دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ اقرار کر لیا جائے کہ ان ذوات مقدسہ پر عناصر و مواد ارضی اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ہوا بھی، یا پھر نصیریوں کی طرح کھلم کھلا ان کی شہادتوں کا انکار کر دیا جائے۔ ؎

بیفگن پردہ تا معلوم گردد ۔۔۔ کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اس مقام پر جناب یونسؑ کے شکم ماہی میں، جناب ابراہیمؑ کے آتش نمرودی میں اور جناب موسیٰؑ کے صندوق میں بسلامت رہنے کو اس مطلب کی دلیل میں پیش کرنا بالکل لغو اور غیر متعلق ہے۔ کیونکہ قرآن اور سرکار محمد و آل محمد

کا فرمان شاہد ہے کہ یہ سارا انتظام خدائے قادر و قیوم نے اپنی قدرت کاملہ سے کیا تھا۔ دوا خلنا یا نار کو فی وجدہ اُمہ
مسلاً (مثلاً) یہاں بزرگواروں کے اجسام کی خاصیت اور ان کا طبعی تقاضا نہ تھا۔

افسوسناک روش و رُجحان

اس بات کا رونا ہم کئی بار رو چکے ہیں کہ بدقسمتی سے ہماری قوم میں ذاتی خیالات اور شیطانی قیاسات کو مذہبیات و دینیات سمجھنے کا رجحان منبر پر اکثر نااہلوں کے تسلط و قبضہ کی وجہ سے دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور روز بروز نئے نئے نظریے جنم لے رہے ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر کا اس کتاب میں نشاندہی کر کے بعونہ تعالیٰ قلع قمع بھی کر دیا گیا ہے۔ سردست جس چیز پر مختصر الفاظ میں یہاں تبصرہ کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے سطور بالا میں خود ائمہ طاہرینؑ کے مستند فرامین کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ ان کی جسمانی اور ظاہری ولادتیں انسانی قانون ۔۔۔ قدرت و فطرت کے مطابق ہوتی ہیں۔ مگر بعض لوگوں نے ان مطہرین لاارجاس (الذین لایقاس بھم احد من الناس) ذوات قادسہ کے ذیلی و فضول ہوائے جنسی تعلقات (جن پر بحث کرنا بھی سوء ادبی ہے) کا "مور" کے نر و مادہ والے تعلقات پر قیاس بے اساس کرتے ہوئے ان کے انسانی قانونِ فطرت کے مطابق ہونے کا انکار کر دیا ہے۔ اس کے متعلق یہاں بڑے اختصار کے ساتھ صرف یہ کہنا ہے کہ اوّلاً تو کائنات کے سید و سردار ان بزرگواروں کا قیاس ایک حرام پرندہ پر کرنا سراسر ان کی توہین ہے۔ ثانیاً شریعت مقدسہ میں قیاس کرنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔ مستند شرعی دلیل کے بغیر قیاس پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔ ثالثاً۔ یہاں مور کے نر و مادہ والے "(جن خیالی تعلقات پر قیاس کیا گیا ہے وہ سرے سے خیال ہی غلط ہے۔ خود حضرت امیر المومنینؑ نے اس زعم فاسد کی تردید فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان کے مابین مرغ اور مرغی جیسے تعلقات ہوتے ہیں (نہج البلاغہ ج ۲ خطبہ عجیب مصدر خطبہ صفت طاؤس) اس میں حقیقت میں کچھ شک و شبہ ہو وہ کسی بھی چڑیا گھر میں جا کر بچشم خود اس امر کا مشاہدہ کر کے تصدیق کر سکتا ہے۔ ع

بعد اس کے دیکھئے ابھی کیا کیا کھلیں گے گل

پس ان حقائق سے واضح و آشکار ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی ہرگز کوئی علیحدہ نوع نہیں ہے۔ بلکہ وہ نوعِ انسانی کے ہی مقدس و معصوم افراد کاملہ ہیں۔ وھو المقصود وفقہ الحمد للّٰہ المعبود الودود۔ ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً۔

دوسرا باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے نور یا بشر ہونے کا بیان

گرچہ پہلے باب میں جو حقائق پیش کئے گئے ہیں وہ زیر بحث موضوع میں بھی حق و حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں لیکن چونکہ اس موضوع پر بڑے شد و مد اور زور و شور سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ پر بھی ایک مستقل باب میں نہ صرف عقل عام بلکہ تعلیم قرآن و فرمان نبیؐ و امامؑ اور شیعہ علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں مکمل تبصرہ کر دیا جائے و اللہ سبحانہ ولی التوفیق۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اس مسئلہ میں چنداں بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ امر عند الکل مسلم و محقق ہے کہ انبیاءؑ و ان کے اوصیاءؑ بشر ہوں تو، اور نور ہوں تو، ہیں تو بہرحال معصوم و مطہر اور واجب الاطاعت بنا بریں ہمارا اصل کام تو ان کے ارشادات و احکام کی تعمیل کرنا ہے نہ کہ ان کی حقیقت و ماہیت سے بحث کرنا۔

ذات سے بحث کرنے کا آغاز کس نے کیا تھا؟

جو لوگ در اصل عمل چور ہوتے ہیں وہ عمل کی بجائے لایعنی بحثوں میں خود الجھنے اور دوسروں کو الجھانے میں ہی اپنی سلامتی سمجھتے ہیں وہ چونکہ کردار کی بجائے صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ اس لئے اکثر و بیشتر وہ انہی چیزوں کے متعلق بحثیں کرتے ہیں جن کے متعلق خدا اور رسولؐ نے خاموشی اختیار کی ہو۔ اور انہی چیزوں سے پہلو تہی کرتے ہیں جن کا خدا اور رسولؐ نے حکم دیا ہو۔ زیادہ دور نہ جائیے اسی متنازعہ مسئلہ ہی کو لے لیجئے پورے قرآن اور سارے دفتر حدیث میں کہیں کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملتی جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ تم نبی و امام کی ذات و ماہیت معلوم کرو۔ ہاں البتہ خدا نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ نبی و امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا بار بار حکم دیا ہے (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم) یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ کردار کے غازی عمل پر زور دیتے ہیں اور گفتار کے غازی لایعنی بحثوں پر۔ چنانچہ کسی کی ذات و اصلیت کی بحث کا آغاز بھی سب سے پہلے اسی عیار یعنی شیطان علیہ اللعنہ نے، اس وقت کیا تھا جبکہ خالق حکیم نے اس کو مسجود ملائکہ یعنی آدمؑ کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تھا تو اس شقی ازلی نے تعمیل حکم خدا کرنے سے انکار کر دیا اور بموجب خوئے بد را بہانہ بسیار اس نے ذات اور اصل خلقت کی بحث شروع کر دی۔ کہ (انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین) (پ ۔ س ص ع ۵)

"میں آدمؑ سے بہتر ہوں کیونکہ تُو نے مجھے آگ سے اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے" الغرض اس نے اپنے قیاس فاسد میں اپنے مادۂ خلقت کو جناب آدمؑ کے مادۂ خلقت سے بہتر سمجھتے ہوئے جہاں ان کے سامنے اپنی گردن خم کرنے سے انکار کر دیا وہاں اصل وو ست کے متعلق کبھی نہ ختم ہونے والی بحث کا آغاز بھی کر دیا۔ مطالعہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگا و قدرت میں یہ بحث اس قدر غلط و لایعنی تھی کہ خدائے حکیم نے اس کا جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا اور فوراً ابدی لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈال کر راندۂ درگاہ و بنا دیا ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیسؔ کی اتباع کرنے والوں کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا قال الصادق علیہ السلام من قاس فی الدین قرنہ اللہ مع ابلیس یوم القیامۃ اعاذنا اللہ وجمیع المؤمنین من ھذہ السیمۃ الغیر المرضیۃ

عظمت و فضیلت کا قرآنی معیار کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام ہوں یا علمائے اسلام انہوں نے کسی کی عظمت و افضلیت ثابت کرنے کے لئے کبھی اس کی ذات و ماہیت کو پیش نہیں کیا بلکہ ہمیشہ قرآنی معیار کی کسوٹی پر پرکھ کر اسے افضل قرار دیا ہے۔ اب رہی اس امر کی تحقیق کہ قرآن نے افضلیت کا معیار کس چیز کو قرار دیا ہے؟ تو یہ بات قرآنی تعلیمات پر نظر رکھنے والے حضرات پر پوشیدہ بھی نہیں ہے قرآن نے علم و عمل کی فراوانی اور طاقت و قوت جسمانی میں برتری کو کسی کی افضلیت و برتری معلوم کرنے کا میزان قرار دیا ہے نہ کہ مادۂ خلقت کو کہ وہ نور ہے یا نار، مٹی ہے یا کوئی اور چیز، اس موضوع پر آدمؑ و ملائکہ والا قرآنی واقعہ نص صریح ہے جو ظاہر ہے کہ فرشتوں کی خلقت محض نور سے اور طینت سے ہوئی ہے مگر جب خالق کائنات نے خلافت کا عہدہ جلیلہ آدمؑ کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔ اور فرشتوں نے بطور استفہام ہی سہی لب کشائی کی۔ تو حکیم مطلق نے ان کا علم کے ذریعہ سے امتحان لیا اور جب آدمؑ اس امتحان میں کامران اور فرشتے ناکام ہوگئے تو قرآن شاہد ہے کہ فرشتوں نے آدمؑ کی برتری تسلیم کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنی مقدس گردنیں خم کر دیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ صرف نور ہونا باعث افضلیت نہیں علم کی کثرت ومع ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ہے اس لئے ائمہ اطہارؑ کا ارشاد ہے ان الملائکۃ لخدامنا و خدام محبینا۔ فرشتے ہمارے اور ہمارے مخلص محبوں کے خادم ہیں۔ (دلائل الشرائع ج ۱ ص)

اسی طرح ایک اور قرآنی واقعہ سے بھی اس معیار و میزان کی تائید مزید ہوتی ہے جناب طالوتؑ بنی اسرائیل کے زمانہ میں کفار و مشرکین مسلسل یلغار کر کے ان کے متبعین کو تاخت و تاراج کرتے، مختلف اذیتیں پہنچاتے اور قتل و غارت کا بازار گرم کرتے۔ بالآخر ان اہل ایمان نے بوجب تنگ آ جانے کے ان لوگوں سے فیصلہ کن جنگ آزمائی کا فیصلہ کیا، لیکن چونکہ ان کا

کوئی حاکم اعلیٰ نہ تھا۔ اس لئے نبی کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ ہمارے لئے ایک دینی حاکم مقرر کیجئے۔ جس کے ساتھ مل کر ہم کفار سے جنگ کر سکیں۔ نبیؑ نے ان کی یہ درخواست بارگاہ ربوبیت میں پیش کی تو چنانچہ خدا نے جناب طالوتؑ کو حاکم مقرر کیا۔ جب نبی نے ان کی حاکمیت کا اعلان کیا کہ ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً۔ خدا نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے تو ان لوگوں نے فوراً زبان اعتراض دراز کی کہ انی یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یؤت سعۃً من المال۔ بھلا وہ کیونکر ہم سے حاکم ہو سکتے ہیں۔ ان سے تو ہم حاکم بننے کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ مالدار نہیں (اور ہم مالدار ہیں) ان کو یہ جواب دیکر مطمئن کیا گیا کہ ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم۔ خدا نے اس لئے ان کو منتخب کیا ہے کہ ان کا علم اور قوت جسمانی تم سے زیادہ ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ معیار افضلیت نہ مادہ خلقت ہے، نہ مال و منال کی کثرت اور نہ ہی حسن و جمال کی فراوانی جیسا کہ بعض کوتاہ اندیش مسلمانوں کا خیال ہے یہی وجہ ہے کہ قدیم الایام سے ہمارے علماء اعلامؒ نے حضرت امیر المومنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ ان کی علمی و عملی برتری اور قوت و طاقت جسمانی کی فراوانی سے استدلال کر کے مخالفین کا ناطقہ بند کیا ہے۔ جیسا کہ کتب کلامیہ پر نظر رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔

نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں ہے

جن لوگوں نے اس مسئلہ کو محور قیل و قال اور محاذ جنگ و جدال بنا کر آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے ان کے بیانات کا سرسری جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نور و بشر کو دو متضاد چیزیں سمجھ رکھا ہے کہ اگر نور ہے تو بشر نہیں اور اگر بشر ہے تو پھر نور نہیں ہو سکتا حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے یعنی نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں۔ بلکہ ایک ہی چیز میں دونوں کا بیک وقت اجتماع ممکن ہے۔

انبیاءؑ و ائمہؑ میں دو جنبے ہوتے ہیں!

انبیاء عظام یا ائمہ علیہم السلام چونکہ یہ بزرگوار خدا کے اوامر و احکام بندوں تک اور بندوں کی عرضداشتیں خدا تک پہنچانے میں خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں اس لئے ان کے دو جنبے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک نورانی و روحانی جس کی وجہ سے نظام شریعت میں خدا سے احکام حاصل کرتے اور نظام تکوین میں بارگاہ قدس میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا جنبہ بشری و جسمانی جس کی وجہ سے خدا کے احکام و فرامین بندوں تک پہنچاتے ہیں کما قیل ؎

اگرچہ از اللہ سے واصل، بہ عرض مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

چنانچہ سرکار علامہ محمد باقر مجلسیؒ ان حضرات کے انہی دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فلابد ان یکون

بجت وبين الله سفراء وحجج ذوو جهات قدسية وحالات بشرية يكون لهم بالجهات الاولى ارتباط بالجناب الاعلى ياخذون منه الاحكام والحكم ويكون لهم بالجهات الثانية مناسبة بالخلق يلقون اليهم ما اخذوه عن ربهم فلذا جعل الله تعالى سفراءه ظاهراً من جنس البشر وباطناً مباينين عنهم في اطوارهم واخلاقهم ونفوسهم وقابلياتهم فهم مقدسون روحانيون قائلون انما انا بشر مثلكم لئلا ينفروا عنهم امتهم ويقبلوا منهم ويانسوا بهم لكونهم من جنسهم وشكلهم واليه يشير قوله تعالى ولو جعلناه ملكاً لجعلناه رجلاً وللبسنا عليهم ما يلبسون" (رسالہ اعتقادیہ مطبوعہ معہ توحید الصدوق ص۲؟ وعلی ہامش عقائد الصدوق مع شرح باب حادی عشر ص۳۳) یعنی ہمارے اور ہمارے خدا کے درمیان ایسے حجاب و سفراء کا ہونا ضروری ہے جن میں دو جہتیں ہوں ایک جہت قدسی اور دوسری جہت بشری۔ تاکہ پہلی جہت کی وجہ سے ان کا خدائے تعالیٰ سے ربط و تعلق ہو۔ اور اس سے احکام و اوامر لے سکیں اور دوسری جہت کی بنا پر مخلوق کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے جو کچھ (احکام و اوامر) خدا سے حاصل کئے ہیں ان تک پہنچا سکیں۔ اس مقصد کے لئے خدائے عز و جل نے اپنے سفراء و انبیاء کو ظاہری خلقت کے اعتبار سے تو بشر و انسان کی قسم سے ہی بنایا لیکن باطنی طور پر اخلاق و اطوار اپنے پاکیزہ نفوس اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے ان کو ان سے جدا قرار دیا (غرضیکہ بشر و انسان ہونے میں باہم شریک اور صفات و کمالات میں جدا جدا) اس لئے یہ تمام نقائص سے مقدس و پاک روحانی ہیں جو زبان قال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے جیسے بشر ہیں۔ تاکہ ان کی اُمتیں ان سے نفرت نہ کریں۔ ان کی بات قبول کریں اور ان سے مانوس رہیں کیونکہ وہ انہی کی قسم اور شکل و صورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرف خدا کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ "اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو آخر اس کو بھی مرد صورت بناتے اور جو شبہ یہ لوگ کر رہے ہیں (گویا ہم خود ان پر) اس وقت بھی وہ ڈال دیتے" اھ ترجمہ فرمان، ذکرہ فی کتاب الاربعین مجلسی ص۔" اسی طرح فاضل محدث ابو الحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار میں پیغمبرؐ و امامؑ کے انہی دو جہتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "من جهة الروحانية التي بسببها كانوا قابلين للفيوضات التي اختصت بهم وبها صاروا ارباب تلك الاستفادة من طرف الله تبارك انهم من جهة البشرية كانوا وسائط ايصال احكام الله وغيرها الى الخلق" یعنی "یہ بزرگوار روحانی جہت کی وجہ سے اپنے فیوضات مخصوصہ حاصل کرنے اور خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ بننے کے قابل ہوتے ہیں اور بشریت والی جہت کی وجہ سے اللہ کے احکام وغیرہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں" ایسا ہی فاضل نوری نے کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۔ پر ضرورت امام و نبی ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے "تفاوت مراتب انسان امریست ظاہر و ہویدا" پس لازم است وجود شخصے کہ ممتاز باشد بقابلیت امور مذکورہ و دو جہتین داشتہ باشد جہتے بمطلق وحی الٰہی نماید و جہتے دیگر تبلیغ اوامر و نواہی بمکلفین نماید" یعنی انسانی مراتب و مدارج کا اختلاف ایک کھلا حقیقت ہے لہذا ایک شخص کا وجود ضروری ہے جو دونوں جہتیں رکھتا ہو تاکہ ایک جہت سے اللہ سے احکام حاصل کرے اور دوسرے

جسم کی بنا پر مکلفین تک وہ احکام و نواہی پہنچا سکے۔"

افادۂ جدیدہ

پس مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت واضح و عالم ہو گئی کہ نور و بشریت میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے۔ اور ان بیانات سے ثابت ہو گیا کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہوں، یا ائمہ طاہرینؑ دو حیثیتوں کے حامل ہوتے ہیں یعنی جسمانی و بدنی طور پر بشر و انسان اور روحانی طور پر نور، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی ذاتی طور پر عناصر سے مرکب ہو اور صفاتی طور پر نور کہلائے آج اس سائنسی ترقی کے دور میں تو یہ امر مشاہدہ میں آ چکا ہے مثلاً خداوند عالم نے قرآن مجید میں چاند کو "نور" قرار دیا ہے (وجعل القمر فیھن نوراً) مگر آج اس چاند کی مٹی کا مغربی ممالک کی لیبارٹریوں اور تجربہ گاہوں میں تجزیہ کرکے اس پر مختلف تجربات کئے جا رہے ہیں، صاحبان عقل و انصاف کے لئے اس مطلب کے اثبات کے لئے یہی مقدار کافی ہے ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

انبیاء و ائمہ کی بشریت کا انکار قرآن کریم، حدیث معصومینؑ اور اجماع مسلمین کی تکذیب ہے

اس قدر تمہیدی بیانات کے بعد ہم اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں، سو ارباب بصیرت پر یہ حقیقت مخفی و محتجب نہ رہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہوں یا ائمہ طاہرینؑ وہ یقیناً بشر و انسان کامل بلکہ اکمل ہی ہیں ان کی بشریت و انسانیت کا انکار کرنا درحقیقت قرآن، حدیث اور اجماع مسلمین کی تکذیب کے مترادف ہے

بشریت انبیاءؑ قرآن و حدیث کی روشنی میں

اب ایمان کے جلائے ایمان اور زیادتی بصیرت و ایقان کے لئے ذیل میں ہم اس سلسلہ میں چند آیات مبارکہ مختصر تقریب استدلال کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ان کے ضمن میں کئی روایات بھی آ جائیں گی۔ (۱) خدائے حکیم اس عالم آب و گل میں سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ابو البشر کے بارے میں فرماتا ہے "انی خالق بشراً من طین (پ ۲۳ س ص ع ۱۱)" میں گیلی مٹی سے ایک آدمی بنانے والا ہوں" دوسرے مقام پر ان ہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے انی خالق بشراً من صلصال من حماء مسنون (پ ۱۴ س حجر ع ۳) میں ایک آدمی کو خمیر دی ہوئی مٹی سے جو دھمک کر کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

تقریب استدلال

ان آیات مبارکہ میں بشر، طین، صلصال اور حماء مسنون سب ہی تفصیل خداوند عالم نے صرف کی ہیں، لغوی اعتبار سے، اب ذرا صلصال کی حقیقت بھی سن لیں "بجتی ہوئی مٹی کھنکھناتی ہوئی مٹی وہ خشک مٹی کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو بجنے اور کھنکھنانے لگے صلصال کہلاتی ہے اور بعض نے اس کے معنی سڑی ہوئی مٹی کے بھی کئے ہیں، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں اصل میں صلصال خشک چیز کے بجنے کا نام ہے اسی سے محاورہ ہے صل المسمار (کھوٹی بجی) اور اسی سے خشک مٹی صلصال سے موسوم ہے کیونکہ وہ بجتی ہے، ارشاد ہے صلـ

صلصال کا لغفار (کھنکھناتی مٹی جیسے ٹھیکرا) اور من صلصال من حماء مسنون (کھنکھناتے سنے گارے سے) اور صلصلة باقی مادہ پانی کا نام ہے۔ جو شکیزہ میں ہلنے کی کھڑکھڑاہٹ سے مشابہ ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ صلصال سڑی ہوئی مٹی ہے یہ عرب کے محاورہ صل اللحم (گوشت سڑگیا) سے ماخوذ ہے ان کا بیان ہے کہ اس کی اصل صلال ہے، ایک لام کو ص سے بدل لیا گیا ہے فرّاء کا بیان ہے کہ صلصال وہ مٹی ہے جس میں ریگ مل ہوئی ہو۔ اور اس طرح بجنے لگے کہ جس طرح ٹھیکری بجتی ہے اور ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ صلصال وہ خشک مٹی ہے جس کو آنچ نہ پہنچی ہو اور جب تم اسے انگلی سے ٹھونکو تو بجنے لگے۔ اور تم اُس کی کھنکھناہٹ سن لو اور جب وہ آگ میں پکائی جائے تو فخار ہے نیز ہر وہ شئی جو کھن کھن بولے صلصال ہے۔ طبری نے قتادہ سے باسناد صحیح ایسا ہی نقل کیا ہے۔

اعتراض۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بارے میں قرآن مجید میں مختلف عبارتیں مذکور ہیں کہیں ارشاد ہے من تراب (مٹی سے) کہیں فرمایا من طین لازب (چپکنے گارے سے) اور کہیں مذکور ہے من حماء مسنون (سنے گارے سے) اور کہیں وارد ہے من صلصال کالفخار (کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا) یہ اختلاف کیوں ہے؟

الجواب۔ ان عبارتوں میں حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ مطلب ایک ہی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے مختلف مدارج بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اوّل مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں پانی ملا تو طین لازب ہوئی۔ یعنی اس میں چپک پیدا ہوئی اس کے بعد حماء مسنون کہلائی کہ سیاہ ہو گئی اور سڑ گئی پھر جب خشک ہو گئی تو صلصال کالفخار سے موسوم ہوئی کہ ٹھیکری کی طرح کھن کھن بولنے لگی" (لغات القرآن نعمانی ص۱۴۳ بحوالہ ترجمہ قرآن تفسیر المتقین ص۴۳۲ حاشیہ نمبر۲)

خلقتِ آدمؑ کی کیفیت احادیث اہل بیتؑ میں جناب آدمؑ کی اس طینی خلقت کی پوری تفاصیل موجود ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ہی مطالعہ کیا جائے تو کافی ووافی ہے۔

جناب امیر المومنینؑ حضرت آدمؑ کی اس خلقت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں" ثم جمع سبحانہ من حزن الارض وسهلها وعذبها وسبخها تربة سنّها بالماء حتى خلصت ولاطها بالبلّة حتى لزبت فجبل منها صورة ذات احناء ووصول واعضاء وفصول اجمدها حتى استمسكت واصلدها حتى صلصلت لوقت معدود واجل معلوم ثم نفخ فيه من روحه فمثلت انساناً ذا اذهان يجيلها وفكر يتصرف بها وجوارح يختدمها وادوات يقلبها ومعرفة يفرق بها بين الحق والباطل والاذواق والمشام والالوان والاجناس معجوناً بطينة الالوان المختلفة والاشباه المؤتلفة والاضداد المتعادية والاخلاط المتباينة من الحر والبرد والبلّة والجمود والمساءة والسرور الخ" پھر جب خداوند متعال آسمان و زمین، خورشید و ماہ و ستارگان پیدا کر چکا، اس نے چاہے سنگلاخ

صلصال کا لفخار (کھنکھناتی مٹی جیسے ٹھیکری) اور من صلصال من حماء مسنون (کھنکھناتے سڑے گارے سے) اور صلصلۃ باقی ماندہ پانی کا نام ہے۔ جو مشکیزہ میں ہلنے کی کھڑکھڑاہٹ سے مشابہ ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ صلصال سڑی ہوئی مٹی ہے یہ عرب کے محاورہ صل اللحم (گوشت سڑ گیا) سے ماخوذ ہے ان کا بیان ہے کہ اس کی اصل صلال ہے۔ ایک لام کو ص سے بدل دیا گیا ہے فراء کا بیان ہے کہ صلصال وہ مٹی ہے جس میں ریگ ملی ہوئی ہو۔ اور اس طرح بجنے لگے کہ جس طرح ٹھیکری بجتی ہے اور ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ صلصال وہ خشک مٹی ہے جس کو آگ نہ پہنچی ہو اور جب تر ہے انگلی سے ٹھونکو تو بجنے لگے۔ اور تم اُس کی کھنکھناہٹ سن لو اور جب وہ آگ میں پکائی جائے تو فخار ہے نیز ہر وہ شئی جو کھن کھن بولے صلصال ہے۔ طبری نے قتادہ سے باسناد صحیح ایسا ہی نقل کیا ہے۔

اعتراض - حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بارے میں قرآن مجید میں مختلف عبارتیں مذکور ہیں کہیں ارشاد ہے من تراب (مٹی سے) کہیں فرمایا من طین لازب (چپکتے گارے سے) اور کہیں مذکور ہے من حماء مسنون (رستے گارے سے) اور کہیں وارد ہے من صلصال کالفخار (کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا) یہ اختلاف کیوں ہے؟

الجواب - ان عبارتوں میں حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ مطلب ایک ہی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے مختلف مدارج بیان کئے گئے ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اوّل مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں پانی ملا تو طین لازب ہوئی یعنی اس میں چپک پیدا ہوئی اس کے بعد حماء مسنون کہلائی کہ سیاہ ہو گئی اور سڑ گئی پھر جب خشک ہو گئی تو صلصال کالفخار سے موسوم ہوئی کہ ٹھیکری کی طرح کھن کھن بولنے لگی" (لغات القرآن نعمانی ص۳۴۴ بحوالہ ترجمہ قرآن تفسیر المتقین ص۴۳۴ حاشیہ نمبر۲)

خلقتِ آدمؑ کی کیفیت

احادیث اہلبیتؑ میں جناب آدمؑ کی اس طبعی خلقت کی پوری تفاصیل موجود ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ہی مطالعہ کیا جائے تو کافی و وافی ہے۔

جناب امیر المومنینؑ حضرت آدمؑ کی اس خلقت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ثم جمع سبحانہ من حزن الارض وسہلہا وعذبہا وسبخہا تربۃ سنہا بالماء حتی خلصت ولاطہا بالبلۃ حتی لزبت فجبل منہا صورۃ ذات احناء ووصول واعضاء وفصول اجمدہا حتی استمسکت واصلدہا حتی صلصلت لوقت معدود واجل معلوم ثم نفخ فیہ من روحہ فتمثلت انسانا ذا اذہان یجیلہا وفکر یتصرف بہا وجوارح یختدمہا وادوات یقلبہا ومعرفۃ یفرق بہا بین الحق والباطل والاذواق والمشام والالوان والاجناس معجونا بطینۃ الالوان المختلفۃ والاشباہ المؤتلفۃ والاضداد المتعادیۃ والاخلاط المتباینۃ من الحر والبرد والبلۃ والجمود والمساءۃ والسرور الخ" پھر جب خدا وند متعال آسمان و زمین، خورشید و ماہ و ستارگان پیدا کر چکا، اس نے جائے سنگلاخ

وہموار زمین تھی اور ارض رخاکی) سے جو قابل کاشت تھی۔ پارۂ (ذرات) خاک کھٹا کیا اس کو پانی میں سانا تاکہ وہ خالص اور پاکیزہ ہو جائے، پھر اسے تری سے گوندھا۔ یہاں تک کہ زمین کے عناصر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے اس سے خدا نے ایک صورت پیدا کی۔ اس میں کچھ ٹیڑھی ہڈیاں تھیں، اعضا تھے، جوڑ تھے، پٹھے تھے۔ اسے ایک خاص مدت اور مخصوص وقت تک اسی طرح رکھا۔ یہاں تک کہ وہ سوکھ کر خشک ہو گئی۔ اور سخت ہو کر کھنکھناہٹ دینے کے قابل ہو گئی پھر خدا نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اب ایک ایسا انسان پیدا ہو گیا۔ جو ذہین ہے اور ذہن سے کام لیتا ہے۔ جو صاحب فکر ہے اور فکر کو کام میں لاتا ہے جو صاحب اعضا و جوارح ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے وہ اپنے اعضاء کو جس طرح چاہے جنبش دیتا ہے صاحب فہم و فراست ہے حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ وہ چکھنے کی حس کا مالک بھی ہے۔ اور سونگھنے کی حس کا بھی۔ وہ رنگ و جنس میں امتیاز کر سکتا ہے۔ مختلف رنگوں کی مٹی سے بنا ہوا، ہم شکل چیزوں سے مرکب جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہیں ان اخلاط سے ترتیب دیا ہوا ایک دوسرے سے مطابقت میں گرمی سے بھی اور سردی سے بھی۔ تری سے بھی اور خشکی سے بھی، اندوہ و خوشحالی سے بھی (خدا نے) یہ مخلوق پیدا کی۔ اور آدم نام رکھا)" حاشیہ پر لکھا ہے "گرمی سے مراد صفرا ہے سردی سے مراد بلغم ہے۔ تری سے مراد خون ہے۔ خشکی سے مراد سودا ہے" (نہج البلاغت، ص ۱۲ ترجمہ و تحشیہ رئیس احمد جعفری)

جناب امیر علیہ السلام کے اس فرمان واجب الاذعان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ آدم کی مٹی فرشی تھی نہ عرشی اور وہ عناصر اربعہ سے مرکب تھے۔ آیا بعد ازیں بھی کوئی مسلمان ان کے بشر و انسان ہونے کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت کر سکتا ہے؟ لیکن من لم یجعل اللہ لہ نوراً فماله نور۔

(۲) سورۂ ابراہیم میں خداوند عالم کفار کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے یہ کہہ کر انبیاء کی نبوت کا انکار کر دیا تھا۔ "قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اباؤنا فأتونا بسلطان مبین (پ ۱۳ س ابراہیم ع ۲) کہ تم بھی بس ہمارے ہی سے آدمی ہو (اچھا اب بھی) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم ہم کو ان سے باز رکھو (اچھا) اگر تم سچے ہو تو کوئی صاف کھلا ہوا صریح معجزہ ہمیں لا دکھاؤ۔

تقریب استدلال

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یہ بزرگوار فی الحقیقت بشر و انسان نہ تھے۔ بلکہ صرف ظاہری جامۂ بشریت میں ملبوس درحقیقت کچھ اور تھے۔ تو یہاں چونکہ صرف ان انبیاء کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کیا جا رہا تھا۔ تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ وہ یہاں یہ جواب دے کر کفار کا ہمیشہ کے لئے ناطقہ بند کر دیتے کہ تمہیں مغالطہ ہوا ہے صرف ظاہر میں ہم تم کو بشر و انسان دکھائی دیتے ہیں ورنہ حقیقت میں ہم کچھ اور ہی ہیں۔ مگر قرآن شاہد ہے کہ انہوں نے ایسا جواب نہیں دیا بلکہ اپنی بشریت کے کھلم کھلا اقرار کے ساتھ ساتھ صرف اپنی خصوصیت کا اظہار فرمایا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کے جواب کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے "قالت لہم رسلہم ان نحن الا بشر

مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ وما کان لنا ان ناتیکم بسلطان الا باذن اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون (پ ۱۳ س ابراہیم ۱۴) "ان کے پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی تمہارے ہی سے آدمی ہیں، مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (و کرم) کرتا ہے (اور رسالت عطا فرماتا ہے) اور ہمارے اختیار میں یہ بات نہیں کہ بے حکم خدا تمہاری فرمائش کے موافق ہم کوئی معجزہ تمہارے سامنے لا سکیں اور خدا ہی پر سب ایمانداروں کو بھروسا رکھنا چاہئے" (ترجمہ فرمان)

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ انبیاءؑ کو "بشر" کہنا صرف کفار کا ہی مقولہ نہیں ہے (جیسا کہ بعض غلو نواز حضرات کا خیال ہے) بلکہ اس حقیقت کا خود انبیاء علیہم السلام کو بھی اقرار ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ کفار جو بسبب "کلمۃ حق یراد بہا الباطل" ان کو بشر کہ کر ان کے خصائص نبوت کا انکار کر دیتے تھے۔ اور انبیاءؑ نے اپنی بشریت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان خصائص کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر التبیان ج ۶ ص [illegible] پر مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے حکی اللہ تعالیٰ فی ھذہ الآیۃ ما اجابت بہ الرسل الکفار فانھم قالوا لھم ما نحن الا بشر مثلکم ولسنا ملائکۃ کما زعمتم ولکن اللہ من علینا فاصطفانا وبعثنا انبیاء وھو یمن علی من یشاء من عبادہ ولم یکن لنا ان ناتیکم بسلطان ای بحجۃ علی صحۃ دعوانا الا بامر اللہ واطلاقہ لنا فی ذلک۔ (کذا فی مجمع البیان للطبرسی ج ۳ ص [illegible]) یعنی خداوند عالم نے اس آیت میں انبیاءؑ کے اس جواب کی حکایت کی ہے جو انہوں نے کفار کو دیا تھا کہ ہم یقیناً بشر ہیں اور جس طرح تمہارا گمان ہے کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے ہم فرشتے نہیں ہیں لیکن خدائے منان نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور ہم کو اپنے بندوں میں سے منتخب کر کے نبی بنا دیا ہے اور وہ جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہم اپنے دعوے کی صحت و صداقت پر خدا کے امر و اجازت کے بغیر کوئی بینہ و برہان (معجزہ) نہیں لا سکتے"

(۳) بالکل ایسا ہی جناب رسول خدا کا یہ ارشاد ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد۔ "اے رسول کہہ دو کہ میں بھی تمہارا ایسا ہی ایک آدمی ہوں (فرق اتنا ہے) کہ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود یکتا معبود ہے"

تقریب استدلال اس آیت مبارکہ میں بھی اسی امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ چونکہ کفار آنحضرتؐ کو "بشر" کہتے ہوئے ان کے خصائص کو نظر انداز کر دیتے تھے آنحضرتؐ نے بحکم پروردگار جہاں اپنے بشر و انسان ہونے کا اعلان کیا وہاں اپنی مخصوص خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرما دیا۔ چنانچہ علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص [illegible] پر اسی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں لا فضل لی علیکم الا بالدین والنبوۃ ولا علم لی الا ما علمنیہ اللہ تعالیٰ" یعنی مجھے آپ لوگوں پر سوائے دین اور نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں (ہاں البتہ یہی فضیلت تمام فضائل کی جامع ہے)

اور مجھے اتنا ہی علم ہے جتنا خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے" (احتجاج طبرسی ص) یہ جناب رسول خدا سے اور امام حسن عسکری علیہ السلام (تفسیر صافی ص) سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں مروی ہے "قل انما انا بشر مثلکم ولکن ربی خصنی بالنبوۃ دونکم کما یخص بعض البشر بالغنی والصحۃ والجمال دون بعض من البشر فلا تنکروا ان یخصنی ایضا بالنبوۃ" "یعنی اے رسول ان منکرین نبوت سے کہدو کہ میں بشر ہونے میں تمہاری مانند ہوں لیکن جس طرح خداوند عالم بعض انسانوں کو تونگری، صحت و سلامتی اور حسن و جمال سے نوازتا ہے (اور بعض کو ان چیزوں سے محروم رکھتا ہے) اسی طرح اس خدائے حکیم وعلیم نے مجھے مرتبۂ نبوت پر ممتاز کیا ہے (اور تمہیں اس سے محروم رکھا ہے) لہٰذا جس طرح تم بعض انسانوں پر خدا کی مذکورہ بالا عنایات کا انکار نہیں کرتے اسی طرح تم اس بات کا بھی انکار نہ کرو کہ خدا نے مجھے ہی کو عہدۂ نبوت پر فائز کیا ہے" (کذا فی الاحتجاج للطبرسی ص من النبی) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول کو بشر کہنا کفر اور کفار کا مقولہ ہے، اس آیت مبارکہ میں ان کے لئے لمحۂ فکریہ ہے اس سے منطقی شکل کا صغریٰ کبریٰ اس طرح بنتا ہے۔ صغریٰ: خدا نے رسول کو بشر کہا۔ کبریٰ: جو رسول کو بشر کہے وہ کافر ہے۔ نتیجہ ... اگر گویم زبان سوزد

گردم اشارتے و مکرر نمی کنم

جناب مولانا سید محمد سبطین صاحب نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تشریح اس طرح کی ہے "کہدو اے حبیب کہ میں مثل تمہارے بشر ہوں مجھ کو یہ وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود خدائے وحدہ لاشریک ہی ہے اس پر ثابت قدم رہو۔ اور اس سے معافی چاہو اور میں بشر ہوں مگر مجھ کو امتیاز خاص حاصل ہے کہ علم توحید مجھے عطا کیا گیا ہے سبق وحدت حقیقی مجھے پڑھایا گیا ہے۔ حقیقت توحید میرے وجود میں ودیعت کی گئی ہے اور اس سے تم عاری ہو۔" (پیغام توحید ص)

(۲) سورۂ انبیاء میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیہم فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون وما جعلنٰہم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین" (پ۱۷ س انبیاء ع ۱) "اور اے رسول ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا کہ ان کے پاس وحی بھیجا کرتے تھے تو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے ہو تو عالموں سے پوچھ دیکھو اور ہم نے ان پیغمبروں کے بدن ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے تھے" (ترجمہ فرمان علی)

تقریب استدلال ظاہر ہے کہ "رجال" بنی نوع انسان کی صنف درشت کو ہی کہا جاتا ہے یعنی مردوں کو۔ اس آیہ مبارکہ میں بھی سابقہ مطلب کا اعادہ کیا گیا ہے چونکہ کفار مکہ آنحضرت کے کھانا کھانے، بازار میں چلنے پھرنے اور مصائب و شدائد میں گرفتار ہونے غرض کہ ان کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے جس کا جواب خدائے متعال نے یہ دیا کہ آپ سے قبل ہم نے جس قدر انبیاء بھیجے ہیں وہ بھی انہیں صفات سے متصف تھے پھر ان کی نبوت کا اقرار اور آپ کی نبوت کا انکار چہ معنی دارد؟ صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں:

«معناه وما جعلنا الانبياء قبلك اجساداً الا يأكلون الطعام ولا يموتون حتی يكون اكلك الطعام وشربك وموتك علة فی تركك الايمان بك فانا لم نخرجهم عن حد البشرية بالوحی» (ج ۷ ص ۲۳۲) كذا فی تفسير التبيان ج ۷ ص ۲۳۲ بادنیٰ تفاوت) یعنی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے انبیاء کو ایسا صاحب جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں یا وہ موت کا ذائقہ نہ چکھتے ہوں تاکہ تمہارا کھانا کھانا، پانی پینا، اور موت کا ذائقہ چکھنا تم پر ایمان نہ لانے کی علت بن سکے کیونکہ ہم نے ان نبیوں پر وحی نازل کرکے ان کو بشریت سے نہیں نکال دیا تھا۔"

(۵) ارشاد قدرت ہے وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً وصھراً وکان ربک قدیراً (پ ۱۹ س فرقان ع ۳) اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو بیٹا، بیٹی اور بہو، داماد بنادیا اور تمہارا پروردگار (پوری پوری) قدرت رکھنے والا ہے (ترجمہ مقبول)

تقریب استدلال

بکثرت روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ اس آیت مبارکہ میں بشراً سے مراد جناب رسول خدا و علی مرتضیٰ ہیں اور نسباً سے خاص ذات نبوی اور صہراً سے خاص ذات علوی مراد ہے۔ چنانچہ صاحب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۹۵ پر قمطراز ہیں «فالمراد بالبشر رسول اللہ وعلی صلوات اللہ علیہما کما ان المراد بالصھر علی علیہ السلام وبالنسب النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم» بنا بر اختصار اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ اگر ان تمام آیات و روایات کو یکجا جمع کیا جائے جن میں ان ذوات مقدسہ پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ العاقل یکفیہ الاشارة والبلید لا ینفعہ الف عبارة ؎

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم — حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بشریت انبیاء و ائمہؑ اتفاق علماء کاملین کی روشنی میں

اس سلسلہ میں پہلے باب میں بہت سے علماء اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جا چکا ہے جو ہمارے مدعا پر شاہد عادل ہے۔ یہاں مزید بعض علماء اعلام کا کلام حق ترجمان پیش کیا جاتا ہے جناب علامہ سید مہدی قزوینی اپنے رسالہ بوار الغالین ص ۱۲ طبع بمبئی پر زیر عنوان «من جملة عقائد الشیخیة المخالفة لما علیہ المسلمون کون النبی وعترتہ خلقاً فوق بنی ادم» ھذه المقالة عجیبة غریبة منافیة للکتاب والسنة ولبعض مبانیہ فاما الکتاب المجید فقد قال فیہ سبحانہ قل انما انا بشر مثلکم فانھا نص بیّن علی کونہ لیس نوعاً غیر البشر واما السنة فکثیرة وھی بعبائر مختلفة منھا خبر الخیرة الذی فیہ ثم اختار بنی ہاشم فاختارنی منہم ولیس بخاف کونہ من البشر وکونہ افضلہم لما ھو معلوم من وجود الفاضل والمفضول فی کل قسم من المخلوقات من دون ریب فانا من الهادی

من مهدی دین الرسول من الرعیة بل من خاتم الرسل من مرتبة غیره من المرسلین"
یعنی احمد احسائی کے من جملہ ان عقائد کے جو تمام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں ایک عقیدہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ انسانوں سے مافوق مخلوق ہیں۔ یہ ایک عجیب وغریب نظریہ ہے جو قرآن وسنت کے مخالف ہے۔
قرآن کے مخالف اس طرح ہے کہ ارشاد قدرت ہے اے رسول کہہ دو میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ آنحضرتؐ کی بشر و انسان کے علاوہ اور کوئی نوع نہیں ہے۔ اور وہ مافوق البشر مخلوق نہیں ہیں۔ اور سنت کے مخالف اس طرح ہے کہ بکثرت روایت مختلف الفاظ وعبارات کے ساتھ آپ کے بشر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ بجملہ ان کے ایک روایت یہی ہے جس میں تمام عالم سے بنی ہاشم اور پھر بنی ہاشم سے آنحضرتؐ کو منتخب کرنے کا ذکر ہے۔ علاوہ بریں سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کو بشر و انسان ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے بنی نوع انسان سے افضل نہ ہوں۔ کیونکہ تمام مخلوقات عالم میں سے ہر ہر قسم میں فاضل ومفضول کا سلسلہ برابر جاری ہے بھلا کہاں ہادی اور کہاں مہدی، کہاں رسول اور کہاں رعیت، بلکہ کہاں خاتم الرسل کا مقام اور کہاں دوسرے رسولوں کا مقام کیونکہ

ع ایں زمیں را آسمانے دیگر است

عالم جلیل آقائے الشیخ محمد رضا مظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ ص۵۳ طبع نجف پر بعنوان "عقیدتنا فی الائمہ" رقمطراز ہیں "لا نعتقد فی ائمتنا ما یعتقده الغلاة والحلولیون کبرت کلمة تخرج من افواههم بل عقیدتنا الخاصة انهم بشر مثلنا لهم ما لنا وعلیهم ما علینا وانما هم عباد مکرمون اختصهم الله تعالیٰ بکرامته وحباهم بولایته اذ کانوا فی اعلیٰ درجات الکمال اللائق بالبشر من العلم والتقوی والشجاعة والکرم والعفة وجمیع الاخلاق الفاضلة والصفات الحمیدة لا یدانیهم احد من البشر فیما اختصوا به وبهذا استحقوا ان یکونوا ائمة وهداة ومرجعاً بعد النبیؐ فی کل ما یعود للناس من احکام وحکم وما یرجع للدین من بیان وتشریع وما یختص بالقرآن من تفسیر وتأویل" یعنی ائمہ کے بارہ میں ہم وہ اعتقاد نہیں رکھتے جو غالی اور حلولیہ کے قائل رکھتے ہیں یہ بہت ہی بڑی بات ہے کہ جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے بلکہ ہمارا ان بزرگواروں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ بشر اور انسان ہیں۔ ان پر بھی تکالیف شرعیہ عائد ہیں وہ اللہ سبحانہ کے مکرم بندے ہیں۔ خدا نے ان کو مخصوص کرامت وولایت کے ساتھ ممتاز کیا ہے کیونکہ وہ ان صفات جلیلہ واخلاق جمیلہ کے ساتھ متصف تھے۔ جو بشر میں ممکن ہو سکتے ہیں۔ جیسے علم، تقویٰ، شجاعت، سخاوت اور عفت وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ۔ ان خصوصیات میں کوئی بھی بشر ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ انہی خصائص کی بنا پر وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد احکام واسرار، بیان شریعت اور قرآن کی تفسیر وتاویل میں لوگوں کے امام وہادی اور مرجع الخلائق قرار پائیں۔ صاحب کفایۃ الموحدین ج۲ ص۵۵۱ پر ضرورت نبوت اور صفات نبی پر دلائل پیش کرتے

ہو سکے۔ (مختصراً ذیل) "دلیل چہارم بر اثبات نبوت مطلقہ اینکہ ببراہین قاطعہ ثابت شد وجوب تکلیف بر حق سبحانہ و تعالیٰ چنانچہ ذکر شد سابقاً و شک نیست در اینکہ ہر کسے قابل تلقی وحی از حضرت آفریدگار نخواہد بود ہر فردے از افراد انسان را استعداد تحمل ایشان باوامر و نواہی ربانی نمی باشد و این مطلب ثابت است بوجدان و عیان چہ تفاوت مراتب انسان امریست ظاہر و ہویدا پس لازم است از وجود شخصے کہ ممتاز باشد از باقی بسبب امور مذکورہ و ذو جہتین باشد تا از جہتے تلقی وحی الٰہی نماید و بجہتے دیگر تبلیغ او امر بمکلفین نماید" یعنی دلائل قاطعہ کے ساتھ سابقاً یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم پر لطفاً واجب ہے کہ بندوں کو عقائد و احکام شرعیہ کی تکلیف دے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر انسان خدا کی وحی اور اس سے احکام حاصل کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ انسانی مراتب کا اختلاف وجداناً معلوم ہے۔ اس لئے ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو وحی کا متحمل اور خدا سے اوامر و نواہی حاصل کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اور روحانی و جسمانی دو جنبے رکھتا ہو۔ تاکہ روحانی جنبہ کی بنا پر بذریعہ وحی خدا سے احکام حاصل کرے اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر و نواہی پہنچا سکے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ان حقائق سے ہمارے بیان کی صداقت روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گئی کہ انبیاء و ائمہ کے بشر و انسان ہونے کا انکار کرنا قرآن احادیث معصومین اجماع علماء شیعہ اسلام کے انکار کے مترادف ہے۔ [illegible] من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا وما انا علیکم بحفیظ۔

بشریت انبیاء و ائمہ عقل سلیم کی روشنی میں

عقل سلیم و شریعت قویم ہر دو متفق ہیں کہ انبیاء و ائمہ انسان ہیں۔ اور ان کو انسان ہی ہونا چاہئے۔ اگر وہ بشر و انسان نہ ہوں۔ تو پھر ان کے مقرر کرنے کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو کر رہ جائے گا۔ ہم اختصار کے ساتھ بشریت انبیاء و ائمہ کے متعلق عقل سلیم کی روشنی میں چند رموز و اسرار پیش کرتے ہیں۔

رمز اوّل

اگر خدا نے مخالف جماعت اساس کے نظریہ کے مطابق فرشتوں کو نبی و امام بنا کر بھیجا تو اب اگر فرشتہ اپنی اصل حالت پر آتا اور لوگوں کی بصارت بھی اپنی موجودہ حالت پر قائم رہتی تو وہ اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے کیونکہ عام لوگ فرشتہ تو کیا جن کا بھی مشاہدہ نہیں کر سکتے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونہم یعنی شیطان اور اس کا گروہ تمہیں دیکھتا ہے مگر تم ان کو نہیں دیکھ سکتے) اس صورت میں اس کے بھیجنے کا مقصد فوت ہو جاتا اس لئے ضروری تھا کہ مجسم ہو کر انسانی شکل و صورت میں ہی آئے۔ اسی لئے خداوند عالم فرماتا ہے ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلاً اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو بھی مرد ہی بنا کر بھیجتے۔ لیکن اس صورت میں بھی اعتراض کرنے والے یہی اعتراض کرتے کہ ہم جیسا مرد کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کے اعتراض سے بچنا تو ہر صورت محال ہے [illegible] خدائے علیم تو وہ کام کرتا ہے جو تقاضائے حکمت کے مطابق ہو۔ اور وہ یہی ہے کہ بشر و انسان ہی کو ہدایت خلق کے منصب اعلیٰ پر فائز کیا جائے چنانچہ خلاق علیم و حکیم نے ایسا ہی کیا۔ وما جعلناھم جسداً لا یاکلون الطعام۔

رمزِ دوم

اگر نبی و امام فی الواقع فرشتہ ہوتے اور متشکل بشکل انسان ہو کر آجاتے تو اس صورت میں اُن کے تقرر کرنے کا مقصد فوت ہو کر رہ جاتا۔ لوگ اُن کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتے، اور ان کے معجزات و کرامات بھی ان کی صداقت و حقانیت کی دلیل نہ بن سکتے کیونکہ اس وقت لوگ یہ کہتے کہ چونکہ یہ حضرات فی الحقیقت انسان نہیں اس لئے ان کی طاقت و قدرت ہم سے بدرجہا زیادہ ہے، اس وجہ سے یہ محیر العقول کارنامے انجام دے سکتے ہیں اگر ہم بھی ان کی طرح دراصل فرشتے ہوتے تو ہم بھی ایسے کار ہائے نمایاں انجام دے سکتے۔ کیونکہ جس طرح پرندہ کے لئے ہوا میں اڑنا معجزہ نہیں اسی طرح فرشتوں کا یہ کام کرنا بھی ان کے لئے معجزہ نہیں۔ ہاں البتہ انسان کے لئے آلات و اسباب کے بغیر ایسا کرنا ضرور معجزہ ہے جو اس کے خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اس طرح ان کا بھیجنا اور نہ بھیجنا برابر ہو جاتے۔ (ونقض الغرض محال عن الحکیم)۔ واضح رہے کہ یہ دونوں رمزیں جناب رسول خدا کے اس جواب باصواب سے ماخوذ ہیں جو آنحضرت نے کفار قریش کے اس سوال پر کہ خدا نے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا بشر کو کیوں نبی بنایا ہے، ارشاد فرمائی تھیں (ملاحظہ ہو احتجاج طبرسی ص طبع نجف)۔

رمزِ سیوم

اگر انبیاء و ائمہ نور مجسم ہوتے تو پھر ان کی چمک دمک اور شان و شکوہ کو دیکھ کر عامۃ الناس کی گردنیں ان کے سامنے خم ہو جاتیں اور قدرت کو جو ابتلاء و آزمائش مقصود ہے کہ بندے صرف کمال کو دیکھیں ظاہری چمک دمک پر فریفتہ نہ ہوں وہ ابتلاء و آزمائش ختم ہو جاتی اس طرح انسان ثواب جزیل کے مستحق نہ رہتے۔ اسی رمز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام خطبہ قاصعہ میں فرماتے ہیں "ولو اراد الله ان یخلق آدم من نور یخطف الابصار ضیاؤه ویبهر العقول رواؤه وطیب یاخذ الانفاس عرفه لفعل ولو فعل لظلت له الاعناق خاضعة ولخفت البلوی فیه علی الملائکة ولکن الله سبحانه ابتلی خلقه ببعض ما یجهلون اصله تمییزا بالاختبار لهم ونفیا للاستکبار عنهم وابعادا للخیلاء منهم" یعنی "اگر خدا چاہتا تو آدم کو چکا چوند کرنے والے نور اور عقلوں کو حیران کرنے والی چمک اور نفس رسا نفس میں بسی ہوئی خوشبو سے پیدا کرتا۔ تو ضرور وہ ایسا کرتا۔ اور اگر یہ کرتا اور آدم اور نکہت کا مجموعہ ہوتے، تو تمام گردنیں یقیناً جھک جاتیں اور فرشتوں کا یہ امتحان ہلکا ہو جاتا۔ لیکن خداوند پاک نے اپنی مخلوق کا امتحان کچھ ایسی باتوں سے لیا جس کی بنیاد سے وہ ناواقف ہیں تاکہ ان کا امتحان لے کر امتیاز، اور ان کے تکبر کو دور، اور خود پسندی سے الگ رکھے" (نہج البلاغہ، ص ترجمہ رئیس احمد جعفری طبع مصر ج ۲ ص)۔

انہی حقائق کی بنا پر صاحب سراج الحق فی المعارف الاسلامیہ و الاصول الاعتقادیہ نے ج ۳ ص پر خواص انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ومنها کونهم کغیرهم فی اوصاف البشریة لقوله تعالی قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی (الکہف) ولقوله وما ارسلنا من قبلك من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان)" یعنی ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ خواص بشری میں دوسرے انسانوں کی مانند ہوں جبکہ

ارشاد خداوندی ہے اے میرے حبیبؐ! کہہ دو کہ میں تمہاری مانند بشر ہوں۔ ہاں مجھ پر وحی ہوتی ہے نیز ارشاد قدرت ہے:
ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب کے سب کھانا کھاتے، اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

انبیاء و ائمہ کے دنیاوی جاہ و جلال سے محرومی کا اصل راز

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے دنیوی مال و متاع، ظاہری جاہ و جلال اور مادی زخارف وغیرہ سے تہی دامن ہونے کی اصل وجہ یہی ہے کہ اگر وہ دنیوی اقتدار و اختیار اور خزائن و دفائن، جاہ و جلال سے لیس ہوتے تو ان کے ظاہری اقتدار سے مرعوب ہو کر یا ان کے مال و منال کی طمع و لالچ میں لوگ ان کے آگے سر نیاز جھکا دیتے اور اس طرح مخلص و منافق، طالب دین اور طالب دنیا کے درمیان امتیاز ختم ہو جاتا۔ اختیار و امتحان بیکار ہو جاتا اور جزا و سزا باطل ہو جاتی اس لئے خداوند حکیم نے اپنے ان خاص بندوں کے دامن کو ان چیزوں سے تہی رکھا تاکہ جو لوگ ان کے ہاں آئیں تو وہ خالصاً لوجہ اللہ آئیں اس میں دنیوی طمع و لالچ کا کوئی جذبہ کارفرما نہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام مذکورہ بالا خطبۂ جلیلہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ولو اراد الله سبحانه لانبيائه حيث بعثهم ان يفتح لهم كنوز الذهبان ومعادن العقيان ومغارس الجنان وان يحشر معهم طير السماء ووحوش الارضين لفعل ولو فعل لسقط البلاء وبطل الجزاء واضمحلت الانباء ولما وجب للقابلين اجور المبتلين ولا استحق المؤمنون ثواب المحسنين ولا لزمت الاسماء معانيها ولكن الله سبحانه جعل رسله اولي قوة في عزائمهم وضعفة فيما ترى الاعين من حالاتهم مع قناعة تملأ القلوب والعيون غنى وخصاصة تملأ الابصار والاسماع اذى (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص ۱۹۰) (ترجمہ اردو ج ۱ ص ۴۸۹) اور اگر خداوند عالم چاہتا تو جب پیغمبر مبعوث فرماتا تو ان کے لئے سونے کے خزانے اور چاندی کی کانیں، جنتوں کے باغ کھول دیتا ان کے ساتھ آسمانوں کے طائر اور زمین کے جانور ہر وقت رہتے اور اگر یہ انتظام کر دیتا تو آزمائش و جزا بیکار اور دوزخ و جنت کی خبریں رائگاں ہو جاتیں۔ اور دعوت اسلام قبول کرنے والوں کو آزمائش میں مبتلا ہونے والوں کا بدلہ اور مومنوں کو احسان کرنے والوں کا صلہ حق نہ ہوتا اور ناموں کے معنی نہ ہوتے بلکہ کھلی ہوئی باتیں ہوتیں جن کو اختیار کرنے میں کسی نیکی اور ذہنی کاوش کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ لیکن خدا نے یوں کیا کہ اپنے رسولوں کو ان کے ارادوں میں صاحب قوت بنایا، اور نظر آنے والے عام حالات میں کمزور اور شکستہ حال رکھا، قناعت کے ساتھ جو لوگوں کے دل اور آنکھوں کو ان سے بے فکر و مستغنی ہونے کا یقین دلا دے، مگر وہ تنگ حالی دکھائی جو نظروں اور کانوں کو دکھ دے۔" ان فی ذلک لرحمۃ وذکری لقوم یؤمنون۔

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ

اس مقام پر بعض غلو نواز حضرات عوام الناس کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ آیت میں لفظ "مثلکم" وارد ہے اور مثل شی کسی شی کا عین نہیں ہوتا جیسے اعجزت

ان اکون مثل ھذا۔ لغواب وغیرہ آیات سے معلوم ہو سکتا ہے دیکھو حضرت مریم کے پاس جناب جبرئیل شکلِ بشری میں آئے۔ فتمثل لھا بشراً سویا۔ یہاں تو سب اقرار کرتے ہیں کہ وہ درحقیقت بشر نہ تھا صرف بشری شکل و صورت اختیار کر کے آیا تھا لہٰذا جب ذاتِ الٰہیہ کے بارے میں ایسا کیوں تسلیم نہیں کیا جا سکتا؟ نیز یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کو بشر کہنا کفار کا قول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے ابشر یھدوننا ما انت الا بشر مثلنا وغیرہ

پہلا جواب

اس طرح کی ہٹ دھرمی یا خود فریبی کا کسی طرح کا جواب باصواب دیا جا سکتا ہے یہ تفسیر بالرائے ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے بقولہٖ من فسر بغیر ان برأیہ فلیتبوء مقعدہ من النار (تفسیر صافی و کافی وغیرہ) کیونکہ جب حقیقی وارثانِ علم قرآن جناب رسولِ خدا و آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ (جو اوپر درج کی جا چکی ہے) اور انہوں نے آنحضرتؐ کو حدودِ بشریت سے خارج کیا۔ اور نہ ہی آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو۔ تو بعد ازیں اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار کر آپ جنابؐ کے حقیقی بشر و انسان ہونے کی نفی کرنا اور ان کو مثلِ بشر قرار دینا تفسیر بالرائے نہیں تو اور کیا ہے؟

دُوسرا جواب

آنحضرتؐ کو تمام حالات و صفات اور واردات و کیفیات میں عام انسانوں جیسا ماننا درست نہیں ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک! حفظ مراتب کا بھی کچھ تو خیال ہے ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

مگر میں پھر بھی بشر و انسان بلکہ حقیقی بشر و انسان ہیں بلکہ یہی بزرگوار اور انہی کی وجہ سے حضرتِ انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار ہے۔ ورنہ مادر گیتی کی وجہ سے جن میں اکثر و بیشتر آدمی تو اولئک کالانعام بل ھم اضل کا مصداق ہیں۔ سچ ہے ؎

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

"مشکل" سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ عین بشر نہیں مشابہ بشر ہیں یہ علوم عربیہ میں مہارت نہ رکھنے اور الفاظ کے موارد استعمال کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے ورنہ معمولی علم و عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو کفار محض اس بنا پر سابقہ انبیاءؑ و بالخصوص جناب ختم الرسل کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے کہ وہ بشر ہیں۔ وہ ان کو ذات و صفات میں اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے نہ کہ مشابہ بہ بشر لیکن بایں ہمہ ان کے الفاظ جو قرآن مجید نے پیش کئے ہیں وہ یہی ہیں ان انتم الا بشر مثلنا "تم نہیں ہو مگر ہماری طرح کے بشر" ما انت الا بشر مثلنا "تو نہیں ہے مگر ہماری طرح بشر" وہ اہلِ زبان تھے؛ الفاظ کے موارد و مواقع استعمال سے کماحقہ واقف تھے۔ ان کو اپنی زبان دانی پر اس قدر فخر و ناز تھا کہ اپنے علاوہ تمام اہلِ عالم کو عجم (گونگا) سمجھتے تھے مگر بایں ہمہ جب انہوں نے انبیاءؑ کو من کل الوجوہ ہو بہو اپنی طرح بشر ثابت کرنا چاہا تو لفظ "مثل" لائے۔ اور انبیاءؑ نے بھی ان کے جواب میں اپنی بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر ان نحن الا بشر مثلکم

ہاں یہ درست ہے کہ ہم بھی تمہاری طرح بشر ہیں، اس امر کا اقرار کیا۔ ہاں کفار نے ان کو اپنے جیسا بشر قرار دیتے ہوئے چونکہ ان کے خصائص کا بھی انکار کر دیا تھا۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے ان خصائص کا بھی اظہار کر دیا کہ **ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ** "لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا انعام فرما دے (تم اس انعام الٰہی کا انکار نہ کرو)، چنانچہ تفسیر صافی ص۲۹۴ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے سلموا مشارکتھم فی البشریۃ وجعلوا الموجب **لاختصاصھم بالنبوۃ فضل اللہ ومنہ علیھم بخصائص فیھم لیست فی ابناء جنسھم** یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفار کے جواب میں تسلیم کر لیا ہے کہ وہ بشریت میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہیں اور درجہ نبوت کے ساتھ اختصاص کا سبب انہوں نے خداوند عالم کے فضل و احسان کو قرار دیا ہے۔ ان خصائص و صفات کی وجہ سے جو ان کے دوسرے ابناء جنس میں نہیں۔" اس بیان سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی کہ کبھی لفظ مثل "شئی بمعنی جیسی شئی" بھی استعمال ہوتا رہتا ہے لہٰذا مثل بشر والے جواب وغیرہ آیات سے استدلال کرتے جاتے ہے۔ عربی زبان اوسع الالسنہ ہے اس کی وسعت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ (تفصیل فقہ اللغۃ ثعالبی میں دیکھی جا سکتی ہے من شاء فلیرجع الیہ)۔ بعد ازیں بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ انبیاء کو بشر کہنا کفار کا مقولہ ہے، اگر اب بھی کوئی شخص "ولا مسلم" کہتے ہوئے یہی رٹ لگاتا رہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ انبیاء کو ظاہر میں بشر اور حقیقت میں فرشتہ یا کچھ اور سمجھنا کافر زنان مصر کا مقولہ ہے جنہوں نے جمال یوسفؑ سے مسحور ہو کر کہا تھا **ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم**

تیسرا جواب اگر تاحال تسلی نہ ہو اور اس بات پر اصرار ہو کہ جواب میں ضرور کوئی ایسی آیت پیش کی جائے جس میں ان بزرگواروں کے لئے "منکم" یا "منہم" یا "من انفسکم" یا "من انفسہم" وغیرہ الفاظ کی تصریح موجود ہو۔ یا اس "مثل بشر" کی بجائے صرف "بشر" ہو تو لیجئے اتمام حجت کے لئے ایسی چند آیات صریحہ بھی پیش کی جاتی ہیں:

جناب پیغمبر اسلامؐ کا یہ (منا دیتی ہے) فرمان رب العباد قرآن میں موجود ہے **قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا** (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع۱۰) (اے رسولؐ) کہہ دو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی (خدا کے) رسول کے سوا اور کیا ہوں۔ اس آیہ والی ہدایہ میں جیسا کہ ظاہر ہے مثل کی لفظ موجود نہیں ہے ایک اور مقام پر ارشاد ایزدی ہے **کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایاتنا** (سورہ بقرہ پ۲ ع۲) "مسلمانو یہ احسان بھی ویسا ہی ہے جیسے ہم نے تم میں تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے"۔ اس آیت مبارکہ میں جیسا کہ ان حضرات کا مطالبہ تھا لفظ منکم موجود ہے۔ اسی طرح ذات احدیت کا فرمان ہے **لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلوا علیہم ایاتہ** (پ۴ س آل عمران ع۸) خدا نے تو ایمانداروں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے واسطے انہی کی قوم کا ایک رسول بھیجا جو انہیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کے سناتا ہے۔ یہاں

من انفسہم کہہ کر خداوند عالم نے ان کے نوع بشر سے ہونے کی تاکید مزید فرمائی ہے نیز ارشاد قدرت ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (پ ۱۱ س توبہ ع ۱۶) بےشک تم ہی میں سے ایک رسول تمہارے پاس آچکا جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا ہوکا ہے ایمانداروں پر حد درجہ شفیق مہربان ہے" (ترجمہ فرمان علی) یہاں بھی مطلوبہ الفاظ موجود ہیں فماذا بعد الحق الا الضلال

چوتھا جواب

اس سلسلہ میں آیت فتمثل لہا بشرا سویا اور اس کی مانند بعض دوسری آیات سے تمسک واستدلال کرنا ان حضرات کے علم صرف اور نحو سے ہی بلکہ بدیہی علم واقفیت کی غمازی کرتا ہے ورنہ اس علم کے ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تمثل باب "تفعل" کی ماضی معلوم کا صیغہ ہے اور اس باب کے خواص میں سے نمایاں خاصیت ہے "تکلف وتصنع" یعنی جو صفت کسی کے اندر موجود نہ ہو اسے زور زبردستی سے اپنے اندر ظاہر کرنا جیسے حدیث میں وارد ہے ان لم تکن حلیما فتحلم۔ اگر تو حلیم وبردبار نہیں ہے تو زبردستی سے اپنے آپ کو حلیم بنا۔ یا جیسے حضرت امیر المؤمنین خطبہ شقشقیہ میں مسلمانوں کی خلافت اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اما واللہ لقد تقمصہا ابن ابی قحافۃ وھو یعلم ان محلی منہا محل القطب من الرحی۔ لوگو! خدا کی قسم ابو قحافہ کے فرزند نے زبردستی خلافت کو پیراہن بنا لیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں کمالات علمی وعملی کے لحاظ سے اتنا ارفع ہوں جتنا چکی کے لئے وہ کھونٹا جس پر اس کی گردش منحصر ہوتی ہے (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۳۶ ترجمہ رئیس احمد جعفری طبع لاہور) بنابریں اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ فرشتہ نے بتقاضائے مصلحت زبردستی سے اپنے آپ کو بشر ظاہر کیا جو کہ درحقیقت بشر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ تمثل پر بنیاد رکھنا صحیح ہو ور بشر یا شبہ بشر ہونا اور۔

صرف شکل بدلنے سے خواص وآثار نہیں بدلتے

یہی وجہ تھی کہ جو فرشتہ حضرت مریم کے پاس آیا تھا یا جو فرشتے حضرت ابراہیم ولوط کے پاس گئے تھے اگرچہ وہ متمثل بہ بشر تھے مگر ان میں خواص وآثار سب وہی موجود تھے جو فرشتوں میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شاہد ہے کہ جب حضرت خلیل الرحمٰن نے ان کی ضیافت کے لئے بھنا ہوا بچھڑا ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے "انا رسل ربک" ہم تمہارے رب کی طرف سے فرستادہ فرشتے ہیں کھانے سے اپنی معذوری ظاہر کردی

اسی طرح جو اصحاب جبرئیل وحیہ کلبی کی شکل میں متشکل ہو کر دربار رسالت میں حاضر ہوتے تھے یا ائمہ اطہار کے گھر مختلف الملائکہ میں بھی وہاں پر فرشتوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری وساری رہتا ہے مگر کہیں کسی بھی روایت میں نہیں ملتا کہ انہوں نے یہاں آکر کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز کھائی ہو یا پی ہو۔ اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ جس طرح خداوند عالم

سے تین ہزار فرشتے اہل اسلام کی نصرت و مدد کے لئے اُتارے گئے تھے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جنگ میں بھوک اور بالخصوص پیاس کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے مگر کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ انہوں نے کچھ کھایا ہو یا پیا ہو۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات ناقابل انکار حد تک ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کبھی کسی فرشتے بحکم پروردگار انسان کی شکل میں متشکل ہو کر زمین پر آ جائیں تو تب بھی ان کے نوعی آثار و لوازم ان سے منفک و جدا نہیں ہو سکتے یعنی نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں۔ (منہاج البراعۃ ج ۲ ص ۳ طبع جدید ارشاد صادقؑ)

انبیاءؑ و ائمہؑ میں آثار بشریت

اگر ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاءؑ و ائمہؑ میں تمام لوازم و آثار بشریت (نقائص و عیوب بشریت) موجود ہیں۔ مثلاً خورد و نوش، خواب و بیداری، صحت و مرض، نکاح و اولاد، بیوی اور بچے، خوشی و غمی، رونا ہنسنا، بول و براز اور موت و حیات وغیرہ ذلک من علامات اس سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خود ائمہ اطہارؑ نے اپنے انہی لوازم و آثار بشریت کو پیش کر کے ان لوگوں کے زعم باطل کی تردید فرمائی ہے جو ان کی الوہیت و ربوبیت کے قائل تھے چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام ایسے لوگوں کی رد میں فرماتے ہیں۔

اولیس علی اٰکلاً فی الآکلین وشارباً فی الشاربین وناکحاً فی الناکحین ومحدثاً فی المحدثین وکان مع ذلک مصلیاً خاضعاً بین یدی اللہ ذلیلاً والیہ اوّاہاً منیباً افمن ھذہ صفتہ یکون الٰہاً فلیس منکم احد الا وھو الٰہ لمشارکتہ لہ فی ھذہ الصفات الدالات علی حدوث کل موصوف بہا الخ

کیا حضرت علیؑ روٹی نہیں کھاتے تھے کھانے والوں میں؟ پانی نہیں پیتے تھے پینے والوں میں؟ کیا وہ نکاح نہیں کرتے تھے نکاح کرنے والوں میں؟ کیا وہ حادث (غیر قدیم) نہیں تھے محدثین میں؟ یہ ترجمہ تو اس بنا پر ہے کہ محدث کی دال پر زبر پڑھی جائے لیکن اگر اس کی دال کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر ترجمہ یوں ہوگا۔ کیا وہ بول و براز نہیں کرتے تھے۔ بول و براز کرنے والوں میں؟ کیا وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں خشوع و خضوع کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور کیا وہ رب جلیل کی بارگاہ میں تضرع و زاری کے ساتھ رجوع نہیں کرتے تھے؟ کیا جس شخص کے یہ صفات ہوں وہ خدا ہو سکتا ہے؟ اگر وہ ان صفات کے باوجود خدا ہیں تو پھر تم سب کے سب خدا ہو کیونکہ تم بھی ان صفات میں ان کے ساتھ شریک ہو۔ جو اپنے موصوف کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں (احتجاج طبرسی ص ۲۳۲ طبع نجف، مرآۃ الانوار ص ۴۶، الروضۃ الصافیہ ج ۳ ص ۵۹، ہفتم بحار ص ۲۳۲ وغیرہ)

(۲) نیز جناب امام رضاؑ سے مروی ہے۔ صفات و علامات امامؑ کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ان الامام مؤید بروح القدس وبینہ وبین اللہ عمود من نور یری فیہ اعمال العباد وکلما احتاج الیہ لدلالۃ اطلع علیہ ویبسطہ فیعلم ویقبض عنہ فلا یعلم والامام یولد ویلد ویصح ویمرض ویاکل ویشرب ویبول ویتغوط وینکح وینام وینسی ویسھو ویفرح ویحزن ویضحک ویبکی ویحیی ویموت ویقبر ویزار ویحشر و

يوقف ويعرّف ويسأل ويثاب ويكرم ويشفع ودلالته في خصلتين في العلم واستجابة الدعوة وكل ما اخبر به من الحوادث التي تحدث قبل كونها فذلك بعهد معهود إليه من رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم توارثه عن آبائه عنه عليهم السلام ويكون ذلك مما عهده إليه جبرئيل عن علام الغيوب الخ. یعنی امام کی روح القدس سے تائید کی جاتی ہے۔ اور اس کے اور خدا کے درمیان ایک عمودِ نور ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ لوگوں کے اعمال دیکھتا ہے جس چیز کی ضرورت ہو اس پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے علم کشادہ کیا جاتا تو وہ جانتا ہے اور جب قبض کیا جائے تو نہیں جانتا۔ امام ماں باپ سے متولد ہوتا ہے اور خود اولاد جنتا ہے۔ تندرست ہوتا ہے اور مریض بھی، وہ کھاتا اور پیتا بھی ہے۔ بول و براز بھی کرتا ہے۔ نکاح و مقاربت کرتا ہے اور سوتا بھی ہے۔ خوش ہوتا ہے اور مغموم بھی، ہنستا ہے اور کبھی روتا بھی ہے۔ موت کا ذائقہ چکھتا اور قبر میں دفن بھی ہوتا ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ پھر روزِ حشر زندہ ہو کر مقامِ حساب میں لایا جائے گا۔ اور سوال و جواب کے بعد اسے ثواب و اکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ شفاعت کرے گا اور مقبول الشفاعہ ہوگا) امام کی امامت دو باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک کثرتِ علم و فضل سے دوسرے دعاؤں کے مستجاب ہونے سے۔ وہ جو قبل از وقت پیشگوئیاں کرتا ہے تو یہ جناب رسول خدا سے ایک عہد معہود ہے جو امام تک بطورِ نصرت کی وراثت کے اپنے آباؤ اجداد کے توسط سے پہنچا ہے اور آنحضرتؐ کو جبرئیل نے علام الغیوب کی طرف سے اس کی اطلاع دی ہوئی ہے (عیون اخبار الرضا صفحہ ۱۲ جزو اول باب طبع جدید بحار، صفحہ ۴۹ ۔ اکمال صفحہ ۳۱ وغیرہ۔

اب ان حقائق کی روشنی میں ارباب عقل و انصاف بتائیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کو بشر و انسان نہ ماننا بلکہ نورِ مجسم قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اور فرشتوں کے انسانی شکل میں متشکل ہو کر آنے پر ان حضرات کا قیاس کرنا کہ یہ حضرات بھی صرف انسانی شکل میں متشکل ہیں ورنہ درحقیقت کچھ اور ہیں (علاوہ قیاس کے فی نفسہ باطل ہونے کے) کس حد تک قرینِ عقل و خرد ہے؟ ان في ذلك لآية لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد۔

ایک عذرِ لنگ کا ازالہ

بعض حضرات ان آیات و روایات میں جن میں انبیاءؑ و ائمہؑ کو بشر کہا گیا ہے، کے جواب میں یہ کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں کہ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ بشر ہیں لیکن بشر ان کی جنس ہے نہ نوع، اس کے ساتھ فصل روحی مل کر ان کی علیحدہ نوع بن جاتی ہے۔ اس عذر لنگ کے مکمل ازالہ کے لئے اس کتاب کے پہلے باب کی طرف رجوع کیا جائے جس میں ہم عقلی و نقلی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ بشر کو جنس اور روحی کو فصل قرار دینا ناممکن و محال ہے۔

دوسرا استدلال اور اس کا جواب (آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کی بحث

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تین خصوصیتیں ایسی تھیں جو کسی دوسرے میں موجود نہ تھیں۔ ایک تو آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا۔

دوسرے جب کسی راستے سے گذرتے تھے تو تین روز تک وہاں خوشبو رہتی، تیسرے جب کسی حجر یا شجر کے پاس سے گذرتے تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے تھے (کافی ص۴۴۲ حق الیقین ص ...) ... دلیل نورانیت ہے۔ اب انکار کیجئے آپ کے نور ہونے کا؟ اس مغالطہ کے کئی جواب دیے جا سکتے ہیں۔

پہلا جواب اس موضوع کے سلسلہ میں جس قدر آثار مروی ہیں وہ اخبار احاد اور وہ بھی ضعیف (نہ صحیح[1]) کے حدود سے خارج نہیں ہیں۔ اور ہم مقدمۂ کتاب میں ثابت کر چکے ہیں کہ اصول عقائد میں خبر واحد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا جواب روایات کے الفاظ و تعبیرات مختلف ہیں بعض میں وارد ہے لم یکن له فیئ (آپ کا سایہ نہ تھا) بعض میں مرقوم ہے لم یر له ظل (آپ کا سایہ کبھی دیکھا نہیں گیا)، بعض میں یوں مروی ہے لم یقع له ظل علی الارض (آپ کا سایہ کبھی زمین پر نہیں پڑا)۔ ظاہر ہے کہ سوائے پہلی تعبیر کے دوسری دونوں تعبیروں سے آنحضرتؐ کے سایہ کی بالکل نفی نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سے زیادہ صرف اس کے دیکھے جانے اور زمین پر پڑنے کی نفی ہوتی ہے پہلی تعبیر کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جا سکتا ہے لہٰذا ان روایات سے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرا جواب یہ بات بھی محل کلام ہے کہ "نور کا سایہ نہیں ہوتا"؟ متعدد احادیث میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے لیے اس ظاہری جسمانی خلقت سے پہلے روحانی و نورانی خلقت کے متعلق "ظل منور" (نور کے سائے) کے الفاظ موجود ہیں (اصول کافی، بحار، بصائر وغیرہ) جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نور کا بھی فی الجملہ سایہ ہوتا ہے۔ بنا بریں باوجود آنحضرتؐ کو نور تسلیم کرنے کے بھی ان کے سایہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اگر فی الواقع سایہ نہ تھا تو پھر اس کی کوئی اور توجیہ کرنا پڑے گی۔ ہمارے معلوم ناقص ہیں آج ہم ایک نظریہ قائم کرتے ہیں کل اس کا غلط ہونا ثابت ہو جاتا ہے اس لئے معلومات دن بدن بدلتے رہتے ہیں کچھ عرصہ پہلے تک یہ نظریہ درست سمجھا جاتا تھا کہ نور و ظلمت کا کوئی وزن نہیں ہوتا مگر صاحب صحیفہ سجادیہ جناب امام زین العابدینؑ نے آج سے قریباً چودہ سو سال پہلے یہ فرما دیا تھا کہ "سبحانک تعلم وزن الظلمة والنور" "پاک ہے تو جو ظلمت و نور کے وزن کو جانتا ہے" (صحیفہ ص۱۲۳) موجودہ دور سائنسی تجربات نے کلام امام پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ یہی حقیقت سایہ کی ہے آج تک یہی مشہور ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ممکن ہے کل اس کی بھی غلطی ظاہر ہو جائے۔

چوتھا جواب فلسفہ کا مسلمہ اصول ہے کہ الشیئ اذا تحقق تحقق بلوازمہ یعنی جب کوئی چیز وجود میں آتی ہے تو اپنے تمام لوازم و آثار کے ساتھ آتی ہے اگر آنحضرتؐ نور مجسم تھے تو پھر نور کے دوسرے لوازم و آثار کیوں ظاہر نہیں؟ کیونکہ نوری مخلوق جیسے ملائکہ کے آثار یہ ہیں کہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں [illegible] بلکہ اس کے برعکس بشریت کے لوازم و آثار موجود ہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔

---

[1] چنانچہ سرکار علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج۱ ص۳۶۸ پر اسی حدیث کی ذیل میں لکھتے ہیں "الحدیث ضعیف" یعنی یہ گیارھویں حدیث ضعیف ہے۔ منہ عفی عنہ

تو ان حالات میں کیونکر آنحضرتؐ کو نورِ مجسم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔"

پانچواں جواب

یہ کہنا کہ سایہ اس لئے نہ تھا کہ وہ نور تھے" یہ علت مستنبطہ ہے علت منصوصہ نہیں یعنی یہ ان لوگوں کا ذاتی قیاس ہے۔ سایہ نہ ہونے کی یہ وجہ روایات میں موجود نہیں ہے۔ اگر ذاتی رائے و قیاس سے کام لینا ہے تو پھر محدث عبد الحق دہلوی کے بیان کے مطابق بعض اصحاب رسولؐ کی اس رائے سے کیوں اتفاق نہ کیا جائے کہ "سایۂ او بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد، ایک صحابی نے عرض کیا کہ آپؐ کا سایہ زمین پر اس لئے نہیں پڑتا کہ کہیں زمین نجس پر نہ پڑ جائے۔" (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۲۱) اور ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ اس سایۂ اقدس پر کسی کے قدم نہ آ جائے جو کہ احترام رسولؐ کے منافی ہے خیر چھوڑیئے ان ذاتی آراء و قیاسات کو۔ احادیث معصومینؑ سے اس کی اور وجہ معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے یوم ولادت سے یوم وفات حسرت آیات تک بادل کا ایک ٹکڑا ہر وقت سفر و حضر میں آپؐ پر سایہ فگن رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں آنحضرتؐ کے سایۂ اقدس کا نظر نہ آنا اس امر کا قدرتی و فطری نتیجہ ہے۔ چنانچہ احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنینؑ کی ایک طویل حدیث موجود ہے جو آنجنابؑ نے ایک یہودی کے سامنے افضلیت خلق مرتبتؐ بر انبیاء و سلفؑ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔ فرمایا "فقد فعل ذلک بموسیٰ فی التیہ و اعطی محمدؐ افضل من هذا ان الغمامة کانت تظله من یوم ولد الی یوم قبض فی حضره و اسفاره فهذا افضل کا اعطی موسیٰ" یعنی جناب موسیٰؑ کے ساتھ تو صرف گردش صحرا کے وقت ایسا کیا گیا تھا لیکن جناب رسول خداؐ کو اس سے بہتر و برتر کمال دیا گیا۔ ان کے یوم ولادت سے لے کر یوم وفات تک ہمیشہ سفر و حضر میں ان پر بادل سایہ فگن رہتا تھا" (احتجاج ص۱۱۰ طبع النجف) چنانچہ فاضل جلیل ملا خلیل قزوینی نے اپنی شرح اصول کافی ج۳ سوم حصۂ دوم ص۱۵۲ طبع نول کشور لکھنؤ میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام والی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس کا حوالہ اس شعر میں دیا گیا ہے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ اسی بادل کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں "و نبود او را سایہ یعنی ہمیشہ ابرے میان او و قرص آفتاب بود"

یعنی آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ ہمیشہ بادل کا ایک ٹکڑا آپؐ کے اور آفتاب کے درمیان حائل رہتا تھا۔"

ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے سے ان کے نور مجسم ہونے پر استدلال کرنا تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودا و کمزور ہے۔ و ان اوهن البیوت لبیت العنکبوت۔

انبیاءؑ و ائمہؑ پر نور کا اطلاق

سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اسے بنظر معان و انصاف پڑھ لینے کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرہ بھی تامل و تردد نہیں ہوتا کہ انبیاءؑ و ائمہؑ بشر و انسان کامل ہیں اور ان پر بشر و انسان ہونے کا اطلاق حقیقی معنوں کے اعتبار سے ہے ہاں یہ بھی درست ہے کہ قرآن و حدیث میں ان ذوات مقدسہ پر نور کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ جیسے ارشاد قدرت ہے قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (پ ۶ س مائدہ ع ۳) تمہارے پاس تو خدا کی طرف سے ایک (چمکتا ہوا) نور اور صاف صاف بیان کرنے والی

کتاب آ چکی ہے۔" اگرچہ اس آیت میں وارد شدہ لفظ "نور" کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد آں حضرت ہیں۔ یا قرآن ہے۔ مگر ایک قول یہی ہے کہ اس سے آں حضرتؐ مراد ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر تبیان ج ۳ ص ۴۲۵) بروایتے اس سے مراد جناب امیر المومنین اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۲) اسی طرح آیت مبارکہ یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا (پ ۶ س نساء ع ۴) "اے لوگو اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (دین حق کی) دلیل آ چکی اور ہم تمہارے پاس ایک چمکتا ہوا نور نازل کر چکے ہیں۔" اگرچہ اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ "نوراً مبینا" کے متعلق شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے تبیان ج ۳ ص ۴۰۴ پر "جمیع المفسرین" کا یہ قول لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے (وھذا النور القرآن الذی انزلہ اللہ علی محمدؐ) یعنی اس نور سے مراد قرآن ہے جسے خدا نے آنحضرتؐ پر نازل کیا۔" مگر صاحب تفسیر صافی نے ص ۱۴۲ پر بحوالہ تفسیر عیاشی ایک روایت درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ برہان سے مراد جناب رسول خداؐ اور نور سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ بروایتے اس سے امامت علیؑ اور ولایت ائمہؑ مراد لی گئی ہے نیز ارشاد قدرت ہے فآمنوا باللہ ورسولہ واتبعوا النور الذی انزلنا (پ ۲۸ س تغابن ع ۱) "تم خدا اور اس کے رسولؐ اور اسی نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا (ترجمہ فرمانؒ)

اگرچہ عموماً مفسرین نے اس جگہ "نور" سے قرآن مجید کو مراد لیا ہے۔ مگر اصول کافی کتاب الحجہ میں امام محمد باقرؑ سے ایک روایت مروی ہے کہ یہاں نور سے ائمہ اطہارؑ مراد ہیں (ص ۹۵) اسی طرح متعدد روایات میں آنحضرتؐ کی نوری خلقت کا تذکرہ موجود ہے جیسے مشہور حدیث اول ما خلق اللہ نوری "سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو پیدا کیا" یا جیسے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد انا وعلی من نور واحد "میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔" الی غیر ذلک من الاخبار الکثیرۃ۔

آیات و روایات نور کے متعلق چند حقائق

یوں جب آیات نقل یا عقل یا ... روایت میں درایت لازم ہے ہم اس موضوع پر مستقل کتاب میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ کر چکے ہیں۔ بنابریں یہاں اہم مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ "نور" کا مفہوم کیا ہے؟ اور انبیاء و ائمہؑ کو نور کہا گیا ہے تو کس اعتبار سے؟ بعض نوآموز مؤلفین جنہیں سستی شہرت حاصل کرنے کا شوق ہے اس وادی پُرخار میں قدم رکھنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے اپنی تالیف میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو نور ثابت کرنے کے سلسلہ میں بلا تحقیق مطلب و معنی وہ آیات و روایات جمع کر دی ہیں جن میں ان بزرگواروں کی خلقت نوری کا تذکرہ ہے یا ان پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے

سالہا باید کہ یک کودکے از روی علم عالمے گردد نکو یا شاعرے شیریں سخن

اور یہی روش لکھنؤ کے بعض مستند ذاکر فاضل سفید ریش مبلغین نے اپنی جوابی کتب میں اختیار کی ہے

نور کی تعریف کا مسئلہ

لیکن نہ تو انہوں نے نور کی تعریف کی ہے اور نہ ہی ہمارے پیش کردہ دلائل قاطعہ کا کوئی جواب دیا۔ اور نہ ہی ان آیات و روایات کا کوئی صحیح حل پیش کیا جن میں ان ذوات مقدسہ کو حقیقی معنوں میں بشر و انسان قرار دیا گیا ہے۔ سچ ہے ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہاں البتہ ایک اور صاحب جو گرجنے چمکنے و گرجنے کی نوبت کبھی شاذ و نادر ہی آتی ہے، موصوف ہنگامہ برپائی شوق پچھلا زمانی پینترے بدلنے اور بالآخر پسپائی اختیار کرنے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے ع

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

جب ہمارے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کی تاب مقاومت نہیں لا سکتے۔ تو چاروں شانے چت گرتے ہیں اور دبے لفظوں میں اظہار بے بسی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں (لان الحق یعلو ولا یعلی علیہ) بہرحال انہوں نے "نور" کی عربی میں تو وہی تعریف نقل کی ہے جو عموماً کی جاتی ہے کہ "الظاہر بنفسہ والمظہر لغیرہ" مگر اس کا جو رواں دواں اور صحیح ترجمہ کیا ہے شاید معلم الملکوت بھی ایسا شگفتہ ترجمہ نہ کر سکے۔ پڑھئے اور مترجم کے علم و فضل کی داد دیجئے جس کی تیز تیز شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور اہل عالم کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ فرماتے ہیں "جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو اور اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے" (حقائق الوسائل ص۲۰) چونکہ شمس و قمر خود ہیں جو اپنی ضیا پاشیوں سے عالم کو منور و درخشاں کرتے ہیں تو اس تعریف کی بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ جب منظر عام پر جلوہ گر ہوں تو ان کی روشنی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں ان کو وجود میں بھی لاتے ہیں، اور جب یہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو اشیاء عالم بھی پردہ عدم میں روپوش ہو جاتی ہیں۔ الغرض بنابریں آفتاب و ماہتاب روشن کنندہ نہیں بلکہ وجود دہندہ ہوں گے۔ علاوہ بریں اس تعریف کی بنا پر صنعت گر خواہ لوہار ہو یا کمہار یا جولاہا الغرض جو بھی اپنی صنعت و کاریگری کی بدولت کوئی چیز بنا دے وہ نور سمجھا جائے گا کیونکہ وہ خود نفس الامر میں بالتحقیق موجود ہے۔ (لوجود ہر ہو سکے) اور دوسری چیز کو بالتحقیق وجود میں لایا بھی ہے۔ حالانکہ عبارت مذکورہ کا صاف و سادہ مطلب یہ ہے کہ "جو خود بخود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے" اور یہ تعریف بھی نور کی لفظی تعریف ہے، جو صرف شرح اسم کا کام دیتی ہے، نہ حقیقی۔ کیونکہ حقیقی تعریف تو وہی ہوتی ہے۔ جو جامع جمیع افراد و مانع از دخول غیر ہو حالانکہ یہی تعریف "نار" (آگ) پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتی ہے۔" افسوس کا مقام ہے کہ آج کل وہ لوگ بھی نور و بشر کی بحثیں کرتے نظر آتے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ نور کی تعریف کیا ہے، اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ نور و نار میں فرق کیا ہے، اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ نور جوہر ہے یا عرض، حقیقت یہ ہے کہ "نور" ان بعض عام معنی اشیاء میں سے ایک ہے جن کی ماہیت و حقیقت کے چہرے سے آج تک کوئی نقاب کشائی نہیں کر سکا اور نہ ہی آئندہ امید کی جا سکتی

ہے کہ اس لاینحل معمہ کو کوئی حل کر سکے گا۔ رسالہ شرح آیت نور کے مصنف نے بالکل درست کہا ہے کہ " حقیقت نور مستور است نہ تا حال کسے او را فہمیدہ و نخواہد فہمید " (نقل بالمعنی) ع

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

آیات و روایات نور متشابہ ہیں

متشابہ کا مطلب ہے " اشتبہ مراد المتکلم " وہ کلام جس سے متکلم کا مقصد سامع پر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشتبہ ہو جائے

کوئی اس کا اقرار کرے یا نہ کرے مگر یہ حقیقت بہر حال مسلّمہ ہے کہ آیات اور بالخصوص روایات نور متشابہ ہیں۔ ان کے الفاظ و تعبیرات اس قدر مختلف اور انداز بیان اس قدر متفاوت ہے کہ ان سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ بوجہ خوف طوالت ان امور کی تفصیلات نظر انداز کی جاتی ہیں ورنہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے ہم ان کو یہاں پیش کرتے۔ یہی وہ مقام ہے کہ بڑے بڑے علماء اعلام و محققین عظام سپر انداز نظر آتے ہیں۔

(۱) چنانچہ محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائریؒ انوار نعمانیہ میں (ص ۱۵ پر) نوری خلقت کی مختلف احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں " واما حقیقۃ ھذہ الانوار فلا نحققھا ولکن المفہوم " یعنی جہاں تک ان انوار کی حقیقت کا تعلق ہے ہم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں جو کچھ ان اخبار و آثار سے ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے (پھر اپنے فہم کے مطابق بالاجمال ایک مطلب بیان کیا ہے فراجع)

(۲) اسی طرح عالم نحریر و محدث خبیر جناب علامہ مجلسیؒ اصلاب آباء و ارحام امہات میں محمد و آل محمد علیہم السلام کے نور کے نقل و انتقال کی مختلف التعبیر روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں " والاخبار فی ذلک مستفیضۃ اوردت اکثرھا فی الکتاب الکبیر لکن فہمہا صعب علی العقول والاولی الایمان بہا مجملاً ورد علمہا الیہم علیہم السلام (مرآۃ العقول ج ۲ ص ۲۲۳) یعنی اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ وارد ہوئے ہیں میں نے ایسی اکثر اخبار کو کتاب کبیر (بحار الانوار) میں درج کیا ہے۔ لیکن ان کے مطلب کا سمجھنا عقلوں کے لئے دشوار ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور ان کے حقیقی مقصد کو خود انہی بزرگواروں کی طرف لوٹایا جائے "

(۳) سید العلماء مولانا سید حسین صاحب لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ۱ ص ۳ سے لے کر ص ۱۳ تک ائمہ اہل بیت کی خلقت نوری والی بعض وہ روایات جن میں اشباح، اظلہ، ابدان، ارواح اور انوار وغیرہ الفاظ مذکور ہیں ان کی بعض توجیہات کرنے کے بعد بالآخر لکھتے ہیں " و درک کنہ حقیقت ایں اشباح و ارواح از طاقت بشری بیرون است وکلما قیل فیہا او یقال فہو علی سبیل الاحتمال وعلم ذلک موکول الی اللہ المتعال " (ص ۱۳)

" یعنی ان اشباح و ارواح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا سمجھنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا رہا ہے اور کہا جائے گا۔ یہ سب بنا بر احتمال ہے ان کا حقیقی علم خدا ہی کے سپرد کیا جاتا ہے "

(۴) علامہ ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کے صفہ ۳ پر بعض احادیث نور درج کرنے اور بقدر وسع و طاقت ان کی تشریح کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں "ولکن فہم حقیقۃ ھذہ ممالا تصل الیہ عقولنا فلا تغفل"[۱] ان علماء اعلام کی شہادتوں کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ آیات و روایات نور متشابہ ہیں لہٰذا محکمات کو چھوڑ کر متشابہات پر دیوار اعتقاد استوار نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ان پر اجمالاً ایمان رکھنا لازم ہے واللہ العالم۔

مومن کی نورانی خلقت کا بیان

بہرحال جو لوگ ان روایات نور کے پیش نظر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو مجسم نور سمجھتے ہیں [illegible] اس نظریہ پر نظر ثانی کرنے کی دعوت دینے کے لئے ان کی خدمت میں دو جواب پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلا الزامی اور دوسرا حقی۔

الزامی جواب

اس جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اگر ان روایات کی وجہ سے ان ذوات مقدسہ کو انسان کامل ہونے کی بجائے نور مجسم قرار دینا صحیح ہے تو پھر اہل ایمان بھی انسان نہیں بلکہ ان کو بھی نور مجسم تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کی نوری خلقت کے متعلق بھی ایسی بکثرت روایات معتبرہ کتب حدیث میں موجود ہے ذیل میں ان کا ایک شمہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بعض مخصوص اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "انتم نور اللہ فی ارضہ" تم زمین میں خدا کے نور ہو۔ (تنقیح المقال فی احوال الرجال مامقانی جلد ۱ ص ۲۰۴، و کذا فی رجال کشی ص ۲۰۲)

(۲) سلیمان جعفری بیان کرتے ہیں کنت عند ابی الحسن علیہ السلام قال یا سلیمان اتق فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ فسکت حتی اصبت خلوۃ فقلت جعلت فداک سمعتک تقول اتق فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ قال نعم یا سلیمان ان اللہ خلق المومنین من نورہ وصبغہم فی رحمتہ واخذ میثاقہم لنا بالولایۃ والمومن اخو المومن لابیہ وامہ ابوہ النور وامہ الرحمۃ وانما ینظر بذلک النور الذی خلق منہ" میں جناب امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا۔ اے سلیمان! مومن کی فراست سے بچو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے! میں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ جب خلوت ہوئی تو میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے (یعنی اس کا مطلب کیا ہے؟) امام نے فرمایا۔ ہاں اے سلیمان! خداوند عالم نے مومنین کو اپنے خاص نور سے پیدا کیا ہے۔ پھر انہیں اپنی رحمت کے رنگ میں رنگا ہے اور ان سے ہماری ولایت کا عہد و پیمان لیا ہے۔ مومن مومن کا پدری و مادری بھائی ہے (یعنی) ان کا باپ نور اور ماں رحمت ہے۔ مومن اسی نور سے دیکھتا ہے۔ جس سے اس کی خلقت ہوئی ہے (بصائر الدرجات باب ۱۷ جزو ۲ صفحہ ۸) اسی باب اور اسی صفحہ پر اسی مضمون کی

---

[۱] یعنی یہ خیال رہے کہ ان احادیث کی اصل حقیقت تک ہماری عقلوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

دو اور روایات معتبرہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں فراجع (کذا فی التفسیر الصافی ص۲۲۵ و شرح الزیارۃ للاحسائی ص۳۳)

(۳) امالی شیخ مفید علیہ الرحمۃ ص... طبع نجف میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا ان اللّٰہ خلق المؤمن من نورہ خداوند عالم نے مومن کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔

(۴) امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے فرمایا ان اللّٰہ خلق المؤمنین من نورہ الخ خداوند عالم نے اہل ایمان کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے (مجمع البحرین ص...)

(۵) جناب امام جعفر صادقؑ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں "واللّٰہ شیعتنا من نور اللّٰہ خلقوا والیہ یعودون الخ (مرآۃ العقول ج۱ ص۴۵)" خدا کی قسم ہمارے شیعہ خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

(۶) معجم بحار ص۲۵۶ ایک روایت کے مطابق جو امام محمد باقرؑ سے مروی ہے شیعہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لانھم خلقوا من شعاع نورنا کہ وہ ہمارے نور کی شعاع سے پیدا ہوئے ہیں (کذا فی حقائق العقائد ص۱۴۹)

(۷) تفسیر صافی ص۶۳ پر ذیل آیت یخرجھم من الظلمات الی النور حدیث صادقؑ سے تو مومن کا مجسم نور ہونا ظاہر ہوتا ہے المؤمن یتقلب فی خمسۃ من النور مدخلہ نور ومخرجہ نور وعلمہ نور وکلامہ نور ومنظرہ یوم القیامۃ الی النور (وکذا فی الخصال ص۳۰۸ ج۱) ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ خلقت انوار والی آیات و روایات کی بنا پر ائمہ اطہارؑ کو نور مجسم تسلیم نہیں کیا جا سکتا ورنہ پھر عام اہل ایمان کو بھی انسانوں کے زمرہ سے نکال کر مجسم نور تسلیم کرنا پڑے گا۔ ولا یقول بہ احد فما جوابکم؟ چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما۔

فریب کاری

بعض حضرات نے دیگر مقامات کی طرح اس مقام پر بھی ایک عجیب فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے قریباً ہر اس عالم کا نام اپنی تائید میں درج کر دیا ہے جس نے اپنی کتاب میں ائمہ اطہارؑ کی خلقت نوری والی احادیث میں سے کوئی حدیث درج کر دی ہے یا ان کی اس نورانی خلقت کا تذکرہ کر دیا ہے اگر یہ طرز استدلال درست ہے تو پھر مؤیدین کی فہرست میں ہمارے نام کا بھی اضافہ کر دیا جائے کیونکہ ایسی احادیث تو ہم نے بھی احسن الفوائد، اثبات الامامت اور اصول الشریعہ میں درج کی ہیں۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟ اور اسی کو استدلال کہتے ہیں؟ یا یہ کھلی ہوئی ابلہ فریبی یا خود فریبی ہے؟

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

حل جواب آیات و روایات نور کے صحیح مفہوم

اس دوسرے حل جواب کا لب لباب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اخبار و آثار ائمہ اطہارؑ کے بحر ذخار اور علمائے ابرار

کے کلام حقیقت آثار میں مستاوری وغوطہ زنی کرنے یا اس گلشن سدا بہار کی سیر کرنے سے بتائید ایزد جبار گوہر ہائے شہوار اور گلہائے خوشبو دار ہم نے حاصل کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے کہ ان آیات و روایات کے چار صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔

پہلا صحیح مطلب!! یہ ہے کہ آیات و روایات میں وارد شدہ لفظ "نور" سے ان حضرات کے بدن و جسم مبارک مراد نہیں ہیں، بلکہ ان کے ارواح مقدسہ مراد ہیں جو کہ نورانی ہیں اور چونکہ ان کے اجسام مقدسہ ان کے ارواح مطہرہ کے حامل ہیں اس مناسبت سے خود ان حضرات کو من باب المجاز "نور" کہہ دیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان کردہ مفہوم کی تائید متعدد احادیث معصومین علیہم السلام اور کلام علمائے اعلام سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی مع شرح مرآۃ العقول ج ا ص ۳۹۲ پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا قال اللہ تعالیٰ یا محمدؐ! انی خلقتک وعلیاً نوراً یعنی روحاً بلا بدن قبل ان اخلق سماواتی وارضی وعرشی وبحری فلم تزل تھللنی وتمجدنی ثم جمعت روحیکما فجعلتھما واحدۃ الخ خدا وند عالم ارشاد فرماتا ہے یا محمدؐ! میں نے تجھے اور علیؑ کو نور یعنی روح بلا بدن پیدا کیا۔ قبل اس کے کہ میں آسمانوں، زمینوں، عرش اور سمندر کو پیدا کرتا۔ پس تم برابر میری تہلیل و تمجید کرتے رہے پھر میں نے تم دونوں کی روحوں کو جمع کرکے ایک بنا دیا الخ۔ حضرت صادق آل محمدؐ کی حدیث ان اللہ خلقنا من نور عظمتہ الخ (اصول کافی) خدا نے ہمیں اپنے نورِ عظمت سے پیدا فرمایا۔ کی شرح میں علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں خلقنا ای ارواحنا والضمیر لمحمد والاوصیاء صلوات اللہ علیھم من نور عظمتہ ای من نور یدل علی کمال عظمتہ وقدرتہ الخ (مرآۃ ج ا ص ۳۹۲) یعنی خدا نے ہماری روحوں کو پیدا فرمایا ضمیر جمع متکلم سے مراد جناب رسولِ خدا اور ان کے حقیقی اوصیاء یعنی ائمہ ہدیٰ ہیں۔ اپنے نور عظمت سے یعنی اس نور سے جو اس (خدا) کی کمال عظمت و قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ فلاسفہ نے جو خصوصیت عقل اول کے لئے تجویز کی ہیں جناب علامہ مجلسیؒ ان کو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر منطبق کرتے ہوئے فرماتے ہیں "فافہم واثبتوا القدم للعقل وقد ثبت التقدم فی الخلق لارواحھم" یعنی فلاسفہ نے (اپنے مزعومہ) عقل اول کے لئے قدیم ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ تقدم خلقی آل محمد علیہم السلام کی روحوں کے لئے ثابت ہے۔ (مرآۃ العقول ج ا ص ۳) جو اذان اول ما خلق نوری وغیرہ احادیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ ابو الحسن الشریف لکھتے ہیں "ان اول من خلقہ انوار ارواح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والائمۃ علیہم السلام وارواح شیعتھم وان بعد ذلک خلق سائر الخلق سعیداً وشقیاً (مرآۃ الانوار ص ۹) "یعنی سب سے پہلے خلاقِ عالم نے جناب رسول خدا اور ائمہ اطہارؑ کے ارواح قدسیہ کے نور اور ان کے شیعوں کے ارواح پیدا کئے۔ اس کے بعد دوسری مخلوق کو خواہ سعید تھی یا شقی پیدا کیا۔" اس محدث خبیر کی فرمائش سے بھی واضح ہوتا ہے

کہ خلقتِ نوری سے مراد خلقت روحانی ہے۔ صرف تعبیر کا اختلاف ہے کہیں لکھا ہے پہلے نورِ نبی و آلِ نبی پیدا کیا گیا اور کہیں ہے پہلے نبیؐ و آلِ نبیؐ کی ارواح کو پیدا کیا ہے اور کہیں یہ بیان ہوا ہے کہ نبیؐ و آلِ نبیؐ کے ارواح کے انوار کو پیدا کیا ہے

عباراتنا شتی وحسنک واحد　　　　وکل الی ذاک الجمیل یشیر

ہمارے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید حضرت امام رضا علیہ السلام کی اس طویل حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جو عیون اخبار الرضاؑ ص ۲۴۲ طبع جدید ص ۱۳۱ طبع قدیم پر موجود ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں لان اول ما خلق اللہ عزوجل ارواحنا فانطقنا بتوحیدہ و تمجیدہ ثم خلق الملائکۃ یعنی ہم تسبیح و تہلیل پروردگار میں اس لئے سب لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں کہ خدا نے سب سے پہلے ہماری روحوں کو پیدا فرمایا پھر انہیں اپنی توحید و تمجید کے ساتھ گویا کیا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا جب انہوں نے ہماری روحوں کو ایک نور دیکھا تو ہمارے معاملہ کو بہت عظیم سمجھا اس وقت ہم نے خدا کی تسبیح کی تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم خدا کی مخلوق ہیں۔ اور وہ ہماری (مخلوق والی) صفات سے منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح بحار الانوار ج ۶ ص ۱۸۳ پر جناب رسولِ خداؐ سے ایک طولانی حدیث مروی ہے جس میں آنحضرتؐ جناب امیر علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یا علیؑ ان اللہ تبارک و تعالیٰ کان ولا شیئ معہ فخلقنی وخلقک روحین من نور جلالہ فکنا امام عرش رب العالمین نسبح اللہ ونقدسہ ونحمدہ ونہللہ الخ یا علیؑ خداوند عالم موجود تھا اور اس کے ہمراہ اور کوئی چیز نہ تھی پس اس نے مجھے اور تجھے اپنے مخصوص نورِ جلال سے دو روحوں کی صورت میں پیدا کیا۔ پس ہم اس کے عرش کے روبرو اس کی تسبیح و تقدیس اور تحمید و تہلیل کرتے تھے (کذا فی مرآۃ الانوار ص ۲۶ نقلاً عن کتاب المعراج للصدوقؒ) اسی کتاب کے ص ۲۴ پر کتاب منہج التحقیق بروایت جناب جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ان اللہ خلق اربعۃ عشر نوراً من نور عظمتہ قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام فہی ارواحنا الخ خداوند عالم نے حضرت آدم کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل چودہ انوار کو اپنے خاص نورِ عظمت سے پیدا کیا اور یہ انوار ہمارے ارواح ہیں۔ ایسی حدیث ص ۲۵ پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے بحوالہ کتاب اکمال الدین شیخ صدوقؒ منقول ہے۔ ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ نورانی خلقت سے مراد روحانی خلقت ہے اور اسی عالم اجسام و ابدان میں بھی ہمارا نور کہہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ خواص بحار اخبار ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ۱ ص ۲۱۲ پر آیہ مبارکہ واتبعوا النور الذی انزلنا میں نور کی مختلف توجیہات کرنے کے بعد بطور خلاصہ لکھتے ہیں: وعلی ما ذکرنا التقادیر فقولہ انزلناہ ای انزلناہ وہو منزل علیہ حقیقۃ علماً کان ذلک بما اور روحاً والائمۃ علیہم السلام ہم حملتہ وحفظتہ وخزنتہ واطلاق النور علیہم کاطلاق کتاب اللہ وکما سبق قول امیر المومنینؑ انا کتاب اللہ الناطق لکونہ حامل الکتاب وحافظہ ولکونہم مستکملاً بہ وموصوفاً بہ ومتحداً معہ فکانہ ہو یعنی ان تمام صورتوں میں ارشادِ ایزدی انزلنا کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نور فی الحقیقت آنحضرتؐ پر نازل ہوا ہے خواہ اس سے مراد علم ہو۔ خواہ کتاب یا روح۔ اور چونکہ حضرات ائمہ طاہرینؑ

٥ ثم خلق الملائکۃ فلما شاہدوا ارواحنا نوراً واحداً استعظمت امرنا فسبحنا لتعلم الملائکۃ انا خلق مخلوقون وانہ منزہ عن صفاتنا الخ

بھی اسی نورانی روح کے حامل ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو

اس علم و کتاب یا روح کے حامل، حافظ اور صاحب ہیں۔ اس لئے ان پر اسی طرح نور کا اطلاق کیا گیا ہے جس طرح حضرت امیر علیہ السلام کے ارشاد میں ان پر کتاب اللہ و کلام اللہ کا اطلاق ہوا۔ انا کتاب اللہ الناطق کہ میں خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہوں کیونکہ آنجناب حافظ و حامل کتاب ہیں۔ الغرض ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ دو جہتیں رکھتے ہیں۔ وہ بشر نورانی ہوتے ہیں۔ یعنی روح کے اعتبار سے نور اور جسم کے لحاظ سے بشر۔ نہ ان کے جنبۂ نورانی کا انکار ممکن ہے اور نہ ہی جنبۂ بشری کا۔ جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے باقی رہا یہ امر کہ اگر اس خلقت نوری سے خلقت روحی مراد لی جائے۔ تو اصلاب آباؤ ارحام امہات میں اس روح کا نقل و انتقال کیونکر اور کس طرح ہوگا۔ اس امر کی حقیقت تک رسائی عقول وافہام کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ جیسے محدث خبیر نے اعتراف کیا ہے کہ "مکن فہمہا صعب على العقول" یعنی ان احادیث کا سمجھنا عقلوں کے لئے سخت مشکل ہے۔ اس لئے الاولی الایمان بہا مجملاً ورد علمہا الیہم علیہم السلام بہتر یہ ہے کہ ان امور پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور تفصیلی علم خود انہی حضرات کے سپرد کیا جائے (مرآۃ ج ۱ ص ۳۶۳)

دوسرا صحیح مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگوار حقیقی ہادی و راہنما ہیں۔ جس طرح ظاہری و حسی نور سے ظاہری ظلمت و تاریکی دور و کافور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان بزرگواروں کی بدولت کفر و شرک اور گناہ و عصیان کی ظلمتوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اسلام و ایمان کو نور کہا گیا ہے۔ ویخرجہم من الظلمات الی النور باذنہ کی تفسیر میں لکھا ہے "معناہ من الکفر الی الایمان لان الکفر یتحیر فیہ صاحبہ کما یتحیر فی الظلام ویہتدی بالایمان الی النجاۃ کما یہتدی بالنور" یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرتا ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ آدمی کفر میں اسی طرح حیران و سرگردان ہوتا ہے جس طرح تاریکی میں اور ایمان کے ذریعہ سے راہ نجات کی طرف اسی طرح ہدایت حاصل کرتا ہے جس طرح نور سے راہ پاتا ہے۔ ہمارے بعض مفسرین نے سابقہ آیات نور سے قرآن مجید مراد لیا ہے جیسا کہ تفسیر تبیان ج ۳ ص ۲۰۳ پر آیت "وانزلنا الیکم نورا مبینا" میں نور سے قرآن مراد لیا گیا ہے۔ ان حضرات نے قرآن کو نور کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے "وانما سماہ نوراً لما فیہ من الدلالۃ علی ما امر اللہ بہ ونہی عنہ والاہتداء بہ تشبیہا بالنور الذی یہتدی بہ فی الظلمات" یعنی خدا نے قرآن کو اس لئے نور کہا ہے کہ اس کے ذریعہ سے خدا کے امر و نہی پر راہنمائی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ ہدایت حاصل ہوتی ہے جس طرح نور کے ذریعہ تاریکی میں راہ حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام زین العابدین صحیفہ کاملہ کی دعائے ختم قرآن میں فرماتے ہیں "وجعلتہ نوراً نہتدی من ظلم الضلالۃ" (دعا ۴۲) بار الہا! تو نے قرآن کو نور بنایا ہے جس سے ہم ضلالت کی تاریکیوں میں راہ پاتے ہیں۔ اس فقرہ کی شرح میں فاضل جلیل سید علی خان تحریر فرماتے ہیں "جعلہ نوراً لکشفہ ظلمات الشرک والشک والابانۃ عما خفی علی الناس من الحق وفرقہ بین الحق والباطل والایصالہ الی المطلوب من الحق کما

"ان النور يكشف الظلمات الحسية ويبين ما خفي بسببها ويفصل به بين الاشياء ويدرك المطلوب"
یعنی امام علیہ السلام نے قرآن مجید کو اس لئے نور قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے شرک و شک کی تاریکیاں اس طرح دور ہو جاتی
اور اس کی وجہ سے حق و باطل میں اسی طرح امتیاز ہو جاتا ہے اور آدمی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے جس طرح حسی و ظاہری نور
سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں مخفی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور گوہر مقصود دستیاب ہو جاتا ہے۔ (ریاض السالکین صفحہ ۱۸۲)
قرآن کی طرح توریت کو بھی نور کہا گیا ہے "انا انزلنا التوراة فیها هدی ونور یحکم بها النبیون" (پ ۶ س مائدہ ع ۱)
اور انجیل کو بھی نور کہا گیا ہے "وآتیناه الانجیل فیه هدی ونور" (پ ۶ س مائدہ ع ۱) ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی جس میں
ہدایت و نور ہے۔ یہ دوسرا صحیح مطلب جو ہم نے بیان کیا ہے یہ ہمارا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے محققین نے یہی مطلب بیان
کیا ہے چنانچہ شیخ مفسر قرآن علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص ۱۷۰ طبع ایران میں ذیل آیت "قد جاءکم من الله نور" الآیۃ کی
تفسیر میں "نور" سے یعنی بالنور محمد آنحضرتؐ کو مراد لینے کے بعد آنجنابؐ کو نور کہنے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں "لانه يهتدى
به الخلق كما يهتدى بالنور" یعنی آنحضرتؐ سے خلق خدا اسی طرح ہدایت و راہنمائی حاصل کرتی ہے جس طرح حسی نور سے
راہنمائی حاصل کرتی ہے۔ (کذا فی التبیان ج ۳ ص ۴۸۳) فاضل طریحی مجمع البحرین ص ۲۷۳ طبع ایران میں لکھتے ہیں "سمی النبی نوراً
للدلالات الواضحة التي لاحت منه للبصائر" یعنی آنحضرتؐ کو ہدایت کی ان واضح دلالتوں کی وجہ سے جو آپ سے
روحانی بصیرتوں کے لئے ظاہر ہوئی ہیں "نور" کہا گیا ہے۔ اسی طرح عالم جلیل مولانا ابوالحسن شریف اپنے مقدمۂ تفسیر
مرآۃ الانوار ص ۳۱۳ پر ذیل "مادۂ نور" اس کے معانی و موارد استعمال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فمن ذلک ورد تأویله
بالامام الحق من آل محمد وبالائمة عليهم السلام وبخصوص علي عليه السلام اذهم بولايتهم
وعلومهم تنور العالم وتنور قلوب المؤمنين وتنور الدنيا والدين ومن ذلك ما ورد من تأويله بالامام
الحق من آل محمد وبالائمة والامامة" یعنی "نور" کی تاویل برحق ائمہ اہلبیتؑ اور بالخصوص جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ
بھی کی گئی ہے کیونکہ ان کی ولایت و امامت اور ان کے علوم و معارف کے سبب سے پورا عالم اور بالخصوص مومنین کے
دل نیز تمام دنیا و دین روشن و درخشندہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کی تاویل ہادی اور ہدایت کے ساتھ کی گئی ہے کیونکہ
ہدایت بھی ولایت و امامت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۷۵ میں آیات و روایات
کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمہ اہلبیتؑ کو نور کہا گیا ہے فرماتے ہیں۔ "قول المورد لاصل ما يصير سبباً لظهور شئ
فسمي الوجود نوراً لانه يصير سبباً لظهور الاشياء في الخارج والعلم نوراً لانه سبب لظهور الاشياء
عند النفس وكل كمال نوراً لانه يصير سبباً لظهور صاحبه وامتيازه عن غيره وكوكب نور لكونه سبباً
لظهور الاجسام وصفاتها للحس وبهذه الوجوه يطلق على الرب تعالى النور ونور الانوار لانه منبع
كل وجود وعلم وكمال ما علاقته على الانبياء والائمة عليهم السلام لانهم اسباب لهداية الخلق

وعلمهم وكمالهم بل وجودهم لانهم العلل الغائية لوجود جميع الاشياء» یعنی میں کہتا ہوں کہ چونکہ در اصل نور اُسے کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے ظہور کا سبب ہو۔ اسی لئے وجود کو نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح علم کو اس لئے نور کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کے نزدیک چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے نیز ہر کمال کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے۔ کہ وہ صاحب کمال کے ظہور و شہرت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے انوار کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ اجسام اور ان کے صفات حواس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور نبی و امام کی ذوات مقدسہ کو بھی نور بلکہ نور الانوار کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر وجود، ہر علم اور ہر کمال کا منبع و مرکز ہے۔ پس نور کا اطلاق انبیاء و ائمہ پر اس لئے کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مخلوق خدا کی ہدایت اور ان کے علم و فضل و کمال کا سبب و ذریعہ ہیں۔ بلکہ ان کے وجود میں آنے کا سبب بھی یہی بزرگوار ہیں کیونکہ یہی حضرات تمام کائنات کے وجود میں آنے کی علت غائی ہیں" [illegible]

تیسرا صحیح مطلب یہ ہے جس کی طرف سرکار علامہ مجلسی نے اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ یہ علت غائی ممکنات ہیں اس لئے ان کو نور کہا گیا ہے۔ یہاں دو چیزیں قابل غور طلب ہیں۔ ایک ان ذوات مقدسہ کا علت غائی کائنات ہونا۔ اور دوسرا جو علت غائی ہو اسے نور کہنا۔ جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے ہم اُسے **احسن الفوائد** میں دلائل قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس کتاب کے تیسرے باب میں بھی اس پر تبصرہ کریں گے کہ یہی ذوات قادسہ علت غائی ممکنات ہیں اگر خداوند عالم ان کو پیدا نہ کرتا تو آدم ہوتے نہ حوا، نہ جنت نہ جہنم، نہ زمین اور نہ آسمان غرضیکہ کائنات کی کوئی چیز کتم عدم سے نکل کر عرصہ ہستی میں قدم نہ رکھتی۔ ان الله خلق الخلق [illegible] رہا دوسرا امر کہ جو باعث تخلیق کائنات و علت غائی ممکنات ہو اُسے نور کہا جا سکتا ہے یہ ظاہر ہے کیونکہ نور کی واقعی حقیقی تعریف تو معلوم نہیں لیکن اس کی تعریف لفظی یہ ہے "الظاهر بنفسه والمظهر لغيره" جو خود روشن ہو اور دوسروں کو روشن کرے تو جو دوسرے کے وجود میں آنے کا سبب ہوگا وہ اُسے روشن کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔ اس بنا پر [illegible] ان حضرات کو نور کہا گیا ہے۔ صاحب حقائق الوسائط نے بھی ان کو نور کہنے کی وجہ یہی قرار دی ہے کہ "محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے بعد تمام خلائق کے لئے نور ہیں کیونکہ ان کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ثابت ہے اور وہ دیگر خلائق کے وجود کا سبب ہیں" (ص [illegible]) بعد ازاں سرکار مجلسی کا سابقہ کلام اپنی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ اب سوائے اس کے فرق کیا رہ گیا کہ وہ اسے حقیقی نور کہتے ہیں اور ہم مجازی؟* جس اعتبار سے ہم ان حضرات کو نور کہہ رہے ہیں۔ سب نور مجسم کی گردان کرنے والے بھی اسی سطح پر آ رہے ہیں۔ [illegible] فلان الحق يعلو ولا يعلى عليه

چوتھا صحیح مطلب چونکہ نور اشیاء کے ظہور کا سبب ہوتا ہے اس بنا پر بطور مجاز و استعارہ علم کو نور کہا جاتا ہے چونکہ یہ ذوات مقدسہ علم خدا کے خزینہ دار ہیں اس لئے ان کو بھی نور کہا جاتا ہے یعنی فاضل جلیل ملا خلیل قزوینی نے کتاب الصافی شرح اصول کافی کتاب الحجہ ج ۲ [illegible] طبع لکھنؤ میں [illegible]

---

* اسی کا نام نزاع لفظی ہے نہ کہ در حقیقت

تعبیر مانند نور اللہ تعالیٰ شدہ باعتبار اینکہ چوں علم الٰہی کرامی شدہ برسل نزد ایشان است و نور عبارت از علم است" یعنی قرآن مجید میں ائمہ کو نور اللہ کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے جو علوم بذریعہ وحی انبیاء و رسل پر نازل کئے وہ سب ان بزرگواروں کے پاس ہیں اور نور سے مراد ہے علم" پھر صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے "ازینجا ظاہر می شود کہ اطلاق نور بر امام و امامت و بر قرآن و مانند اینہا بیک معنی واحد می شود و بجہ استعارہ نور برائے علم شدہ و ہر کدام اینہا جائے علم است" یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام، امامت اور قرآن وغیرہ پر نور کا اطلاق ایک ہی معنی کے اعتبار سے ہے ــــــ ــــــ ــــــ کیونکہ نور علم سے استعارہ ہے اور یہ تمام اشیاء علم کا ظرف ہیں لہٰذا اس لئے ان کو نور کہا گیا ہے۔ الغرض علماء اعلام کا اپنے اپنے مذاق اور اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق آیات نور کی تاویلیں اور اطلاق نور کی وجوہ بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ آیات و روایات اپنے ظاہری معنوں پر محمول نہیں ہو سکتیں کیونکہ اگر یہ ذوات حقیقی و ظاہری نور یعنی مجسم نور ہوتے تو پھر ان کو نور کہنے کی وجوہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ فلاں وجہ سے نور کہا گیا ہے تبادر معنی از لفظ اس وقت علامت حقیقت ہوتا ہے جبکہ اس کے برخلاف کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو۔ ہم چونکہ سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث معصومین اور عقل سلیم کی روشنی میں ناقابل انکار دلائل و براہین سے انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کا حقیقی معنوں میں بشر و انسان ہونا محقق و مبرہن کر چکے ہیں۔ اس لئے اب آیات و روایات نور کا مذکورہ بیان کردہ مطالب و معانی چہارگانہ میں سے کسی ایک مطلب و معنی پر محمول کرنا ناگزیر ہے [illegible]۔ یا ایها الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها وما انا علیکم بوکیل۔

تیسرا باب

تفویض کے معانی واقسام اور تفویض ممنوع کے ابطال کا بیان

تفویض غلو کی ہی ایک قسم ہے

جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے تفویض کا عقیدہ بھی اور بعض دیگر من گھڑت عقاید کی طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں غلو اور غلو کرنے کی پیداوار ہے یہی وجہ ہے کہ علمائے اعلام نے عقیدۂ تفویض کو غلو اور مفوضہ کو غالیوں کی ہی ایک قسم شمار کیا ہے چنانچہ ہم اس سلسلہ میں مفید الطائفہ استاذ الفقہاء حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ کا کلام حق ترجمان ان کے رسالہ شرح عقائد صدوق ص ۲۳ سے مقدمہ میں پیش کر چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے جس میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ "المفوضۃ صنف من الغلاۃ" کہ فرقہ مفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہے۔ یہاں اب صرف ایک اور عالم جلیل کا بیان پیش کیا جاتا ہے اور وہ ہیں شیخ اجل شیخ فضل اللہ زنجانی جو کتاب اوائل المقالات شیخ مفید علیہ الرحمہ کے حاشیہ پر "مفوضہ"* کا یوں تعارف کراتے ہیں: وهم فرقة من الغلاة الذين غلوا في حق بعض المخلوقين واجروا في حقهم احكام الالهية تعالى عن ذلك وقول هذه الفرقة الذي تميز به غيرهم انهم قالوا ان الائمة عليهم السلام انهم عبيد مخلوقون وان ذواتهم حادثة ونفوا صفات القدم عنهم وقالوا ان الله تعالى تفرد بخلقهم خاصة ثم فوض اليهم خلق العالم بما فيه وجعل اليهم امر الخلق والرزق وجميع الافعال او تدبير الكون۔ یعنی ... کی طرف منسوب کرکے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے صرف انہی بزرگواروں کو پیدا کیا ہے اس کے بعد تمام عالم کی خلقت کو ان کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا اب خلق کرنا، رزق دینا اور کائنات کی ہر شے کی تدبیر کرنا انہی کے متعلق ہے۔

انواع واقسام تفویض

جو تفویض کی کئی قسمیں ہیں جیسے (۱) تفویض فی الامور التکوینیہ (۲) تفویض فی التربیت والتعلیم (۳) تفویض فی المنع والعطاء (۴) تفویض فی الامور التشریعیہ وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے بعض قسمیں صحیح ہیں اور بعض غلط۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس موضوع پر تبصرہ کرنے سے پہلے ان تمام اقسام کو بیان کر دیا جائے تاکہ بعد ازاں خلط مبحث نہ ہو سکے اور احقاق حق و ابطال باطل میں بھی سہولت ہو جائے۔ نیز مناسب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے غواص بحار اخبار ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسی کی تحقیق انیق کو بلا کم و کاست نقل کرکے اس کا مطلب خیز ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ سرکار موصوف قدس سرہ کی علمی شخصیت اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ کوئی بھی شیعہ کہلانے والا آپ کی فرمائش کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا۔

* "مفوضہ" غالیوں کی ہی ایک قسم ہے جو بعض مخلوق کے حق میں غلو کرکے ان کے حق میں خدائی احکام کے قائل ہوتے ہیں ہاں ان مفوضہ اور دوسرے غالیوں میں صرف یہ فرق ہے کہ وہ ائمہ کو حادث اور مخلوق تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے صرف انہی ذوات مقدسہ

تفویض کے اقسام سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام حق ترجمان کی روشنی میں

سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ مرآۃ العقول فی شرح الاصول من الکافی ج۱،

ص۱۹۲ اور بحار الانوار، جلد ۲۵ ص۳۴۷ طبع تبریز پر اس مسئلہ میں قطعہ رائے رقم مرآۃ العقول سے نقل کر رہے ہیں:

"اعلم ان التفویض یطلق علی معان بعضها منفی عنهم علیهم السلام و بعضها مثبت لهم" جاننا چاہیے کہ تفویض کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے بعض معنوں کے اعتبار سے آنحضرات سے یہ منفی ہے اور بعض کے لحاظ سے ثابت۔

فالاول التفویض فی الخلق والرزق والتربیة والاماتة والاحیاء فان قوماً قالوا ان الله خلقهم وفوض الیهم امر الخلق فهم یخلقون ویرزقون ویحیون ویمیتون وهذا یحتمل وجهین احدهما ان یقال انهم یفعلون جمیع ذلک بقدرتهم وارادتهم وهم الفاعلون لها حقیقة فهذا کفر صریح دلت علی استحالته الادلة العقلیة والنقلیة ولا یستریب عاقل فی کفر من قال به وثانیهما ان الله یفعلها مقارناً لارادتهم کشق القمر واحیاء الموتی وقلب العصا حیة وغیر ذلک من المعجزات فان جمیعها انما تقع بقدرته سبحانه مقارناً لارادتهم لظهور صدقهم فلا یأبی العقل من ان یکون الله تعالی خلقهم واکملهم والهمهم ما یصلح فی نظام العالم ثم خلق کل شیء مقارناً لارادتهم ومشیتهم وهذا وان کان العقل لا یعارضه کفاحاً لکن الاخبار الکثیرة مما اوردنا ها فی کتاب بحار الانوار یمنع من القول به فیما عدا المعجزات ظاهراً بل صریحاً مع ان القول به قول بما لا یعلم اذ لم یرد ذلک فی الاخبار المعتبرة فیما نعلم وما ورد من الاخبار الدالة علی ذلک کخطبة البیان وامثالها فلم توجد الا فی کتب الغلاة واشباههم مع انه یمکن حملها علی ان المراد بها کونهم علة غائیة لایجاد جمیع المکونات وانه تعالی جعلهم مطاعین فی الارضین والسموات ویطیعهم باذن الله تعالی کل شیء حتی الجمادات وانهم اذا شاؤا امراً لا یرد الله مشیتهم لکنهم لا یشاؤن الا ان یشاء الله وما ورد من الاخبار فی نزول الملائکة والروح لکل امر الیهم وانه لا ینزل من السماء ملک لامر الا بدأ بهم فلیس لمدخلیتهم فی تلک الامور ولا للاستشارة بهم فیها بل له الخلق والامر تعالی شانه ولیس ذلک الا لتشریفهم واکرامهم واظهار رفعة مقامهم وقد روی الطبرسی فی کتاب الاحتجاج عن علی بن احمد القمی قال اختلف جماعة من الشیعة فی ان الله عزوجل فوض الی الائمة صلوات الله علیهم ان یخلقوا ویرزقوا فقال قوم هذا محال لا یجوز علی الله لان الاجسام لا یقدر علی خلقها غیر الله عزوجل* اقدر الائمة علی ذلک وفوض الیهم فخلقوا ورزقوا وتنازعوا فی ذلک تنازعاً شدیداً فقال قائل ما بالکم لا ترجعون الی ابی جعفر محمد بن عثمان فتسألوه عن ذلک لیوضح لکم الحق فیه فانه

* وقال اخرون بل الله عزوجل اقدر الائمة الخ

الطریق الی صاحب الامر علیہ السلام فرضیت الجماعۃ بابی جعفر وسلّمت واجابت الی قولہ فکتبوا المسألۃ وانفذوھا الیہ، فخرج الیھم من جھتہ توقیع نسختہ" ان اللہ تعالیٰ ھو الذی خلق الاجسام وقسم الارزاق لانہ لیس بجسم ولا حالّ فی جسم لیس کمثلہ شیئٌ وھو السمیع البصیر فاما الائمۃ علیھم السلام فانھم یسئلون اللہ تعالیٰ فیخلق ویسئلونہ فیرزق ایجاباً لمسئلتھم واعظاماً لحقھم" و

روی الصدوق فی العیون عن الرضا علیہ السلام معنی قول الصادق "لاجبر ولا تفویض بل امر بین امرین قال من زعم ان اللہ تعالیٰ یفعل افعالنا ثم یعذبنا علیھا فقد قال بالجبر ومن زعم ان اللہ عزوجلّ فوّض امر الخلق والرزق الی حججہ علیھم السلام فقد قال بالتفویض والقائل بالجبر کافر والقائل بالتفویض مشرک"

تفویض کی پہلی قسم — پیدا کرنے، رزق دینے، تربیت کرنے اور مارنے وجلانے کے متعلق ہے۔ جیسا کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ خداوند عالم نے ان بزرگواروں کو پیدا کرکے دوسری مخلوق کے معاملات ان کے سپرد کر دیے ہیں۔ لہٰذا اب یہی پیدا کرتے ہیں رزق دیتے اور یہی مارتے وجلاتے ہیں اس نظریہ میں دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ حضرات یہ سب کچھ اپنی قدرت اور اپنے ارادہ سے کرتے ہیں اور یہی ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ یہ کفر صریح ہے۔ اس کے محال وناممکن ہونے پر ادلۂ عقلیہ ونقلیہ قائم ہیں۔ اور کوئی بھی عقل مند انسان ایسا اعتقاد رکھنے والے کے کفر میں شک وشبہ نہیں کر سکتا۔

دوم یہ کہ تمام کام خداوند عالم خود کرتا ہے مگر اس وقت جب ائمہ ارادہ کرتے ہیں جیسے شق القمر کرنے، مردہ زندہ کرنے اور عصا کے سانپ بنانے یا اس قسم کے دوسرے معجزات ہیں کیونکہ یہ سب معجزات خداوند عالم کی ہی قدرت وطاقت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر خدا ظاہر اس وقت کرتا ہے جب ارادہ یہ حضرات کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی صداقت وسچائی ظاہر ہو جائے۔ اس دوسرے احتمال کے متعلق اگرچہ عقل ابتداً انکار نہیں کرتی کہ خلاق عالم نے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو خلق کرکے کامل ومکمل بنا دیا ہو۔ اور جو چیز نظام عالم کے لئے بہتر ہے اس کا ان کو الہام والقا بھی کر دیا ہو اور پھر ہر چیز کو ان کے ارادہ اور ان کی مشیت کے ساتھ ساتھ پیدا فرمایا ہو۔ اگرچہ عقل اس احتمال کی حتمی نفی نہیں کرتی۔ لیکن کثیر التعداد اخبار وآثار جن کو ہم نے بحار الانوار جلد ہفتم وغیرہ میں درج کیا ہے۔ وہ بظاہر بلکہ صریحاً سوائے مقام اعجاز کے دوسرے معاملات وحالات میں یہ اعتقاد رکھنے سے مانع ہیں۔ علاوہ بریں یہ عقیدہ ایسا ہے جس کے صحیح ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ حالانکہ اصول عقائد میں علم ویقین ضروری ہے۔ کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے یہ بات اخبار معتبرہ میں وارد نہیں ہے۔ اور جو اس قسم کے بعض اخبار وآثار وارد ہوتے ہیں جو بظاہر اس بات یعنی ائمہ کے خالق ورازق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے خطبۃ البیان اور اس کے ساتھ ملتے جلتے دوسرے بعض خطبے تو یہ صرف غالیوں یا ان کے ساتھ ملتے جلتے بعض باطل فرقوں کی کتابوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ ہماری کتب معتبرہ میں ان کا کہیں نام ونشان تک نہیں ہے۔ اس لئے ناقابل اعتماد ہیں۔ اور بنا بر تسلیم ان خطبوں کی تاویل ممکن ہے کہ ان سے مراد یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگوار

تمام مخلوقاتِ عالم کے وجود کی علتِ غائی ہیں (اگر یہ نہ ہوتے تو خدا کچھ بھی پیدا نہ کرتا) خدا نے ان کو زمین و آسمان میں ایسا سلطان بنایا ہے کہ اللہ سبحانہ کے حکم سے ہر شے حتیٰ کہ جمادات بھی ان کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ کہ یہ حضرات جب کسی امر کا ارادہ کریں تو خداوند عالم ان کی مشیت و مرضی کو مسترد نہیں کرتا۔ مگر یہ وہی کچھ چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے اور یہ جو اخبار و آثار میں وارد ہے کہ تمام ملائکہ اور روح جو جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے بھی عظیم الشان ہے ہر دور میں ان کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور یہ کہ جو فرشتہ بھی آسمان سے زمین پر اترتا ہے پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے (جس سے غلو پرور حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہ ان کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں) تو یہ آمد و رفت اس لئے نہیں کہ ان حضرات کو ان امور کی انجام دہی میں کچھ دخل ہے اور نہ ہی اس لئے ہے کہ ان امور میں (معاذ اللہ) ان حضرات سے مشورہ لینا مقصود ہے بلکہ خلق و امر تمام امور قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ان کی بارگاہ میں فرشتوں کا حاضر ہونا محض ان حضرات کے اکرام و احترام اور ان کی رفعتِ مقام و عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ جناب طبرسیؒ احتجاج میں علی بن احمد قمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیعوں کی ایک جماعت میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کے معاملات ائمہ علیہم السلام کے سپرد کئے ہیں یا نہ؟ چنانچہ بعض نے کہا کہ ایسا ہونا محال ہے اس لئے خدا ایسا نہیں کرتا کیونکہ جسموں کے پیدا کرنے پر سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اور بعض نے یہ کہا کہ خداوند قدیر نے ائمہ اہلبیتؑ کو اس بات پر قدرت دے دی ہے اور یہ معاملات ان کے سپرد فرما دیئے ہیں لہٰذا اب وہی پیدا کرتے ہیں اور وہی رزق دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ نزاع بہت شدت اختیار کر گیا۔ ان میں سے ایک دانشمند آدمی نے کہا تم اس معاملہ میں جناب ابو جعفر محمد بن عثمانؓ (نائب خصوصی امام العصر علیہ السلام) کی طرف رجوع کر کے ان سے کیوں حقیقتِ حال معلوم نہیں کرتے؟ کیونکہ وہ اس وقت حضرت صاحب الامرؑ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ چنانچہ پوری جماعت نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور صورت سوال لکھ کر جناب ابو جعفرؓ کی خدمت میں پیش کر دی۔ اور انہوں نے وہ خدمت امام میں پیش کیا۔ پس ناحیۂ مقدسہ سے اس کا جو جواب صادر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ) خداوند عالم ہی جسموں کا پیدا کرنے اور رزق تقسیم کرنے والا ہے کیونکہ نہ وہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی جسم میں حلول کرتا ہے کوئی چیز اس کی مثل و نظیر نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے ہاں ائمہ علیہم السلام بارگاہ قدرت میں سوال و سفارش کرتے ہیں اور وہ ان کے سوال کو قبول کرتے ہوئے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہوئے پیدا کر دیتا ہے اور یہ سوال و سفارش کرتے ہیں تو وہ رزق عطا فرما دیتا ہے۔" یہی وسیلہ کا صحیح مفہوم ہے) حضرت شیخ صدوقؒ نے عیون اخبار الرضا[۲] کذا فی الاحتجاج[۳] میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد "لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین" کی تشریح کے سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آں جنابؑ نے فرمایا جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خداوند عالم ہی ہمارے افعال کا فاعل ہے اور پھر اس پر ہمیں عذاب بھی کرتا ہے وہ جبر کا قائل ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ خدا نے پیدا کرنے، رزق دینے کا

معاملہ اپنی مخلوق یا ائمہ کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔"

الثانی التفویض فی امر الدین وهذا ایضاً یحتمل وجهین احدهما ان یکون الله تعالیٰ فوّض الی النبی والائمة صلوات الله علیهم عموماً ان یحلّوا ما شاؤوا ویحرّموا ما شاؤوا من غیر وحی والهام او یغیّروا ما اوحی الیهم بآرائهم وهذا باطل لا یقول به عاقل فان النبیؐ کان ینتظر الوحی ایاماً کثیرة لجواب سائل ولا یجیبه من عنده وقد قال تعالیٰ وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحیٰ وثانیهما انه تعالیٰ لما اکمل نبیه بحیث لم یکن یختار من الامور شیئاً الا ما یوافق الحق والصواب ولا یحل بباله ما یخالف مشیته سبحانه فی کل باب فوّض الیه تعیین بعض الامور کالزیادة فی رکعات الفرائض وتعیین النوافل من الصلوٰة والصیام وطعمة الجدّ وغیر ذلک مما سیأتی بعضها فی هذا الکتاب اظهاراً لشرفه وکرامته عنده ولم یکن اصل التعیین الا بالوحی ولا فساد فی ذلک عقلاً وقد دلت النصوص المستفیضة علیه وظاهر الکلینی واکثر المحدثین القول به والصدوق وان اوهم کلامه نفی ذلک یمکن تاویله بما یرجع الی نفی المعنی الاوّل لانه قد اورد فی کتبه کثیراً من الاخبار الدالة علی المعنی الثانی لا سیما فی کتاب علل الشرائع ولم یردها ولم یتعرض لتأویلها وقال فی الفقیه وقد فوّض الله عزّوجلّ الی نبیه امر دینه ولم یفوض الیه تعدّی حدوده۔

تفویض کی دوسری قسم دینی معاملات کے متعلق ہے۔ اس میں بھی دو احتمال ہیں اوّل یہ کہ خدا نے دین کا معاملہ بالکل ہی بزرگواروں کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا یہ بغیر وحی و الہام کے جس چیز کو چاہیں حلال بتائیں اور جسے چاہیں حرام قرار دیں یا وحی شدہ امور میں اپنی رائے سے جو چاہیں تغیر و تبدل کریں تفویض بایں معنی بھی باطل ہے کوئی بھی عقلمند اس کا قائل نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرتؐ بعض اوقات ایک سائل کے جواب میں کئی کئی دن تک وحی الٰہی کا انتظار کرتے رہتے تھے مگر اپنی طرف سے پھر بھی کچھ نہیں کہتے تھے چنانچہ خداوند عالم ان کے متعلق فرماتا ہے ہمارا رسول اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ اسے وحی ہوتی ہے اس کی ترجمانی کرتا ہے (دوم) یہ کہ خدائے حکیم نے اپنے نبی (آخر الزمانؐ) کو اس طرح خلق فرمایا اور کامل بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ جس بھی امر کو اختیار کرتے تھے وہ حق و صواب ہوتا تھا۔ اور ہر ہر معاملہ میں ان کے قلب مبارک میں وہی بات پیدا ہوتی تھی جو مشیت ایزدی کے عین مطابق ہوتی تھی۔ اس لئے خدا نے اپنے نزدیک ان کے شرف و کرامت کے اظہار کی خاطر بعض امور کی تعیین ان کے سپرد کر دی جیسے نماز فرائض میں (آخری) رکعت کی زیادتی یا مستحبی نماز و روزہ کی تعیین جد کا طعمہ (چھٹا حصہ) اس کے علاوہ اور بعض امور بھی جن کا بیان اسی کتاب میں اپنے مقام پر آئے گا۔ ہاں مگر اصل تعیین و اختیار وحی و الہام کے ماتحت ہی ہوتا تھا۔ پھر آنحضرت صلعم جو شق اختیار فرماتے اس کی تائید و تاکید آسمانی وحی سے بھی ہو جاتی۔ تفویض بایں معنی کے تسلیم کرنے میں عقلاً کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ اور نصوص مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرت

شیخ کلینیؒ اور اکثر محدثین کے حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل تھے کیونکہ انہوں نے بلا ردّ و قدح ایسی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ حضرت شیخ صدوقؒ کے کلام سے اگرچہ اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ مگر ان کے کلام کی بھی یہی تاویل ممکن ہے کہ ان کی مراد اس دوسرے معنی میں پہلے احتمال کے مطابق تفویض کی نفی کرنا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی کتب و خصوصیں علل الشرائع میں ایسی روایات بکثرت درج کی ہیں جو اس دینی تفویض کی دوسرے معنی کے مطابق صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ ان کو رد فرمایا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل فرمائی ہے نیز اسی سلسلہ میں من لا یحضرہ الفقیہ میں فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے اپنی نبی کو دین کا معاملہ سپرد تو فرمایا ہے مگر اپنی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ دینی امور میں تفویض کو درست سمجھتے ہیں۔

الثالث تفويض امور الخلق اليهم من سياستهم وتاديبهم وتكميلهم وتعليمهم وامر الخلق باطاعتهم فيما احبوا وكرهوا وفيما علموا جهة المصلحة فيه وما لم يعلموا وهو المراد بهذا الخبر وهذا معنى حق دلت عليه الاخبار وادلة العقل۔

تفویض کی تیسری قسم یہ ہے کہ خدا نے اپنی مخلوق کی تادیب و تہذیب اور تکمیل و تعلیم وغیرہ امور کو ان بزرگوں کے سپرد فرمایا ہے اور پھر اپنی مخلوق کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر امر میں خواہ ان کا پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ اور خواہ وہ اس کی حکمت و مصلحت کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں بہر حال ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اس حدیث سے جو کہ اصول کافی میں موجود ہے جس کی شرح میں یہ ساری تحقیق پیش کی گئی ہے۔ کہ ان الله ادب نبيه على محبته فقال انك لعلى خلق عظيم ثم فوض اليه فقال عزوجل وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا وقال عزوجل من يطع الرسول فقد اطاع الله بھی یہی معنی مراد ہیں۔ تفویض کی یہ قسم بالکل صحیح ہے جس کی صحت پر آیات و روایات اور ادلہ عقلیہ دلالت کرتے ہیں۔

الرابع تفويض بيان العلوم والاحكام اليهم بما ارادوا ورأوا المصلحة فيها بسبب اختلاف عقولهم وافهامهم او بسبب التقية فيفتون بعض الناس بالاحكام الواقعية وبعضهم بالتقية ويسكتون عن جواب بعضهم للمصلحة ويجيبون في تفسير الآيات وتاويلها وبيان الحكم والمعارف بحسب ما يحتمله عقلهم كما سياتي ولهم ان يجيبوا ولهم ان يسكتوا كما ورد في اخبار كثيرة عليكم المسئلة وليس علينا الجواب كل ذلك بحسب ما يريهم الله من مصالح الوقت كما سياتي في خبر ابن اشيم وغيره ولعل تخصيصه بالنبي والائمة صلوات الله عليه وعليهم لعدم تيسر هذه التوسعة لسائر الانبياء والاوصياء عليهم السلام بل كانوا مكلفين بعدم التقية في بعض الموارد وان اصابهم الضرر وان كانوا مكلفين بان يكلموا الناس على قدر عقولهم والتفويض بهذا المعنى ايضاً حق ثابت بالاخبار المستفيضة وتشهد له الادلة العقلية ايضاً

تفویض کی چوتھی قسم۔ یہ ہے کہ خدا نے احکام و علوم کے بیان کرنے کو ان حضرات کے سپرد کیا ہے۔ لوگوں کے عقول

واقفہم کے اختلاف یا تقیہ وغیرہ حالات کے پیش نظر جہاں جو بات مناسب سمجھیں وہ بیان کریں یا بعض لوگوں کو احکام واقعیہ اور بعض کو تقیہ کے مطابق فتویٰ دیں یا بعض مقامات پر حسب مصلحت بالکل سکوت اختیار فرمائیں اسی طرح آیات قرآنیہ کی تفسیر و تاویل اور اسرار و معارف ربانیہ کے بیان کرنے میں سوال کرنے والوں کی عقل و فہم کے مطابق کاروائی کریں جس طرح کہ اس کا بیان آئندہ آئے گا۔ اسی طرح ان کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ چاہیں تو جواب دیں اور چاہیں تو خاموشی اختیار کریں جیسا کہ ان حضراتؑ کے متعدد اخبار میں وارد ہے۔ کہ تم لوگوں پر سوال کرنا واجب ہے مگر ہم پر جواب دینا لازم نہیں ہے یہ سب کچھ وہ ان وقتی مصلحتوں و نزاکتوں کے تحت کرتے ہیں جو خدا نے سمجھائی ان کو سمجھاتا ہے جس طرح ابن اشیم والی روایت میں آئے گا۔ (جو کہ متن میں مذکور ہے) بعید نہیں کہ اس معنے کے اعتبار سے تفویض صرف جناب رسول خدا و ائمہ ہدیٰ کے ساتھ مختص ہو کیونکہ اس قدر وسعت دوسرے انبیاءؑ و اوصیاءؑ کو حاصل نہ تھی۔ بلکہ وہ بعض مقامات پر تقیہ نہ کرنے پر مامور تھے۔ اگرچہ اس طرح ان کو ضرر و نقصان بھی پہنچ جائے۔ ہاں البتہ اس بات کا ان کو بھی اختیار تھا کہ وہ لوگوں کے عقل و فہم کے مطابق ان کے ساتھ بات کریں۔ بہرحال تفویض کی یہ قسم بھی ثابت ہے اور ادلہ عقلیہ بھی اس کی تائید مزید کرتے ہیں۔

الخامس الاختيار في ان يحكموا بظاهر الشريعة او بعلمهم وبما يلهمهم الله تعالى من الواقع ومخ الحق في كل واقعة وهو احد محامل خبر ابن سنان الآتي ودل عليه غيره من الاخبار

تفویض کی پانچویں قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو یہ اختیار ہے کہ وہ ظاہری شریعت کے قواعد و اصول کے مطابق عمل کریں یا ہر واقعہ میں اپنے علم ربانی اور الہام یزدانی کے مطابق نفس الامر اور اصل واقع کے موافق عمل کریں یہ معنی ابن سنان والی حدیث جو بعد میں مذکور ہوگی۔ (جسے ہم مقدمۂ کتاب میں افراط و تفریط کے بین بین درمیانہ عقیدہ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں) کے صحیح محامل میں سے ایک محمل ہے اس کے علاوہ اور اخبار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

السادس التفويض في الاعطاء والمنع فان الله تعالى خلق لهم الارض وما فيها وجعل لهم الانفال والخمس والصفايا وغيرها فلهم عليهم السلام ان يعطوا من شاؤا ويمنعوا من شاؤا وهذا المعنى ايضا حق يظهر من كثير من الاخبار فاذا احطت خبرا بما ذكرنا من معاني التفويض سهل عليك فهم اخبار هذا الباب وعرفت ضعف قول من نفى التفويض مطلقا ولما يحط بمعانيه۔

تفویض کی چھٹی قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو عطا و بخشش کرنے میں اختیار ہے کیونکہ زمین و مافیہا کی خلقت کا سبب و علت غائی یہی بزرگوار ہیں۔ یعنی خدا نے ساری کائنات انہی کی خاطر پیدا کی ہے۔ اور پھر اس زمین و مافیہا میں سے انفال خمس اور صفایا اور مال غنیمت میں سے جو عمدہ چیز بھی امام منتخب کریں وغیرہ انہی کے لئے مقرر فرمائے۔ لہٰذا ان کو حق حاصل ہے کہ جسے جس قدر چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں کچھ نہ دیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی تفویض کی صحت کثرت اخبار سے ظاہر ہوتی ہے جب تم تفویض کے مذکورہ بالا تمام معانی و اقسام سمجھ لوگے تو تمہارے لئے اس باب کی تمام احادیث کا سمجھنا آسان

ہو جائے گا۔ اور قم پر اس شخص کے قول کی کمزوری بھی ظاہر ہو جائے گی جس نے تفویض کے تمام معانی و اقسام پر ملاحظہ کئے بغیر مطلقاً اسے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ہم نے واضح کر دیا کہ اس کی بعض قسمیں غلط اور ممنوع ہیں اور بعض صحیح۔ انتھیٰ کلامہ رفع مقامہ۔ نقلہ و بطولہ لجودۃ مضمونہ۔ اکثر علمائے متاخرین نے سرکار علامہ کے اس کلام کو اپنی کتب میں نقل کرکے اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے۔ جیسے علامہ سید حبیب اللہ خوئی در منہاج البراعۃ ج ۴ صفحہ ۳۶ طبع ، و علامہ ابو الحسن الشریف در مرآۃ الانوار صفحہ ۲۹ اور علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی در مقیاس الدرایہ صفحہ ۸۲ وغیرہم۔

تفویض کی ساتویں قسم علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مقیاس الدرایہ مطبوعہ مع رجال مامقانی کذا فی منتہی المقال صفحہ ۸۲ للشیخ ابی علی الحائری۔ طبع نجف اشرف پر تفویض کے مذکورہ بالا اقسام بیان کرنے کے بعد ساتویں قسم یہ بیان فرمائی ہے۔

السابعۃ تقسیم الارزاق جعلہ فی لفوائد مما یطلق علیہ التفویض وصحتہ وفسادہ یعرف من المعنی الاول ولعلہ مرجعہ الیہ او عینہ، الا ان یعمّ الاول للخلق والرزق والاحیاء وغیرھا ویختص بخصوص الارزاق کما ھو ظاھرہ۔

تفویض کی ساتویں قسم تقسیم رزق ہے (کہ رزق خدا دیتا ہے اور اسے تقسیم ائمہ ہدیٰ کرتے ہیں) کتاب فوائد میں اسے بھی تفویض میں داخل کیا ہے اس قسم کا صحیح یا باطل ہونا تفویض کے پہلے معنی سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ اس قسم کی بازگشت بھی اسی قسم اول کی طرف ہے (جو کہ غلط اور ممنوع ہے) بلکہ یہ قسم بعینہ وہی قسم اول ہی ہے۔ ہاں صرف اس قدر فرق ہو سکتا ہے کہ قسم اول پیدا کرنے، رزق دینے اور عمر کے گھٹانے و بڑھانے میں سب امور کو شامل ہو۔ اور یہ آخری قسم صرف تقسیم رزق کے ساتھ مختص ہو۔ انتھیٰ کلامہ

بہر حال اگرچہ اس عالم ربانی و فاضل صمدانی کی تحقیق انیق کے بعد جسے قریباً بعد میں آنے والے تمام علمائے اعلام نے بنظر استحسان دیکھا ہے اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی۔ اس سے طالبان حق و حقیقت کی تسلی و تشفی ہو جاتی ہے کیونکہ آیات و روایات کے جو بحر بیکراں ہیں ان عظیم شہ پاروں سے خواص کے نتائج بر جو گرانقدر ہمارے شہوار حاصل کئے ہیں۔ ان میں کسی صاحب عقل و انصاف کو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی لیکن ہم مزید اطمینان قلب کے لئے سرکار علامہ کی نظر کی تائید میں چند آیات محکمہ و روایات معتبرہ اور بعض اعاظم علمائے کرام کے کلام حق ترجمان کو پیش کرتے ہیں۔ نیز شکوک و شبہات کا ازالہ بھی کریں گے جو کہ اس مسئلہ میں پیش کئے جاتے ہیں یا کئے جا سکتے ہیں تا کہ ہر اعتبار سے یہ بحث مکمل و مختم ہو جائے، اور اس مسئلہ میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ

محلِ نزاع کی تعیین لیکن قبل اس کے کہ ہم اس موضوع پر دلائل و براہین پیش کریں ایک اہم امر یعنی محل اختلاف کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں سرکار علامہ مجلسی کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ موضوع بحث تفویض خلق و رزق و...

امانت و حیات وغیرہ۔ میں تفویض ممنوع کی دو قسمیں ہیں (۱) تفویض استقلالی یعنی یہ کہ ائمہ اہل بیت اپنی قدرت اور اپنے ارادہ کے ساتھ امور کو انجام دیتے ہیں۔ اور یہی بزرگوار ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ (۲) تفویض غیر استقلالی یا بالفاظ دیگر تفویض بمعنی یہ کہ ائمہ طاہرین ان امور کو خدا کے اذن اور اس کی مشیت و مدد کے تحت بجا لاتے ہیں اور تفویض کی دونوں قسمیں غلط اور ممنوع ہیں۔ نیز اس بیان سے یہ بھی واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو قسم کی تفویض کے کچھ لوگ قائل رہے ہیں اور ہیں۔ اور اس میں قطعاً کسی قسم کا کوئی استبعاد بھی نہیں۔ کیونکہ جب ائمہ کو خدا ماننے والے گذرے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ تو ان کو بلاشرکت خالق و رازق تسلیم کرنے والوں کے وجود کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایسے بد عقیدہ لوگ ماضی میں نہ گذرے ہوتے تو ہمارے علمائے اعلام و حجج اسلام کو ان کے ان نظریات باطلہ کی تردید میں کیوں زور قلم صرف کرنا پڑتا؟ بہرحال ہمیں تو اس سے مطلب ہے قائل سے کوئی سروکار نہیں۔ (انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال) البتہ آج کل وہ تمام لوگ جو متہم بالتفویض ہیں۔ وہ بھی تفویض استقلالی والے عقیدہ سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی کوئی امر نہیں کہ ضرور ہی ان کو اس کا قائل ثابت کریں۔ لہٰذا سردست جو امر مورد بحث ہے یا آئندہ ہم جو کچھ آیات و روایات اور علمائے اعلام کے ارشادات پیش کریں گے۔ اس سے تفویض کی اسی دوسری قسم یعنی تفویض غیر استقلالی اور تفویض [illegible] کا باطل کرنا مقصود ہے۔ اسی معنی کی رو سے بے شمار بعض افراد تشیع تفویض کے قائل موجود ہیں۔ [illegible] حضرت [illegible] کے مستفتیوں سے [illegible] سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ایک رسالہ بنام "حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیت کی روشنی میں حضرات علماء کرام کے قلم سے" شائع ہوا ہے اس رسالہ کے [illegible] پر سوال نمبر [illegible] یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلعم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء و اماتت و خلق و رزق کے کام کرتے رہیں؟ اس سوال کا متفقہ طور پر یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے اگر کوئی شخص یہ عقیدہ ان کی طرف منسوب کرکے علماء کرام سے اس قسم کے فتوے طلب کرتا ہے تو وہ انہیں غلط فہمی میں مبتلا کرتا اور عوام الناس کو دھوکہ دیتا ہے ..... الخ

ہمیں یہ دیکھ کر روحانی مسرت و شادمانی ہوئی ہے کہ اب علماء حق کی مشفقانہ مساعی کی تحریری و تقریری مسلسل جدوجہد و تگ و دو کے خوشگوار نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ اور بعض وہ افراد جو غلو اور تفویض کے قائل ہیں۔ وہ بھی اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ ہم تو ان افراد کی تشفی ضروری سمجھتے ہیں اور یہی مناسب ہے ورنہ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ عوام کا تو ذکر ہی کیا بزعم خود خواص [illegible] میں سے بھی بعض [illegible] کی کم و بیش [illegible] ایسے ہی عقائد کی عکاسی نظر آتی ہے۔ ھداھم اللہ الی صراط مستقیم بجاہ النبی وآلہ الطاہرین۔

تفویض کا ابطال قرآن مجید کی روشنی میں

اگرچہ اس سلسلہ میں بکثرت آیات پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر صرف چند ایسی آیات مبارکہ پیش کرتے ہیں جو بعبارۃ النص اس

[illegible] ایسے لوگوں کی ہے کہ [illegible] اور کوئی [illegible] (منہ)

امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خلق و رزق اور امانت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ کی انجام دہی ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ امور اس نے کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں کئے نہ استقلالی طور پر اور نہ غیر استقلالی طور پر۔ (۱) ارشاد قدرت ہے۔ ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ (پ ۲۸ س حشر ع ۳) وہی خدا (تمام چیزوں کا) خالق، موجد، صورتوں کا بنانے والا اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔" اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم ہی خالق و مصور ہے۔

(۲) اھم یقسمون رحمۃ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا (پ ۲۵ س زخرف ع ۳) "کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو (اپنے طور پر) بانٹتے ہیں۔ ہم نے تو ان کے درمیان ان کی روزی دنیاوی زندگی میں بانٹ دی ہے" اس آیہ وافی ہدایہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم ہی رزق دینے اور اس کے تقسیم کرنے والا ہے۔"

(۳) اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شئ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون (پ ۲۱ س روم ع ۴) "خدا وہ (قادر و توانا) ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی، پھر وہی تم کو مار ڈالے گا، پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے (بنائے ہوئے خدا کے) شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں کچھ بھی کر سکے جسے لوگ اس کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک و پاکیزہ اور برتر ہے" (ترجمہ فرمان)۔ اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خالق و رازق اور محی و ممیت خداوند عالم ہی ہے۔ اس آیت کے ذیل میں سرکار علامہ مجلسی فرماتے ہیں۔ یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق والرزق والاماتۃ والاحیاء الی غیرہ سبحانہ وانہ شرک" (بحار الانوار ج ۲۵ ص ۳۴۳) یعنی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر خدا کی طرف خلق، رزق اور اماتت و احیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔" (۴) ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القہار (پ ۱۳ س رعد ع ۲) "ان لوگوں نے خدا کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں کیا انہوں نے خدا ہی کی سی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جس کے سبب مخلوقات ان پر مشتبہ ہو گئی ہے (اور وہ ان کی خدائی کے قائل ہو گئے) تم کہدو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔" یہ آیت بھی ہمارے مدعا پر نص صریح ہے اور اس امر میں کسی بھی شریک و سہیم خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے سرکار علامہ مجلسی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق الی الانبیاء و الائمۃ علیہم السلام (بحار ج ۲۵ ص ۳۴۳) یعنی یہ آیت مبارکہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف خلق کرنے کی نسبت دینا جائز نہیں۔

(۵) امن یبدؤا الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض ءالہ مع اللہ (پ ۲۰ س النمل ع ۵، جلد دوم) "بھلا وہ کون ہے جو خلقت کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ (مرنے کے بعد) پیدا کرے گا اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟" (۶) وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ (پ ۲۰ س قصص ع ۷) "اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔۔۔

لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے (۲) الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العلمین (پ ۸ س اعراف ع ۱۴) یہ سب کے سب
اسی کے حکم کے تابعدار ہیں۔ دیکھو حکومت اور پیدا کرنا بس خاص اسی کے لئے ہے وہ خدا جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔
بڑا برکت والا ہے۔ (۳) واتخذوا من دونہ الھۃ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون (پ ۱۸ س الفرقان ع ۱۴) ان
لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود دوسرے کے پیدا کئے ہوئے
ہیں (۴) وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا (پ ۱۸ س الفرقان ع ۱) اور ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے پھر ہر ایک کا اندازہ سے
درست کیا" (۵) ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض لا الہ الا ھو فانی تؤفکون (پ ۲۲ س فاطر ع ۱)
خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہاری روزی پہنچاتا ہے اس کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں
پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو" (۶) للہ ملک السموت والارض یخلق ما یشاء یھب لمن یشاء اناثا ویھب
لمن یشاء الذکور او یزوجھم ذکرانا واناثا (پ ۲۵ س شوری ع ۵) سارے آسمان و زمین کی حکومت خاص خدا ہی کی ہے
جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (اور) جسے چاہتا ہے فقط بیٹیاں دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے محض بیٹے عطا کرتا ہے
یا ان کو بیٹے بیٹیاں (اولاد کی) دونوں قسمیں عنایت کرتا ہے" ان آیات مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار
ہوتا ہے کہ پیدا کرنا، رزق دینا، اور اولاد نرینہ و مادینہ دینا خدا کے ہی قبضہ قدرت میں ہے اور کوئی یہ فرض انجام نہیں
دیتا۔ (۷) اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (پ ۱۳ س رعد ع ۴) اور خدا ہی جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو بڑھاتا
ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزی کا بڑھانا یا گھٹانا خدا کے ہی اختیار
میں ہے (۸) واذا مرضت فھو یشفین (پ ۱۹ س الشعراء ع ۵) "اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ (خدا) مجھے شفا دیتا
ہے" اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ بیماروں کو شفا عطا فرمانا خداوند عالم کی ذات سے وابستہ ہے۔ (۹) قل اللھم
مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر
علی کل شیء قدیر (پ ۳ س آل عمران ع ۱۱) "(اے رسول) تم یہ دعا مانگو کہ اے خدا تمام عالم کے مالک تو ہی جس کو چاہے
سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جسے چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے۔
ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (ترجمہ فرمان) اس آیت مبارکہ سے کالشمس فی
رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ تمام جہان کی شہنشاہی خدا کے قبضہ قدرت میں ہے کسی کو سلطنت دینا، کسی سے چھیننا
کسی کو عزت دینا اور کسی کو ذلت میں مبتلا کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ (۱۰) قل من یرزقکم من السماء والارض امن
یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ
فقل افلا تتقون۔ فذلکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون۔ (پ ۱۱ س یونس ع ۴)
تم پوچھو تو کہ آسمان اور زمین سے تم کو رزق کون دیتا ہے؟ یا سماعت اور بصارت کا مختار کون رکھتا ہے؟ اور وہ

کون ہے جو زندہ کو مردے سے پیدا کر دیتا ہے اور مردے کو زندہ سے پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو تمام امور کا انتظام کرتا ہے؟ تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ ہے پس تم یہ کہو کہ کیا تم اس سے نہیں ڈرتے ہو۔ پس وہی اللہ تمہارا برحق پروردگار ہے۔ تو حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے۔" (۲) قل من ینجیکم من ظلمات البر والبحر تدعونہ تضرعاً وخفیۃ لئن انجنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین۔ قل اللہ ینجیکم منھا ومن کل کرب ثم انتم تشرکون (پ ۷ س الانعام ع ۸) "تم کہو کہ خشکی اور تری کی اندھیریوں سے تم کو نجات کون دیتا ہے، جس سے تم روتے اور چپکے چپکے دعا مانگتے ہو کہ اگر اس نے اس سے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان (اندھیروں) سے اور ہر رنج سے نجات دیتا ہے۔ اور پھر تم اس کا شریک کرتے ہو (ترجمہ ختم ہوا) یہ ہر دو آیات ہر قسم کے تبصرے سے بے نیاز اور کسی مزید توضیح و تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔ ان سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رزق دینا، پیدا کرنا، مصائب و شدائد سے نجات دینا غرضیکہ تمام امور تکوینیہ کی تدبیر اور ان کا انتظام کرنا خدا کا ہی کام ہے۔ یہ ہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ رزق وغیرہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر بعد از ایں خدا کے اس ارشاد کی تلاوت معلوم ہو جاتی ہے کہ فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون (پ ۲۰ س عنکبوت ع ۲) "اللہ سے رزق طلب کرو۔ اسی کی عبادت کرو۔ اور اسی کا شکریہ ادا کرو اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔"

(۱) اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ۔ "آیا وہ کون ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے بارونق باغات پیدا کر دیئے تمہاری مقدرت نہ تھی کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگاؤ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ ہے تو نہیں، لیکن یہ لوگ ہیں کہ حق سے منحرف ہوئے جاتے ہیں۔ (۲) اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ "آیا وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار مقرر کیا ہے اور اس کے بیچ بیچ میں دریا بہا دیئے ہیں۔ اور اس کے لئے بڑے بھاری بھاری پہاڑ مقرر کر دیئے ہیں اور دو دریاؤں کے مابین ایک پردہ حائل کر دیا ہے۔ (۳) اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ۔ "کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ ہے تو نہیں، مگر ان میں سے بہت سے نہیں جانتے۔ آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب بھی وہ دعا مانگے۔ اور تکلیف کو رفع کر دیتا ہے اور تم کو زمین کا حاکم مقرر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (۴) اَمَّنْ یَّهْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ "اس کی نعمتوں کو تم کس قدر کم سوچتے ہو۔ آیا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کی اندھیریوں میں تمہاری رہبری کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری کے طور پر ہواؤں کو

پہنچ دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے جن چیزوں کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ کی ذات اُن سب سے بری ہے۔
(۲۱) اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ "آیا وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے پھر اُس کو دوبارہ پھیر دے گا اور وہ کون ہے جو آسمان اور زمین میں سے تم کو رزق دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ تم کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو"
(۲۲) قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ۔ "تم یہ کہدو کہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اُن میں سے غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور اُن کو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ مبعوث کب کئے جائیں گے۔"
(۲۳) بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ "بلکہ اُن کا علم تو آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ بلکہ وہ اُس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ اُس کی طرف سے یہ اندھے (قطعاً بے خبر) ہیں۔" (پ ۲۰ س النمل ع ۱ ترجمہ مقبول)

اسی مقدار میں اس قسم کی آیات کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے کیونکہ ؎

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

سرکار علامہ مجلسیؒ۔ ایسی ہی چند آیات مبارکہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اقول دلالۃ تلک الآیات علی نفی الغلو والتفویض بمعنی الذی سنذکرھا ظاھرۃ والآیات الدالۃ علیہ اکثر من ان تحصی فجمیع آیات الخلق ودلائل التوحید والآیات الواردۃ فی کفر النصاریٰ وبطلان مذھبھم دالۃ علیہ فلم نتعرض لایرادھا وتفسیرھا وبیان وجہ دلالتھا لوضوح الامر واللہ یھدی الی سواء السبیل "میں کہتا ہوں کہ غلو و تفویض کے جن معانی و اقسام کی تفصیل ہم عنقریب ذکر کریں گے (جو ہم سابقاً پیش کر چکے ہیں) ان آیات کی دلالت واضح ہے اور ان ہر دو فاسد نظریوں کی نفی پر اس قدر آیات کثیرہ موجود ہیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔ کیونکہ تخلیق، توحید اور نصاریٰ کے کفر اور ان کے مذہب کے بطلان کے بارہ میں جو آیات وارد ہیں وہ سب کی سب اس رد غلو و تفویض پر بھی دلالت کرتی ہیں معاملہ کی وضاحت کی وجہ سے [illegible] وجہ دلالت پیش کی ہے۔ واللہ یھدی الی سواء السبیل" (بحار جلد ۲۵ صفحہ ۳۴۷)

تفویض کا پہلو [illegible]

[illegible]

[illegible]

(۱) سید الموحدین حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں۔

"ان معنی اشهد ان لا اله الا الله ان لا هادی الا الله واشهد سکان السموات والارضین وما فیهن من الملائکة والناس اجمعین وما فیهن من الجبال والاشجار والدواب والوحوش وکل رطب ویابس بانی اشهد ان لا خالق الا الله ولا رازق الا الله ولا معبود الا الله ولا ضار ولا نافع ولا قابض ولا باسط ولا معطی ولا مانع ولا دافع ولا ناصح ولا کافی ولا شافی ولا مقدم ولا مؤخر الا الله له الخلق والامر بیده الخیر تبارک الله رب العالمین (معاد الاسلام ج ۱ صـ ۱۸۱ طبع لکھنؤ) اشهد ان لا اله الا الله کے معنی یہ ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی ہادی نہیں اور ہر کہ میں زمین و آسمان کے ساکنین، ملائکہ، انسان، پہاڑ، درخت، حیوان، وحوش اور ہر خشک و تر جو کچھ ان میں موجود ہے ان سب کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق، معبود، ضار، نافع، قابض، باسط، معطی، مانع، کافی، شافی اور تقدیم و تاخیر کرنے والا نہیں ہے۔ خلق و امر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے بابرکت ہے وہ خدا جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔"

(۲) نیز امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "قدر الارزاق فکثرها وقللها وقسمها علی الضیق والسعة فعدل فیها لیبتلی من اراد بمیسورها ومعسورها ولیختبر بذلک الشکر والصبر من غنیها وفقیرها" (نہج البلاغہ مصری جلد اول صـ ۱۸۵ طبع مصر خطبہ ۸۶) خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو روزی مقدر کی، اسے کم و زیادہ کیا تنگی و فراخی کے ساتھ تقسیم کی، اور اس تقسیم میں عدالت کو ہر طرح ملحوظ رکھا تاکہ حصول روزی کی آسانی یا دشواری کے بعد جس کی چاہے آزمائش کرے دولت مند کے شکر اور فقیر کے صبر کو پرکھے۔ (ترجمہ اردو صـ ۲۲۹)

(۳) دعائے جوشن کبیر کی فصل ۵۵ سے بھی یہی مطلب بعبارۃ النص ثابت ہوتا ہے۔ معصوم ارشاد فرماتے ہیں یا من لا یعلم الغیب الا هو یا من لا یصرف السوء الا هو یا من لا یخلق الخلق الا هو یا من لا یغفر الذنب الا هو یا من لا یقلب القلوب الا هو یا من لا یدبر الامر الا هو یا من لا ینزل الغیث الا هو یا من لا یبسط الرزق الا هو یا من لا یحیی الموتی الا هو "اے وہ ذات جس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، اے وہ خدا جس کے سوا کوئی مصیبت دفع نہیں کرتا، اے وہ معبود جس کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا، اے وہ مسجود جس کے سوا کوئی نعمت کو تمام و تمام نہیں کرتا، اے وہ قادر مطلق جس کے سوا کوئی دلوں کو نہیں الٹتا پلٹتا، اے وہ خدائے حکیم! جس کے سوا کوئی تدبیر امور نہیں کرتا، اے وہ حاکم اعلیٰ! جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا، اے وہ رب رحیم! جس کے سوا کوئی رزق وسیع نہیں کرتا، اے وہ حی لا یموت! جس کے سوا کوئی مردوں کو زندہ نہیں کرتا۔"

(مفاتیح الجنان صـ ۹۸)

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ انکم تقدرون ارزاق العباد فقال واللہ ما یقدر ارزاقنا الا اللہ ولقد احتجت الی طعام لعیالی فضاق صدری وابلغت الی الفکرۃ فی ذلک حتی احرزت قوتهم فعندها طابت نفسی لعنه اللہ وبری اللہ منه. (رجال کشی ص۲۰۰ کذا فی البحار ج ۷ ص۳۴۵ و رجال المامقانی ج ۱ ص۲۵۹ و ج ۳ ص۴۲)
کہ آپ لوگوں کے رزق مقدر کرتے ہیں۔ یہ سن کر امام نے فرمایا خدا کی قسم خود ہمارا رزق سوائے خدا کے اور کوئی مقدر نہیں کرتا۔ مجھے اپنے اہل و عیال کے لئے طعام کی ضرورت پیش آئی تو میں متفکر ہو گیا۔ اور میرا سینہ تنگ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ جب میں نے ان کی قوت لایموت کا انتظام کر لیا تب طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔ خدا اس پر لعنت کرے اور اس سے بیزار ہو (جو ہمارے متعلق کیا غلط نظریہ رکھتا ہے)

(۵) راوی کہتا ہے قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام زعم ابو ہارون المکفوف انک قلت لہ ان کنت ترید القدیم فذاک لا یدرکہ احد وان کنت ترید الذی خلق ورزق فذاک محمد بن علی فقال کذب علی علیہ لعنۃ اللہ ما من خالق الا اللہ وحدہ لا شریک لہ حق علی اللہ ان یذیقنا الموت والذی لا یہلک ھو اللہ خالق الخلق وباری البریۃ (رجال کشی ص۱۲۵ کذا فی البحار و تنقیح المقال للمامقانی ص۳۴ ج ۳)
میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ابو ہارون مکفوف (اندھا) یہ گمان کرتا ہے کہ جناب نے اس سے فرمایا ہے کہ اگر تو قدیم ذات کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے تو کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ اور اگر اس کا ارادہ رکھتا ہے جو خالق و رازق ہے تو وہ حضرت محمد بن علی (امام باقر) ہیں۔ (یہ سن کر) امام نے فرمایا خدا اس پر لعنت کرے اس نے مجھ پر افترا کیا ہے سوائے خدا کے اور کوئی خالق نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا پر لازم ہے کہ ہمیں موت کا ذائقہ چکھائے۔ وہ ذات جس کے لئے موت نہیں۔ وہ خدا ہی ہے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے۔"

(۶) انہی سرکار سے مروی ہے فرمایا لا واللہ ما فوض اللہ الی احد من خلقہ لا الی رسول اللہ ولا الی الائمۃ علیہم السلام (کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۳۲۳) خدا کی قسم خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو (تکوینی امور) تفویض نہیں فرمائے نہ جناب رسول خدا کو اور نہ ائمہ ہدیٰ کو"

(۷) یاسر خادم الرضا بیان کرتے ہیں۔ قلت للرضا ما تقول فی التفویض؟ فقال ان اللہ تبارک وتعالی فوض الی نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ امر دینہ فقال وما آتکم الرسول فخذوہ وما نہکم عنہ فانتہوا فاما الخلق والرزق فلا ثم قال ان اللہ عز وجل یقول اللہ خالق کل شئ ویقول اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شئ سبحانہ وتعالی عما یشرکون۔
(عیون اخبار الرضا ص۳۲۴ و بحار ج ۷ ص۳۴۵) "میں نے آنجناب کی خدمت میں عرض کیا آپ تفویض کے بارہ میں

کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا خداوند عالم نے امور دین کو اپنے پیغمبر اسلامؐ کے سپرد کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے جس بات کا رسولؐ تمہیں حکم دیں اسی پر عمل کرو۔ اور جس بات سے روک دیں اس سے باز رہو لیکن پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ اس نے کسی کے سپرد نہیں کیا پھر یہ قرآنی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہر شئی کا خالق خدا ہے نیز اس کا ارشاد ہے: وہی تمہارا خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر رزق دیا۔ پھر تمہیں مار دے گا۔ پھر زندہ کرے گا کیا تمہارے مقرر کردہ شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام انجام دے سکے؟

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی مناجات نقل کی ہے کہ آپ بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا کرتے تھے۔ اللھم انی بریٔ الیک من الحول والقوۃ ولا حول ولا قوۃ الا بک اللھم انی ابرأ الیک من الذین قالوا فینا ما لم نعلمہ فی انفسنا اللھم لک الخلق ومنک الامر وایاک نعبد وایاک نستعین اللھم انت خالقنا وخالق آبائنا الاولین وآبائنا الآخرین اللھم لا تلیق الربوبیۃ الا بک ولا تصلح الالھیۃ الا لک فالعن النصاری الذین صغروا عظمتک والعن المضاھئین لقولھم من بریتک اللھم انا عبیدک وابناء عبیدک لا نملک لانفسنا ضرا ولا نفعا ولا موتا ولا حیوۃ ولا نشورا اللھم من زعم ان الینا الخلق وعلینا الرزق فنحن الیک منہ براء کبراءۃ عیسی بن مریم من النصاری اللھم انا لم ندعھم الی ما یزعمون فلا تؤاخذنا بما یقولون واغفر لنا ما یزعمون رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا

بار الٰہا! میں تیرے حضور میں اپنی ہر قسم کی قوت و طاقت سے بیزاری کا اقرار کرتا ہوں۔ کیونکہ تیرے سوا کسی کو بھی ذاتی طور پر کوئی قوت و طاقت حاصل نہیں ہے۔ یا اللہ! میں ان لوگوں سے بھی برأت کا اظہار کرتا ہوں جو ہمارے بارے میں ایسی ایسی باتوں کا عقیدہ رکھتے ہیں جنہیں ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔ اے اللہ! خلق و امر تجھ ہی سے متعلق ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی ہمارا خالق اور ہمارے اولین و آخرین آباء و اجداد کا خالق ہے۔ اے اللہ! مقام ربوبیت تیرے ہی لائق ہے اور معبودیت و الوہیت کی صلاحیت فقط تجھ ہی میں ہے۔ اے پالنے والے! تو نصاریٰ پر لعنت کر کیونکہ انہوں نے تیری عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کر جو تیری مخلوق میں سے اس نظریہ فاسدہ میں نصرانیوں کے ہم خیال ہیں۔ خداوندا! ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کے بیٹے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے لئے نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی موت و حیات اور دوبارہ زندہ ہونے پر قدرت رکھتے ہیں۔ میرے اللہ! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے ہیں اور ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ ہم اس سے اسی طرح بری و بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریمؑ قوم نصاریٰ سے بیزار ہیں۔ یا اللہ! جن باتوں کا یہ لوگ ہمارے متعلق غلط عقیدہ رکھتے ہیں ہم نے ہرگز انہیں ایسی باتوں کی طرف دعوت نہیں دی۔ اس لئے جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کا مؤاخذہ ہم سے نہ

کرتا، جو کچھ وہ گمان کرتے ہیں ہمیں معاف فرمانا پالنے والے! تو زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو نہیں زندہ رہنے دیگا
تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور سوائے سخت کافروں اور بدکاروں کے اور کچھ نہیں جنیں گے۔ (اعتقادیہ صدوق "
دکھا، ج ۲ ص ۳۹۲)

(۹) رسالہ تصحیح اعتقادیہ مطبوعہ حیدرآباد دکن پر بالفاظ [illegible] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث درج ہے
فرمایا: من قال نحن خالقون بامر الله فقد كفر [illegible] (رسالہ [illegible] ص ۲۲) [illegible]
یعنی جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ہم خدا کے اذن و امر سے پیدا کرتے ہیں یعنی ہمیں باذن اللہ خالق کہے وہ کافر ہے۔
اس سے بڑھ کر تفویض غیر استقلالی کی رد کن الفاظ سے کی جا سکتی ہے:

(۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لا یکون الشئ لا من شئ الا الله ولا ينقل الشئ من جوهرية
الى جوهر آخر الا الله ولا ينقل الشئ من الوجود الى العدم الا الله "لاشئ سے کوئی چیز نہیں بنتی، کوئی شئی سے
ہستی کی طرف نہیں لاتا مگر خدا۔ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کے ساتھ تبدیل نہیں [illegible] مگر خدا ہستی سے نیستی کی طرف نہیں
لے جاتا مگر خدا" (کفایت الموحدین ج ۱ ص ۳۲ کتاب التوحید للصدوق ص [illegible])

(۱۱) دعائے مبارکہ جوشن کبیر فصل ۹۰ میں وارد ہے: یا اوّل كل شئ وآخره يا اله كل شئ ومليكه يا رب كل شئ
وصانعه يا بارئ كل شئ وخالقه يا قابض كل شئ وباسطه يا مبدئ كل شئ ومعيده يا منشئ كل شئ ومقدره
يا مكون كل شئ ومحوله يا محيي كل شئ ومميته يا خالق كل شئ ووارثه۔ اے وہ خدا جو ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز
کے آخر ہے۔ اے ہر چیز کے اللہ و مالک، اے ہر چیز کے پروردگار اور بنانے والے، اے ہر چیز کے خالق و وجود دینے والے
اے وہ جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی بست و کشاد ہے، اے ہر چیز کو وجود دینے اور پھر واپس لوٹانے والے، اے ہر
چیز کے ایجاد [illegible] تصور [illegible] اے ہر چیز کو وجود [illegible] اس میں تغیر و تبدیل کرنے والے، اے ہر چیز
کو پیدا کرنے اور [illegible] اے ہر چیز کے خالق و وارث۔ (مفاتیح ص [illegible])

(۱۲) یہی دعائے جوشن کبیر فصل [illegible] میں ہے: یا صانع كل مصنوع يا خالق كل مخلوق يا رازق كل مرزوق
يا مالك كل مملوك يا كاشف كل مكروب يا فارج كل مهموم يا راحم كل مرحوم يا ناصر كل مخذول يا ساتر
كل معيوب يا ملجأ كل مطرود۔ اے وہ خدا جو ہر مصنوع کا صانع، ہر مخلوق کا خالق، ہر مرزوق کا رازق، ہر مملوک کا
مالک، ہر مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنے والا، ہر غمزدہ کے غم کو دور کرنے والا، ہر مرحوم پر رحم کرنے والا [illegible]
[illegible] والا، ہر صاحب عیب کی پردہ پوشی کرنے والا [illegible] (مفاتیح ص [illegible])

(۱۳) دعائے مبارکہ [illegible] میں وارد ہے: فانا اشهد بانك انت الله لا رافع لما وضعت ولا واضع لما رفعت
ولا معز لمن اذللت ولا مذل لمن اعززت ولا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت [illegible]

اسے کوئی پست نہیں کر سکتا ہے تو وہ [illegible] عزت نصیب نہیں ہو سکتی وہ جسے تو عزت عطا کر دے اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ جسے تو عطا کرے اسے کوئی [illegible] جسے کوئی عطا نہیں کر سکتا"

(نوٹ) یہ وہ دعا ہے جو [illegible] حضرت [illegible] تعلیم فرمائی تھی۔ [illegible] صبح و شام پڑھنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا تھا کہ اپنے بعد والے جانشین کو بھی تعلیم دیں"

(مفاتیح الجنان [illegible] صحیفہ علویہ [illegible])

(۴) مسئلہ تفویض کے متعلق علامہ مجلسیؒ کے حوالہ [illegible] میں حضرت امام زمانہؑ کی توقیع مبارک نقل کی جا چکی ہے جس میں حضرت امام العصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ نے عقیدہ تفویض کی پر زور الفاظ میں رد فرمائی ہے اور صحیح عقیدہ کی تعلیم دی ہے کہ ائمہ سوال کرتے ہیں تو خدا خلق کرتا ہے یہ سوال کرتے ہیں تو وہ رزق عطا کرتا ہے۔ وہ ان کے سوال کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ علامہ ابوالحسن شریف نے یہ توقیع مبارک نقل کرنے کے بعد "یسئلون" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ [illegible] یسئلون متماعۃ [illegible] الاجابۃ المعجزۃ" یعنی میں کہتا ہوں کہ وہ بطور شفاعت و سفارش سوال کرتے ہیں یا معجزہ دکھانے کے لیے بارگاہ قدرت کی طرف رجوع کرتے ہیں" (مشکوٰۃ الانوار صفحہ ۶۵)

(۵) کامل ابن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں مسئلہ تفویض دریافت کرنے کی غرض سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں قریباً چار سال کا ایک لڑکا برآمد ہوا جو حسن و جمال میں چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ (امام العصرؑ) [illegible] آتے ہی مجھ سے مخاطب ہو کر کہا یا کامل جئت الی ولی اللہ وحجتہ تسئلہ عن مقالۃ المفوضۃ کذبوا بل قلوبنا اوعیۃ لمشیۃ اللہ فاذا شاء شئنا واللہ یقول وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ اے کامل! تم ولی خدا اور حجت کی خدمت میں مفوضہ کے عقیدہ کے متعلق سوال کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہو۔ سو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں [illegible] ہمارے دل خدا کی مشیت کے ظرف ہیں۔ جب وہ کچھ چاہتا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں، چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے تم وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے"

(مشکوٰۃ الانوار [illegible] ہفتم بحار [illegible])

[illegible] شخص کی صفت [illegible] واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ امور تکوینیہ (خلق و رزق) [illegible] [illegible] بالاستقلال ممنوع اور باطل ہے اور اس کا اعتقاد [illegible] [illegible] کی مطلقاً نفی کر دی گئی تو پھر غیر استقلال [illegible] [illegible] تفویض [illegible] کہ نفی علی الاطلاق ہے [illegible] [illegible] آیات و روایات پیش کی جاتی ہیں اور غلو نواز [illegible] آیات و روایات کے متعلق یہ معاملہ بھی قابل [illegible] حضرات سے ان کا کوئی معقول جواب نہیں بن سکتا تو نا معلوم

یہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کرانے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں کہ اوّل و بالذات مربّی و مدبّر اللہ ہے لیکن مظاہر سماوی میں جو عقل تدبیر ظاہر کرتی ہے۔ وہ غیر خدا مدبّر ہیں۔ جس کو قرآن یوں ذکر فرماتا ہے۔ والمدبرات امراً اور پھر فرماتا ہے یدبّر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ وہ تدبیر امور کرتا ہے اور اس تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں مگر بعد اذن۔ اس سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جو بعد اذن خدا تدبیر عالم کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعد اذن تدبیر کرنے والے علاوہ ملائکہ کے وہ بزرگوار ہیں جو روح قدس کے مالک قوت و طاقت میں جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہیں۔ تدبیر عالم میں رئیس مطلق ہیں۔ یہ مسلّمہ عقائد میں ثابت ہے۔ ورنہ تعریف امام درست نہیں رہتی۔ باذن خدا یہ امور خلق و رزق وغیرہ کرتے ہیں۔ تدبیر عالم باذن خدا ان کا وظیفہ اور منصب ہے۔ خدا بالذات کرتا ہے آیات مذکورہ بالذات پر دال ہیں اور یہ امر بزرگواروں کی باذن خدا حیثیت خدا کی حیثیت سے منسوب ہیں۔* یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ سراسر اجتہاد فریبی یا پھر خود فریبی اور تفسیر بالرائے ہے جو یکسر غلط اور ناقابل قبول ہے۔

اولاً۔ جب تک یہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ امور تکوینیہ بالذات ذات یزدی سے وابستہ ہیں۔ تو جب تک قرآن و حدیث کے نصوص ساطعہ اور دلائل قاطعہ سے ائمہ اطہار کا بالعرض و باذن اللہ مدبّر عالم و خالق و رازق وغیرہ ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک انہیں مدبّر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر ہمت ہے تو ہمیں کوئی آیت یا کوئی صحیح السند اور صریح الدلالۃ روایت پیش کریں۔ جو قیامت تک نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے برعکس آیات قرآنیہ کی طرح روایات معصومیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ امور ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ پیش کردہ آیات و روایات سے یہ مطلب واضح ہے۔ اور جن بودے اور رکیک استدلالات سے ان لوگوں نے اس مطلب کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ ان کا قطعی جواب بھی ہم ذرا آگے چل کر ازالۂ شبہات کے ضمن میں پیش کریں گے۔

ثانیاً۔ ملائکہ پر ائمہ اطہار کا جو قیاس کیا گیا ہے یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ ہم اہل دانش و بینش جانتے ہیں کہ ملائکہ سے جو امور صادر ہوتے ہیں تو یہ بصورت تفویض نہیں ہیں کہ خدا نے ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد کر دی ہو جیسا کہ اہل تفویض کے بارہ میں یہ زعم ہے اور نہ ہی یہ انجام دہی بشکل توکیل مطلق ہے کہ خدا نے اپنی طرف سے ملائکہ کو ان امور کی انجام دہی میں اپنی طرف سے وکیل مطلق بنا کر مطلق العنان چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ یہ انجام دہی بنا بر بصورت آلیت ہے یعنی ملائکہ کی حیثیت صرف آلہ کار کی سی ہے۔ جس طرح ہم قلم سے لکھتے اور تلوار سے کاٹتے ہیں۔ بلا تشبیہ خدا فرشتوں کے ذریعہ خلق و رزق اور امات و احیاء وغیرہ امور کو انجام دیتا ہے۔ یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے کہ خدا ان کے بغیر ان امور کو انجام دے نہیں سکتا! حاشا و کلا! وہ بغیر آلات و اسباب کے بھی سب کچھ کر سکتا ہے وہ ہر علل کی مستغنی قدیر ہے لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے اس عالم کا نظام کچھ ایسے طریقہ پر مرتب فرمایا اور چلایا ہے کہ ہر چیز علل و اسباب اور آلات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے اور اگر کبھی کوئی معلول اپنی علل و اسباب کے بغیر وجود میں آ جائے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔ ہاں تو چونکہ ہر چیز کا ان

---

* الغرض خدا بالذات خالق و رازق ہے اور یہ بزرگوار باذن اللہ خالق و رازق ہیں۔

اُمور کا ظہور فرشتوں سے ہوتا ہے اس لئے ان کو مجازاً مدبّرات و مقسّمات امر کہا گیا ہے۔ ورنہ بموجب فرمان جناب امیر علیہ السلام فرشتے ہرگز اپنے خالق و رازق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ لایدّعون انّھم یخلقون شیئاً معنا نفرد بہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون (نہج البلاغہ حاشیہ طبع مصر) یعنی جو چیزوں کو خدا پیدا کرتا ہے فرشتے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ انہیں پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے ایسے مکرم بندے ہیں جو کسی قول و عمل میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے۔ بلکہ اسی کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ صاحب کتاب عقل و دین نے بھی ایسا ہی افادہ فرمایا ہے کہ "

ملائکہ فاعل مسخر اند و برائے ہر کارے خلق شدہ اند، بہماں کار مشغول اند و تقریباً اختیارے از خود ندارند"

(عقل و دین ج ۱ ص ۳۴۹)

"یعنی فرشتے فاعل مسخر ہیں وہ جس جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اسی کی انجام دہی میں مشغول ہیں اور اپنی طرف سے تقریباً کوئی اختیار نہیں رکھتے۔" اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ ائمہ اطہار کا بھی یہی مقام ہے۔ کہ صدور افعال نہیں ماسوا کے آلات و اسباب ہیں (کما قیل) تو ہم اسے اہل بیتؑ کی تعظیم و تجلیل نہیں بلکہ ان ذوات عالیہ کی توہین و تذلیل سمجھتے ہیں ارباب عقل و انصاف غور کریں۔ کہ خدا جو جزئی جزئی اور معمولی کام فرشتوں کے ذریعہ انجام دیتا ہے کیا آل محمدؐ بھی فرشتوں کے ہم پلہ ہو کر ان کے ساتھ انہی امور کو انجام دیتے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بعض ہمدردان مذہب نے کیا اچھے کی بات کہی ہے جو خدا کے لئے علی کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ ان پر شبہ خدا کا ہونے لگے۔ نہ گھٹاؤ اتنا کہ فرشتوں کے برابر ہم پلہ کر دو چھوڑ دو فرشتوں کو ان کی غلامانہ آن بان پر اور چھوڑ دو آقاؤں کو ان کی سردارانہ عظمت و شان پر" (اخبار رضاکار لاہور مجریہ ۲۱ مئی ۱۹۶۶ء) اب تو اس نظریہ کے بعض قائلین نے بھی دبے لفظوں میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ اس سطح پر ائمہ اطہارؑ کو لا کھڑا کرنا ان کے شایان شان نہیں جیسا کہ ہم کتاب کے مقدمہ میں مؤلفین کی تضاد بیانیوں کے ضمن میں ان کا یہ قول معہ حوالہ نقل کر چکے ہیں۔ فراجع۔

بہرکیف یہ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ کا وظیفہ قدرت کاملہ کی طرف سے نہ کسی نبی کے سپرد ہوا ہے اور نہ کسی وصی کے۔ خدائے ذوالجلال یہ امور ملائکہ کے ذریعہ سے خود انجام دیتا ہے۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے وظائف و فرائض اس سے کہیں اجل و ارفع ہیں۔ جن کی بقدر ضرورت اسی باب میں آئندہ وضاحت کی جائے گی جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بزرگوار نظام شریعت کے سربراہ اور نظام تکوین میں شفیع و سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش سے بے اولاد بے مال دولت مال و اولاد سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ ان کی شفاعت سے بیمار تو کیا ہزار سالہ مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں اور ان کی توجہ و دعا سے سب مشکلات و مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام العصر والزمان کی حدیث شریف میں ان کے اس منصب جلیل کی وضاحت موجود ہے جس کا تذکرہ بحوالہ احتجاج طبرسی سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام حقیقت ترجمان

کے ضمن میں سابقاً کیا جا چکا ہے ؎

چوں لستنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست   سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

ثالثاً: قبل ازیں غلو و تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسی وغیرہ علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان بزرگواروں کو خالق و رازق اور محی و ممیت سمجھنا غلو و تفویض ممنوع میں داخل ہے۔ یہ بالذات و باذن اللہ والی اصطلاح ان حضرات کی ذاتی اختراع ہے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت و اصلیت ہوتی تو قرآن و حدیث میں بھی تو اس کا کہیں ذکر ہوتا۔ مگر نہ قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ ہے نہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے کسی مستند فرمان میں اس کا کوئی نام و نشان ہے بلکہ اس کے برعکس ان کو بامر اللہ خالق سمجھنے والوں کو بھی کافر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ بعض حدیثیں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ تو بھلا یہ ان کی بنا پر قرآن و حدیث سے ثابت شدہ حقائق سے کیونکر دست برداری اختیار کی جا سکتی ہے؟

رابعاً: اس سلسلہ میں آیت مبارکہ ما من شفیع الا من بعد اذنہ پیش کی جاتی ہے، پیش کرنے والوں نے جو ترجمہ کیا ہے وہ تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے "شفیع" کا ترجمہ "شریک" کرنا عجائبات روزگار میں سے ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے خدا فرماتا ہے ما آمن بی من فسر برأیہ کلامی "جو شخص اپنی رائے کے ساتھ میرے کلام کی تفسیر کرتا ہے وہ مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا" (احتجاج ص۲۳) ہم اپنی طرف سے ترجمہ کرنے کی بجائے جناب مولانا فرمان علی صاحب و مولانا مقبول احمد صاحب کے تراجم پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس آیت سے صحیح عقیدہ کی تائید ہوتی ہے۔ نہ ان لوگوں کے خود ساختہ نظریہ کی؛ اول الذکر اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں "اس کے سامنے کوئی کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد" اور ثانی الذکر اس طرح کرتے ہیں "بغیر اس کے حکم کے کوئی سفارشی ہو ہی نہیں سکتا" مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اب ارباب فہم و فراست و اصحاب انصاف و دیانت غور فرمائیں۔ کہ آیا اس آیت مبارکہ سے ائمہ اطہارؑ کا وسیلہ شفیع اور سفارشی ہونا ثابت ہوتا ہے جو ہم ثابت کر رہے ہیں یا ان کا مدبر عالم اور خالق و رازق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جسے یہ لوگ قرآن و حدیث کا کچھ مسلک کر کے اپنے زعم باطل میں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مالھم انی یؤفکون؛

ان حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ "بامر اللہ" یا "باذن اللہ" کا پیوند لگانے سے تفویض ممنوع والے فاسد عقیدہ کو صحیح نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ رسالہ نعم الزاد لیوم المعاد ص۹ پر وضاحت کر دی گئی ہے۔ کون الفعل باذن اللہ لا یخرجہ عن کونہ تفویضا ولا ینتج بطلان التفویض، اما الاول فکونہ باذن اللہ لا یجعل الفعل فعلہ ولا یخرجہ عن کونہ هو الفاعل "یعنی فعل کا باذن اللہ واقع ہونا اسے تفویض ممنوع سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے باوجود بھی فاعل انسان ہی رہتا ہے نہ خدا" والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ

تکوینی امور میں تفویض کا بطلان متقدمین و متاخرین علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں

علماء کی اس قدر تصریحات موجود ہیں کہ ان سب کے پیش کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے صرف بعض اعلام کے

بیانات عالیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ثقۃ الاسلام حضرت شیخ محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے اصول کافی ص۲۲۳ طبع ایران پر پورا ایک باب منعقد کیا ہے جس کا عنوان ہے: "التفویض الی رسول اللہ والی الائمۃ فی امر الدین" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امور دینیہ میں ان کے نزدیک تفویض مطلقاً باطل ہے کیونکہ علماء محدثین کے نظریات ان کے تحریر کردہ ابواب کے عناوین سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب شرح وافیۃ الاصول، صاحب مرآۃ العقول، صاحب مقابس الفضل اور صاحب فصل الخطاب نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ "مذاھب القدماء تعلم غالباً من عناوین ابوابھم" کہ علماء متقدمین کے عقاید و نظریات ان کی کتابوں کے بابوں کے عنوانوں سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر علامہ مجلسیؒ نے حضرت کلینیؒ کے تحریر کردہ اس عنوان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "اقول فعل مرادہ اثبات التفویض المتقبل بالدین احترازاً من التفویض فی الخلق" میں کہتا ہوں کہ مرحوم کلینی نے تفویض کے ساتھ دینی امور کی قید لگائی ہے اس سے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلق اور رزق والی تفویض سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں۔" (مرآۃ العقول ج ۱ ص۱۹۵)

(۲) رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں مستقل باب مستقل طور پر غلو و تفویض کی نفی کے لئے منعقد کیا ہے جس میں بکثرت دلائل سے خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ میں تفویض کا باطل ہونا ثابت کیا ہے اور ہم نے بھی احسن الفوائد میں اس کی مکمل شرح کر دی ہے۔ والحمد للہ۔

(۳) مفید الفرقۃ المحقہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی شرح اعتقادیہ شیخ صدوق موسوم بہ تصحیح الاعتقاد ص۱۳ طبع ایران مع اوائل المقالات پر اس نظریہ میں حضرت شیخ صدوقؒ کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ فراجع

(۴) امین الاسلام الشیخ ابو الفضل الطبرسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص۳۴۳ پر ذیل آیت ہل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا (ترجمہ کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی پہنچاتا ہے" لکھتے ہیں "ہذا استفہام تقریر لهم ومعناه النفي ليقروا بانه لا خالق الا الله يرزق من السماء بالمطر ومن الارض بالنبات وهل يجوز اطلاق لفظ الخالق على غير الله سبحانه فيه وجهان احدهما انه لا يطلق هذه اللفظة على احد سواه" (ج ۲ ص۳۴۳) یعنی یہ بظاہر استفہام ہے جس کے معنی نفی کے ہیں (یعنی خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے) تاکہ یہ لوگ اقرار کریں کہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں جو آسمانوں سے بارش برسا کر اور زمین سے انگوری اگا کر رزق پہنچاتا ہے آیا غیر خدا پر لفظ خالق کا اطلاق کرنا جائز ہے یا نہ؟ اس میں دو وجہیں ہیں ایک یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے" الخ بعد ازیں مصنف علامؒ نے دوسری وجہ ذکر ہی نہیں فرمایا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہی پہلی وجہ قوی ہے۔"

(۵) شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبیان ج ۸ ص۴۱۳ پر مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "تقریراً لهم على انه لا خالق غير الله في السموت والارض لان هذه الصفة لا يطلق الا عليه تعالى هذا الحكم لانه لا احد

یقدر ان یرزق غیرہ من السماء والارض بالمطر والنبات وانواع الثمار" یعنی اس آیت مبارکہ میں استفہام انکاری کے پیرایہ میں دراصل اس بات کا اقرار ہے کہ زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ اس صفاتی نام (رازق) کا اطلاق غیر خدا پر جائز نہیں ہے بلکہ خدا کے علاوہ کوئی بھی اس بات پر قادر نہیں کہ آسمان سے بذریعہ بارش برسانے اور زمین سے انگوری اگانے کے رزق پہنچائے" اسی طرح تفسیر تبیان ج ۵ ص ۳۷۶ پر یہ لکھنے کے بعد کہ لغوی معنوں کے اعتبار سے ہم بھی ایک دوسرے کو رزق دیتے ہیں۔ اصطلاحی معنی کا اظہار کرتے ہیں (الا انہ لا یطلق الیوم الرازق الا علی اللہ) مگر خدا کے سوا اور کسی پر لفظ رازق کا اطلاق جائز نہیں ہے (کذا فی مجمع البیان ج ۱ ص ۳۷۴)

(۲) مروج المذہب حضرت علامہ محمد باقر المجلسی علیہ الرحمہ کا مفصل بیان حقیقت ترجمان قبل ازیں ص ۱۵۸ در محل کلام ص ۹۰ پر پیش کیا جا چکا ہے جس میں انہوں نے بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ میں ہر قسم کی تفویض کو باطل قرار دیا ہے۔ سر دست ان کے رسالہ لیلیہ مطبوعہ بر حاشیہ عقائد صدوق ص ۳۴ طبع ایران سے ان کا کلام حق ترجمان پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں

(۳) محدث جلیل سید حبیب اللہ خوئی علیہ الرحمہ اپنی کتاب منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۴۲ پر سرکار علامہ مجلسی کی فرمائشات درج کرکے حرف بحرف ان کی تائید مزید فرمائی ہے۔ فراجع

(۴) محدث فاضل مولانا محمد صالح مازندرانی قدس سرہ شرح اصول کافی ج ۶ ص ۳۳ طبع ایران پر تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "للتفویض معان بعضها باطل وبعضها صحیح، اما الباطل فهو تفویض الخلق والایجاد والرزق والاحیاء والاماتة الیهم یدل علی ذلک ما روی عن الرضا قال اللّٰهم من زعم اننا ارباب فنحن منه براء ومن زعم ان الینا الخلق وعلینا الرزق فنحن منه براء" یعنی تفویض کے کئی معنی ہیں۔ ان میں سے بعض باطل ہیں اور بعض صحیح۔ باطل معنی یہ ہیں کہ خلق کرنے، رزق دینے، مارنے جلانے کے کام آنحضرتؐ کے سپرد کیے جائیں۔ جس کے بطلان پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا بار الہا! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم رب ہیں ہم اس سے بیزار ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے یا رزق دیتے ہیں۔ ہم اس سے بھی بیزار ہیں"

(۵) شیخ اکبر الشیخ جعفر النجفی کاشف الغطاء علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کشف الغطاء میں بحث اذان کے ضمن میں مفوضہ کی مذمت کرتے ہوئے ان کو قابل اثنا عشریہ کا مستوجب قرار دیا ہے (کتاب پر صفحات درج نہیں، فراجع)

(۶) جناب علامہ مرزا ابو الحسن تنکابنی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب قصص العلماء طبع بمبئی کے ص ۱۲۷ سے قریباً ۱۳۰ تک مفوضہ کے نظریات فاسدہ کی بڑے زور شور سے رد فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں بالتصریح تفویض استقلالی اور غیر استقلالی کو باطل قرار دیا ہے ان کے کلام سے صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے ص ۱۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اخبار بسیار از ائمہ اطہار علیہم صلوات اللہ الملک الجبار وارد شدہ است کہ نسبت خلق و رزق را بائمہ دادن موجب کفر است"

---

* ہیں وہ تعقلت منهم حتی النعالم بامر اللہ فقد فقد نعینا فی صحاح الاخبار عن القول به یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ انہوں نے خدا کے حکم

است و نقلها در منع فرموده‌اند این گروه را مفوضه خلقیه می نامند و ایشان کافرند یا بیکه خدا در عالم تفویض نمود خلق و رزق را با امام و حضرت صاحب الامر روحی فداه و عجل الله فرجه در توقیع نوشته که هر که یکی از این دو را به من چنین نسبت دهد من و پدرانم از او بیزاریم و عبارات آنجناب این است فانا و آبائی منه براء و علامه مجلسی نیز مانند سایر علما این طائفه را تکفیر نموده‌اند حقیقتاً هم این طائفه کافرند لیکن شیخ احمد احسائی می‌گوید من قائل به تفویض نیستم بلکه می‌گویم خدا خلق کرده است و ائمه بمنزله ید او باشند و ظاهر است که این محض تغییر عبارت باشد و اخبار بسیار وارد و این معنی و معنی اول را و اخبار هم برخلاف آن وارد و یافته باشد مطروح است علاوه و اخبار احاد است در فرض متواتر بودن نیز با ضروری مذهب معارضه نمی‌تواند نمود"

یعنی ائمہ اطہار علیہم السلام کے بیت سے اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خلق و رزق کی نسبت ائمہ اطہار کی طرف دینا باعث کفر و گمراہی ہے ائمہ علیہم السلام نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ اور اس گروہ کو "مفوضہ خلقیہ" کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے خلق کرنے اور رزق دینے کا کام ائمہ علیہم السلام کے سپرد کر رکھا ہے حضرت امام العصر عجل اللہ فرجہ اپنی توقیع مبارک میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اس قسم کی کوئی نسبت میری یا میرے آباؤ اجداد کی طرف دے۔ میں اور میرے آباؤ اجداد اس سے بری و بیزار ہیں۔ سرکار علامہ مجلسیؒ نے بھی دوسرے علماء شیعہ کی طرح اس گروہ کو کافر قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ گروہ کافر ہے۔ مگر شیخ احمد احسائی یہ کہتا ہے کہ میں تفویض کا قائل نہیں ہوں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ پیدا خدا ہی کرتا ہے البتہ ائمہ علیہم السلام بمنزلہ دستِ قدرت ہیں (یعنی ائمہ خدا کے ید ہیں) ظاہر ہے کہ یہ انداز گفتگو صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے اور جن روایات میں اس نظریہ کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ اس خیال کی بھی تردید کرتی ہیں۔ اگر کوئی روایت مذہب حق کے برخلاف وارد ہو تو وہ متروک تصور ہوگی۔ علاوہ بریں یہ جو خبر واحد ہونے کے ناقابل اعتبار ہے۔ اور اگر بالفرض وہ خبر متواتر بھی ہو۔ تو بھی وہ ضروریات مذہب کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتی" (یعنی اس کے مطابق عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا)

(۱) فاضل شریف جناب مولانا مرزا ابوالحسن شریف علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف منیف مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کے صفحہ ۹۹ پر غلو و تفویض کے بارہ میں سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے سابقہ مفصل کلام کو نقل کرکے اس پر اظہار پسندیدگی فرمایا ہے نیز اسی کے صفحہ ۹۸ پر ائمہ اطہار کے حق میں افراط و تفریط کی مذمت اور اس کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے" وتامل فیما ذکرناه صادقاً حتی تعرف ان الحق الذی علیه محققوا اصحابنا المحققین من المتقدمین والمتاخرین فی غیر هذین الصنفین الافراط والتفریط بل هو ان رب العالمین وخالق الخلائق ورازقهم اجمعین هو الله وحده القدیم القادر الذی لا شریک له ولا شبیه وان رسوله محمد والائمة الاثنا عشر من ولده عبید الله مخلوقون مربوبون کسائر الخلق مکلفون بلوازم العبودیة من فعل الطاعات وترک المناهی بلا

احتمال النبوۃ فی الائمۃ ولا مدخلیۃ لھم ولا للنبیؐ فیما ھو من علائق الالوھیۃ وخصائص العبودیۃ الخ

یعنی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں صحیح غور و فکر کرنے سے تم پر یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جائے گی کہ وہ نظریہ حقہ جس پر ہمارے تمام متقدمین و متاخرین محدثین کرام کا اتفاق ہے وہ افراط و تفریط کے علاوہ ایک تیسرا درمیانہ نظریہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رب العالمین اور خالق الخلائق اور تمام کائنات کا رازق خدا وند عالم ہی ہے اور وہی قدیم و قادر ہے۔ جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ہمسر و نظیر۔ اور جناب محمد مصطفیٰؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام تمام کے تمام اس کے مخصوص بندے اور مخلوق و مربوب ہیں۔ اور تمام لوازم بندگی جیسے بجا آوری طاعات و ترک معاصی وغیرہ پر مامور و مکلف ہیں۔ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال دینا بھی ممنوع ہے اور جو امور الوہیت سے متعلق ہیں اور معبود برحق کے خصائص میں شامل ہیں ان میں جناب رسول خداؐ یا ائمہ ہدیٰ کو کوئی دخل نہیں ہے۔"

(۱۲) عمدۃ الفقہاء والاصولیین جناب آقا سید اسمٰعیل النوری الطبرسی علیہ الرحمہ اپنی کتاب کفایۃ الموحدین فی عقائد الدین ج ۲ ص ۲۲۹ طبع ایران پر تفویض استقلالی کی رد کے بعد تفویض غیر استقلالی کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واگر مراد صحت نسبت ایں امور است بایشاں از باب مجاز بواسطہ آلیت و الاسباب۔ یعنی محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آلت از برائے فعل حق تعالیٰ می باشند مانند ارض و سماء و شمس و قمر و ستارگان و ملائکہ چنانچہ فرمودہ است وفی السماء رزقکم وما توعدون یعنی اسباب رزق شما در آسمان است و چوں نسبت خلق بجناب اسرافیلؑ و نسبت رزق بجناب میکائیلؑ و نسبت اماتت بجناب عزرائیلؑ علیہ السلام و سائر ملائکہ از موکلین آب و باد و امثال آں پس می گوئیم کہ شان محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اجل و ارفع از آں است کہ ایں امور نسبت دادہ شود بایشاں زیرا کہ ایں امور از قبیل فراشی و میرغضبی و آلیۃ است کہ شان خدام و چاکرین ایشاں است و ہمہ ملائکہ و سائر خلائق خدام و عتبہ بوس درگاہ و آن بزرگوار انند الخ۔"

یعنی اگر تفویض غیر استقلالی کے قائل حضرات کی مراد اس سے یہ ہے کہ بطور آلات و اسباب کے مجازاً ان امور (خلق و رزق وغیرہ) کی نسبت ان بزرگواروں کی طرف دینا جائز ہے یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام فعل خدا کے آلات ہیں جس طرح زمین و آسمان اور شمس و قمر اور ملائکہ اس کے آلات و اسباب ہیں چنانچہ اس کا ارشاد ہے وفی السماء رزقکم۔ الخ تمہارا رزق اور جن باتوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سب آسمان میں ہیں۔ یعنی تمہارے رزق کے اسباب آسمان میں ہیں۔ یا جیسے تخلیق کی نسبت اسرافیلؑ اور رزق دینے کی نسبت میکائیلؑ اور مارنے کی نسبت عزرائیلؑ کی طرف ہے۔ یا جس طرح دیگر باد و باراں وغیرہ امور پر موکل شدہ فرشتوں کی طرف ان امور کی نسبت مجازاً دی جاتی ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی شان اس سے کہیں اجل و ارفع ہے کہ یہ نوکروں اور چاکروں والے کام بنفس نفیس انجام دیں۔ کیونکہ فرشتے ہوں یا دوسری مخلوق سب کے سب ان بزرگواروں کی

بارگاہ میں ان کے عقیدہ توحید میں[1]

(۲۰) جناب مولانا آقا شیخ احمد گوزہ کنانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ہدایت الطالبین ج ۱ صفحہ ۱۰ طبع ایران پر توحید افعالی اور رد تفویض کے ضمن میں بیان فرمایا ہے کہ ایسی بکثرت صحیح و آیات ان کی نظر سے گزری ہیں جن میں خلق (پیدا کرنے) کی نسبت خداوند عالم کی طرف دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ "واخبار علاوہ در اثبات صفت خلق و رزق بیشتر از آں است کہ این مختصر را گنجائش شمردن از آنہا داشتہ باشد" یعنی خلق و رزق کے مخصوص صفت ربوبی ہونے کے متعلق اس قدر احادیث وارد ہوئے ہیں۔ کہ ان کے عشر عشیر کے درج کرنے کی بھی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ پھر ص۲۳ پر بذیل عنوان "بیان اعتقاد مفوضہ" مفوضہ کے عقائد درج کرکے ان کا ابطال کیا ہے۔ (ترجمہ)

(۲۱) جناب سید العلماء مولانا سید حسین ابن حضرت غفرانمآب علیہما الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ طبع لکھنؤ حصہ اول، دوم اور سوم میں جا بجا دلیل و برہان سے نظریہ تفویض کا بطلان ظاہر فرمایا ہے ہم بنظر اختصار ان کے کلام حق ترجمان سے ایک دو اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ج ۱ ص ۸ پر نظریہ تفویض کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حضرات و غیر حضرات از ممکنات مرحق ایں امر را اجسام خود ایشاں قدرت داشتہ تفویض و اقدار نہ جانب جناب احدیت بر خلق و رزق نسبت بایشاں از روئے عقل و شرع ثابت نہ شود و از طرف خود امرے را بآں حضرات نسبت دادن بے دلیل و برہان صفت حضرات قرار دادن روا نیست چہ جائے آنکہ خلاف آں اجماع قطعی و نصوص محکم ثابت باشد و با غرض اگر روایتے شاذ یا خبرے از اخبار آحاد موہم آں باشد چونکہ مجملات و متشابہات غیر حجت بلکہ مطلق اخبار آحاد در اصول اعتقاد و محل اعتماد نتواند بود۔ پس مطروح خواہد بود یا ماؤل بمعارضہ بالمحکمات"

یعنی حضرات (ائمہ اطہار) یا غیر ائمہ نہ تو خود بخود اجسام وابدان کے پیدا کرنے پر قادر ہیں اور نہ ہی منجانب اللہ خلق و رزق کے بارے میں تفویض ثابت ہے نہ عقلاً اور نہ شرعاً۔ لہٰذا بلا دلیل و برہان کسی امر کو اپنی طرف سے تراش کر ان حضرات کی صفت قرار دینا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کے برخلاف قطعی اجماع اور نصوص محکمہ موجود ہوں۔

---

[1] بعض حلقوں کی طرف سے اس مقام پر بہت خوشہ آرائی کی گئی ہے۔ کہ صاحب کتاب نے الوجوہ یعنی پوری عبارت نقل نہیں کی گئی۔ کیا ضروری تھا کہ ہم ان کی پوری کتاب ہی یہاں نقل کر دیتے۔ جہاں تک ہمارے متعلقہ مسئلہ رد تفویض کی وضاحت کا تعلق ہے ہم نے ان کی وہ پوری عبارت پوری دیانتداری کے ساتھ نقل کر دی ہے ہاں چونکہ بعد والی عبارت کا اس سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا اس لئے اسے نظر انداز کر دیا۔ خصوصاً جبکہ ان کا وہ مادہ جدیدہ ہماری نظر میں صحیح بھی نہ تھا۔ جس پر اسی باب کے آخر میں بعض شبہات کا تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ ان حالات میں اگر اس حصہ کو نقل نہیں کیا تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے۔ تعجب ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے ہیں وہ لوگ بھی ہیں جو ہماری اور دیگر علماء کی عبارات کے ساتھ قطع برید کا وہ سلوک کرتے ہیں جو قصاب بکرے کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ بہرحال دوسرے بھی نہیں کہہ سکتے جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے (منہ عفی عنہ)

بریں حالات اگر کوئی شاذ روایت یا خبر واحد ایسی موجود ہو جس سے اس تفویض کا وہم ہوتا ہو۔ تو چونکہ اخبار مجید و متشابہ بلکہ مطلق اخبار آحاد معین اعتقادات کے سلسلہ میں ناقابل اعتماد ہوتی ہیں۔ اس لئے اسے متروک تصور کیا جائے گا۔ یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ کیونکہ وہ محکمات کے معارض ہے۔ پھر ص ۵۴ پر احتجاج طبرسیؒ سے حضرت امام العصرؑ والی حدیث شریف جو سابقاً بیان ہو چکی ہے جس میں آں جناب نے ان امور کی نسبت ائمہؑ کی طرف دینے کی مخالفت فرمائی ہے، درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "وهو الحق الحقيق بالاتباع پس معتقد تفویض رزق و سائر مصنوعات باطل است" اسی کتاب کے حصہ ثانیہ ص ۱۶۲ پر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو علت غائی تخلیق کائنات ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"انهم المقصودون من خلق هذا العالم چه خلق عالم ایجاد بطفیل حضرات امجاد است کما صرحت به النصوص الکثیرة و اما اینکه حضرات مؤثر و موجد و مدبر ما فی العالم باشند پس اعتقاد آں کفر است مثل مفوضه که خلق و رزق و تدبیر عالم را تفویض او تعالی به محمدؐ و علیؑ بلکه سائر ائمه علیهم السلام راجع می دانند و کل ذلک کفر خواه حضرات را فاعل مستقل دانند و خواه فاعل خدا را دانند و ایشاں بمنزله آلات قرار دهند" یعنی تمام عالم کی تخلیق سے مقصود اصلی یہی بزرگوار ہیں۔ کیونکہ عالم ایجاد کی خلقت ائمہ امجاد کے طفیل ہوئی ہے جیسا کہ نصوص کثیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن یہ اعتقاد کہ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے مدبر و مؤثر اور موجد یہی بزرگوار ہیں کفر ہے جیسا کہ فرقہ مفوضہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے خلق و رزق اور تدبیر عالم کے کام جناب رسول خدا و علی مرتضیٰ بلکہ تمام ائمہ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر کفر ہے خواہ ان بزرگواروں کو ان امور کا مستقل فاعل تسلیم کیا جائے۔ اور خواہ خدا کو فاعل حقیقی سمجھ کر ان کو بمنزلہ آلات و اسباب قرار دیا جائے۔"

(۵) فاضل جلیل حضرت مولانا السید ابو القاسم الرضوی القمی ضیاء الحقانی کتاب معارف الملت الناجیۃ والناریہ ص ۲۲ طبع لاہور پر فرقہ مفوضہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "تفویض جمیع امور خداوندی بحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت امیر و ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم می کنند چوں تدبیر دوران و تقسیم ارزاق و احیاء و اماتت و خلق و تقدیم و تاخیر تکوین و تقدیر و انتظام عالم و غیر ذلک بدست ایشاں است چنانچہ خدا او را بواسطہ ملائکہ می کند ہمچنیں اختیار کل با ایشاں واگذار می کنند پس اگر تفویض امور شرعیات با ایشاں می گوئی دراں عیب نیست اما اگر تفویض امور تکوین و تقدیر گوئی ایں باطل است اگرچہ بصورت توکیل چوں ملائکہ باشد۔" یعنی مفوضہ یہ کہتے ہیں کہ خدائی امور جناب رسول خدا و دیگر ائمہ ہدیٰ کے سپرد ہیں۔ اس لئے وہی حضرات نظام عالم کو چلاتے ہیں۔ وہی تقسیم رزق کرتے ہیں۔ وہی مارتے و جلاتے ہیں اور وہی امور تکوینیہ میں تقدیم و تاخیر کرتے ہیں جیسا خدا ملائکہ کے توسط سے یہ کام انجام دیتا ہے ویسے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام امور ائمہ کے سپرد ہیں۔ وہ ان کو انجام دیتے ہیں ہاں اگر امور شرعیہ میں تفویض کا عقیدہ رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں تفویض کا نظریہ اختیار کیا جائے۔ تو یہ سراسر باطل ہے اگرچہ یہ تفویض (غیر استقلالی ہو)

بصورتِ ذکر کیسی ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ فرشتوں کے بارے میں ہے۔

[illegible] المعرفة بعد عبور الاعتقاد و حدانيته في الالوهية [illegible]

[illegible] بالخلق و الرزق والمعبود بحبوة الايجاد [illegible]

[illegible] الاسلام [illegible]

[illegible] سے خارج ہے۔"

[illegible]

یعنی "ان بزرگواروں کو شفیع وسفارشی سمجھنا درست ہے لیکن ان کو خدا کا وزیر یا اس کی طرف سے عطا کنندہ سمجھنا غلط ہے"
(رسالہ کشف الضلال بإبطال المقال صفحہ ۳۳ مطبع عماد الاسلام لکھنؤ)

(۲۰) جناب آقا سید علی بحر العلوم اپنی کتاب برہان قاطع ج ۲ ص ۲۴۵ پر مفوضہ کے کفر کا فتویٰ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔
"ومن الکفر لانکار الضروری ان یدّعی لعلیؑ او احد الائمۃ علیہم السلام بعض اوصاف لا ینافی التوحید والربوبیۃ الذری لکنہا غیر موجودۃ فیہ بضرورۃ الاسلام کقول جماعۃ ممن عاصرناھم وممن سلف بانہ الخالق والمحی او الممیت عموماً باذن اللہ سبحانہ او باعدادہ فی ذات ومشیتہ او تفویضہ ذلک لیہ" یعنی کفر کے منجملہ ان اقسام کے جو ضروریات دین کے انکار کرنے سے لازم آتے ہیں ایک قسم یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ یا دیگر ائمہ ہدیٰ میں سے کسی امام میں بعض ایسے صفات تسلیم کئے جائیں جو اگرچہ توحید وربوبیت خداوندی کے منافی تو نہ ہوں مگر بضرورۃ الاسلام وہ صفات ان بزرگواروں میں موجود نہ ہوں جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین (شیخ احمد احسائی کے تلامذہ سید کاظم رشتی وغیرہ) اور بعض گذشتہ لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ بزرگوار "باذن اللہ" یا "باعداد اللہ" یا "بمشیت اللہ" یا "بتفویض اللہ خالق یا رازق یا محی یا ممیت ہیں"۔

(۲۱) جناب آقا سید حیدر الکاظمی الحلی اپنے رسالہ کی فصل ثانی میں لکھتے ہیں (عمل القلب منہ) "و ما القول بانہ تعالی خلق محمداً و اھل بیتہ وجعلھم یعملون کل شی بامرہ و ہم یفعلون بما المریعلمہ" یعنی "یہ کہنا کہ خداوند عالم نے سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کو پیدا کر کے اس قابل بنا دیا ہے کہ اب یہ بزرگوار سب کچھ (عالم تکوین میں) اس کے امر واذن کے تحت کرتے رہتے ہیں یہ ایسا قول ہے جس کا کوئی علم نہیں ہے" آخر کلام میں موجودہ دور کے دو مراجع تقلید علماء اعلام کے ارشادات درج کرتے ہیں۔

(۲۲) مرجع اکبر تقلید شیعیان جہان حضرت آقا محسن الحکیم الطباطبائی النجفی تحریر فرماتے ہیں "من المعلوم ان من یعتقد ذلک فھو ضال ومنحرف عن طریق السداد وان من الواضح عند المسلمین ان ھذہ الصفات للہ تعالی وحدہ لا شریک لہ فیھا وما ورد فی الاخبار مما فیہ خلاف ذلک فمؤول او مطروح لانہ مخالف للکتاب والسنۃ والارتکازیات الامامیۃ الماخوذۃ من صاحب الرسالۃ الاکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلا مجال للعمل بھا" یعنی "یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے وہ گمراہ ہے اور راہ راست سے منحرف ہے۔ اور تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ صفات (خلق ورزق اور اماتت واحیاء وغیرہ) خدا کے ان خصوصی صفات میں سے ہیں کہ جن میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اگر کوئی ایسی روایت ہو جس میں کوئی ایسی بات موجود ہو تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی روایات قرآن وسنت اور شیعہ کے ان مسلمہ نظریات کے مخالف ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں لہٰذا ان پر عمل کرنے کی گنجائش

نہیں ہے ۔ دستخط رحمن اللہ طبا طبائی الحکیم) (اصل مجمع البحرین العلوم الجعفریہ ملتان میں محفوظ ہے)

(۲۳) آیۃ اللہ حضرت العلامہ الشیخ عبد الکریم الزنجانی النجفی اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم اولاً واجب است بر ہر فرد مسلمان اینکہ اعتقاد یقینی کند بتوحید ذاتی خداوند متعال کہ مفاد و لا الہ الا اللہ می باشد و ایضا اعتقاد داشتہ باشد بتوحید صفاتی خدا کہ مفاد و لا ہو الا ہو ، می باشد و ایضا اعتقاد یقینی کند بتوحید افعالی ایزد متعال کہ مفاد و لا حول و لا قوۃ الا باللہ می باشد و در نقل عبارت ایجا معتقد شدہ پس لازم است اعتقاد مسلمانان بجمیع آنچہ در قرآن شریف و سنت مطہرہ از پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسیدہ است۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم سب سے پہلے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خدا کی توحید ذاتی کا یقینی اعتقاد رکھے جو کہ (لا الہ الا اللہ) کا مفاد ہے۔ اسی طرح توحید صفاتی کا حتمی اعتقاد رکھے۔ جو کہ (لا ہو الا ہو) کا مفاد ہے نیز توحید افعالی کا قطعی اعتقاد رکھے جو کہ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) کا مفاد ہے۔ عقیدۂ توحید کے بعد خاتم انبیاء سرکار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا عقیدہ رکھے جو دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت ہے اس کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت حقہ کا اعتقاد رکھے۔ نماز کے تشہد میں وارد ہے (واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا تمام سرمایۂ افتخار خدا کی عبودیت اور اس کی عطا کردہ رسالت میں منحصر ہے لہٰذا خدائے معبود کی تمام صفات اور اس کے افعال اس کے مخلوق بندوں کے افعال و صفات سے جدا ہیں۔ پس تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ انہی امور کا اعتقاد رکھیں جو کہ قرآن شریف اور سنت مطہرہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (عبد الکریم الزنجانی النجفی) (اصل ہمارے پاس محفوظ ہے)

(۲۴) حضرت مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری تحریر فرماتے ہیں "یوں تو ہر ہاں سے جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خالق عالم ایک ہی ہے اور وہی قدیم ہے اس کے سوا سب چیزیں حادث ہیں۔ تو آپ سے آپ نتیجۃً یہ امر بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شئی کا خالق وہی ہے کیونکہ دوسرا کوئی قدیم ایسا نہیں ہے جس کی طرف اس فعل خلق و ایجاد کی نسبت کی جا سکے۔ وہی مبدا اول ہے جو حکیم و قدیر اور علیم و خبیر ہے جس کی حکمتوں کے آثار عالم کے ہر ذرے سے نمودار ہیں۔ ہر جسم خواہ نباتی ہو یا حیوانی یا جمادات بلکہ ہر موجود خواہ جوہر ہو یا عرض بسیط ہو یا مرکب مرئی ہو یا غیر مرئی اپنے اپنے آثار و افعال و قوی و حرکات و لا شتمال علی الحکم العجیبۃ والصنائع الغریبۃ سے آواز جہد پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمیں اس بے نیاز صناع یکتا نے بنایا ہے جس کی حکمت کا اندازہ اور جس کے کمالات کی تقدیر ذہن بشری سے باہر ہے"۔ (توحید القرآن از مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری)

(۲۵) جناب آغائے محسنی مدظلہ نے اپنی کتاب صراط الحق ج ۲ صفحہ ۲۲۴ پر تفویض کے عقیدۂ باطلہ کا ابطال کرتے ہوئے دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ خلق، رزق وغیرہ امور تکوینیہ کی نسبت غیر خدا کی طرف دینے کو ممنوع ثابت کر کے تفویض استقلالی و آلی کو مقطوع العدم قرار دیا ہے۔ فراجع۔

[illegible]

اسے افادۂ عمومی کی غرض سے یہاں نقل کیا جاتا ہے فرماتے ہیں

[illegible]

بیان نمبر دوم (الحاقی)

[illegible]

اسی طرح وہ سب آیات وروایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں جو ہم [illegible]

[illegible]

علیہم السلام کو مختار بھی نہیں [illegible] کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ خدا کی طرف [illegible] حقیقی
[illegible] پر ہونے کے یہ احتمال باطل ہے۔ اور اگر مقصد یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام اللہ کی مدد سے یہ کام کرتے
ہیں۔ تو خدا کو مدد دینے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ خود یہ کام انجام دے سکتا ہے، علاوہ بریں کائنات کا نظام جیسا کہ کسی
[illegible] سے مخفی بھی نہیں ہے اور ہر چیز کا عطا کرنا پروردگار عالم کی ذات سے ہی مختص ہے اور خدا کی مدد
سے کوئی یہ کام کرے، درست رو ممکن ہی نہیں ہو سکتا خصوصاً۔ بالخصوص اس نظریہ کی رد میں بہت سے روایات وارد
ہوئے ہیں [illegible] سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ باطل ہے [illegible] ایک مختصر پیش کیا ہے جو ہم قبل ازیں
نقل کر چکے ہیں۔ (ترجمہ)

نیز اسی مجلد کے اسی کتاب کے صفحہ [illegible] پر لکھتے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] روایات [illegible] اس قسم کی [illegible] ہے کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ
[illegible] یا اسی قسم کے دوسرے نکتے، کا جو [illegible] کی ذات سے
متعلق ہیں [illegible] ہے۔"

[illegible] صفحہ [illegible] پر تفویض مستقل و تام ہر دو کو باطل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible] کوئی فرق نہیں کہ علیہم السلام کو مستقل خالق و مستقل [illegible] کے اذن اور اس کی
[illegible] لا ہم [illegible]

[illegible]

تفویض و تنزیہ عقل سلیمہ کی روشنی میں

[illegible] خود [illegible] جسم کا موجد [illegible]
[illegible] نہیں ہو سکتا اور
[illegible] حقیقی معنوں کے اعتبار سے خالق و رازق
نہیں ہو سکتی [illegible] کی ذات ایزدی میں منحصر قرار دیا ہے کہ وہ نہ جسم رکھتا
ہے اور نہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے [illegible] لا اجسام وقسم لا رزاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم
[illegible] مستطاب حق الیقین [illegible] پر بیان کیا ہے۔

"یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے کیونکہ جو خود جسم ہوگا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اسی کا کام ہے۔" ظاہر ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اجسام مبارکہ رکھتے ہیں لہٰذا اس عقلی کلیہ کے مطابق خالق و رازق نہیں ہوسکتے لہٰذا چونکہ ان امور کا تعلق عہدۂ ربوبیت سے ہے اس لئے وہی یہ کام انجام دیتا ہے هو الذی خلقکم ثم رزقکم ثم احیاکم ثم یمیتکم ثم الیہ ترجعون (پ۔ س ع) اللّٰہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم هل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شیٔ (پ۲۱ س روم ع۴)

ائمہ امجادؑ کے مقام و کام کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد

اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات و تنقیحات سے یہ امر بخوبی واضح و آشکار ہو جاتا ہے تاہم یہاں قدرے اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے۔ اگرچہ ہادیانِ دین یعنی جناب پیغمبر اسلامؐ و ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے صحیح مقام و منزلت کی تعیین، وجودِ خدا کی صفاتِ مقدسہ سے تنزل کے بعد انسانی عقول و افہام کی دسترس سے بلند و بالا ہے لایقاس بآل محمد احد من الناس۔ نہج البلاغہ۔ تاہم عام انسانی وسعتِ عقل و استعداد کے مطابق ان ہادیانِ دین نے اپنے مقام و کام کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے انہی کے مستند و معتبر ارشادات و فرامین کی روشنی میں اس کا ایک جامع خلاصہ ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) یہ بزرگوار رسولؐ کے نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام فضائل و کمالات میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح وارث و جانشین ہیں۔

(۲) واضح ہے کہ آنحضرتؐ تمام سابقہ انبیاء و مرسلینؑ کے تمام علمی و عملی کمالات کے مجموعہ اور جامع ہیں اور اسی جامعیت کی وجہ سے ان سب سے افضل و اشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ بزرگوار آنحضرتؐ کے کمالات و کرامات کے جامع ہیں۔ اس لئے سوائے سرکار ختمی مرتبتؐ کے دوسرے تمام انبیاءؑ سے ان کا مقام بلند ہے اور علم و فضل، زہد و تقویٰ، عفت و عصمت، جود و سخاوت، شجاعت و شہامت، الغرض تمام امکانی صفات جلیلہ میں سرآمد روزگار و افتخار ہر نبی و ہر وصی و ہر شہید ہیں۔

(۳) چونکہ آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت صرف نوعِ انسان تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ پورے عالمین کے بشیر و نذیر اور ان کا وجودِ مسعود پورے عالم امکان کے لئے سراپا رحمت ہے اس لئے ان ذواتِ مقدسہ کی خلافت و امامت بھی کسی خاص قوم و قبیلہ یا کسی خاص زمان و مکان کی قید سے مقید نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام عالمین کے لئے ہادی و رہنما اور تمام کائنات علوی و سفلی پر حجت خدا ہیں۔

(۴) جس طرح آنحضرتؐ عصمت کبریٰ کے اجل و ارفع درجہ پر فائز ہیں، اسی طرح ان حضرات قدسی صفات کا مقام عصمت

"خدا وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی پھر وہی تم کو مار ڈالے گا پھر وہی تم کو زندہ کرے گا بھلا تمہارے (بنائے ہوئے خداؤں کے) شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے" (ترجمہ قرآن)

بھی از مہد تا لحد ہر قسم کے گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی عمدی و سہوی آلودگیوں سے منزہ و مبرا ہے۔

(۵) چونکہ یہ بزرگوار پورے عالم امکان اور سارے جہان پر حجتِ خدائے رحمٰن ہیں۔ اس لئے وہ سب مخلوقات حتیٰ کہ چرند و پرند اور درند کی زبان بھی سمجھتے ہیں اور ہر زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں۔

(۶) اگرچہ ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ و پیمانہ نہیں ہے جس سے ان کے علوم لدنیہ کا حدود اربعہ معلوم کیا جا سکے لیکن اس قدر مسلّم ہے کہ حجتِ خدا کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ کسی وقت، کسی جگہ، کسی سائل اور کسی موضوع کے متعلق سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ "الحجۃ من لا یقول لا ادری" خلاصہ یہ کہ ان کا علم خدا کے مقابلہ میں جزئی اور ہمارے مقابلہ میں کلی ہے۔

(۷) جس طرح آنحضرتؐ کی ہر حالت، ہر جگہ، ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر امر میں ہر شخص پر اطاعت مطلقہ واجب ہے۔ اسی طرح ہر حال، ہر جگہ، ہر زمان، ہر مکان اور ہر امر میں ہر شخص پر ان معصوم ہستیوں کی بھی اطاعت مطلقہ واجب ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور دنیوی و اخروی فوز و فلاح انہی کی اطاعت میں پوشیدہ ہے۔ فہم سفن النجاۃ و مصابیح الدجیٰ و اعلام التقیٰ والدعاۃ الی اللہ والادلاء علی مرضاۃ اللہ وائمۃ الہدیٰ والسادۃ القادۃ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

(۸) جس طرح آنحضرتؐ کی ہر شخص پر محبت واجب و لازم ہے اور اس کے بغیر کوئی آدمی مسلمان نہیں کہلا سکتا ہے، اسی طرح ان ذواتِ عالیہ کی مودّت و محبت بھی اجر رسالت کے طور پر ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے اس کے بغیر کم از کم کوئی شخص اہل ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اور ان کا دوست خدا کا دوست اور ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔

(۹) جس طرح آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کے بغیر کسی عامل کا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا اسی طرح ان مقربان بارگاہ کی امامت و ولایت کے اقرار کے بغیر بھی کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کے انکار کے مترادف ہے۔

(۱۰) یہ بزرگوار آنحضرتؐ کی طرح علتِ غائی ممکنات و باعث ایجاد کائنات ہیں۔ خدائے قادر و قیوم نے آسمان کا شامیانہ انہی کی خاطر لگایا۔ اور زمین کا فرش انہی کے طفیل بچھایا ہے۔ الغرض خدا اگر ان کو پیدا نہ کرتا تو عالم امکان کے ایک ذرہ کو بھی خلعت وجود عنایت نہ کرتا۔ اس لئے یہ بزرگوار خدا تک رسائی اور اپنی مشکل کشائی کرانے کا بہترین وسیلہ و ذریعہ ہیں۔

(۱۱) اس عالم میں خدا کے دو نظام رائج ہیں۔ ایک کا نام ہے نظام شریعت۔ دوسرے کا نام ہے نظام تکوین۔ مسائل حلال و حرام، احکام جائز و ناجائز۔ اور دوسرے حقائق و معارف دینیہ کا تعلق پہلے نظام سے ہے اور پیدا کرنے، روزی دینے، بیماروں کو شفا دینے، مارنے اور جلانے کا تعلق دوسرے نظام سے ہے۔ جہاں تک نظام شریعت کا

تعلق ہے یہ ذوات قدسیہ ان کے سربراہ ہیں۔ اور شرعی نقطۂ نظر سے یہی ہمارے حکام ملی اور بادشاہ دینی و دنیوی
حقیقی ہیں جیسا کہ [illegible] تو یہی معارف [illegible] اور [illegible]
[illegible] شرع و شناخت [illegible] کی حفاظت [illegible]
[illegible] بادشاہ سے ہوتے ہیں [illegible] کی حفاظت [illegible]
وتعزیرات کا اجرا [illegible] قسم کے مستحقین [illegible]
عالم وجود پر تقسیم وجود سے پہلے رکھتے ہوئے [illegible] ہیں [illegible]
یہ کہ دوسرے [illegible] رزق [illegible] وغیرہ [illegible]
چلانا اس سے متعلق نہیں ہے [illegible]
بلحاظ آلات و اسباب اور نہ باعتبار فرشتوں پر نائب و نگران ہونے کے بلکہ یہ سب کام تو خدائے رحمن و علام بذریعہ
ملائکہ کرام انجام دیتا ہے۔ کل یوم ھو فی شان۔

اس سے ظاہر ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام [illegible] تخلیق [illegible]
اس [illegible] منصب [illegible] شفاعت [illegible]
تو خدا [illegible]
سے [illegible] فرمایا [illegible]
[illegible]
ہے وہ وسیلہ ذریعہ ہے (یہاں امام زمانہ والی توقیع مبارک "ان اللہ تعالیٰ خلق [illegible]"
[illegible] ہم [illegible]
اور سفارش ہم کرتے ہیں رزق خدا دیتا ہے۔ الخ"

[illegible] جناب [illegible] بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت [illegible] کی خدمت میں [illegible]
رہتا ہے۔ آپ خود ہیں امام علیہ السلام نے [illegible] فرمایا [illegible]
سمعی وبصری [illegible] ولحمی ودمی من هؤلاء [illegible] الله عليهم وسلم [illegible]
میرے کان، آنکھ، بال، جلد، گوشت و پوست [illegible]
[illegible]
علم الله وترجمة وحی الله ونحن قوم معصومون امر الله بطاعتنا ونهی عن معصيتنا نحن
الحجة البالغة على من دون السماء وفوق الارض۔ [illegible] علم خدا کے [illegible] وحی [illegible]

کے ترجمان۔ ہم وہ معصوم ہیں جن کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے اور نافرمانی کی ممانعت کی ہے۔ اور ہم آسمان و زمین والی مخلوق پر حجت خدا ہیں۔" (رجال کشی ص۱۹۱ کذا فی البحار ج ۷ ص۲۳۹)

(۲) حضرت امیر المومنینؑ وظائف و فرائض امام کے سلسلہ فرماتے ہیں "انہ لیس علی الامام الا ما حمل من امر ربہ الا بلاغ فی الموعظۃ والاجتہاد فی النصیحۃ والاحیاء للسنۃ واقامۃ الحدود علی مستحقیہا واصدار السہمان علی اہلہا" (نہج البلاغہ جلد اول ص۱۹۵ ترجمہ مفتی صاحب) امام کا فرض تو بس یہی ہے کہ جو کام اسے اپنے پروردگار کی طرف سے سپرد ہوا ہے اسے انجام دے، اور وہ یہ ہے کہ پند و نصیحت کی باتیں ان تک پہنچائے۔ سمجھانے بجھانے میں پوری پوری کوشش کرے۔ سنت کو زندہ رکھے اور جن پر حد لگتا ہے ان پر حد جاری کرے اور مستحقین تک ان کا حصہ پہنچائے"

(۳) اس سلسلہ میں سرکار ملا محسن فیض کاشانی علم الیقین ص[illegible] پر تحریر فرماتے ہیں "والوصی ہو الحجۃ بعد ذلک النبی والامام الناطق تاویل الکتاب الصامت یحفظ الشریعۃ ویقیم الحدود ویسد الثغور ویقصر ید الظالم عن المظلوم" نبی کے بعد حجت وہ امام ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کی صحیح تاویل کرے۔ شریعت مقدسہ کی حفاظت کرے۔ حدود و تعزیرات شرعیہ جاری فرمائے۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ اور مظلوم کو ظلم سے بچائے"

(۴) بعض آثار میں وارد ہے "فالولایۃ ہی حفظ الثغور وتدبیر الامور وتعدید الایام والشہور (بحار ص[illegible]) یعنی ولایت کا مطلب ہے سرحدوں کی حفاظت کرنا۔ رعایا کے امور کی دیکھ بھال کرنا اور ماہ و ایام کا شمار و حساب کرنا

(۵) صاحب رسالہ مراد النجات ص۴۶ طبع ایران امامت کی دینی و دنیاوی ریاست عامہ کے ساتھ تعریف کرنے کے بعد امور دینیہ اور امور دنیویہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"و مراد از ریاست در امور دینیہ این ست کہ احکام الٰہیہ را از تغییر و تبدیل حفظ نماید و باجرا و انفاذ آں بپردازد و ریاست در امور دنیویہ عبارت است از حفظ ثغور و تمامی بلاد و نگاہداری شہرہا و اخذ حقوق مظلومین از ظالمین و فصل قطع دعاوی متخاصمین و رفع [illegible] بین متنازعین و اجرای حدود شرعیہ و فراہم آوردن آنچہ امور معاش مسلمین باو موقوف است"

یعنی امور دینیہ میں ریاست عامہ سے یہ مراد ہے کہ احکام الٰہیہ کی تغییر و تبدل سے حفاظت کرے اور ان کو جاری و ساری فرمائے اور دنیوی امور میں ریاست عامہ سے مراد ہے اسلامی سرحدوں اور دیگر تمام شہروں کی حفاظت و حراست کرنا۔ شریر لوگوں پر کڑی نگاہ رکھنا۔ نیز ظالموں سے مظلوموں کے حقوق واپس دلوا کر ان کی دادرسی کرنا۔ جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صحیح فیصلہ کرنا۔ باہمی تنازعات کو رفع کرنا۔ حدود شرعیہ کا جاری کرنا اور ان تمام امور کا بجا لانا جن سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود وابستہ ہے" ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ تعریف امامت میں وارد شدہ لفظ ریاست عامہ دینی و دنیوی سے ان حضرات کے خالق و رازق ہونے پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ایمان کے مختلف مدارج و مراتب ہیں جیسا کہ ہم دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ ایمان گھٹتا بڑھتا بھی رہتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ مقام و کلام و منزلِ اہلبیت علیہم السلام کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ صرف بعض علمائے اسلام کے اپنے دماغ کی اختراع ہے اور وہ اپنے درجہ ایمان کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ بعض رسالوں میں یہ اتہام عائد کیا گیا ہے [illegible]۔

ہمارے سابقہ بیانات و استدلالات پر اجمالی نظر ڈالنے سے اس اتہام کا بالکل پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر جلوہ گر ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اور ان بزرگواران کے جو جو حدود و مراتب اور فرائض و مناصب بیان کئے گئے ہیں یہ خود خدائے حکیم و جناب رسول کریم اور ائمہ طاہرین کے بیان و مقرر کردہ ہیں۔ اور انہی کی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے تمام علمائے اعلام متقدمین ہوں یا متاخرین سب نے انہی عقائد حقہ ایمانیہ کو ایمان کا معیار و میزان قرار دیا ہے [illegible]

افراط و تفریط کے مابین درمیانی عقیدہ

ارباب عقل و معرفت کے لئے یہ بات محتاج دلیل نہیں افراط و تفریط مذموم اور اقتصاد و [illegible] ہر ذی شعور دیندار پر لازم ہے کہ آیات قرآن اور اخبار اہلبیت علیہم السلام کے تدبر [illegible] میں شناوری کرے کہ ہر ہر موضوع و مسئلہ میں افراط و تفریط کے مابین درمیانی صحیح عقیدہ کیا ہے؟ ہم نے اپنی سی حد تک یہی کوشش کی ہے کہ قرآن اور سرکار محمد و آل محمد کے بیان کردہ حقائق و معارف کے بحر بے کراں میں شناوری کرکے ہر موضوع سے متعلق افراط و تفریط سے الگ ہو کر جو صحیح درمیانی عقیدہ ہے معلوم کیا ہے۔ اور پھر بلا کم و کاست افادۂ عمومی کی غرض سے اسے ابنائے قوم و ملت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں دین کے [illegible] کا ہم نے اپنی صحت [illegible] کا خیال نہیں کیا۔ [illegible]

نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

ان اجری الا علی اللہ قال اللہ لا یضیع اجر المحسنین وجعلنا اللہ منہم بحق النبی و آلہ الطاہرین۔

یہ اس رب رحیم و کریم کا محض تفضّل و تلطف ہے جس نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں اپنے دین مبین کی درس و تدریس اور تقریر و تحریر کے ذریعہ مجھے خدمت کرنے کی توفیق و سعادت بخشی ہے

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی   منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

و نحمدہ علی احسانہ العمیم۔

اصول کافی ص۲۲۳ طبع قدیم، اور ریاض الجنان میں و ھی ما نقل عنہ معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ بروایت محمد بن سنان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ حدیث مروی ہے۔ محمد بن سنانؒ بیان کرتے ہیں کہ کنت عند ابی جعفر علیہ السلام مذکرت اختلاف الشیعۃ فقال ان اللہ لم یزل فرداً متفرداً فی الواحدانیۃ ثم خلق محمداً و علیاً و فاطمۃ علیہم السلام فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا و اجری طاعتھم علیھا و جعل فیھم ما شاء و فوض امر الاشیاء الیھم فی الامر و الحکم و الارشاد و الامر و النھی فی الخلق لانھم الولاۃ فلھم الامر و الولایۃ فی الھدایۃ فھم ابوابہ و نوابہ و حجابہ یحللون ما شاء و یحرمون ما شاء و لا یفعلون الا ما شاء عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول و ھم بامرہ یعملون فھذہ الدیانۃ التی من تقدمھا غرق فی بحر الافراط و من نقصھم عن ھذہ المراتب التی رتبھم اللہ فیھا زھق فی بر التفریط و لم یوف آل محمد حقھم فیما یجب علی المؤمن من معرفتھم ثم قال خذھا یا محمد فانھا من مخزون العلم و مکنونہ

یعنی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا میں نے آپ سے معرفت ائمہؑ کے متعلق شیعوں کے اختلاف کا تذکرہ کیا (یہ سن کر) امام نے فرمایا۔ خداوند عالم ذات و صفات میں ہر طرح واحد و یگانہ تھا اور کوئی چیز موجود نہ تھی، پھر اس نے اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے جناب محمد مصطفےؐ و علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ علیہم السلام کو پیدا کیا۔ یہ بزرگوار پورا ایک ہزار دہرؔ[1] ریاض قدس میں قیام پذیر رہے پھر خدا نے آفرینش عالم کی ابتداء کی اور دوسری اشیاء کو پیدا کیا۔ اور ان کی پیدائش پر ان کو گواہ بنایا اور ان اشیاء علوی و سفلی پر ان حضرات کی اطاعت لازم قرار دی اور ان بزرگواروں میں جو چاہا۔ فضل و کمال ودیعت فرمایا۔ اور حکم و تصرف، ارشاد اور امر و نہی (غرضیکہ سب کچھ) امور ان کے سپرد فرمائے کیونکہ یہی حضرات والیان امر ہیں یعنی رشد و ہدایت خلق کے متعلق انہی کو حکومت و ولایت حاصل ہے۔ اور یہی ذوات مقدسہ خدا (تک رسائی) حاصل کرنے کے دروازے

---

[1] دھر زمانہ طویل کو کہا جاتا ہے اور ایک ہزار سال پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (مجمع البحار ج۲ ص۳۶۲، مرآۃ العقول ج۱ ص۴۳۱) (منہ عفی عنہ)

(بندوں تک احکام شرعیہ پہنچاتے ہیں) اس کے نائب اور اس کی بارگاہ کے حاجب (دربان) ہیں (خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں) یہ خدا کی مشیت و مرضی کے مطابق اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کرتے ہیں۔ اور یہ از خود کوئی بھی کام نہیں کرتے مگر وہی جو خدا چاہتا ہے۔ یہ خدا کے وہ مکرم و محترم بندے ہیں جو کسی قول (یا فعل) میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے بلکہ اسی کے حکم کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں۔ (سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی معرفت کے بارے میں) یہ ہے وہ صحیح دین و دیانت کہ جو اس سے آگے بڑھے گا (یعنی غلو و تفویض کا قائل ہوگا) وہ افراط کے سمندر میں غرق ہو جائے گا۔ اور جو ان کو خدا کے ان عطا کردہ مراتب سے گھٹائے گا وہ دشت تفریط میں ہلاک ہو جائے گا۔ اور ان کے اس حق کو ادا نہیں کرے گا جو ان کی معرفت کے متعلق مومن پر واجب و لازم ہے پھر فرمایا اے محمدؐ! اس دیانت کو لو اور اسے محفوظ رکھو کیونکہ یہ آل محمدؐ کے علم مخزون و مکنون (پوشیدہ) میں سے ہے۔ (ہفتم بحار ص ۳۶۲ و مرآۃ الانوار ص ۹۲ وغیرہ)

محدث جلیل ابو الحسن الشریف اس روایت الشریفہ کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "قول ھذا الخبر من امہات جوامع احوال الائمہ علیہم السلام بل ھو معیار تمیز الحق من الافراط والتفریط وقد ذکرناہ علی لفظ ریاض الجنان لکونہ ادل علی المطلوب" یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث، ائمہ اہل بیتؑ کے جامع حالات معلوم کرنے کی اہم اور بنیادی احادیث میں سے ہے بلکہ افراط و تفریط میں سے اصل صحیح و حق عقیدہ معلوم کرنے کا معیار و میزان ہے۔ ہم نے اسے ریاض الجنان کے الفاظ کے مطابق نقل کیا ہے کیونکہ اس کی دلالت اصل مقصد پر زیادہ واضح ہے۔ (مرآۃ الانوار ص ۹۲) بالکل اسی نیک مقصد کے پیش نظر ہم نے بھی من و عن اسے یہاں پیش کر دیا ہے لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ۔

وضاحت اگرچہ خود اس حدیث شریف کے اندر اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ اس میں وارد شدہ لفظ "تفویض" سے ارشاد اور امر و نہی وغیرہ دینی امور میں تصرف و تفویض مراد ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ تاہم ممکن ہے کوئی کوتاہ اندیش سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے صرف جملہ "فوض امر اشیاء الیہم" پر جمود کر کے اس سے تکوینی امور میں تفویض ثابت کر دینے کی سعی نافرجام کرے۔ اس لئے ذیل میں دو علماء اعلام کا تائیدی کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاتا ہے:۔

(۱) سرکار علامہ مجلسیؒ اسی فقرہ کی شرح میں فرماتے ہیں "من التحلیل والتحریم والعطاء والمنع" یعنی جس سے تحلیل و تحریم اور عطاء و منع میں تفویض مراد ہے" (بحار ج ۷ ص ۳۴۲) اور یہ قسم درست ہے۔ دوسرے اقسام کی پوری پوری وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے۔

(۲) محدث خبیر ابو الحسن الشریف اسی فقرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں "ای فیما ذکرہ علیہ السلام دون الخلق

وامور تقدر نحوھا کما مسند کرہ مفصلاً "یعنی بعض دینی امور میں تفویض مراد ہے جن کا امامؑ نے حدیث کے اول ذکر فرمایا ہے نہ کہ خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ میں جیسا کہ ہم عنقریب تفصیلاً بیان کریں گے۔ (مرآۃ الانوار ص۲۷)

ان فی ذلک لبلاغاً لقوم یعقلون۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اس موضوع پر اب تک جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے، اگرچہ قلب سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے شخص کے لیے اطمینان قلب کی دولت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے مگر معوج المزاج اور شقی القلب رکھنے والے حضرات کی مزید تسلی اور اتمام حجت کے لئے یہاں ان شکوک و اوہام کا ازالہ کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے جن کو بموجب واما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ باعوام رجسے شدومد کے ساتھ پیش کر کے سادہ لوح عوام اہل ایمان کو جادۂ اعتدال سے ہٹانے اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کی سعی نامشکور کرتے رہتے ہیں۔ شاید اس طرح خدائے کریم انہیں جادۂ حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ وھو علی کل شیٔ قدیر۔ مگر رشد و ہدایت کی لازوال دولت سے بہرہ ور وہی لوگ ہوا کرتے ہیں جو حق و حقیقت کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدائے قدوس کا وعدہ ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین

حقیر نے کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" میں غلو و اہل غلو حضرات کے پورے بارہ عدد شبہات کے مکمل تحقیقی جوابات پیش کر دیئے ہیں، جو کہ اکثر و بیشتر ان ضعیف بلکہ وضعی احادیث پر مبنی ہیں جو ائمہ اہل بیت کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں۔ اور ہم نے دلائل و براہین کے تیز حربوں سے ان کا کچھ اس طرح قلع قمع کیا ہے کہ پھر کسی کو ان کی صحت پر قلم اٹھانے کی ہمت و جرأت نہیں ہو سکی ہے۔

وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ تموت اذا لم تحیھن اصول

اب ہم ذیل میں ان شکوک و اوہام کا ازالہ کرتے ہیں جو بعد میں بعض کتب و رسائل میں پیش کئے گئے یا کئے جا سکتے ہیں واللہ ولی التوفیق۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

"خداوند عالم جو کام کرتا ہے وہ فرشتوں کے ذریعہ کرتا ہے۔ تو نظام کائنات کے کارندے ملائکہ ہیں۔ ملائکہ پر حاکم اعلیٰ و نگران حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یہ ملائکہ ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں فرشتے ان کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اور خدا ان پر حاکم اعلیٰ ہے گویا کہ خدا اس کائنات کا بادشاہ ہے محمد و آل محمد علیہم السلام اس کے وزیر اور فرشتے کارندے ہیں۔ اس لئے ان افعال کی نسبت جس طرح خدا کی طرف دینا صحیح ہے اسی طرح ان حضرات کی طرف دینا بھی درست ہے۔"

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہ و علیہم السلام۔ صرف ملائکہ بلکہ تمام کائنات سے

افضل ہیں اور مع فرشتوں کے سارے عالم امکان کے مخدوم ہیں۔ مگر ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ یہ افضلیت و اشرفیت فضائل و کمالات علمیہ و عملیہ کی بنا پر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس لئے فرشتوں سے افضل اور ان کے مخدوم ہیں کہ نظام عالم میں ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے اور نہ علماء اعلام میں سے کسی نے ایسا لکھا ہے۔ یہ بادشاہ و وزراء والی جو مثال دی گئی ہے یہ صرف ان لوگوں کی ذہنی اختراع ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے ہم ذیل میں اس کے بطلان کی چند وجوہ پیش کرتے ہیں۔

وجہ اول۔ ارشاد قدرت ہے فلا تضربوا للہ الامثال۔ خدا کے لئے مثالیں نہ دیا کرو کیونکہ اس کی شان تمہاری مثالوں سے کہیں بلند و ارفع ہے ع

خاک بر من و تمثیل من

اسی طرح امام رضاؑ سے مروی ہے من شبہ الخالق بالمخلوق فہو مشرک۔ جو خالق کو مخلوق سے تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔ (بحار الانوار ج ۳ ص ۲۹۱ کتاب التوحید)

وجہ دوم۔ اس کا ارشاد ہے یدبر الامر من السماء الی الارض (پ ۲۱ سجدہ ع ۱) وہ خدا آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے۔ جب وہ خود تدبیر کرتا ہے اور فرشتوں کی حیثیت صرف آلات و اسباب کی سی ہے جیسا کہ قبل ازیں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے تو پھر اسے وزراء کی کیا ضرورت ہے؟

وجہ سوم۔ وزیر "وزر" سے مشتق ہے۔ وزر کے معنی ہیں "بوجھ" تو وزیر اُسے کہا جاتا ہے جو کسی کا بوجھ ہلکا کرے۔ ظاہر ہے کہ وزیر کی ضرورت اُسے ہوتی ہے جو کاروبار کی کثرت کی وجہ سے خود سارے کام انجام نہ دے سکے لیکن جو خدا علی کل شیء قدیر ہونے کا مصداق ہو جس کا ارشاد ہو ولا یؤدہ حفظہما اسے زمین و آسمان کی حفاظت تھکاتی نہیں ہے۔ اُسے وزیر بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور جب ضرورت نہیں تو اگر بلا ضرورت مقرر کرے تو کیا یہ عبث کام نہ ہوگا؟ تعالی عما یقول الظالمون علواً کبیرا۔ نیز وزیر کی ضرورت اُسے دامنگیر ہوتی ہے جو ہر جگہ حاضر نہ ہو سکنے کی وجہ سے نظم و نسق خود نہ سنبھال سکے۔ لیکن جو خدا بکل شیء محیط ہو اور علمی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر ہو اُسے وزیر کی کیا احتیاج ہے؟

وجہ چہارم۔ ائمہ اطہارؑ کے ادعیہ مبارکہ میں خدا کے وزیر کی نفی کی گئی ہے مثلاً دعائے مستشیر میں وارد ہے "المدبر بلا وزیر ولا خلق من عبادہ یستشیر" خدا وہ ہے جو بلا وزیر معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے کسی بندہ سے کوئی مشورہ نہیں لیتا۔ (مفاتیح الجنان ص [illegible] کذا فی مجمع الدعوات زاد المعاد وغیرہا) اسی طرح دعائے مبارکہ مشلول میں وارد ہے ولا کان معہ وزیر ولا اتخذ معہ مشیراً ولا احتاج

الی ظهیر الخ" نہ خدا کا کوئی وزیر ہے اور نہ اس نے کوئی مشیر مقرر کیا ہے اور نہ ہی وہ کسی مددگار کا محتاج ہے"۔ (مفاتیح ص۱۱ زاد المعاد، صحیفہ علویہ، مصباح وغیرہ) دعائے جوشن کبیر (فصل ۸۹) میں وارد ہے یامن لا شریک لہ ولا وزیر یا من لا شبیہ لہ ولا نظیر الخ۔ اے وہ ذات جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وزیر نہ کوئی ہمسر ہے نہ نظیر (مفاتیح ص۹۹)

وجہ پنجم۔ متعدد احادیث معصومین میں وارد ہے کہ خدا کا کوئی وزیر و مشیر اور معین و مددگار نہیں ہے (۱) جناب امیر المومنین فرماتے ہیں خلق الخلق علی غیر تمثیل ولا مشورۃ مشیر ولا معونۃ معین "خدا نے ساری مخلوق کو پیدا کیا بلا کسی (سابقہ) مثال کے اور بغیر کسی مشیر کے مشورہ کے اور مددگار کی مدد کے"۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص۱۰۰ طبع مصر) ایک اور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ولم یستعن علی خلقہا باحد من خلقہ خدا نے خلقت کائنات میں اپنی کسی مخلوق سے مدد حاصل نہیں کی۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص۱۳۶) ایک اور خطبۂ عالیہ میں فرماتے ہیں ولا اعتورتہ فی تنفیذ الامور وتدابیر المخلوقین ملالۃ ولا فترۃ۔ (اسے وزیر و مشیر کی کیا ضرورت ہے جبکہ اُسے اپنے احکام کے نافذ کرنے اور مخلوق کی تدبیر کرنے میں کوئی ملال اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔ احتجاج طبرسی (ص۲۲۲) میں امام رضاؑ سے مروی ہے فرمایا "یدبر اهل الخلق من حیث یدبرا سفلہ یدبر اولہ من غیر عناء ولا کلفۃ ولا مؤنۃ ولا اعیانۃ ولا نصب الخ خدا وہ ہے جو بغیر کلفت و زحمت کے، بغیر مشقت و تھکاوٹ کے سب اعلیٰ و اسفل اور اول و آخر کی تدبیر کرتا ہے۔

وجہ ششم۔ جہاں تک فرشتوں کی حرکت و سکون کا تعلق ہے، قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے حکم کے تابع ہیں۔ ان کا قول قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے۔ کہ وما نتنزل الا بامر ربک۔ "اے رسول! ہم نہیں اُترتے مگر تیرے پروردگار کے حکم سے"۔ اسی طرح سورۃ القدر میں وارد ہے "تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم" لیلۃ القدر میں (امام پر) فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے (امام العصرؑ پر) نازل ہوتے ہیں۔

(۲) خدا نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون وہ کسی قول و فعل میں اپنے خدا سے سبقت نہیں کرتے بلکہ وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں ہم نے تفصیل کے ساتھ اسی موضوع پر احسن الفوائد میں تبصرہ کر دیا ہے جن بعض روایات غیر معتبرہ (حدیث بساط وغیرہ) میں وارد ہے کہ کوئی فرشتہ بغیر اذن اہلبیتؑ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ روایت بوجہ مخالفت قرآن و بوجہ معارضہ با دیگر اخبار معتبرہ ناقابل استدلال و تمسک ہے، تفصیل کے شائقین احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

وجہ ہفتم یہ جو کہا گیا ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ فرشتوں کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں یہ بات حقائق کے سراسر

خلاف ہے۔ ایسی کوئی تصریح قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی نفی پر دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ ہم عنقریب تیسرے شبہ کے جواب میں اس امر پر مزید تبصرہ کریں گے۔ الغرض پس معلوم ہوا کہ یہ محض عقل خام کی پیداوار ہے۔ قرآن اور اہل بیتؑ کے فرمان کے ہوتے ہوئے تائید کے بجائے اس کی پرزور تردید ہوتی ہے فتأمل۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

(۱) قولہ تعالیٰ: انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ ولی صرف اللہ اور اس کا رسولؐ اور اہل بیتؑ ہیں یہ بصورت اخبار نشائیہ ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ یہ اعتقاد رکھیں کہ بالذات ہمارا ولی اللہ ہے اور رسولؐ اور اہل بیتؑ ولی اللہ ہمارے حاکم اور متصرف ہیں۔ اور کوئی اولیاء اللہ کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے صحاح جوہری کل من ولی امر واحد فھو ولیہ۔ جو کسی دوسرے کے کام کا پورا اختیار رکھتا ہو وہ اس کا ولی کہلاتا ہے لہٰذا خدا نے رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام کو ولی کہا ہے۔ اور یہ ولی اللہ ہیں۔

ہم یہ کہنے سے معذور ہیں کہ اس قسم کی آیات کو ان حضرات کے دعویٰ کے ساتھ کیا ربط ہے۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ باذن اللہ ہمارے خالق و رازق اور محی و ممیت ہیں۔ یا فرشتوں کے اوپر نگران اعلیٰ ہیں یا خلق و رزق کے آلات و اسباب خداوندی ہیں۔ (ملاحظہ ہو اختلاف الآراء) مگر یہ آیت مبارکہ پیش کر کے ثابت یہ کیا جا رہا ہے کہ خدا کے بعد ہمارے حاکم جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ ہیں۔ حالانکہ کوئی شیعہ اس کا منکر ہے؟ لیکن قابل غور و تدبر بات یہ ہے کہ جو شخص حاکم و بادشاہ ہو وہ خالق و رازق و محی و ممیت بھی ہوتا ہے؟ کیا عربی کی کسی کتاب لغت میں "ولی" کے معنی خالق و رازق یا محی و ممیت اور شافی بھی لکھے ہیں؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین! البتہ صرف اس قدر ہے کہ لفظ "ولی" و "مولیٰ" لغت عرب میں ۲۷ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے کتاب الغدیر جلد اوّل ملاحظہ ہو) ان سب سے زیادہ نمایاں دو معنے ہیں (۱) اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم (۲) دوست۔ چنانچہ اس آیت کے بارہ میں قدیم الایام سے شیعہ و سنی میں یہی متنازعہ فیہ مسئلہ چلا آ رہا ہے کہ آیا یہاں ولی بمعنی حاکم ہے یا بمعنی دوست۔ شیعہ اسے بمعنی اولیٰ بالتصرف مراد لیتے ہیں۔ اور سنی بمعنی دوست۔ اور یہی نزاع حدیث غدیر میں وارد شدہ لفظ مولیٰ میں بھی ہے (من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ)۔ شیعہ جیسے آیت مبارکہ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وغیرہ قرائن و شواہد داخلیہ و خارجیہ کی بنا پر ثابت کرتے ہیں کہ یہ آیت جناب رسول خدا کی نبوت اور ائمہ اہل بیت رسولؐ کی امامت بلافصل پر دلالت کرتی ہے یہ بزرگوار ہمارے دینی و دنیوی حاکم و بادشاہ ہیں۔ اور ہمارے مال و جان پر ہم سے زیادہ حق حکومت و تصرف رکھتے ہیں (ہم نے بھی اپنی کتاب "اثبات الامامت" میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر کے یہ حقائق ثابت کئے ہیں) لیکن اس امر کو ان بزرگواروں کے خالق و رازق وغیرہ ہونے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے۔

اگر خدا کو خالق و رازق اور محی و ممیت سمجھا جاتا ہے تو دوسری آیات و روایات کی بنا پر جن میں بالصراحت اس کو ان صفات جلیلہ کا حامل قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس آیت کی بنا پر تا کہ کوئی کوتاہ اندیش یہ خیال کرے کہ اگر مولیٰ کے معنی خالق و رازق نہیں تو پھر خدا بھی خالق و رازق نہیں ہے گا (معاذ اللہ) البتہ ولی جو متصرف فی الامور ہے تو اس سے وہی تصرفات مراد ہیں جو ایک دینی حاکم اور وقت کر سکتا ہے جن کی تفصیل ابھی اوپر بذیل عنوان "ائمہؑ اطہارؑ کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد" آ چکی ہے۔

انتباہ

تو ان معصومینؑ کی مدح و ستائش میں مبالغہ پیچ پوچ ولی کا معنی خالق و رازق وغیرہ کرنا کھلم کھلا قرآن کی تفسیر بالرائے ہے یہ مفہوم نہ کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ کسی صحیح السند روایت سے۔ اس سلسلہ میں کتاب مجلی ص ۲۲ سے جو ایک بے سرو پا مرسل روایت پیش کی جاتی ہے کہ ان اللہ وکل علی بن ابی طالب بحراسة اهل الارض و بحراسة اهل السماء (کہ خدا نے جناب امیر علیہ السلام کو اہل زمین و آسمان کی حفاظت کرنے کا وکیل و نگہبان مقرر کیا ہے) یہ ایک بلا سند طویل الذیل روایت کا ٹکڑا ہے جس کے حاشیہ پر خود مؤلف نے یہ کہہ کر اس کے ضعف کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ "حدیث غریب"۔ قطع نظر اس کے روایت کے نقد و نگاہ سے خود اس طویل روایت کے اندر اس کے وضعی ہونے کے آثار واضح و آشکار ہیں۔ جن کو تفصیلاً یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ علاوہ بریں کتاب مجلی اور اس کے مؤلف ابن ابی جمہور احسائی کا علماء اعلام کی نظر میں جو مقام ہے وہ ارباب اطلاع سے پوشیدہ نہیں۔ تفصیل کے شائقین منہاج البراعة شرح نہج البلاغة ج ۱۲ ص ۲۳ طبع جدید ملاحظہ کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ اور بنا بر تسلیم اس کا مطلب وہ نہیں جو لیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو صاحب جواہر الاحکام نے (ص ۲۳) پر بیان کیا ہے کہ آنجناب کے یمن و برکت سے زمین و آسمان اور ان کے اہل کی بقاء و دوام وابستہ ہے وان بوجود امام الزمان قامت الدنیا و ببقائہ بقیت الدنیا و بوجودہ ثبتت الارض والسماء الخ۔ اور یہ مفہوم بالکل صحیح ہے اور یہی مطلب ہے جناب امیر المومنینؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کے علت غائی کائنات ہونے کا۔ بہر کیف لا مریة فیہ ذیل میں چند معتبر تفاسیر کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جہاں ہمارے بیان کردہ مفہوم کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے وہاں ان لوگوں کے زعم کی تردید بھی ہو جاتی ہے (۱) شیخ الطائفہ تفسیر تبیان ج ۳ ص ۵۶۹ پر اس آیت مبارکہ کے ذیل میں لکھتے ہیں "واعلم ان هذه الآية من الادلة الواضحة على امامة امير المومنين (عليه السلام) بعد النبي بلا فصل ووجه الدلالة فيها انه قد ثبت ان الولي في الآية بمعنى الاولى والاحق وثبت ايضاً ان المعنى بقوله والذين آمنوا امير المومنين (عليه السلام) فاذا ثبت هذان الاصلان دل على امامته۔ الخ" جاننا چاہئے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنینؑ کی بلا فصل امامت و خلافت کے دلائل واضحہ میں سے ہے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہاں ولی بمعنی اولیٰ و احق (زیادہ حقدار) ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ والذین آمنوا کا مصداق حضرت امیر المومنینؑ ہیں پس جب یہ دونوں باتیں ثابت ہو گئیں۔ تو اس سے آنجناب کی امامت بھی ثابت ہو گئی۔" (۲) علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۲۲۸ پر اسی آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں "وهذه الآية من اوضح الدلائل على صحة امامة علي بعد النبي بلا فصل والوجه فيه انه اذا ثبت ان لفظة وليكم في الآية تفيد من هو اولى

یتولی امورکم و یجب طاعتہ علیکم و ثبت ان المراد بالذین امنوا علی ثبت النص علیہ بالامامۃ و وضح "یعنی یہ آیت جناب رسول خدا کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر واضح ترین دلائل میں سے ہے وجہ دلالت یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ آیت میں لفظ ولیکم کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے امور کی تدبیر کا سب سے زیادہ حقدار اور جس کی اطاعت تم پر واجب ہے" اور یہ بھی ثابت ہے کہ الذین آمنوا سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں لہٰذا بعد ازیں حضرت علیؑ کی امامت پر واضح نص ثابت ہو جاتی ہے۔"

مخفی نہ رہے کہ عبارت میں وارد شدہ لفظ تدبیر امور سے وہی امور مراد ہیں جن کی وضاحت کلام حضرت امیر المومنینؑ کی روشنی میں اوپر کی جا چکی ہے نہ کہ خلق و رزق اور امات و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ علی التحقیق

تفسیر صافی ص۱۳ پر اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے فی الکافی عن الصادق فی تفسیر ھذہ الایۃ یعنی ولیکم ای احق بکم و بامورکم من انفسکم و اموالکم اللّٰہ و رسولہ والذین امنوا یعنی علیا و اولادہ الائمۃ الی یوم القیامۃ

یعنی اصول کافی میں حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں یوں مروی ہے کہ تمہاری جان و مال کا تم سے زیادہ حقدار تصرف اللہ اور اس کا رسولؐ اور مخصوص صاحبان ایمان یعنی حضرت علیؑ اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک ہونے والے گیارہ ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں"۔ پس ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ اس آیت مبارکہ کو تفویض کے عقیدۂ فاسدہ کے ساتھ قطعاً کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ و ہو المراد

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

اصول کافی و احتجاج میں ہے قال [illegible] اجل و اعظم من ان [illegible] بنفسہ و فعل رسلہ و ملائکتہ فعلہ لانھم بامرہ یعملون فاصطفی من الملائکۃ رسلاً [illegible] فمن کان من اھل الطاعۃ تولت قبض روحہم ملائکۃ الرحمۃ ومن کان من اھل المعصیۃ تولت قبض روحہم ملائکۃ النقمۃ و لملک الموت اعوان [illegible] و ان فعل امنائہ فعلہ [illegible] خدا اس سے برتر و منزہ ہے کہ ان امور میں خود تصرف فرمائے اور خود کام دے۔ اس کے قاصدوں پیغمبروں اور اس کے فرشتوں کا فعل دراصل اسی کا فعل ہوتا ہے کیونکہ وہ سب اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں پس خدا نے چنے اور اپنی مخلوق کے درمیان فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول اور پیغمبر چن لئے ہیں پس جو بندہ مومن ہو اس کی روح رحمت کے فرشتے قبض کرتے ہیں اور جو گنہگار ہو اس کی روح عذاب کے فرشتے قبض کرتے ہیں اور ملک الموت کے بہت سے فرشتے مددگار و معاون ہیں [illegible] و حوی فعل بعض الاشیاء علی یدی بعض من خلقہ من امنائہ و کان فعلھم فعلہ و امرھم امرہ کما قال من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ [illegible] احتجاج اور سچے امناء میں سے جس کو منتخب کیا اس کے ہاتھوں پر بعض اشیاء کے فعل [illegible] اللہ کا فعل ہے۔ امناء اللہ کا فعل خدا کا امر ہے جیسا کہ خدا نے [illegible] ہے جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً خدا کی اطاعت کی۔" قال علیہ السلام [illegible] یفوض فیہا امر خلقہ من خلق و رزق و اجل و عمل و عمر و حیوۃ و موت و علم غیب السمٰوٰت [illegible] معجزات التی لا تنبغی الا للہ

والصعیا منہ والسفرۃ بینۃ وبین خلقہ ... یعنی جناب علی علیہ السلام نے فرمایا وہ یہ کہ ملائکہ کو مبارک رات میں نازل ہوتے ہیں۔ اسی شب میں وہ امور محکم تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں وہ امور خلق، رزق، اجل، عمر، حیات، موت، علم غیب آسمان و زمین اور معجزات، یہ ایسے امور ہیں جو سوائے اللہ اور اس کے سفراء اور مخلوقات کے درمیان واسطہ اور کسی کے لائق نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر کو ہر سال امور لے کر فرشتے امام زمانہ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور پھر وہ امام زمان امور کو ملائکہ پر تقسیم کرتے ہیں۔ یہ ہے ان حضرات کا مایۂ ناز استدلال یا بالفاظ مناسب مغالطہ یا شعبدہ جو قرآن ہی کے لفافہ میں پیش کیا گیا ہے۔ قطع نظر ترجمہ کی صحت و سقم کے، بالتحقیق معلوم ہوتا ہے کہ ان مختلف قطعات و اقتباسات کو ان حضرات کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب ایک طویل حدیث کے مختلف ٹکڑے ہیں جو احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف کے ص۳۵ سے ص۴۳ تک پورے نو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس میں ترجمان قرآن امیر المومنین علیہ السلام نے ایک زندیق کے مختلف ذہنیت کے کئی اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں۔ زندیق مذکور اِدھر اُدھر سے قرآن مجید کی مختلف آیات کو جمع کرکے اپنے زعم باطل میں غلط نتائج اخذ کرتے ہوئے قرآن میں تعدد و اختلاف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی جیسا کہ آج کل بعض لوگ جناب امیرؑ کے اسی کلام کے سیاق و سباق کو نظر انداز کرکے اس کے مختلف حصوں کو جو کوئی ص۴۹ پر ہے اور کوئی ص۴۳ پر یکجا کرکے غلط انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس کے تمام ایرادات کا تسلی بخش جواب دے کر اعتراض کے پردے اٹھا دیئے اور قرآنی مطلع کو صاف کر دیا۔ خلاصۃ الکلام آنکہ زندیق سوال کرتا ہے کہ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے تمہیں ایک فرشتہ مارتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے ان لوگوں کو فرشتے مارتے ہیں تیسرے مقام پر فرماتا ہے خدا مارتا ہے۔ یہ کھلا ہوا تناقض نہیں ہے؟ حضرت امیرؑ نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو اس شبہ کے پہلے ٹکڑے میں مذکور ہے کہ [illegible] اس سے ظاہر ہے کہ یہ جملہ فرشتوں کے متعلق ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اس گروہ کے ایک رکن نے بھی ایک مضمون مندرجہ اخبار [illegible] ۱۹۶۴ء میں کیا ہے لکھتے ہیں

"ان اقتباسات اور طویل عبارت میں علی علیہ السلام نے ثابت فرمایا ہے کہ خلق و رزق، موت و حیات ملائکہ کا وظیفہ ہے جو سارے کام بطور حکم کرتے ہیں۔ اور ان کا فعل گویا خدا کا فعل ہے کیونکہ وہ اس کے حکم سے کرتے ہیں۔"

پس معلوم ہوا کہ اس جز کا ہمارے متنازعہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسرے جز میں آنجنابؑ نے زندیق کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ خدا نے بعض مقامات پر اپنے لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے اور بعض مقامات پر جمع کا اس سے تعدد ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت امیرؑ نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ خدا نے اپنے بعض منتخب شدہ بندوں کی عظمت و جلالت ظاہر کرنے کے لئے ان کو اپنے ساتھ شامل کرکے صیغۂ جمع استعمال کیا ہے اور مقام اعجاز میں بعض اشیاء کا اظہار و اجراء ان کے ہاتھوں پر فرمایا ہے۔ اس جملہ کلام کا بھی ان لوگوں کے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ یہ لوگ تمام اشیاء کے دائرہ میں مدعی ہیں کہ خدا ان حضرات کے ذریعہ سے انجام دیتا ہے مگر حدیث میں صرف بعض اشیاء کا تذکرہ ہے۔ ثانیاً یہ

مقامِ اعجاز کے متعلق ہے کہ معجزہ منافی کے وقت خدا ان بعض امور کا جن کا تعلق تکوین سے ہے ان بزرگواروں کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے مگر معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے جس کی تحقیق چوتھے باب میں پیش کی جائے گی جس پر جملہ ”اجری بعض الاشیاء“ میں شاہد ہے، کہ خدا نے ان کے ہاتھوں پر بعض اشیاء کو جاری کیا، مگر جاری نزاع ان امور کو بطور وظیفہ (ڈیوٹی) انجام دینے میں ہے۔ کہ آیا یہ ان کی ڈیوٹی ہے نہ کہ مقامِ اعجاز میں! اس بات کا اعتراف اس گروہ کے بعض مضمون نگار حضرات نے بھی کر لیا ہے۔ کہ اس حدیث سے ائمہ علیہم السلام کا ان امور کو بطور فرضِ منصبی انجام دینا ثابت نہیں چنانچہ وہ اپنے مذکورہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں۔

تعجب ملائکہ جن کی خلق و رزق و موت و حیات پر ڈیوٹی ہے وہ سر انجام بھی دیتے ہیں تو اہل بیت جو مخدومِ ملائکہ ہیں، بدرجہ اولیٰ ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر وقت ملائکہ کی طرح ڈیوٹی نہیں دیتے لیکن کہ بحیثیت مخصوص مشیت اللہ کسی وقت چاہیں تو بحکمِ خدا ان امور کو سر انجام دے سکتے ہیں۔ ورنہ امور اہل بیت سے بعید نہیں ہیں۔ مزد کیف کیم جو لائی ۱۹۹۲ء

اسے کہتے ہیں ہوشیاری کہ

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں

اس تحریر میں خلق و رزق وغیرہ کو درمیں رکھنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ورنہ اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ جب ان امور کی انجام دہی کو ائمہ اہل بیت کا وظیفہ اور ڈیوٹی تم نہیں سمجھتے اور مقامِ اعجاز میں ان حضرات کے باذن اللہ ان امور کو انجام دے سکنے پر کسی بھی شیعہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ خلق و رزق تو چیز ہی کیا ہے یہ تو وہ ذواتِ عالیہ ہیں کہ اگر چاہیں تو مقامِ اعجاز نمائی میں مرد کو عورت اور عورت کو مرد، زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین ۔ دنیا کو آخرت اور آخرت کو دنیا بنا سکتے ہیں تو پھر یہ معلوم کہ یہ ہنگامہ اے خدا کیوں ہے

تیسرے جز کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن فہمی میں یہ اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ لوگوں نے دوامر سے قرآن فہم و مفہوم حاصل نہیں کیا پھر آپ نے دوامر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ان دو امر میں ضمیر بتیہ القدر میں فرشتے مذکورہ بالا امور سے کر نازل ہوتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے بعد آئمہ علیہم السلام ان ملائکہ کرام پر تقسیم کار کرتے ہوئے ان کی ڈیوٹیاں مقرر فرماتے ہیں۔ صرف اسی ایک حدیث پر ہی منحصر نہیں۔ ہم نے سورۃ القدر کے شانِ نزول میں بیسیوں کتب تفسیر و حدیث کھنگال ڈالی ہیں۔ مگر کسی معتبر کتاب میں کوئی ایک صحیح بلکہ ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس میں یہ صراحت موجود ہو کہ یہ حضرات فرشتوں کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں۔ بصائر الدرجات، ہفتم بحار الانوار، اصول کافی اور چہارم تفسیر برہان میں اس سورہ کے شانِ نزول کے متعلق مستقل باب موجود ہیں، جو کئی کئی صفحات تک متعلقہ احادیث پھیلی ہوئی ہیں۔ روایات کے ذخیرے بھیجے ہیں۔ مگر ان میں یہاں کوئی روایت نہیں ملی جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ یہ ان امور کو ملائکہ پر تقسیم کرتے ہیں۔ یہ محض ان لوگوں کا ذاتی خیال اور قیاس آرائی ہے کہ جب ملائکہ ان خدا کے بندوں کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو ان سے متعہد ہی ہوگا۔

کہ یہ حضرات ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہوں گے۔ ان ھم الا یخرصون۔ یہ صرف ظن و گمان ہے و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ اگر اس سلسلہ میں کہ فرشتے امام کے پاس لیلۃ القدر میں کیوں حاضر ہوتے ہیں؟ ذاتی تحقیق و استنباط سے ہی کام لینا ہے تو پھر غواص بحار اخبار آئمہ اطہار میں سرکار علامہ مجلسیؒ کی ہی تحقیق کو کیوں نہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ "لیس ذلک لما خلیتہم فی ذلک ولا للاستعانۃ بہم بل لہ الخلق والامر ولیس ذلک الا لتشریفہم واکرامہم واظہار رفعۃ مقامہم (بحار جلد ۱۹ ص ۳۵۰) یعنی ملائکہ کا یہ نزول اس لئے نہیں ہوتا کہ آئمہ اطہار کو نظام عالم کے چلانے میں کچھ دخل ہے یا خدا کو ان سے مشورہ لینا مقصود ہے۔ خدا ہی خالق و حاکم ہے۔ فرشتوں کی یہ حاضری محض ائمہ علیہم السلام کے اکرام و احترام اور ان کی رفعت شان و عظمت مقام ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے" (کہ جب ملائکہ زمین پر آئیں یا واپس آسمان پر جائیں تو پہلے حجت خدا اور امام کی خدمت میں حاضر ہونے و سلام کرنے کا شرف حاصل کریں)

ظاہر ہے کہ اس علامہ جلیل کی یہ تحقیق ضرور ائمہ اطہار کے اخبار و آثار سے ماخوذ ہوگی۔ ورنہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ دینی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیں۔ اکثر علماء متاخرین نے جناب علامہ کی اس تاویل کو پسند فرمایا ہے چنانچہ محدث خبیر سید حبیب اللہ خوئیؒ نے جناب علامہ کی اس توجیہ کو منہاج البراعۃ ج ۲ ص ۳۸۲ پر بطور تائید مرام نقل کیا ہے۔ اسی طرح عالم ربانی مرزا ابو الحسن الشریف نے بھی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۴۴ پر سرکار علامہ کی اس تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے "اقول ما ذکرہ طاب ثراہ فیہ تنبیہ وتوجیہ وجیہ للاخبار المذکورۃ وغیرہا" یعنی میں کہتا ہوں کہ جو کچھ علامہ طاب ثراہ نے ذکر کیا ہے اس میں مذکورہ بالا اخبار کی عمدہ توجیہ ہے" اسی طرح سرکار مجلسی نے اپنی کتاب اربعین کے ص ۴۱ پر لیلۃ القدر میں فرشتوں کے خدمت امام میں حاضر ہونے کی چار تاویلیں فرمائی ہیں۔ یا اگر یہ توجیہ و تاویل پسند نہ ہو۔ تو پھر محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری مرحوم کی وہ تاویل قبول کر لی جائے جو انہوں نے لیلۃ القدر میں نزول ملائکہ کے بارہ میں نور الانوار شرح صحیفہ سجادیہ ص ۱۸۹ طبع بمبئی پر فرمائی ہے۔ "واما فائدۃ تنزل الملائکۃ بحوادث السنۃ تلک اللیلۃ علی الامام علیہ السلام مع انہ قد تواتر بین الشیعۃ ان عند الائمۃ علیہم السلام کتاب الجفر والجامعۃ ومصحف فاطمۃ وسائر علوم القرآن وفیہا ما کان وما یکون الی یوم القیامۃ فالذی یظہر من مطاوی آثارہم علیہم السلام ان لعلمہم مراتب فی الاجمال والتفصیل فالکتب المذکورۃ متضمنۃ لسائر العلوم علی طریق الاجمال من غیر تفصیل الحوادث کل اسبوع وفی لیلۃ الجمعۃ تزور ارواحہم العرش فیخرج من ھذا العلم المتعلق بذلک الاسبوع کما قال علیہ السلام ولولا ان ارواحنا تزور العرش وتطوف حولہ لیلۃ الجمعۃ وتکتسب من ھناک علوما شتی لنفد ما عندنا واما ما یحتاجون الیہ من حوادث الساعات فیحصل بمحدثیۃ الملک والنقر فی الاسماع والقرع والنکت فی القلوب" انتہی کلامہ

والعلوم الواقعۃ فی کل سنۃ فعلی لیلۃ القدر یعرضہ علم ما یقع فی تلک السنۃ علی تفصیل

ونعرفی الحد مقدمہ وتنبیہ توحید وحید بالاخبار الواردۃ عن الائمۃ الاطہار فی هذا المضمار وهذا التحقیق حقیق بان یکتب بالنور لا بالحبور۔ یعنی باوجود دیگر شیعہ کے متعدد متواترہ میں وارد ہے کہ آئمہ اطہار کے پاس کتاب جفر و جامعہ و مصحف فاطمہؑ اور جملہ علوم قرآنیہ موجود ہیں جن میں ماکان و ما یکون کا علم بھی درج ہے۔ باین ہمہ لیلۃ القدر میں ان کے پاس فرشتوں کا سال بھر کے واقعات لے کر نازل ہونے کا مقصد کیا ہے۔ ائمہ اطہار کے اخبار و آثار میں غور و فکر کرنے سے اس سلسلہ میں جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اجمال و تفصیل کے اعتبار سے ان بزرگواروں کے علوم کے مختلف مراتب ہیں۔ مذکورہ بالا صحف میں تمام علوم کا اجمالی تذکرہ موجود ہے۔ ان میں ہر ہر سال میں واقع ہونے والے واقعات کی تفصیل[۱] ہے۔ مگر ان میں ہر حقیقت کے حتمی واقعات کی تفصیل نہیں ہوتی۔ یہ تفصیل شب جمعہ کو انہیں معلوم ہوتی ہے جب کہ ان کی مقدس روحیں عرش الٰہی کا طواف کرتی ہیں۔ اسی بنا پر یہ ارشاد ہے کہ اگر ہماری ارواح ہر شب جمعہ طواف عرش کر کے نئے نئے علوم کا استفادہ نہ کریں تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے اور پھر ہر لحظہ میں ان کو جن واقعات کی ضرورت درپیش آتی ہے ان کا انکشاف بعض اوقات ان کے گوش مبارک میں آواز آنے اور بعض اوقات قلوب مطہرہ میں الہام والقاء ہونے کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ اس تاویل جمیل کی تائید مزید اصول کافی کی بعض روایات معصومینؑ سے بھی ہوتی ہے۔ کہ اگرچہ آنحضرتؐ علم ماکان و ما یکون کے عالم تھے مگر وکان کثیر من علمہ ولطائف حکمتہ یاتی تفسیرها فی لیلۃ القدر۔ کہ ان کے علم میں سے بہت سا مجمل تھا جس کی تفسیر لیلۃ القدر کو آتی تھی۔ وکذلک کان علی بن ابی طالبؑ قد علم العلم ویاتی تفسیرہ فی لیلۃ القدر۔ اسی طرح جناب امیر مومنینؑ کے مجمل علوم کی تفسیر بھی لیلۃ القدر میں آتی تھی۔ (ارشاد امام محمد باقرؑ اصول کافی ص۲۵۳ طبع ایران)۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ اہتمام فرشتوں کی ڈیوٹیاں تقسیم کرنے کے عمل میں نہیں ہوتا۔ بلکہ علم امامؑ میں اضافہ و زیادتی کی خاطر ہوتا ہے۔ وهو الحق والحق احق ان یتبع۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

جملہ اسماء حسنیٰ خالق و رازق و علیم و حکیم و باسط و حفیظ وغیرہ کے لئے مظاہر وجودیہ ہیں۔ قولہ تعالیٰ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ۔ خدا کو پکارو۔ یا رحمٰن کو پکارو۔ کسی نام کو پکارو سب اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ وہی اللہ ہے وہی رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ تمام اسماء کے مظاہر ہیں۔ ہر ایک صفت خاص کا اظہار اس عالم امکان زمانی میں بحکم و باذن اللہ عزوجل اس صفت کے مظہر سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً الخالق کا مظہر، الرزاق کا مظہر، القابض کا مظہر، العالم اور الحکیم کا مظہر المحیی، الباسط وغیرہا ہر ایک کے مظہر جدا جدا اللہ تعالیٰ نے خلق کئے ہیں۔ اسی طرح ایک اسم اعظم ہے اور یہ اسم اعظم بحیثیت تعریف جمیع اسماء حسنیٰ یعنی اسم السمیع، اسم القابض، اسم العلیم الحکیم الرزاق والخالق وغیرہا کو جامع ہے۔ لہٰذا جو بھی اسم اعظم کا مظہر وجودی ہوگا۔ وہ جملہ اسماء حسنیٰ کے مظاہر سے مافوق ہوگا۔ کیونکہ جملہ صفاتیں اسم اعظم کی

---

(۱) مذکور ہیں سے لیلۃ القدر میں سال بھر کے حتمی واقعات کی تفصیل ہوتی ہے منہ

ہیں جو مظہر اسم الٰہ ودیں میں موجود ہوں گی۔ [illegible] قوت سے کرتے ہیں۔ وحدیت میں سب کچھ شامل ہے۔ اس نظریہ کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ان بیانات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ بالکل ناقص [illegible] اور صوفیہ کے عقیدت [illegible] معلوم ہوتے ہیں۔ فلاسفہ یہ تو خود اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حادث [illegible] کا رتبہ قدیم کے ساتھ [illegible] انہوں نے [illegible] ایک قسم نظریہ اختراع کیا کہ ہر نوع کا علیحدہ علیحدہ ایک رب ہے جو کہ کسی خاص صفت کا مظہر ہوتا ہے جس سے اس صفت کا ظہور اور مخلوق پر فیضان ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے [illegible] اور مخلوق حادث کے درمیان [illegible] کا سلسلہ قائم ہے اور صوفیہ اس سے وحدت الوجود یا وحدت الشہود کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب اجلی [illegible] پر لکھا ہے **الظاھر والمظھر شئی واحد** یعنی "مظہر جس سے کسی صفت کا ظہور ہوتا ہے اور ظاہر [illegible] درحقیقت ایک ہی چیز ہیں" اسی وجہ سے [illegible] **سبحان من خلق الاشیاء وھو عینھا** [illegible] حالانکہ وہ خود [illegible] صرف ظاہر و مظہر کے مراتب کا [illegible] فرق ہے [illegible] لیکن چونکہ یہ ہر دو نظریات عام محقق علماء اسلام کے نزدیک [illegible] مخصوص [illegible] ہیں [illegible] کے نزدیک یہ ظاہر و مظہر [illegible] طول طویل باطل بے اصل [illegible] فلسفہ یونان [illegible] صوفیہ نے [illegible] کے موہومات فاسدہ و نظریات کاسدہ [illegible] آیات محکمہ اور روایات متواترہ پر [illegible] ضروری [illegible]

[illegible]

یہی کتب معتبرہ میں نہیں ملتی۔ تمام آیات محکمات و روایات متواترات جو در مورد ہماں آیت مبارکہ "فلہ الاسماء الحسنیٰ" کی تفسیر میں وارد شدہ بعض روایات میں ائمۂ اطہارؑ سے یہ ضرور مروی ہے کہ نحن الاسماء الحسنیٰ التی لا یقبل اللہ عملا الا بمعرفتنا "ہم خدا کے وہ اسماء حسنیٰ ہیں جن کی معرفت کے بغیر خداوند عالم کسی بندے کا عمل قبول نہیں کرتا" لیکن ان روایات سے مذکورہ بالا مطلب پر استدلال کرنا بچند وجہ صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ یہ روایت خبر واحد ہونے کی وجہ سے اصول عقائد میں حجت شرعیہ نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً اس لئے کہ یہ روایت احتمالات کثیرہ رکھنے کی وجہ سے مجمل ہے۔ اور مجمل تو آیت بھی ہو تو عقائد میں حجت نہیں ہو سکتی وہاں آیت محکمہ ضروری ہے۔ چہ جائیکہ روایت اور وہ بھی خبر واحد

ثالثاً۔ اس اجمال کی تفصیل اور صحیح مفاہیم و معانی کی توضیح ذیل میں پیش کی جاتی ہے

(۱) ممکن ہے کہ ان روایات سے مراد یہ ہو کہ جس طرح خدا کا اسم اعظم اور دیگر ظاہری اسماء حسنیٰ بندوں کی دعاؤں کے قبول ہونے کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح ائمۂ اطہارؑ کے اسماء بھی قبولیت دعا کا سبب ہیں۔ چنانچہ اور لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ انبیاء سلف کی مشکلات بھی انہی ذوات مقدسہ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ توسل کرنے سے حل ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل پا کریں! ابھی آ رہی ہے انشاء اللہ۔

(۲) ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہمارا وجود خداوند عالم کے موجود ہونے کی قطعی دلیل ہے کیونکہ جس طرح دلالت لفظی الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح دلالت موجودی وجود کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور اس طرح اگرچہ کائنات کا ہر ہر ذرہ ذات ایزدی کے وجود منبع کل جود پر دلالت کرتا ہے ؎

وفی کل شیء لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

مگر انسان کامل کا وجود خدا کے وجود کی سب سے بڑی علامت ہے ؎

وھو آیۃ ووضھم کل ایۃ

علامہ محسن فیض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں فان الدلالۃ کما یکون بالالفاظ کذلک یکون بالذوات من غیر فرق بینہما فیما یؤول الی المعنی یعنی معنی و مفہوم کے اعتبار سے دلالت لفظی اور دلالت وجودی میں کوئی فرق نہیں ہے (علم الیقین ص۳۰) کذا فی ھدایۃ المسترشدین ص۲۱ نحینئذ تقول ان کل شیء من مخلوقاتہ ھو اسم لہ لدلالۃ جمیع الموجودات علیہ سبحانہ فان الدلالۃ کما تکون بالالفاظ کذلک تکون بالذات۔*

یعنی اس طرح عالم کی ہر چیز خدا کا اسم وجودی ہے کیونکہ تمام موجودات عالم اس کے اسی طرح ذات کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔

(۳) ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ خدا کی طرف یہ نسبت اسماء اللہ (یعنی اللہ کے اسماء) ان ذوات مقدسہ کے انتہائی قرب کی وجہ سے ہو جس طرح خانۂ کعبہ کو بیت اللہ اور حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ان

* وجود پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ یہ دلالت مثل دلالت الفاظ کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

بزرگواروں کی عظمت وجلالت کی بنا پر ان کو اسماء اللہ کہہ دیا گیا ہو۔

(۲) ممکن ہے کہ چونکہ ان بزرگواروں کے اسماء خداوند عالم کے اسماء سے مشتق ہیں جیسا کہ اور بعض روایات میں وارد ہے، اس لئے ان حضرات کو بطور کنایہ اسماء اللہ کہہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ خود حضرت صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے وکنّی عن اسمائنا باحسن الاسماء واحبها وسمّی اضدادنا واعداءنا فی کتابه بابغض الاسماء الیه یعنی خدا نے ہمیں بطور کنایہ اچھے اور پسندیدہ اسماء سے یاد کیا ہے اور ہمارے دشمنوں کو بُرے ناموں سے یاد فرمایا ہے۔" (کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۲۴۰) بہر حال جس روایت میں اس قدر صحیح معانی کے احتمالات موجود ہوں۔ اس سے خواہ مخواہ کوئی غلط معنی اخذ کر کے اس پر کیوں کر عقیدہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟

مذکورہ بالا تمام تحقیق انیق کتاب مستطاب کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۲۴۲ طبع ایران سے ماخوذ ہے چنانچہ کتاب مذکور کے مصنف علام نے اس قسم کی بعض روایات (نحن واللہ اسماء الحسنیٰ) نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "این دو عبارت مجمل اند ظاهر انتظار در دلالت بر مقصود او ندارند۔" یہ عبارتیں بظاہر مجمل ہیں۔ اور اس (شیخ احسائی) کے مقصد پر دلالت نہیں کرتیں۔ بعد ازیں محتمل است کہ کہ وہی چند احتمالات بھی ذکر فرمائے ہیں جن کا خلاصہ ہم نے پیش کر دیا ہے اور آخر کلام میں ص۲۴۲ پر تحریر فرمایا ہے

"و با لجملہ حدیثے کہ امام علیہ السلام بفرماید کہ مراد آں کنایہ است و بیانے از ایشاں در مجملات نرسیدہ باشد و با این احتمالات کہ بعضے از اظہار و خود شخص نیز ذکر نمودہ آیا می شود کہ از باب وہم با غیب او را دلیل از برائے امرے قرار دادن آیا جائز است از برائے احدی از اہل علم کہ بآں تفوہ نماید و او را دلیل از برائے مدعائے خود قرار دادن در مسئلہ از مسائل تا چہ رسد بمثل چنیں مسئلہ از توحید کہ منزلت بر او ہمہ اعتقادات وجود دارد اگر اقامۂ توحید الٰہی و تشیید دین جناب قدس نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم با چنیں نمود پس علی الاسلام السلام فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔"

یعنی خلاصہ کلام یہ کہ جس حدیث کے بارہ میں خود امام علیہ السلام یہ فرمائیں کہ اس سے مراد کنایہ ہے اور مجملات کی تفصیل میں ان کی طرف سے کوئی صریح بیان بھی نہ ہو اور اس مجمل کلام (اس میں یہ تمام مذکورہ بالا) احتمالات موجود ہوں جن میں بعض کا اقرار خود مخالف (شیخ احسائی) کو بھی ہے آیا محض وہم با غیب کے طور پر اسے کسی دعویٰ کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے؟ آیا کسی اہل علم کے لئے ایسی بات کرنا روا بھی ہے؟ یا اسے کسی بھی مسئلہ میں چہ جائیکہ مسئلہ توحید میں جس سے سب عقائد مستحکم ہوتے ہیں ایسے کلام کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے؟ اگر توحید کا قیام اور رسالت مآب کے دین کا نظام اسی چیز کا نام ہے تو پھر اسلام پر سلام ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔" اس عالم جلیل کے اس گرانقدر بیان پر ہم مزید کسی تبصرہ وکلام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ "آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است۔"

اسی طرح کتاب مستطاب حق الیقین ص ۱۴۹ طبع ایران میں مذکورہ بالا بعض اعتقادات ذکر کئے گئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے۔

بالجملہ اجماع شیعہ بلکہ ضروری اسلام است کہ صادر ... خبیث ... یا اعتقاد ... است
... و ... شیخ احسائی و متابعش در کتاب صافی و سایر کتب روایت کردہ اند از حضرت امیر المؤمنین
علیہ السلام کہ فرمودہ اند ... بزرگ ترین نامہائے ... است ... اطلاق نشود
... و صفات خدا یا خالق ... رازق ... حق ... دعا
کردند از اسلام خارج اند بلکہ بالاترین ظلم ... آل محمد ... ایشان را شریک خدا قرار دادہ اند

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ خدا کے سوا حقیقی نہیں آیات و روایات اس مطلب پر ہیں سوائے شیخ احسائی اور اس کے اتباع کے کوئی اس کا منکر نہیں۔ تفسیر صافی وغیرہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں حضرت امیر سے مروی ہے (فرمایا خدا کے تمام ناموں سے زیادہ بزرگ و برتر نام معاذ ... ہے جو غیر خدا پر نہیں بولا جا سکتا) یہ جو لوگ محمد و آل محمد علیہم السلام کو خدا کی صفات یا ان کو خالق و رازق جانتے ہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان لوگوں نے ان ذوات مقدسہ پر بڑا ظلم کیا ہے کہ ان کو خدا کا شریک قرار دے دیا ہے۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیرا۔

پانچواں شبہ اور اُس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرات اہل بیت علیہم السلام وسیلہ اور واسطہ فیض ہیں لہٰذا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ یہ شبہ دراصل وسیلہ و واسطہ کے مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے حالانکہ ارباب دانش و بینش پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے واسطہ فیض ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ ذوات باعث تخلیق موجودات اور علت غائی عالم ہیں۔ اگر خدا نے آسمان کا شامیانہ لگایا ہے تو ان کی خاطر، اگر زمین کا فرش بچھایا ہے تو ان کی وجہ سے، اگر آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں روشن کی ہیں تو ان کے طفیل، الغرض کائنات کا ذرہ ذرہ کو خلعت وجود بخشی گئی ہے تو ان کے صدقہ میں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز کتم عدم سے نکل کر عرصہ وجود میں قدم نہ رکھتی۔ کما ورد فی الروایات لولاھم لما خلق اللہ آدم ولا حواء ولا الجنۃ ولا النار ولا الارض ولا السماء ولا شیئا مما خلق صلوات اللہ علیھم اجمعین۔ (عقائد شیخ صدوق ... تفسیر ... وغیرہ) اور یہی حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا مطلب ہے۔ اگر یہ بزرگوار نہ ہوتے تو خدا نہ آدم کو پیدا کرتا نہ حوا کو نہ جنت کو نہ جہنم کو نہ زمین کو نہ آسمان کو اور نہ کسی اور مخلوق کو۔ لہٰذا سلسلہ موجودات کا قیام، فیض و برکات خداوندی کا حصول ... انہی ذوات مقدسہ کا مرہون منت ہے۔ اسی طرح ان کے وسیلہ و واسطہ فیوض ہونے کا یہی مفہوم ہے

ہے کہ ان کی شفاعت سے خداوند عالم رزق دیتا ہے۔ ان کی سفارش سے وہ مرحمت فرماتا ہے۔ ان کے سوال کرنے سے بیماروں کو شفا ملتی ہے اور انہی کی دعا وابستہ علیہ دین و دنیا کے مشکلات و معاملات حل ہوتے ہیں غرضیکہ نظام دنیا کا بقا ان حضرات کی شفاعت و سفارش کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ قبل ازیں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اسی بنا پر یہ بزرگوار فرماتے ہیں "بنا اثمرت الاشجار واینعت الاثمار وجرت الانہار وینزل الغیث من السماء وینبت عشب الارض" ہمارے ہی طفیل درختوں پر پھل لگتے ہیں، پھل پختہ ہوتے ہیں پھل پکتے ہیں، ہمارے ہی سبب سے نہریں جاری ہوتی ہیں، ہمارے سبب سے آسمان سے بارش برستی ہے اور ہمارے باعث زمین سے گھاس اگتی ہے۔ الخ (بحار جلد [illegible]) موجودہ دور میں جب خود حضرت امام عصر ارواحنا فداہ ہیں جن کے متعلق وارد ہے "ببقائہ بقیت الدنیا وبیمنہ رزق الوریٰ وبوجودہ ثبتت الارض والسماء" یعنی ان کی بقا کی برکت سے دنیا باقی ہے، انہی کے وجود مسعود کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں اور انہی کے ذریعہ سے لوگوں کو رزق مل رہا ہے (مفاتیح الجنان ص [illegible]) ونعم ما قیل ؎

قدم ہے جن کا ... ہیں قائم ہے پانی | خزانے دنیا کے لنگر جو ہوتے ہیں

زیارت جامعہ کبیرہ میں ان افعال کے حقیقی فاعل کی تصریح موجود ہے کہ خداوند عالم ہے "بکم فتح اللہ وبکم یختم وبکم ینزل الغیث وبکم یمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ" خدا نے آپ سے ہی (کائنات) کا آغاز کیا اور آپ ہی پر اس کا اختتام کرے گا اور آپ کی برکت سے خدا آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتا ہے اور آپ کی برکت سے بارش برساتا ہے (مفاتیح الجنان ص [illegible])

پس معلوم ہوا کہ یہ کام خود خدا انجام دیتا ہے نہ کہ اہل بیت۔ بعض لوگ ایسی احادیث دیکھ کر جن میں بنا اثمرت الاشجار وجرت الانہار الخ جیسے الفاظ وارد ہیں ان سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ کام خود ائمہ اہل بیت انجام دیتے ہیں یہ مطلب محض غلط ہے۔ ان احادیث میں با سببیہ ہے جس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے کہ ان بزرگواروں کی برکت سے یہ سب امور انجام پاتے ہیں۔ اس امر کی تائید مزید ان بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں اس قسم کے الفاظ بعض کامل الایمان مومنین کے متعلق وارد ہوئے ہیں چنانچہ تحف العقول ص [illegible] پر حضرت صادق علیہ السلام سے اہل ایمان کی تین قسمیں مروی ہیں۔ ان میں سے طبقہ اعلیٰ کے متعلق آپ فرماتے ہیں "بہم یشفی اللہ السقیم ویغنی العدیم وبہم تنصرون وبہم تمطرون وبہم ترزقون فہم الاقلون عددا الاعظمون عند اللہ خطرا" ان کی وجہ سے خدا بیمار کو شفا اور غریب کو مالدار بناتا ہے انہی کے طفیل تمہاری نصرت کی جاتی ہے، بارش برسائی جاتی ہے۔ اور

؎ باء سببیت کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے کتاب مغنی اللبیب ج ا ص [illegible] وغیرہ کتب نحو کی طرف رجوع کریں (منہ عفی عنہ)

انہی کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ مگر قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم ہیں۔ اسی طرح علل الشرائع (ص...) والی حدیث باقریؑ میں بھی ان اشخاص کے فاعل کی تصریح موجود ہے کہ "بهم يرزق الله عباده" خدا ان کی برکت سے رزق دیتا ہے۔" اسی طرح جناب امام محمد باقر علیہ السلام اپنے آباء طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے جناب امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آنجنابؑ نے فرمایا ضاقت الارض بسبعة بهم ترزقون وبهم تنصرون وبهم تمطرون منهم سلمان الفارسی والمقداد وابوذر وعمار وحذیفة رحمة الله علیهم وکان علی یقول وانا امامهم وهم الذین صلوا علی فاطمة علیها السلام (آپؑ نے فرمایا) سات آدمیوں کے لئے زمین خدا تنگ ہے حالانکہ ان کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ اور انہی کی طفیل تمہاری نصرت و امداد کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے بارش برستی ہے۔ ان میں سے سلمانؓ، مقدادؓ، ابوذرؓ، عمارؓ اور حذیفہؓ علیہم الرحمہ ہیں جناب امیرؑ فرماتے ہیں اور میں ان کا امام ہوں۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے جناب سیدہؑ کی نماز جنازہ میں شرکت کی تھی۔ (رجال کشی ص۶ رجال مامقانی ج۲ ص [illegible])

مخفی نہ رہے کہ خصال (ج ۲ ص [illegible]) میں ضاقت الارض بسبعة کی بجائے خلقت الارض بسبعة وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین سات آدمیوں کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے یا بقول جناب شیخ صدوقؒ اپنے وقت میں زمین سے صحیح فائدہ سات شخصوں نے حاصل کیا ہے۔ (والاول اظهر لفظاً ومعناً) والله العالم۔

کیا کوئی شخص ان احادیث کے پیش نظر تسلیم کر سکتا ہے کہ اہل ایمان ان امور کو خود انجام دیتے ہیں۔ اور وہ باذن اللہ خالق و رازق و محی و ممیت ہیں (معاذ اللہ) بہر حال ان کے واسطۂ فیض اور وسیلہ ہونے کا یہ مفہوم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ یعنی نظام عالم کو خود چلاتے ہیں۔ چنانچہ عالم جلیل فخر الحاج آقا سید عبد الحسین اپنی کتاب الکلم الطیب در تقریر عقاید اسلام (ص ۱۹۹ مطبوعہ اصفہان) پر ائمہ اطہارؑ کے واسطۂ فیض ہونے کی اسی طرح وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ولی واسطہ فیض بودن باین معنی کہ از خدا بگیرند و بخلق دہند چنانچہ بعضے گمان کردہ اند درست نیست و نہ تنہا دلیلے برائے اثبات آن مطالب نیست بلکہ دلیل برخلاف آن قائم است و این عقیدہ با توحید افعالی منافات دارد"

"یعنی ائمہ اطہارؑ کا اس معنی واسطۂ فیض ہونا کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے درست نہیں ہے علاوہ بریں کہ اس مطلب کے اثبات پر ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف دلائل موجود ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا توحید افعالی کے منافی ہے۔" توحید افعالی کا صحیح مفہوم اسی کتاب کے ص۲۰ پر یوں بیان کیا گیا ہے

"ومراد از توحید افعال اینست کہ برائے واجب الوجود در افعال از قبیل خالقیت و رازقیت و احیاء و اماتت و عطاء و منع وغیرہ شریک نمی باشد و بقدرت کاملہ خود پیدا فرماید و روزی می دہد و حیات می بخشد و میراند و زندہ می کنند و در ہیچ کار سے احتیاج بمعین و ملک کنندہ ندارد۔"

"یعنی توحید افعالی سے مراد یہ ہے کہ واجب الوجود (خدا) کا اپنے افعال مثل خالقیت، رازقیت اور اماتت و احیاء وغیرہ میں کوئی شریک نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کرتا ہے، روزی دیتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے اور مارتا و جلاتا ہے۔ غرضیکہ وہ اپنے کسی فعل میں بھی کسی معین مددگار کا محتاج نہیں ہے۔" علاوہ بریں واسطہ و وسیلہ کے درمیان جو باریک فرق ہے وہ ارباب علم و معرفت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور جس وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ واسطہ کا "یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ" بالخصوص واسطہ فیض کو جن معنوں میں یہ حضرات مراد لے رہے ہیں۔ علمائے محققین کی تصریحات کے پیش نظر اس کی نفی کرنا ضروریات دین میں سے ہے چنانچہ سید العلماء مولانا سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ص ۲۰ مطبوعہ پر فرماتے ہیں۔

"نفی الواسطۃ فی الخلق من ضروریات مذہب الشیعۃ"

یعنی خلق کرنے میں خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کی نفی کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔" اور ص ۲۱ پر لکھا ہے کہ

"در روایات وارد شدہ کہ قول بآنکہ واسطہ کفر است۔"

یعنی روایات میں وارد ہے کہ اہلبیت رسول کو خلق کرنے اور رزق دینے میں آلہ اور واسطہ سمجھنے والا قول کفر ہے۔" لہٰذا معلوم ہوا کہ واسطہ فیض کے وہی معنی درست ہیں۔ جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اور جو یہ حضرات بیان کر رہے ہیں۔ وہ ضروریات دین کے خلاف ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ

ارشادِ علوی کا مفہوم

یہ ہے۔ اور یہی صحیح مفہوم ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ نحن صنائع ربنا والخلق بعد صنائع لنا یعنی خدا نے ہمیں اپنی ذات کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور باقی مخلوق کو ہماری وجہ سے مقصد یہ کہ ہم ذریعہ خلقت خالق ممکنات ہیں۔ اس مفہوم سے اس پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کہ حدیث میں فقرہ "صنائع لنا" لام کے ساتھ پڑھا جائے جیسا کہ نہج البلاغہ شرح عبدہ ج ۳ طبع مصر میں موجود ہے یا "صنائعنا" بغیر لام کے اضافت کے ساتھ پڑھا جائے جیسا کہ احتجاج طبرسی ص ۱۹ طبع النجف پر موجود ہے۔ کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اضافت میں ہمیشہ ایک حرف مستتر ہوتا ہے۔ "من" "یا فی" یا "لام" اس لئے اضافت کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں ۱۔ اضافت منی ۲۔ اضافت فوتی ۳۔ لامی کوئی بھی اضافت ان اقسام سے خارج نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس اضافت (صنائعنا) کو بھی انہی میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا پڑے گا۔ پہلی دو قسمیں تو یہاں بالبداہت مراد ہو نہیں سکتیں۔ لہٰذا اضافت لامی ہی تسلیم کرنا پڑے گی وھذا ھو المطلوب۔ اس کے یہ معنی بالکل غلط اور باطل ہیں کہ ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور تمام مخلوقات اس کے بعد ہماری صنعتیں ہیں

(حقائق الوسائل ... معالم الشریعة ...) اس معنی کو علمائے شیعہ نے کفر قرار دیا ہے چنانچہ جناب آقائے السید مهدی الموسوی ... اپنی کتاب جوامع الدرر ... میں اس حدیث کو ... الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ما اقول ان المعنی فی کلیهما ای عن مخلوق الله ... لاجلنا ... لولاک لما خلقت الافلاک ... کفر و زندقة لیس من مذهبنا معشر الامامیة رضوان الله علیهم ... یعنی میں کہتا ہوں کہ دونوں طرح اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں خدا نے اپنے لئے تخلیق فرمایا ہے ... باقی تمام مخلوق کو ہماری وجہ سے پیدا کیا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں خدا کا فرمان ہے: اے رسول! اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ... خلق کے پیدا کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ سراسر کفر و زندقہ ہے۔ ہم شیعیان اہل بیت کا یہ عقیدہ نہیں، بلکہ یہ غالیوں کا فاسد عقیدہ ہے ... آقائے موسوی کی ... سے واضح ہو گیا کہ یہ حضرات غالیوں کے عقائد فاسدہ کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب

بعض بد عقیدہ روضہ خوان اور ذاکر ... کہ حدیث شریف میں وارد ہے "خلق الله المشیة بنفسها ثم خلق الاشیاء بالمشیة" کہ خدا نے مشیت کو خود بخود خلق فرمایا اور پھر دوسری اشیاء کو مشیت کے ساتھ پیدا کیا۔ یہ لوگ لفظ "مشیت" سے ائمہ اطہار کو مراد لیتے ہیں کہ خدا نے ان کے ذریعہ کائنات کو پیدا کیا ہے یعنی یہ حضرات تخلیق کائنات کا واسطہ ہیں۔ یہ اس حدیث کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ... حقائق و معارف کے رستہ میں ... ہے۔ علاوہ اس کے یہ خبر واحد ہے جس کے ساتھ ... عقائد میں تمسک کرنا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ علمائے اعلام چاہتے ہیں ... خدا کا فاعل مختار ہونا ثابت کریں ... فاعل موجب و مسلوب الاختیار سمجھتے ہیں۔ مشیت سے مراد ... صفات فعلیہ ... صفات ذاتیہ ... کی پوری تحقیق احسن الفوائد میں دیکھی جا سکتی ہے ... اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ ... ارادہ کو ... ارادہ ... تسلسل لازم آئے گا ... تمام اشیاء کو اپنے ارادہ و اختیار سے پیدا کیا ہے ... [illegible] ... تحقیق ... چنانچہ علامہ سید ... اس حدیث کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

[illegible]

[illegible]

مسمی بمشیت اللہ و قدرۃ اللہ چنانکہ ایں جماعت توہم کردہ اند الخ

یعنی امام علیہ السلام کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ وہ اوامر عالم شہادت میں عالم کا سلسلہ اس طرح قائم کیا ہے کہ ہر چیز اس کے ارادے کے تحت واقع ہوتی ہے اور خدا کے ارادے کے معانی قبل ازیں تم معلوم کر چکے ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشیت و ارادہ کوئی مستقل وجود رکھنے والی چیز ہے جس کا نام "مشیت اللہ" و "قدرت اللہ" ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ مخلوق ہے کہ خدا اس کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس جماعت [illegible] مفوضہ و شیخیہ نے توہم کیا ہے" اسی کتاب کی [illegible] بحث روایت [illegible] پر اسی موضوع سے متعلق لکھا ہے [illegible]

[illegible]

یعنی واضح ہے کہ مشیت تامہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

یعنی [illegible] عالم میں [illegible]

اسی طرح علامہ [illegible] شرح [illegible] میں اسی مطلب کو بعنوان [illegible] بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: فلو کان تخلق المشیۃ بمشیۃ اخری لزم التسلسل [illegible] ولا نہایۃ لہ والمشیۃ تنقسم الی قسمین مشیۃ تکوینیۃ ومشیۃ تکلیفیۃ او تشریعیۃ [illegible] والمشیۃ ھی الارادۃ التی ھی صفۃ زائدۃ [illegible] خلق جمیع الموجودات [illegible] المشیۃ التی ھی الارادۃ التکوینیۃ [illegible] یعنی اگر خدا مشیت کو [illegible] دوسری مشیت کے ساتھ پیدا کرتا تو اس سے تسلسل لازم آتا۔ مشیت کی دو قسمیں ہیں: مشیت تکوینی اور مشیت تشریعی۔ اور مشیت سے مراد ارادہ ہے جو زائد بر ذات [illegible] تمام موجودات کو [illegible] مشیت کے ساتھ [illegible] تکوینی [illegible] فرمایا ہے [illegible] انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون [illegible] مشیت [illegible] اور [illegible] المشیۃ [illegible] مشیت اللہ [illegible] تلونا [illegible] مشیت [illegible] بعض [illegible] اگر کسی جگہ [illegible] مشیت [illegible] تو یہ [illegible] الٰہی [illegible] مشیت [illegible] کے تحت ہے جو [illegible] تکوینیہ کے متعلق ہو لیکن امور تشریعیہ کے متعلق وہ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی و تابع مشیت خدا ہیں جیسا کہ [illegible] میں خود خدا نے فرمایا ہے [illegible]

وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ [illegible])

وقال حجۃ اللہ فی العالمین ؎

رضینا قسمۃ الجبار فینا   لنا علم وللجہال مال

الغرض وہ اس طرح "فنا فی مشیت اللہ" ہیں کہ گویا مجسم مشیۃ اللہ ہیں۔ وہذا حق لایعتریہ شک ولکن این هذا من ذالک؛

ساتواں شبہ اور اُس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مجیدہ "فتبارک اللہ احسن الخالقین" میں اپنے سوا دیگر خالقین کا اعتراف کیا ہے اور اپنی ذات کو ان خالقین میں احسن فرمایا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ غیر خدا کا خالق ہونا شرک نہیں ہے۔ و اللہ خیر الرازقین میں خدا نے اپنے سوا دیگر رازقین کے وجود کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان رازقین میں افضل فرمایا ہے لہٰذا غیر خدا کا رازق ہونا شرک نہیں ہے۔ یہ شبہ باوجود چندور چند حقیقت حال کے سمجھنے میں تسامح و چشم پوشی کرنے پر مبنی ہے اگرچہ ہم احسن الفوائد میں بطریق احسن اس شبہ کا قلع قمع کر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ اسے تازہ شائع شدہ بعض کتب و رسائل میں نئے رنگ و روپ میں پیش کیا گیا ہے اس لئے یہاں اس کے ایک دو مزید اجمالی جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔ تفصیل کے شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔ فان فیہ شفاء لکل علیل و ریا لکل غلیل۔ اس استدلال یا شبہ میں شرع انور کے حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کا سہارا لیا گیا ہے ورنہ خود اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ خود استدلال کنندگان بھی حقیقت الامر کی طرف متوجہ ضرور ہیں۔ چنانچہ خود انہوں نے منقولہ بالا عبارات کے تحت حقیقت کا دبے لفظوں میں بایں طور اقرار کیا ہے کہ "درحقیقت خلق و رزق جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے وہ عدم سے وجود میں لانا ہے اور وجود میں آنے کے بعد اس کی نسبت غیر خدا کی طرف غلط نہیں" (حقائق الوسائط ص ۱۲۳) اسے کہتے ہیں:-

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے!

مگر اس شاطرانہ چال کا کیا علاج کہ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ حقیقی شرعی مفہوم کے اعتبار سے خالق و رازق صرف خدا ہی ہے۔ مگر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے برابر ڈھنڈورا بھی پیٹا جا رہا ہے کہ "غیر خدا خالق و رازق ہیں"۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا محض نسبت دینے کے جواز یا عدم جواز کا ہے یا نزاع ان امور (خلق و رزق) کو عدم سے وجود میں لانے کے متعلق ہے؟ ظاہر ہے کہ نزاع اسی آخری امر میں ہے کہ آیا باذن اللہ خلق و رزق کو عدم سے وجود میں لانے والے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یا یہ فعل خود خداوند عالم کا ہے؟ اور جب یہ صاحبان خود اقرار کرتے ہیں کہ "عدم سے وجود میں لانا خدا کے ساتھ مختص ہے" تو بعد ازیں یہ سب قیل و قال اور بحث و جدال برائے چہ؟ ع

اگر گویم ——— زبان سوزد

بہرحال جب حقیقی و اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے خلق و رزق خدائے تعالیٰ کی ذات سے مختص ہیں۔ تو اس سے

واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کسی جگہ ان امور کی نسبت غیر خدا کی طرف دی گئی ہے تو وہ نسبت شرعی نقطۂ نظر کے اعتبار سے مجازی ہے۔ چنانچہ "خلق" کے معنی اصطلاح میں الاخراج من العدم الی الوجود کے ہیں۔ ہاں البتہ اس کے لغوی معنی ہیں "التقدیر والاتقان فی الصنعۃ" کسی چیز کا اندازہ کرنا اور کسی چیز کو عمدہ طریقے پر بنانا (متشابہ القرآن ج ۱ ص۲۲۳) بنا بریں احسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے "احسن المقدرین واحسن الصانعین" ولاضیر فیہ چنانچہ کتاب کلیات ابو البقاء ص۱۴۳ پر لکھا ہے " واحسن الخالقین ای المقدرین او جمع بطریق عموم المجاز اذ لا مؤثر فی الحقیقۃ الا اللہ" یعنی احسن الخالقین کے معنی میں احسن المقدرین یا یہ جمع بطور عموم المجاز ہے۔ اس کی وضاحت احسن الفوائد میں دیکھی جائے، کیونکہ فی الحقیقت اللہ کے سوا اور کوئی مؤثر اور خالق نہیں ہے۔ (کذا فی المفردات للراغب ص۱۵۸ طبع اجیر) باوجود اس کے کہ اس لغوی معنی کے اعتبار سے غیر خدا پر بھی صانع کو خالق کہا جا سکتا ہے۔ مگر پھر بھی اصول شریعت کے پیش نظر علماء اعلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے چنانچہ علامہ شہر بن آشوب فرماتے ہیں "انا لا نطلق ھذہ الصفۃ الا فی تعالی لان ذالک یوھم" ہم اس صفت (خالقیت) کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر کرتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے غیر خدا پر اس کا اطلاق کرنا غلط معنوں کا وہم پیدا کرتا ہے (متشابہ القرآن ج ۱ ص۲۲۳) اسی طرح سرکار علامہ مجلسی نے آیت قل اللہ خالق کل شئی کے ذیل میں افادہ فرمایا ہے۔ یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق الی الانبیاء والائمۃ علیہم السلام یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلق (پیدا کرنے) کی نسبت انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف دینا جائز نہیں ہے۔ (بحار ج ۲۵ ص۳۴۳) ھل من خالق غیر اللہ؟ اسی طرح اسی باب میں بذیل عنوان "ابطال تفویض علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں" حضرت شیخ طوسی اور علامہ طبرسی کا کلام بھی اسی عدم جواز کے سلسلہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ فراجعہ۔ اور جن آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی طرف خلق کی نسبت دی گئی ہے وہاں باب المجاز ہے جس کی تفصیل باب چہارم میں گزر چکی ہے فلیراجع۔ اسی طرح رزق کے اصطلاحی معنی یہ ہیں۔ الرزق ماھو بالانتفاع بہ اولی فاضافۃ الرزق الی اللہ تعالی واجبۃ لان خلق الحیوۃ والشھوۃ ومکن من الانتفاع بالقدرۃ والالات وقال ان اللہ ھو الرزاق المتین وقال ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض۔ رزق وہ چیز ہے جس سے استفادہ کرنا اولیٰ ہو۔ (جس پر زندگی کی بقا منحصر ہو) اس کی نسبت خدا کی طرف واجب ہے کیونکہ اسی نے زندگی کو خلق فرمایا ہے۔ اور اسی نے کھانے پینے کی خواہش پیدا کی ہے اور طاقت و آلات کے ذریعہ اس سے استفادہ کرنے کی قدرت دی ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے خدا ہی رزق دینے والا ہے اور صاحب قوت و متانت ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف رزق دینے کی نسبت جائز نہیں ہے چنانچہ سرکار علامہ مجلسی آیت مبارکہ اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شئی سبحانہ وتعالی عما یشرکون۔ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق والرزق والاماتۃ

والاحیاء الی غیرہ سبحانہ وانہ شرک (بحار ۵، ص ۴۴۳) یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر خدا کی طرف خلق ورزق اور اماتت واحیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔ لیکن رزق کے دوسرے معنی کسی کو کچھ بلا عوض دینا بھی ہے۔ جیسے ہبہ، ہدیہ اور وصیت، نیز یہ لفظ عطیہ جاریہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے "رزق السلطان جندہ" یعنی بادشاہ نے اپنے لشکر کو رزق دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس معنی کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف اس کی نسبت دینا جائز ہے اس کی تائید خود بعض آیات قرآنیہ سے بھی ہوتی ہے۔ واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتمیٰ والمساکین فارزقوھم وقولوا لھم قولاً معروفاً (پ ۴ س نساء ع ۱۱) اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت وہ قرابتدار (جن کا کوئی حصہ نہیں، اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آجائیں تو انہیں بھی کچھ اس میں سے دیدو اور ان سے اچھی طرح بات کرو (ترجمہ فرمان) یہاں اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کو کچھ رزق دیں (یعنی ان کو کچھ عطا کریں، مگر با ایں ہمہ پھر بھی علی الاطلاق غیر خدا کو رازق کہنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے فاسد معنی کا توہم ہوتا ہے، کما تقدم بیانہ۔

علاوہ بریں اس شبہ کا ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ آیت "خیر الرازقین واحسن الخالقین" کا مطلب یہ ہے کہ کفار جن کو خالق و رازق سمجھتے تھے ان کے بالمقابل یہ اعلان کیا جا رہا ہے۔ کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو جب خدا یقیناً خود تمہارے عقیدہ کے مطابق بھی ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر افضل کو چھوڑ کر مفضول کے دامن کے ساتھ متمسک ہونا کہاں کی دانشمندی ہے؟ یہ آیات کا طرز و انداز بیان ویسا ہی ہے جیسے حضرت یوسفؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ: یا صاحبی السجن اارباب متفرقون خیر ام اللّٰہ الواحد القھار؟ اے میرے ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں۔ یا ایک قہار خدا کو پروردگار ماننا بہتر ہے؟ کیا کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت یوسف کی نگاہ میں خدا کے بالمقابل کچھ برحق رب تھے؟ حاشا وکلا۔ اسی طرح بعض ادعیہ میں وارد ہے یا رب الارباب ویا ملک الملوک ویا سید السادات ویا جبار الجبابرۃ ویا الٰہ الآلھۃ صل علی محمد وآل محمد[1] اے تمام ربوں کے رب، تمام بادشاہوں کے بادشاہ، تمام سرداروں کے سردار، تمام جابروں پر جابر اور تمام معبودوں کے معبود محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما۔ اہل انصاف بتائیں خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہے؟ حاشا وکلا۔ سب اہل اسلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ مطلب صرف یہی ہے کہ جن کو کفار معبود سمجھتے ہیں اور فی الحقیقت معبود نہیں تھے خدا ان کا بھی معبود ہے یہی کیفیت خیر الرازقین اور احسن الخالقین کی ہے کہ کفار و مشرکین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو، جب خود تمہارے ہی اعتقاد کے مطابق خدا ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر اس احسن الخالقین وخیر الرازقین کی بارگاہ کو چھوڑ کر دوسروں کی چوکھٹوں پر جبہ سائی کرنا عقل و دانش پر ظلم کرنے کے مترادف ہے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر خدائے حکیم کفار و مشرکین کو جھنجھوڑ کر فرماتا ہے ہل من

[1] (مفاتیح الجنان ص ۲۳۱)

بعلاً وتذرون احسن الخالقین کیا تم لوگ بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ فابتغوا عند اللہ الرزق یعنی خداوند عالم سے رزق طلب کرو۔ کیونکہ للہ خزائن السموات والارض زمین و آسمان کے خزانے خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ چنانچہ کتاب مفردات راغب اصفہانی (جو کہ لغات القرآن کی مشہور و مستند کتاب ہے) کے حاشیہ پر احسن الخالقین کے ایک معنی تو وہی لکھے ہیں جو ہم کلیات ابو البقاء کے حوالے سے لکھے ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ لکھے ہیں۔ "او یکون علی تقدیر ما کانوا یعتقدون و یزعمون ان غیر اللہ یبدع فکانہ قیل فاحسب ان ھھنا مبدعین وخالقین فاللہ احسنھم ایجاداً علی ما یعتقدون الخ

یعنی یا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن کو یہ لوگ خالق سمجھتے ہیں خدا ان سے احسن خالق ہے گویا اس طرح کہا جا رہا ہے۔ کہ فرض کرو یہاں کچھ اور خالق و مبدع موجود ہیں۔ جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ تب بھی خدا ان سے بہتر خالق ہے"۔

آٹھواں شبہ اور اُس کا جواب ارشاد قدرت ہے ولو انھم رضوا ما آتھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون یعنی اور جو کچھ خدا نے اور اُس کے رسول نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے اگر یہ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں اللہ اور اُس کا رسول دونوں اپنے فضل و کرم سے عطا کریں گے۔ ہم یقیناً خدا کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ تو یہ اخبار ان کے لئے ثبوت ایمان کی دلیل ہوتا۔ نیز ارشاد فرمایا۔ وما نقموا الا ان اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ اور ان لوگوں نے محض اس وجہ سے مخالفت کی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے انکو دولت مند بنا دیا ہے۔ اس آیت میں صاف صاف اعلان ہے کہ خدا نے اور اُس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے ان کو مالدار بنا دیا ہے"۔

اس شبہ کے جواب میں ہمیں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے جبکہ سابقہ شبہ کے جواب سے اس کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ یہاں اغناء (غنی کرنے) کی نسبت من باب مجاز بالکل اسی طرح پیغمبر اسلام کی طرف دی گئی ہے جس طرح برادر احکم دیا گیا ہے کہ وآتوھم من مال اللہ الذی اتاکم (پ۱۸ س نور ع ۱۰) اللہ کے مال سے فقراء و مساکین کو اسی طرح عطا کرو جس طرح خدا نے تم کو عطا کیا ہے۔ ان آیات کا تعلق باتفاق تمام مفسرین اسلام ۔۔۔۔۔۔۔۔ مال غنیمت سے ہے یعنی اس مال سے منافقین کو عطا کر کے دولت مند کرنا مراد ہے۔ اور یہ امر جائے محل نزاع سے خارج ہے۔ اس کا زیر بحث مسئلہ کے ساتھ بالکل کوئی ربط نہیں ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ آیات مال غنیمت و صدقات سے متعلق ہیں اور بعض منافقین کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ ان آیات کے سیاق و سباق پر نظر کرنے سے مل جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے "ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون۔ ولو انھم رضوا ما اتاھم اللہ ورسولہ

وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون (پ۱۰ س توبہ ع ۱۳) اے رسول،
ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جو تمہیں خیرات کی تقسیم میں (خواہ مخواہ) الزام دیتے ہیں پھر اگر ان میں سے ان کو کچھ معقول مقدار
دے دیا گیا تو خوش ہو گئے۔ اور اگر (ان کی مرضی کے موافق) اس میں سے انہیں کچھ نہیں دیا گیا۔ تو بس فوراً ہی بگڑ بیٹھے۔
اور جو کچھ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر یہ لوگ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے واسطے کافی
ہے (اس وقت نہیں تو) عنقریب ہی خدا ہمیں اپنے فضل (و کرم) سے اور اس کا رسول دے ہی گا۔ ہم تو یقیناً اللہ ہی
کی طرف لو لگائے بیٹھے ہیں۔ (تو ان کا کیا کہنا تھا۔ (ترجمہ فرمان) ان ہر دو آیات مبارکہ پڑھنے کے بعد اگرچہ اب یہ حقیقت
کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہتی مگر اطمینان قلب کے لئے بعض تفاسیر کے حوالہ جات بھی پیش کئے جاتے ہیں علامہ طبرسیؒ
اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۵ ص ۴۲ پر فرماتے ہیں۔ "ومنہم ای من ہؤلاء المنافقین یلمزک فی الصدقات۔
ای یعیبک ویطعن علیک فی امر الصدقات۔ ولو انہم رضوا ما اتاہم اللہ ورسولہ معناہ ولو
ان ہؤلاء المنافقین الذین عابوا علیک الصدقات رضوا بما اعطاہم اللہ ورسولہ الخ
یعنی کچھ منافق ایسے بھی ہیں جو صدقات و خیرات کے تقسیم کرنے میں تجھ پر نکتہ چینی اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ جو کچھ خدا نے اور
اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر اس پر راضی ہو جاتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ منافقین جو تم سے صدقات
کا مطالبہ کرکے تجھ پر الزام لگاتے ہیں۔ اگر اسی مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور رسولؐ نے مناسب سمجھ کر ان کو دی تھی،
تو یہ بات ان کے لئے اچھی تھی، اسی طرح فاضل کاشانیؒ اپنی تفسیر صافی ص ۲۱۲ پر لکھتے ہیں۔ "ولو انہم رضوا ما
اتاہم اللہ ورسولہ ما اعطاہم الرسول من الغنیمۃ او الصدقۃ۔ سیؤتینا اللہ من فضلہ صدقۃ
او غنیمۃ اخری الخ" یعنی اس آیت مبارکہ کہ اگر وہ اس مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور اس کے رسولؐ نے ان کو
عطا فرمائی تھی کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ نے ان کو مال غنیمت یا مال صدقہ سے عطا کیا تھا" اور کہتے عنقریب ہمیں اپنے
فضل سے عطا کرے گا۔" یعنی مال صدقات یا کسی اور مال غنیمت سے عطا فرمائے گا۔"

اسی طرح دوسری مکمل آیت اس طرح ہے۔ "یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامہم
وھموا بما لم ینالوا وما نقموا الا ان اغناہم اللہ ورسولہ من فضلہ فان یتوبوا یک خیرا لہم وان یتولوا
یعذبہم اللہ عذابا الیما فی الدنیا والاخرۃ وما لہم فی الارض من ولی ولا نصیر (پ س توبہ ع ۱۰)
"یہ منافقین خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (کوئی بری بات) نہیں کہی حالانکہ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا۔ اور اپنے اسلام
کے بعد کافر ہو گئے۔ اور جس بات پر قابو نہ پا سکے اسے ٹھان بیٹھے اور ان لوگوں نے (مسلمانوں سے) صرف اس وجہ سے
عداوت کی کہ اپنے فضل و کرم سے خدا نے اور اس کے رسولؐ نے دولت مند بنا دیا ہے۔ تو ان کے لئے اس میں خیر ہے کہ یہ لوگ
اب بھی توبہ کر لیں اور اگر یہ نہ مانیں گے تو خدا ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب نازل فرمائے گا۔ اور تمام دنیا میں ان کا نہ

کوئی حامی ہوگا نہ مددگار" (ترجمہ فرمانؑ) اس آیت میں ان منافقین کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے شب عقبہ آنحضرتؐ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا۔ اس آیت میں بھی اسی بات کا تذکرہ ہے۔ کہ خدا اور رسولؐ نے مال غنیمت و صدقات سے ان کو دولت مند بنایا تھا مگر ان بدباطنوں نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا چنانچہ تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص۴۶ پر لکھا ہے "وما نقموا الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله. معناه انهم عملوا بضد الواجب فجعلوا موضع شكر النعمة ان نقموها وبيانه انهم نقموا فيما ليس بموضع للنقمة فانه لم يكن للمسلمين ذنب ينقمونه منهم بل الله تعالى اباح لهم الغنائم واغناهم بذلك فقابلوا نعمته بالكفران وكان من حقهم ان يقابلوها بالشكر الخ۔۔ یعنی آیت "وما نقموا الا ان۔۔۔" کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ان پہ اخلاقاً واجب تھا انہوں نے اس کا اُلٹ کیا۔ یعنی خدا نے ان کے لئے مال غنیمت کو مباح قرار دے کر اس مال سے ان کو دولت مند بنایا تھا۔ انہوں نے اس احسان کا شکر ادا کرنے کی بجائے الٹا کفرانِ نعمت کیا۔" وکذا فی التفسیر الصافی ص۲۷ یہ ہے ان لوگوں کے اس مایۂ ناز استدلال کی حقیقت جس پر اتراتے ہوئے کہتے ہیں "کہ اہل حق قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکتے" ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ استدلال تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہے وان اوهن البيوت لبيت العنكبوت ایسی آیات مبارکہ کے ساتھ استدلال کر کے یہ لوگ اپنے علم و فضل اور دین و دیانت کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کرتے۔ هداهم الله الی صراط مستقیم۔

باقی یہ بعض حضرات کو اصرار ہے کہ جب "شیٔ سے شیٔ بنانا یعنی مادۂ موجودہ کی شکل بدل دینا بھی خلق ہے" اور اسی طرح "جب لغتِ عرب میں رزق کے معنی عطا کرنا بھی ہیں تو غیر خدا کو خالق و رازق کہنا کیوں درست نہیں ہے" اس کے متعلق یہ یاد رہے کہ اگر یہ دھاندلی روا رکھی جائے کہ شریعتِ مقدسہ کی اصطلاحات اور اس کے اصولوں سے قطع نظر کر کے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر اس طرح نام تقسیم کرنا شروع کر دیئے جائیں تو اس سے دو عظیم خرابیاں لازم آئیں گی۔ ایک یہ کہ ہمارے متعلقہ مسئلہ میں موجودہ مادہ میں کسی قسم کا تغیر کرنے والا خالق کہلانے لگے گا۔ خواہ وہ بڑھئی ہو یا معمار حتیٰ کہ حائک (جولاہا) بھی کیوں نہ ہو۔ اور اسی طرح کسی کو کچھ عطا کرنے والا ہر شخص رازق کہلوانا شروع کر دے گا۔ کا اختصاص کہاں رہ جاتا ہے، اس طرح پھر اہل بیتؑ کی فضیلت ہی کیا رہ جائے گی۔ دوسری یہ کہ اس طرح ہر خبر دینے والا "نبی" اور ہر پیغام رساں "رسول" کہلانے لگے گا۔ کیونکہ لغت عرب کی رُو سے نبی = خبر دینے والے اور "رسول" = پیغام پہنچانے والے کو ہی کہا جاتا ہے۔ کیا یہ ارباب صاحبان اس دھاندلی کو روا رکھنے کے روادار ہیں؟ قل الله اذن لكم ام على الله تفترون۔ خدا کا شکر ہے کہ خود آپ کی کتب میں بھی کھل کر اس حقیقت کا اقرار کیا گیا ہے کہ حقیقی معنوں کے لحاظ سے خالق و رازق خدا ہی ہے چنانچہ امام زمانہؑ کی توقیع مبارک "ان الله خلق الاجسام وقسم الارزاق لانه ليس بجسم ولا حال في جسم ليس كمثله شيء" کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہے "یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا کیونکہ

وہ جسم نہیں ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں ہے ورنہ جسم میں حلول کرنے والا ہے کیونکہ جو خود جسم ہو گا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اُسی کا کام ہے۔" (حقائق الوسائط ص۱۵۸) لہٰذا یہیں صرف لفظی نزاع ہی باقی رہ جاتا ہے۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے ہم غیر خدا کو خالق و رازق سمجھتے ہیں اور نہ ہم اور لغوی اعتبار سے ہم بھی درست سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی۔ مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ ہم لغت کے ساتھ ساتھ شرعی اصولوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم الاطلاق غیر خدا پر لفظ خالق و رازق کا اطلاق جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس سے حقیقی معنوں کا توہّم ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر غیر خدا پر خالق و رازق کا اطلاق کرتے ہیں۔ جو کہ صحیح نہیں ہے حالانکہ یہ بات یقینی ہے کہ حقیقی وارثانِ شریعت کے ارشادات اور ان کے مقرر کردہ اصولوں کو نظر انداز کر کے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر کوئی مطلب ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ استدلال مذکور کرنے والوں نے بھی اس کی صداقت کا اقرار کر لیا ہے چنانچہ ایک اور مقام پر زیر عنوان "الفاظ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہو سکتا" لکھتے ہیں "قرآن مجید میں الفاظ بالتحقیق عربی ہیں۔ اور اسی زبان پر وہ نازل ہوا ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ کا ورد کرنا اور قرأت کرنا مقصود خدا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تاویل مراد خدا ہے۔ اور اس کا علم بغیر وحی و الہام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج یا لفظ نبی و امام، رسول یا لفظ ید، وجہ، ساق، یا لفظ غضب، رحمت، محبت یا لفظ بیت، قریہ، مدینہ، یا لفظ علم قدرت، ارادہ یا لفظ صراط، سبیل وغیرہ خدا کی طرف منسوب ہو کر لغوی معنی میں باقی نہیں رہتے۔ اس لئے ان الفاظ کے مقاصد و معانی خداوندی، کتب لغت سے حل نہیں کیا جا سکتے۔ جیسا کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا مراد و مقصد خدا معلوم کرنے کے لئے وحی و الہام کی ضرورت ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے اس آیت و افی ہدایہ میں بیان فرمایا ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم جب مقصد خدا کا بغیر وحی و الہام علم ممکن نہیں ہے۔ تو ہمارے علوم ناقصہ اور آراء کاسدہ سے جو کچھ ثابت ہو گا، وہ ہمارے ہی عقلوں کا مخلوق ہو گا۔ اور اس پر عمل اور اعتقاد سے وہ دین کہلائے گی۔ کیونکہ دین صرف امر و نہی خدا کا نام ہے جو کہ اپنے خلیع زادگار اور کا" (حقائق الوسائط ص۱۳۶) نقلناہ بعبارتہ بجمودۃ مخصوصہ۔ ہم اس بیان کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں۔ مؤلف نے جہاں ایسے متعدد کی طویل فہرست پیش کی ہے جن کا مقصد و معنی بغیر وحی و الہام کے محض لغت کی مدد سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ کاش کہ اس میں لفظ خلق و رزق، امانت و احیاء اور شفا کا بھی اضافہ کر دیتے۔ اس طرح مطلب اور واضح ہو جاتا۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مؤلف نے اس اصول کی اپنی کتاب میں پابندی نہیں کی۔ بلکہ اس اصول کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ جہاں دیکھو لغوی معانی کا سہارا، قیاسات کی دھاریں، اور ذاتی آراء و خیالات کی پناہ ہے جیسا کہ اس کتاب کے ناظرین پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ بہر حال ہم اسی زرّیں اصول کی روشنی میں یہ دریافت

کرتے ہیں کہ اسی کتاب حق الیقین و رسالہ تحفہ ص۱۲۱ و ص۱۲۳ و ص۱۳۵ اور ص۱۲۲ وغیرہ پر آئمہ اہل بیت کو خالق و رازق ثابت کرنے کے لیے مؤلف نے صرف لغوی معنوں اور ذاتی قیاس کا سہارا نہیں لیا بلکہ جبکہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان الفاظ قرآنی کا مقصد و مطلب بغیر وحی و الہام متعین نہیں کیا جا سکتا تو غیر ہم بانگ دہل کہتے ہیں کہ یا ان معادن وحی و تنزیل یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا کوئی مستند فرمان پیش کریں جس میں انہوں نے اپنے اوپر لفظ خالق و رازق وغیرہ کا اطلاق کیا ہو یا دوسروں کو اس کی اجازت دی ہو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے اور تا طلوع آفتاب قیامت یقیناً نہیں کر سکتے ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ تو پھر صرف لغوی معانی کا سہارا لے کر آئمہ ہدیٰ کو خالق و رازق کہنے کے بدعقیدہ سے توبۃ النصوح کریں۔ ولعل اللہ یقبل توبتھم وان کان نظھر من احبار السادۃ الاطھار ان توبۃ المضل المضل لا تقبل الا ان یرد اضلال الذی اضل عن ضلالتہ وھو متعسر بل متعذر ولا سیما بعد موتہ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط واللہ الموفق۔

نواں شبہ اور اس کا جواب

بحار الانوار جلد ہفتم میں ایک حدیث معرفۃ بالنورانیۃ حضرت امیر المومنین اور اس کے ساتھ ملحق ایک روایت حضرت امام زین العابدینؑ کی طرف منسوب ہے جس میں نخلق بادنہ و نرزق باذنہ کے الفاظ موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام باذن اللہ خلق کرتے اور رزق دیتے ہیں۔ ان کے متعلق جواباً عرض ہے کہ ہفتم بحار الانوار ص۳۵۹ طبع تبریز پر ایک باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب نادر فی معرفتھم صلوات اللہ علیھم بالنورانیۃ وذکر جمل من فضائلھم علیھم السلام" اور اس باب میں علامہ مجلسیؒ نے کسی پرانی قلمی کتاب سے جس کے مؤلف کا نام خود سرکار موصوف کو بھی معلوم نہیں، وہ دو طویل الذیل اور عجیب المضامین حدیثیں درج کی ہیں۔ اور ہر حدیث کو درج کرنے کے بعد اپنی علمی شان کے مطابق پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے یعنی اس کی تضعیف فرما دی ہے چنانچہ حدیث معرفۃ بالنورانیۃ لکھنے کے بعد بذیل عنوان "بیان" فرماتے ہیں۔ "اقول لو صح صدور ھذا الخبر عنہ لا یحتمل ان یکون المراد ان الانبیاء و علیھم السلام بالاستشفاع بانوارنا رفعت عنھم المکارہ والفتن" یعنی اگر اس خبر کا آں جناب سے صادر ہونا تسلیم کر لیا جائے، تو پھر "انا الذی حملت نوحا" میں دو معنوں میں سے نوح کو کشتی میں سوار کیا، یا اس قسم سے اور جملوں کے متعلق احتمال ہے کہ ان کا مطلب یہ ہو کہ ہمارے انوار مقدسہ کے ساتھ توسل کرنے کی وجہ سے انبیاء کے مشکلات و مصائب دور

۱؎ یہ لوگ ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ان کے لئے خالق و رازق کے الفاظ و کلمات کیسے استعمال کر سکتے ہیں جبکہ معصومینؑ نے لوگوں کو کافر قرار دیا ہے جو ان کو باذن اللہ بھی خالق و رازق قرار دیں، چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "من قال نحن الخالقون بامر اللہ فقد کفر" یعنی جو شخص ہمیں باذن خدا بھی خالق کہے وہ کافر ہے۔ (شرح تحفہ عقائد ص۲۳۳ مطبوعہ سلطانیہ ۵ م ص۳۶ رسالہ تصحیح الاعتقاد طبع حیدر آباد دکن و اوائل الانوار) (اصول کافی جلد اول ص۱۴۷)

ہوتے تھے" لہٰذا دونوں باب۔ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا اور ویسا کیا۔ الخ

اسی طرح دُوسری روایت جس میں علیؑ باذنہٖ کے الفاظ موجود ہیں، نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "قول انما افردت لهذه الاخبار بابًا لعدم صحة اسانيدها وغرابة مضامينها فلا نحكم بصحتها ولا بطلانها ونرد علمها اليهم عليهم السلام" بحار، ج، مطبوعہ ایران "میں نے ان اخبار کے لئے ایک علیحدہ باب اس لئے منعقد کیا ہے۔ ان اخبار کی سندیں صحیح نہیں ہیں علاوہ بریں ان کے مضامین بھی عجیب وغریب ہیں۔ لہٰذا ہم نہ تو ان کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی حقیقت کا علم انہی بزرگواروں کے سپرد کرتے ہیں"

ارباب عقل وانصاف غور فرمائیں کہ آیا اصول عقائد کے مرحلہ میں جہاں صحیح السند اخبار احاد پر بھی اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ آیا ایسے اخبار غیر پر عقائد کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے جن کے ناقل خود ان کو صحیح نہ سمجھتے ہوں یا اهل الكتاب لم تلبسون الحق بالباطل وتكتمون الحق وانتم تعلمون۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہماری قوم علمی سطح سے اس قدر گر چکی ہے کہ آج اس کے نام نہاد واعظ ومبلغ اپنے مبلغ علم کے مطابق ایسی روایات کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کے تراجم شائع کرتے ہیں۔ اور بلا تاویل ان کو ان کے ظاہری معنوں پر محمول کرکے عوام کے عقائد واعمال کو خراب وبرباد کر رہے ہیں اور اس نام نہاد معرفت پر راضی بھی ہیں۔ اور مزید برآں علماء اعلام کو ان کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں گویا ان کے خیال میں ان روایات پر علماء کی نظر نہیں ہے، مگر کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں محاسبہ کرنے والا نہیں ہے کیونکہ ابھی حق کی گرفت ڈھیلی ہے۔ وما يتبع اكثرهم الا ظنا ان الظن لا يغني من الحق شيئا۔ اور یہ سب صرف اس لئے ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کے حق میں تقصیر نہ ہو جائے لیکن انہیں اس کی ہرگز پروا نہیں کہ مبادا کہیں توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اور شرک وغلو کے چاہ ضلالت میں نہ گر جائیں۔ وان الشرک لظلم عظیم۔

دسواں شبہ اور اس کا جواب

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت مطلقہ جس کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے انشاد فرمایا ہے میں ایک جگہ وارد ہے ارادة الرب في مقادير امورہ تهبط اليكم وتصدر من بيوتكم (مفاتیح الجنان ص ۴۰۰) یعنی اے اہل بیت محمدؐ! اللہ تعالیٰ کا ارادہ جملہ امور کی مقدار میں تمہارے ہاں نازل ہوتا ہے اور تمہارے گھر سے صادر ہوتا ہے معلوم ہوا ارادہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیکن تحدید امور وتقسیم اہل بیتؑ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔

اس شبہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں ارادة الرب سے بظاہر ارادہ تشریعیہ مراد ہے یعنی وہ ارادہ جو امور شریعت سے متعلق ہوتا ہے۔ نہ ارادہ تکوینیہ کیونکہ یہ ارادہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر نہیں جاتا۔ "احسن الفوائد"

میں اس پر مکمل تبصرہ کر چکے ہیں۔ کہ ارادہ صفاتِ فعل میں سے ہے اور خدا کا ارادہ بندوں کے مانند بھی نہیں کہ اس کی تکمیل میں کئی مقدمات طے کرنے پڑیں بلکہ الارادۃ من اللہ احداثہ "اللہ کے ارادہ کا مطلب یہ ہے کسی چیز کو وجود دینا" (ارشاد امام صادقؑ در حدیث الہلیج مندرجہ بحار) فـ ارادۃ اللہ الفعل یعنی خدا کے ارادہ کا مطلب ہے کام کرنا (توحید صدوقؒ) مطلب یہ کہ ارادہ ہوا اور مراد حاصل ہو گئی۔ بنا بریں جب اس ارادہ کا کوئی مکان ہی نہیں۔ تو پھر اس کے اوپر و نیچے آنے جانے کا مطلب کیا ہے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد شرعی امور کے متعلق ارادہ ہے جس کی تائید بعد والے فقرہ "عما فصل من احکام العباد" یعنی یہ کہ جو کچھ آپ کے گھروں سے صادر ہوتا ہے وہ بندوں کے احکام کی تفاصیل ہیں۔ یہ مطلب بالکل درست ہے کیونکہ حلال و حرام اور دیگر تمام مسائل و احکامِ شرعیہ کا علم دوسرے لوگوں کو اسی خانوادۂ عصمت و طہارت کے ذریعہ ہوتا ہے۔

دُوسرا جواب اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس ارادہ سے مراد ارادۂ تکوینیہ ہے تو پھر اس شبہ کا جواب وہی ہے جو تیسرے شبہ کا پیش کیا گیا ہے کہ اس فقرہ کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ لیلۃ القدر میں فرشتے تمام امور کو لے کر بغرض اطلاع و اعلام اور تجدید سلام خدمت امام زمانؑ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور پھر اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی پر چلے جاتے ہیں۔" یہ اس جملہ کا ایسا صاف و صریح مطلب ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ علامہ ربانی علامہ محسن فیض کاشانی اپنی کتاب الوافی ج ۲ ص۔۔۔ پر زیارت جامعہ کے اسی جملہ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یعنی: منکم الذین یعلمونھا اولاً ثم تصدر من بیوتکم الی سائر الناس فیہ اشارۃ الی ما ینزل الیھم فی لیلۃ القدر من کل امر یکون فی السنۃ یعنی اے اہل بیت رسولؐ! تم سب سے پہلے خدا کے ارادہ کو معلوم کرتے ہو۔ پھر آپ کے گھروں سے دوسرے لوگوں کی طرف صادر ہوتا ہے۔ اس میں لیلۃ القدر میں فرشتوں کے سال بھر کے امور لے کر حاضر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔" جس طرح لیلۃ القدر میں فرشتوں کے خدمتِ امام میں حاضر ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام علیہ السلام ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تحقیق سابقاً کی جا چکی ہے۔ اسی طرح اس فقرہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ حذو النعل بالنعل والقذۃ بالقذۃ۔

گیارھواں شبہ اور اس کا جواب

حضرت محمد و آلِ محمد علیہم السلام خدا کے خلیفہ ہیں۔ لفظ خلیفہ کے موارد استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین معنوں میں مستعمل ہے۔ (۱) بیٹا۔ یہاں یہ معنی درست نہیں۔ کیونکہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے (۲) کسی مرے ہوئے کا وارث ہو۔ یہ معنی بھی یہاں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا ہی لاوارث ہے (۳) مظہرِ صفات و آئینۂ کمالات۔ یہ معنی درست ہیں۔ یعنی یہ حضرات خدا کے صفات کے مظہر اور اس کے کمالات کا آئینہ ہیں۔ جو کام وہ کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں۔ تو چونکہ یہ خدا کے جانشین ہیں۔ لہٰذا ان کو خالق و رازق سمجھنا درست ہے۔"

یہ شبہ چند وجوہ و چند اعتبار سے ساقط ہے

اولاً۔ جہاں تک خلافت و خلیفہ کی بحث کا تعلق ہے سطور بالا میں چوتھے شبہ کے جواب میں اس فاسد نظریہ کا قلع قمع کیا جا چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے (دفعاً لتطویل الکلام بالتکرار)

ثانیاً۔ یہ جانشینی والی بات بھی یہاں لایعنی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ جانشینی یا مقام میں ہوگی یا مکان میں۔ اور یہاں یہ دونوں شقیں باطل ہیں۔ پہلی شق اس لئے کہ کوئی مخلوق خالق کے منصب و مقام پر فائز ہو یہ بات عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے۔ اور دوسری شق اس لئے کہ خدا کا کوئی جگہ و مکان نہیں ہے۔ تاکہ کوئی اس کا جانشین بنے وہ لازمان و لامکان ہے۔

ثالثاً۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ بزرگوار خدا کے جانشین ہیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ خدا کی ہر ہر صفت میں اس کے قائم مقام ہوں۔ مثلاً خدا جسم و جوہر، مکان و زمان کے حدود و قیود سے منزہ و مبرا ہے تو یہ بھی ان امور سے منزہ ہوں۔ خدا خالق و رازق ہے تو یہ بھی خالق و رازق ہوں۔ خدا لم یلد و لم یولد کا مصداق ہے تو یہ بھی بیوی بچوں سے بے نیاز ہوں و علی ہذا القیاس۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ جانشینی اور قائم مقامی صرف بعض مخصوص امور میں ہے اور وہ نظام شریعت ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں اسی باب میں اس کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خداوند عالم حضرت داؤدؑ سے فرماتا ہے۔ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس۔ اے داؤدؑ ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے اس لئے تم لوگوں میں عدل و انصاف کے ساتھ حکم کرو۔ صاحبان عقل و فکر کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ احکام شریعت نافذ کرنا کجا اور خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ کی انجام دہی اور وہ بھی بطور خلیفہ و نائب کجا۔

سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا   ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

رابعاً۔ انبیاء و اوصیاء کو خلیفۃ اللہ محض اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار لوگوں کے نہیں بلکہ خدا کے مقرر کردہ ہیں۔ یہ نسبت مجازی اور یہ اضافت تشریفی ہے۔ جیسے خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور ماہ رمضان کو شہر اللہ بغرض تعظیم و تکریم کہا جاتا ہے۔ ان کو خلیفۃ اللہ اس لئے نہیں کہا جاتا کہ وہ خدا کے صفات کے اظہار یا نظام عالم چلانے میں اس کے قائم مقام ہیں۔
سبحانہ و تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

خامساً۔ اگر خلیفہ کا وہی مفہوم ہو جو اس شبہ میں بیان کیا گیا ہے تو پھر ان آیات کا مفہوم کیا ہوگا۔ ھو الذی جعلکم خلائف فی الارض (رب ...) "تمہارا وہ رب جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔" جبکہ قوم صالح کو خطاب ہوتا ہے واذکروا اذ جعلکم خلفاء "اس احسان کو یاد کرو کہ خدا نے تمہیں خلیفہ بنایا۔" تو کیا یہ تمام لوگ خدا کے جانشین یا اس کے کمالات و صفات کے مظہر تھے؟ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ وہ گزشتہ امتوں کے جانشین تھے۔ تو پھر یہاں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جناب آدمؑ قوم جنات و نسناس کے، جناب داؤدؑ سابقہ نبیوں کے، سرکار خاتم الانبیاء تمام انبیاء و مرسلین کے اور ائمہ طاہرینؑ جناب خاتم النبیین کے قائم مقام و جانشین تھے۔ نہ آدم و داؤد کے واقعہ میں ان کے خلیفۃ اللہ ہونے کی

تصریح ہے بلکہ خلیفہ ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور نہ ان آیات میں لوگوں کے خلفاء اللہ ہونے کا تذکرہ ہے بلکہ صرف خلیفہ ہونے کا بیان ہے۔ ہاں البتہ بوجہ نصب و تقرر خداوندی انبیاء و ائمہ کو من باب المجاز و بغرض تعظیم و تکریم خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے (ردے از ولایت)

بارھواں شبہ اور اس کا جواب

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب جبرئیل متمثل بہ بشر ہو کر جناب مریم کے پاس پہنچے اور جناب مریم نے گھبرا کر ان سے خدا کی پناہ مانگی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہا انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا۔ میں تمہارے پروردگار کا ایلچی ہوں۔ تاکہ تمہیں پاکیزہ بچہ عطا کروں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب جبرئیل بچہ عطا کر سکتے ہیں تو پھر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کیوں نہیں دے سکتے؟

اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ جناب جبرئیل کے کلام میں اعطاء اولاد کی نسبت ان کی طرف مجازی ہے ورنہ اولاد عطا کرنے والا خداوند عالم ہی ہے جبرئیل تو صرف بشارت دینے آئے تھے چنانچہ اس بات کی تصدیق خود کلام مجید میں مذکورہ سوال و جواب کے بعد موجود ہے۔ کہ جناب مریم نے بچے کی بشارت کی خبر سن کر تعجب کے لہجہ میں کہا انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر۔ بھلا میرے ہاں کیوں کر بچہ ہو سکتا ہے جبکہ کسی انسان نے مجھے چھوا بھی نہیں۔ جناب جبرئیل نے جواب میں کہا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ بات (باپ کے بغیر اولاد دینا) مجھ پر آسان ہے۔ (پ ۱۶ س مریم ع ۱) اس جواب سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بچے کا پیدا اور عطا کرنے والا صرف مالک و متصرف خدا ہے نہ جبرئیل۔ وہ تو صرف مبشر ہیں۔ تفسیر منتخبات القرآن ص [illegible] پر مرقوم ہے "کہ ان النفخ فی مریم کان من جبرئیل والخلق من اللہ یعنی پھونک مارنا جبرئیل کا کام تھا اور بچہ پیدا کرنا خدا کا کام" اسی معمولی سی مناسبت کی بنا پر "ھبہ ولد" کی نسبت جبرئیل کی طرف دے دی گئی ہے ورنہ انھم لا یخلقون شیئاً منہ عبادہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون (پ ۱۷ الانبیاء ع ۲)

ایسا ہی واقعہ جناب خلیل خدا کی زوجہ محترمہ کے ساتھ بھی پیش آچکا تھا۔ جب فرشتوں نے ان کو اولاد کی خوش خبری دی تو محترمہ نے سن کر کہا۔ االد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا میں بچہ جنوں گی؟ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں فرشتوں نے کہا۔ اتعجبین من امر اللہ کیا آپ خدا کے امر و قدرت سے تعجب کرتی ہیں (وہ قادر مطلق جو چاہے کر سکتا ہے) (پ ۱۲ س ہود ع ۷) معلوم ہوا کہ اولاد عطا کرنا خدا کا فعل ہے اسی لئے تو جناب ابراہیم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل و اسحاق اور اسی حقائق کی بنا پر انبیاء و مرسلین اور عباد اللہ الصالحین ہمیشہ خدا سے ہی اولاد طلب کرتے تھے رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء (پ ۳ س آل عمران ع ۱۲)

تیرھواں شبہ اور اس کا جواب

جب حضرت امیر المومنین بالاتفاق قسیم النار والجنۃ ہیں تو اگر دنیوی رزق بھی یہ بزرگوار تقسیم کریں تو اس میں کیا استبعاد ہے؟ اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ

شریعت مقدسہ میں قیاس حرام ہے فروعِ دین میں اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ اصول اعتقاد میں اس پر اعتماد کیا جائے۔ جب تک بطریق ائمہ طاہرینؑ کوئی قطعی دلیل نہ پہنچے۔ صرف "ایسا ہو تا ممکن ہے" "اس میں کیا استبعاد ہے؟" ایسے ظنون و اوہام پر عقائد کی دیوار کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ جنت و نار کی تقسیم کے ان کے متعلق ہونے پر ائمہ اطہارؑ کے متعدد آثار و اخبار موجود ہیں۔ اس لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آنجنابؑ قسیم الجنۃ والنار ہیں۔ اور تقسیم رزق کے متعلق چونکہ معصومینؑ کے ارشادات نہیں ملتے۔ اس لئے ہم بلا دلیل یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ اس کی نفی پر آیات و روایات موجود ہیں۔

(۱) ارشادِ ربانی ہے نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا (پ۲۵ س زخرف ع۴) ہم نے ہی زندگانی دنیا میں انسانوں کا رزق تقسیم کیا ہے۔

(۲) اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء (پ س ع) اگر خدا تعالیٰ اپنے سب بندوں کے رزق کو وسیع کر دیتا۔ تو وہ زمین میں بغاوت کر دیتے۔ لیکن جتنی مقدار مناسب سمجھتا ہے نازل کرتا ہے۔

(۳) ارشاد قدرت ہے اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (پ۱۳ س رعد ع۴) خدا جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے کم کرتا ہے۔

(۴) احتجاج طبرسی میں جناب رسول خداؐ کی ایک طویل حدیث شریف موجود ہے جس میں آنحضرتؐ نے کفار قریش کے تمام اعتراضات کے شافی و کافی جوابات دیئے ہیں۔ ان کے اس اعتراض "لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" کہ یہ قرآن (مکہ یا طائف کے دو بڑے شہروں میں سے کسی بڑے (مالدار) آدمی پر کیوں نہیں اُتارا گیا) کے جواب میں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لیس قسمۃ اللہ الیک بل اللہ ھو القاسم للرحمات والفاعل لما یشاء فی عبیدہ وامائہ۔ اللہ کی تقسیم تمہارے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی رحمتوں کے تقسیم کرنے والا ہے وہ جو چاہتا ہے اپنے بندوں اور کنیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے (ص)

(۵) پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں "ولکن الحکم للہ یقسم کیف یشاء ویفعل کما یشاء۔ لیکن حکم خدا کا چلتا ہے وہ جس طرح چاہے تقسیم کرے اور جو چاہے سو کرے (ص)

(۶) حضرت امام رضا علیہ السلام رب العالمین کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں مالکہم وخالقہم و سائق ارزاقہم الیہم من حیث یعلمون ومن حیث لا یعلمون فالرزق مقسوم وھو یاتی ابن آدم علی ای سیرۃ سارھا من الدنیا لیس تقوی متق بزائدہ ولا فجور فاجر بناقصہ الخ یعنی رب العالمین کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کا مالک و خالق اور جہاں سے انہیں علم بھی نہ ہو ان کا رزق پہنچانے

والا ہے۔ رزق مقسوم و مقدر ہو چکا ہے۔ فرزند آدم جہاں بھی ہو اس کا مقررہ رزق اس تک پہنچ جائے گا۔ نہ پرہیزگار کی پرہیزگاری اسے بڑھا سکتی ہے نہ گنہگار کی گنہگاری اسے گھٹا سکتی ہے (عیون اخبار الرضا ج ۲ باب ۳۰ ص ۴۸ طبع جدید)

(۷) جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ارزاق الخلائق کے متعلق سوال کیا گیا فرمایا فی السماء الرابعة تنزل بقدر و تبسط بقدر۔ رزق چوتھے آسمان میں ہیں جو خدا کی قضا و قدر سے نازل ہوتے ہیں اور اسی کے فیصلہ کے مطابق فراخ ہوتے ہیں (تفسیر صافی ص ۴۹۶ ذیل آیت وفی السماء رزقکم سورہ الذاریات)

(۸) آیت مبارکہ کل یوم ہو فی شان کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا یحیی و یمیت و یرزق و یزید و ینقص۔ یعنی خدا ہر روز زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ رزق دیتا ہے اور اس میں کمی بیشی کرتا رہتا ہے" (تفسیر صافی ص ۵۳۸ تفسیر سورہ رحمٰن)

(۹) قبل ازیں جناب امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد نقل کیا جا چکا ہے قدّر الارزاق فکثرها و قللها و قسمها علی الضیق و السعة خدا نے رزق مقدر کئے اور اسی نے کمی بیشی کے ساتھ ان کو تقسیم فرمایا۔ (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۸۹ طبع مصر) علاوہ بریں قبل ازیں اس قسم کی کئی آیات و روایات پیش کی جا چکی ہیں جن میں وارد ہے کہ خداوند عالم ہی رازق اور رزق کو کم و زیادہ کرنے والا ہے۔ اور اس کی بسط و کشاد اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ تقسیم الرزق خداوند عالم ہی ہے۔

(۱۰) حضرت امیر المومنینؑ کے یہ اشعار آبدار زبان زد خلائق ہیں

رضینا قسمة الجبار فینا — لنا علم وللاعداء مال

فان المال یفنی عن قریب — وان العلم یبقی لا یزال

یعنی ہم خدا کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم و فضل اور ہمارے دشمنوں کو مال و منال دیا کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا۔ لیکن علم ہمیشہ باقی رہے گا۔" اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ خدا رزق تقسیم کرتا ہے۔

(۱۱) امام موسیٰ کاظمؑ ایک دعا میں فرماتے ہیں۔ یا خالق الخلق و یا باسط الرزق " اے مخلوق کے خالق اور رزق کے فراخ کرنے والے الخ (عیون الاخبار ج ۱ ص ...)

(۱۲) نماز عصر کے تعقیب میں یہ دعا پڑھی جاتی ہے اس میں وارد ہے وانت الذی تقسم بلطفک الرزق خدا تو ہی اپنے لطف و کرم سے رزق تقسیم کرتا ہے" (مفاتیح الجنان ص ۱۹ طبع تہران) دلائل قاطعہ کے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ تقسیم رزق والی بحث بالکل مہمل ہی معلوم ہوتی ہے۔ یہ خود تقسیم تقسیم کی رٹ لگانے والوں کو بھی معلوم نہیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ کیونکہ اگر تقسیم سے مراد تقدیر ہے یعنی رزق مقدر کرنا تو بالاتفاق رزق مقدر کرنے والا خدا ہے قادر و قیوم ہی ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ کہیں مال و اسباب کا خزانہ موجود ہے جس میں سے مٹھیاں

جو پھر کرو لا تقسیم فرماتے ہیں تو یہ بالوجدان غلط ہے کیونکہ روزی کسب و اکتساب یعنی کمانے اور ہاتھ پیر ہلانے سے ملتی ہے (ولیس للانسان الا ما سعیٰ) ایسا نہیں ہے کہ چھت کے سوراخ سے رزق نازل کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ تقسیم رزق والی بحث بالکل ہی لایعنی اور مہمل ہے۔

وہ مقررین قابل داد ہیں جو اس مقام پر دوسرے خلیفہ کے چیونٹی کو ڈبیا میں بند کرنے اور جناب امیرؑ کے اس کے منہ میں دانہ ڈالنے" جیسے بے سر و پا اور بے اصل و بے بنیاد قصص و حکایات سے اس قسم کے اعتقادی مسائل کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ نہ بیان کرنے والوں کو خود معلوم کہ اس من گھڑت قصہ کا ثبوت کیا ہے اور نہ سامعین کو یہ توفیق کہ حوالہ دریافت کریں۔ ع

وزیرے چنیں شہر یارے چناں

اگر قوم میں تحقیق و جستجو کا یہ جذبہ پیدا ہو گیا تو پھر ایسے بے لگام مقررین دین کو کھلونا نہیں بنا سکیں گے۔ الحمد للہ اب دن بدن قوم خواب گراں سے بیدار ہو رہی ہے اور عوام کو الو بنانے والوں کا یوم الحساب قریب ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

چودھواں شبہ اور اس کا جواب

کتاب نفس الرحمان ص ۔۔۔ پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا ترجمہ مستدل کے الفاظ میں یہ ہے۔

"جب اللہ کسی امر کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کو رسول اللہ پر پیش کرتا ہے پھر امیر المومنینؑ پر۔ پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہ اطہارؑ پر یہاں تک کہ اس کو امام زمانہؑ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا میں نافذ کیا جاتا ہے۔ اور جب فرشتے چاہتے ہیں کہ کسی عمل کو اللہ کے پاس پیش کریں تو پہلے وہ امام زمانہؑ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہؑ کے پاس یہاں تک وہ رسول اللہ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ بعد پھر خدا کے پاس پیش ہوتا ہے۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں پر نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اللہ کی طرف جاتا ہے وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں سے جاتا ہے اور وہ چشم زدن کے لئے بھی اللہ سے مستغنی نہیں ہوتے۔"

اسی طرح بصائر الدرجات ص ۲۲۳ وغیرہ میں امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا (ترجمہ) "اے ابو حمزہ! طلوع شمس سے قبل نہ سویا کرو۔ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق تقسیم کرتا ہے۔ اور ہمارے ہاتھوں پر جاری فرماتا ہے۔" ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ بندوں کے رزق ائمہ معصومینؑ کے دست ہائے مبارک سے جاری کئے جاتے ہیں۔ یہ ہے بعض حضرات کے عقیدہ مع الدلیل کا خلاصہ جس پر انہوں نے بڑا زور دیا اور کئی صفحات سیاہ کرکے اسے افراط و تفریط کے مابین درمیانی نظریہ قرار دیا ہے۔ نہ معلوم وہ یہ لکھ کر تردید کس کی کر رہے ہیں؟ اس پر تو ہمارا بھی ایمان ہے کہ جب بھی کوئی فرشتہ زمین پر آتا ہے تو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں حاضر ہوتا

ہے اور جب واپس جاتا ہے تو ان کی خدمت میں حاضری دے کر جیسا کہ یہ مضمون متعدد احادیث میں وارد ہے۔ بحث طلب امر تو یہ ہے۔ کہ فرشتوں کی آمد و رفت کس غرض کے ماتحت ہے؟ آیا خدا کو ان حضرات سے مشورہ لینا مطلوب ہے؟ یا ان حضرات کو نظام عالم چلانے میں کچھ دخل ہے؟ یا امور تکوینیہ کو یہ حضرات نافذ کرتے ہیں؟ یہ استدلال ص۲۲۳ پر پیش کرنے والے نے اپنی کتاب کے ص۲۳ حاشیہ پر اس پہلی حدیث کا آخری حصہ نقل کرنے کے بعد ان سوالوں کا نفی میں جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: "یہ صحیح الاسناد روایت تمام سابقہ روایات (وارده در تفسیر سورۃ انا انزلناہ نا قبل) کا مفہوم واضح کر دیتی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے تمام مقدر امور کے احکام کو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اور پھر کائنات میں ملائکہ کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے جس کا مقصد محض ان حضرات معصومین کی عظمت و جلالت اور رفعت شان کا اظہار ہے نہ یہ کہ ذوات مقدسہ اس کے افعال و اختیارات میں شریک یا مشاور ہیں" (جواہر الاسرار ص۲۳) پھر اس مطلب کی تائید میں سرکار علامہ مجلسی کا کلام بحار ج ۲، ص۲۹۰ سے پیش کیا ہے (جیسے یہی مطلب ہم اصول الشریعہ طبع اول کے ص۲۱ پر پیش کر چکے ہیں۔ لہٰذا موصوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری تائید مزید ہے نہ تردید

اس حدیث اور بیان میں بار بار اس امر کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ امور کو مقدر بھی خدا کرتا ہے۔ اور ملائکہ کے ذریعہ نافذ بھی خدا کرتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں فرشتوں کی یہ آمد و رفت محض ان کی عظمت شان و بلندی مقام کے اظہار کے لئے ہے وبس۔

باقی رہی دوسری حدیث اس کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اس کتاب کے ناشر نے اپنے وضاحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ "بندوں کے رزق کا ائمہ طاہرین کے ہاتھوں پر جاری کرنے سے مراد آپ کے وسیلہ برکت اور توسط سے جاری کرنا ہے جیسا کہ سابق روایت میں ہے۔ کہ خداوند عالم جو چیز اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے تو پہلے اس کو فرشتے خدا کے حکم سے یکے بعد دیگرے رسالت مآب اور ائمہ ہدیٰ کے علم میں لانے کے لئے ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بعد از ان بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ اس امر کا ثبوت ما بعد کی روایت میں بالوضاحت ہے" (ناشر جواہر الاسرار ص۲۹) حدیث میں تقسیم کی نسبت خود خدائے لم یزل کی طرف ہے۔ معلوم ہوا کہ تقسیم خدا ہی کرتا ہے۔ ہاں بحیثیت رزق ہونے کے ائمہ کی طرف یہ نسبت مجازی ہے۔ وبیمنھم رزق الوریٰ وبوجودھم ثبتت السماء قد قال ومنھم الحالی والکشاف الاجمالی

پندرھواں شبہ اور اس کا جواب

ایک خطبہ کہ خطبۃ البیان کے نام سے موسوم ہے حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب ہے اس سے تفویض اور ان حضرات کا خالق و رازق ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس خطبہ میں وارد ہے۔ انا داحی الارضین۔ انا مورق الاشجار۔ انا المصور فی الارحام۔ انا احی و امیت انا اخلق و ارزق۔ یعنی زمینوں کا فرش بچھانے والا، درختوں پر پتے اگانے والا، رحم مادر میں بچے کی تصویر کشی کرنے والا میں ہوں۔ میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں۔ میں خلق کرتا ہوں اور میں رزق دیتا ہوں۔

[illegible]

اگرچہ ہم نے احسن الفوائد میں (ص ۲۳۶ سے ص ۲۳۳ تک طبع اوّل) اس شبہ کا تفصیلی اور قطعی جواب پیش کر دیا ہے اور روایت و درایت اور علمائے اعلام کے کلام حق ترجمان سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ جناب امیر المومنین کا کلام معجز نظام نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ تمسک کرنا بالکل غلط ہے۔ اور بفرض تسلیم اس کا وہ مفہوم نہیں ہے جو قشر بین سمجھتے ہیں شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ تاہم مزید اطمینان اور وضاحت کی خاطر ذیل میں دو چار اور جلیل القدر علماء اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت علامہ مرزا ابو الحسن تنکابنی اپنی کتاب مستطاب قصص العلماء طبع طہران ص ۳۶۵ پر حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب حدیث انا خالق السموات والارض کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"می گوئیم کہ این خبر مجعول و کذب محض و افتراست و این خبر در خطبۃ البیان مجعول و مطعون است۔ کہ از موضوعات است و شیخ رجب برسی صوفی نیز آن را در کتب خود نقل کردہ و الا پس علماء عالی مقدار مشہورین اعصار از علماء اخیار و فضلاء ابرار و نقاد اخبار سرۃ الاطہار مانند غواص اخبار علامہ مجلسی اجلہ اللہ مجالس الرضا والرضوان صاحب بحار الانوار و سید رضی جامع خطب حیدر کرار صاحب نہج البلاغۃ و ثقۃ الاسلام شیخ کلینی تا دارند اخراب ایشان این خبر را نقل نکردہ اند۔ و در ہیچ کتاب معتبرے آن را ندیدیم و نشنیدیم بلکہ بعضے از افاضل اعلام حکم بوضع تصریح بکذب آن فرمودہ اند۔ یعنی ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بالکل جعلی اور من گھڑت ہے۔ یہ خبر مجعول و مطعون خطبۃ البیان میں موجود ہے جو کہ موضوعات اور من گھڑت خطبات میں سے ہے۔ اسے شیخ رجب برسی صوفی نے بھی اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ ورنہ دوسرے عالی مقدار تمام زمانوں کے مشہور علمائے اخیار و فضلائے ابرار اور ائمہ اطہار کے اخبار کے ناقدین کبار جیسے غواص بحار الاخبار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اور جناب سید رضی جامع خطب حضرت حیدر کرار صاحب نہج البلاغہ اور ثقۃ الاسلام حضرت کلینی مرحوم یا ان جیسے دیگر علماء ذوی الاقتدار نے اسے اپنی اپنی کتب میں نقل نہیں کیا۔ اور نہ ہم نے اسے کسی معتبر کتاب میں دیکھا ہے اور نہ سنا ہے بلکہ بعض علماء افاضل نے اس کے وضعی و جعلی ہونے کی تصریحات فرمائی ہیں۔ جیسے حضرت علامہ مجلسی در مقدمہ بحار ص ۳۱ محقق قمی در جامع الشتات و محدث نوری در خاتمہ مستدرک و ص ۴۶۳ وغیرہم)

(۲) زبدۃ الفضلاء حضرت آقا سید اسماعیل النوری اپنی کتاب کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۴۳۱ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اگر چہ متعرض نشدیم درین باب چیزے نیافتیم چیزے سالم در اخبار نرسیدہ ایکہ نسبت خلق و رزق و اماتت و احیا بایشان دادہ شود علی الاطلاق بلی در خطبۃ البیان بعضے ازین الفاظ مذکور است ولکن این خطبہ را اصحاب

اختلال نموده اند گفته اند که این خطبه را بعضے از غلاۃ موضوع نموده اند و آں را نسبت داده بحضرت امیر المومنین علیہ السلام و اصل ناقلین این خطبه هم نیز بعضے از عامه می باشند و خود جناب شیخ نیز تصریح کرده است بعدم اعتبار او چنانچه در شرح زیارۃ در مقام نقل بعضے از اخبار رجعت می گوید من در خصوص این مضمون خاص که عدد اصحاب حضرت عجل اللہ فرجہ هر یک از آن ها از بلد خاصے باشند و تعداد آں ها از بلدان متفرقه حدیثے در این باب ندیدیم مگر در خطبه البیان و آن اعتبارے ندارد و الی من قاس، پس با این احوال چه حجت و دلیل خواهد شد این خطبه برائے احدی"

یعنی ہم نے جہاں تک تتبع و جستجو کی ہے احادیث میں کوئی ایک دلیل نہیں ملی جس کی بنا پر خلق و رزق اور اماتت و احیاء کی نسبت ائمہ اہل بیتؑ کی طرف دینا علی الاطلاق جائز ہو۔ ہاں البتہ اس قسم کے بعض مطالب خطبۃ البیان میں مذکور ہیں۔ لیکن اس خطبہ کو ہمارے علماء نے نقل نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس خطبہ کو بعض غالیوں نے وضع کرکے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت دیدی ہے۔ اور اس کے ناقل بھی بعض سنی المذہب حضرات ہیں۔ خود شیخ احمد احسائی تفویضی، نے بھی اس خطبہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب شرح زیارہ میں رجعت کا بیان کرتے ہوئے حضرت حجت عجل اللہ فرجہ کے ہر شہر سے مخصوص اصحاب کے عدد کے بارہ میں لکھا ہے۔ کہ اس سلسلہ میں ہمیں سوائے خطبۃ البیان کے اور کوئی حدیث نہیں ملی۔ اور یہ خطبہ ناقابل اعتبار ہے (بعد ازاں صاحب کتاب نے اس خطبہ کے اختلاف نسخ و عبارات کو کہ ایک نسخہ کے ساتھ دوسرا نہیں ملتا اس کے بطلان کی دلیل قرار دیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے) پس ان حقائق کی روشنی میں یہ خطبہ کیونکر کسی شخص کے لئے کسی مطلب کے اثبات پر دلیل بن سکتا ہے۔" ہم دیباچہ میں ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ فرقہ غالیہ اپنے باطل دعووں کے ثبوت میں بے محابا حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا

(۳) فاضل محترم آقائے الٰہی تفریشی کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "فما یظہر من بعض الروایات و منہا خطبۃ البیان من مدخلیۃ الائمۃ فی وجود الاشیاء و اثبات العلۃ الفاعلیۃ لہم بالنسبۃ الیہا فلابد من تاویلہ ان صح سندہ والا فطرحہ .. سیما کخطبۃ البیان التی لم توجد الا فی کتب الغلاۃ او فی اذہان غفلۃ العوام حفظنا اللہ من وساوس الشیطان" اور یہ جو بعض روایات سے کہ منجملہ ان کے ایک خطبۃ البیان بھی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کو اشیاء عالم کے وجود میں کچھ دخل ہے۔ اور یہ کہ وہ ان اشیاء کی علت فاعلی ہیں تو اگر اس قسم کی روایت کی سند صحیح ہوئی تو ان کی تاویل کی جائے گی ورنہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے گا جیسے خطبۃ البیان کہ اس کا سوائے غالیوں کی کتابوں کے یا (حقیقت حال سے) غافل عوام الناس کے ذہنوں کے اور کہیں وجود نہیں ہے۔ خدا ہمیں وسوسہ شیطانی سے محفوظ رکھے" (مرآۃ الحق ج ۲ ص ۳۳۲)

(۴) آیۃ اللہ الحاج جناب علامہ سید حامد حسین (صاحب عبقات) اپنی کتاب استقصاء الافحام ج ۲ ص ۲۹۰ پر جناب

کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جس سے خطبۃ البیان کے بعض مندرجات کی بنا پر مذہب شیعہ پر ایراد کیا تھا فرماتے ہیں
" الزام وقتے متصور می شد کہ تصریح اہل حق بصحت این خطبہ ثابت میگر دو وانی لہ ولک " یعنی یہ الزام اس وقت درست ہوتا کہ اہل حق (شیعہ) نے اس خطبہ کے صحیح ہونے کی کہیں کوئی تصریح کی ہوتی۔ اور مخالف اسے کب ثابت کر سکتا ہے ؟

(۲) علامہ سید حسین لکھنوی نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۱۵، ۲۱۹ پر اس خطبہ کی پرزور الفاظ میں رد فرمائی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں " ودیگر محقق ؟ باشد کہ علاوہ شعبدہ بسیار دعویہائے بلند و کتان چند با آنحضرت نسبت دادند بعضے آنحضرت را صد گفتند چون راوی خطبۃ البیان مجہول است پس بہ تر دو کہ خطبہ دیگے : بشان با آنحضرت منسوب کردہ باشند " یعنی مذہب غالی شیعوں نے بہت سے غلط دعوے آنجناب کی طرف منسوب کئے ہیں کہ کسی غالی نے اسے خود وضع کر کے اسے جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہو۔

انکشاف حقیقت چونکہ کوکب دری کے مؤلف نے اس خطبہ کو خواجہ محمد پارسا کے کسی رسالے سے نقل کیا ہے۔ اب قابل طلب بات یہ ہے کہ یہ خواجہ محمد پارسا کون ہیں؟ ان کی شخصیت کیا ہے۔ اور ان کا مذہب کیا ہے؟ اس سلسلہ میں حجۃ معاصر علی العلامہ جناب علامہ حامد حسین اعلی اللہ مقامہ کی تحقیق بڑی وقیع و قابل قدر ہے۔ وہ اپنی مایہ ناز کتاب استقصاء الافحام ج ۱ ص ۶۵۳ طبع لکھنؤ پر فرماتے ہیں۔ کہ " محمد بن محمود ملقب بہ پارسا کہ از اکابر علمائے اہل سنت است وحاشیہ او بر نفحات جامی مشہور ہست نقیر ہم حاضر " یعنی محمد بن محمود ملقب بہ پارسا جو علمائے اہل سنت میں سے ہیں نفحات الانس جامی (جو کہ تصوف میں ہے) پر ان کا حاشیہ مشہور ہے اور فقیر (مصنف کتاب) کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح علامہ سید حسین لکھنوی کے حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۱۵ پر حضرت قاضی نور اللہ شوشتری (شہید ثالث) اعلی اللہ مقامہ کا وہ کلام حق ترجمان نقل کیا ہے جو انہوں نے میر یوسف علی کے بعض سوالات کے جواب میں ارشاد فرمایا جس کا تعلق خطبۃ البیان سے تھا۔

" جواب ۔ ۔ ستہ کہ ثبت العرش ثم انقش مخفی در اثبات است دستاویز یا فتہ اند اثبات صحت خطبۃ البیان
بحضرت امیر بہ مساں بودہ معذوز مولف آن ما نسبہ شیخ مرد صوفی مجہول المذہبی بودہ "

یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے عرش ثابت کرو پھر اس پر کچھ لکھو۔ کلام تو تب ہے کہ خطبۃ البیان صحیح بھی ہے ؟

اس خادم (شہید ثالث) کے نزدیک تا حال جناب امیر المومنینؑ کی طرف اس کا انتساب ثابت نہیں ہے بلکہ اس خطبہ کا مؤلف شیخ (اسعدی) کی طرح ایک مجہول المذہب صوفی ہے۔ ان دو جلیل القدر محقق علماء اعلام کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ اس خطبہ مجہولہ کا اصل راوی بلکہ مصنف ایک سنی العقیدہ اور صوفی المسلک شخص ہے اور ہم ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں کئی بار ثابت کر چکے ہیں کہ اغیار سے اہلبیت رسولؐ کی کوئی فضیلت والی روایت بھی اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتی جب تک بطریق اہلبیتؑ اس کی تائید مزید نہ ہوتی ہو۔ اور یہاں اس خطبہ کی تائید کی بجائے مذہب اہلبیتؑ کے ذمہ دار علماء اعلام شد و مد سے اس کی رد فرما رہے ہیں۔ تو بعد ازیں بھی کون معقول عقل و انصاف اور دین و دیانت رکھنے والا انسان اس خطبہ پر اپنے اعتقادی عقائد کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔

؎ جس کو بعد نے تو اس خود بھی کہہ دیا ہے کہ خود اس خطبہ کا راوی مجہول ہے جیسے کہ حکم ہے

چوتھا باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام سے استمداد کے جواز و عدم جواز کا بیان

تیسرے باب میں جو حقائق و معارف پیش کئے گئے ہیں اگرچہ ان میں سے اس موضوع (استمداد از انبیاء و ائمہ) کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے یعنی جب مذکورہ بالا باب میں عقلی و نقلی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت کر دیا گیا کہ خلق و رزق، اماتت و احیاء وغیرہ امور کو جب خدا نے انبیاء و ائمہ کے سپرد نہیں فرمایا۔ تو اس سے یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ان امور میں ان ذوات مقدسہ سے مدد مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ قدیم الایام سے محل بحث و تمحیص اور معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ اس موضوع پر ایک مستقل باب میں جامع تبصرہ کر کے بلا خوف لومۃ لائم حق و حقیقت کو واضح و آشکار کر دیا جائے۔ الحق من ربک فلا تکونن من الممترین۔

امر اول۔ محلِ نزاع کی تحریر و تنقیح

قبل اس کے کہ اصل موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے۔ مناسب ہے کہ بطور تمہید پہلے چند امور پر تبصرہ کر دیا جائے جن کا اصل مقصد کے سمجھانے کے ساتھ گہرا ربط و تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو محل نزاع کی تنقیح و تحریر ضروری ہے تاکہ غلط بحث کی وجہ سے یہ بحث بے نتیجہ ہو کر نہ رہ جائے۔ جیسا کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں نے اکثر غلط بحث سے کام لیا ہے۔ ارباب دانش و بینش پر یہ حقیقت واضح و عیاں ہے کہ خلاق عالم نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے یعنی کوئی بھی آدمی اپنے تمام امور معاش و معاد کو تن تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہ اپنے کثیر و بیشتر امور میں اپنے بنی نوع انسان کے بھرپور تعاضد و تعاون کا محتاج ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر خلاق حکیم نے مسلمانوں کو امداد باہمی کا بار بار حکم دیا ہے۔ اور وعدہ و وعید۔ ثواب و عقاب کے ذریعہ اس کی بڑی ترغیب دلائی ہے۔ تعاونوا علی البر و التقوی یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو۔ پیغمبر اسلام نے اس سلسلہ میں اس قدر اہتمام فرمایا ہے کہ اس شخص کو "خیر الناس" قرار دے دیا ہے جو "انفع الناس" کا مصداق ہے۔ (خیر الناس من نفع الناس [illegible]) خدمت خلق کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ جس شخص کو اسلامی برادری کی حاجت برآری اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا خیال نہ ہو۔

دائرۂ اسلام سے ہی خارج کردیا (من اصبح ولم یہتم بامور المسلمین فلیس منہم) (کافی ج ۲)، اور وہ شخص جو نفع کی بجائے الٹا مخلوق خدا کو نقصان اور راحت کی بجائے اذیت پہنچائے۔ اسے بدترین خلائق قرار دیا۔ (جامع السعادات) اور بعض نغز گو اسلامی شعراء نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ؎

عبادت بجز خدمت خلق نیست — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

کام آئے خلق خدا کے کہ خدا کے نزدیک — اس سے بڑھ کر نہ ہوئی ہے، نہ عبادت ہوگی

بہرحال دین حق کی نصرت کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ نبیؐ و امامؑ کی کمر مضبوط کرکے اسلام کی نشر و اشاعت کرنا، گمراہ کو راہ راست دکھانا، مظلوم کو ظالم کے پنجۂ ظلم و جور سے چھڑانا۔ فقیر و مسکین کی خدمت کرنا اور بھوکے کو روٹی کھلانا، کسی صاحب احتیاج کو قرضہ حسنہ دینا اور گرفتار بلا و مصیبت کی اخلاقی و مادی مدد کرنا۔ وغیرہ وغیرہ وہ کارہائے خیر اور وہ بلند اخلاقی امور ہیں۔ جن کی بجاآوری پر ثواب بے حساب بیان کرکے شریعت مقدسہ میں ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باہمی امداد و نصرت کے جواز میں تو کوئی سلیم العقل انسان کلام ہی نہیں کرسکتا۔ ہاں جو کچھ اختلاف ہے وہ انبیاءؑ و ائمہؑ سے ان امور کے بارے میں مدد و نصرت طلب کرنے کے جواز یا عدم جواز میں ہے۔ جو انسانی قدرت و دسترس سے بالا ہیں۔ جیسے پیدا کرنا، مارنا، جلانا، رزق دینا اور بیماروں کو شفا دینا وغیرہ امور تکوینیہ جن پر تیسرے باب میں پوری بحث و گفتگو کی جاچکی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے اصول مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا، ان امور میں براہ راست ان بزرگواروں سے استمداد کو جائز سمجھتے ہیں۔ مگر جنہوں نے مذہب کو من حیث المذہب سمجھا ہے جن کے نزدیک ہر موضوع و مسئلہ میں قرآن کے نصوص محکمہ اور پیشوایان دین کے اخبار معتبرہ و متفقہ سے سرمو تجاوز کرنا جائز نہیں ہے وہ ان امور تکوینیہ میں ان ذوات مقدسہ سے صرف توسل و طلب شفاعت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں و بس۔

ان حقائق سے معلوم ہوگیا۔ کہ جن بعض رسائل میں پانچ عدد آیات مبارکہ کو پیش کرکے خلط مبحث کرتے ہوئے ان سے جواز استمداد پر استدلال کیا گیا ہے جیسے آیت ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ۔ الخ فان اللہ مولاہ وجبرئیل وصالح المؤمنین۔ درحقیقت ان آیات شریفہ ہمارے نزاعی مسئلہ کے ساتھ ہرگز کوئی ربط و تعلق نہیں ہے بلکہ ان میں ان امور کے بارہ میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے متعلق ایک دوسرے کی نصرت و اعانت کرنے کے جواز بلکہ استحباب بلکہ بعض صورتوں میں وجوب میں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔

امر دوم ائمہ طاہرینؑ زندہ جاوید ہیں | اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام

ظاہری موت کا ذائقہ چکھ کر دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو چکے ہیں اور موت کے جو شرعاً ظاہری علائم اور احکام ہیں جیسے نمازِ جنازہ کا پڑھنا، غسلِ میت دینا، کفن پہنانا، دفن کرنا اور پھر وراثت کا تقسیم کرنا وغیرہ یہ سب امور عمل میں آچکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زندہ آدمی کے ساتھ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ در گور کرنا، بلکہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا اور اس کے مال و ترکہ کو بطورِ وراثت تقسیم کرنا حرام ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ ان بزرگواروں کی اس ظاہری موت سے ان کے تمام آثارِ حیات کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض آثار کا سلسلہ اس کے بعد بھی برابر جاری رہتا ہے۔ اگر کمالاتِ نبوت و امامت سے بھی قطع نظر کر لی جائے جن کے بارے میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "وانہ یموت من مات منا ولیس بمیت" کہ جو مرنے والا ہم میں سے مرتا ہے وہ درحقیقت مرتا نہیں ہے (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۵۳)۔

تاہم اتنا تو مسلم ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ میں سے کوئی بزرگوار بھی اپنی طبعی موت سے دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ ان سب حضرات نے شمشیرِ جفا یا زہرِ جفا کے ذریعہ جامِ شہادت نوش فرمایا ہے جیسا کہ خود ذواتِ مقدسہ کا ارشاد ہے "ما منا الا مقتول او مسموم" یعنی ہم سب کے سب تلوار یا زہر سے شہید ہوتے ہیں (الدمعۃ الساکبہ، المنتخب طریحی وغیرہ)۔

پس جب ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات کا شہید ہونا مسلم ہے تو اس سے ان کی حیاتِ جاودانی بھی ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ شہداء کے بارہ میں قرآن مجید کا فیصلہ یہ ہے۔ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (پ ۲ س البقرہ ع ۲)" اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ کہنا بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی کی حقیقت کا کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔ ایک اور مقام پر ارشادِ رب العباد ہے۔ "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (پ ۴ س آل عمران ع ۱۷)" اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ جیتے جاگتے موجود ہیں۔ اپنے پروردگار کے ہاں وہ طرح طرح کی روزی پاتے ہیں (ترجمہ فرمان علی)۔

جس طرح ہم اور بہت سے حقائق کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح اگر اپنے عقول ناقصہ کی نارسائی کی وجہ سے ان کی اس حیاتِ طیبہ کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں تو یہ اور بات ہے۔ لیکن صاحبانِ علم و معرفت جانتے ہیں کہ عدمِ علم کو دلیلِ عدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا جب ان حضرات کی حیاتِ باطنیہ برزخیہ[1] قرآن و حدیث کے نصوصِ صحیحہ و صریحہ سے محقق

---

[1] اگرچہ قرآن اور حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے عام اہل ایمان کی حیاتِ برزخیہ بھی ثابت ہے مگر جتنا فرق مراتبِ عام مومنین اور ائمہ طاہرین علیہم السلام میں ہے۔ اتنا ہی فرق ان ہر دو کی حیاتِ برزخیہ کے درمیان ہے (منہ عفی عنہ)

وجہ یہی ہے کہ جیسا کہ ثابت ہے کہ ان کی ظاہری موت سے ان کے تمام آثار و تصرفات حیات منقطع نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ۔۔۔ آیت قرآنی وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ۔۔۔ وہ ہمیں دیکھتے ہیں گو ہم ان کو مستقر سمجھتے ۔۔۔ باب العشرۃ ۔۔۔ امر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ۔۔۔ جس طرح حین حیات میں ان کو کس کس قسم کے حقیقی و تصرفات کا حق حاصل تھا۔

اُمورِ تکوینیہ کی انجام دہی ائمہ طاہرین کے متعلق نہیں ہے

آخر میں ۔۔۔ اور دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے اس امر کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ

اُمورِ تکوینیہ (خلق، رزق، امانت، احیاء اور شفاء امراض وغیرہ) میں ان بزرگواروں کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ بارگاہ قدرت میں لوگوں کی شفاعت و سفارش کرتا ہے۔ جہاں تک ان کی انجام دہی کا تعلق ہے وہ چونکہ بطور تفویض ان کے متعلق نہیں ہے نہ بطور تفویض نہ بلحاظ توکیل اور نہ بصورت آلات وغیرہ۔ تو اس سے ارباب عقل سلیم و طبع مستقیم کے لئے یہ معمہ خود حل ہو جاتا ہے کہ جب یہ امور خداوند عالم نے ان کے قبضہ و اختیار میں دیئے ہی نہیں۔ (بل لہ الخلق والامر) تو پھر امور کو ان حضرات سے طلب کرنا اور ان کے متعلق براہ راست ان سے اس طرح مدد مانگنا کہ وہ خود اولاد دیں، یا رزق دیں یا بیمار کو شفا دیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس دوسرے تکوینی امور کو انجام دیں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بفرض محال چند لمحات کے لئے تفویض غیر استقلالی کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ باذن اللہ ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد ہے تاہم ان امور میں ان کی طرف رجوع کرنا ایک بے معنی سی بات ہے، کیونکہ جب ایسا ہی کرنا تو پھر بھی یہ سب کام خدا ہی ہے ان صرف ان کا اظہار و اجراء ان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات اپنی مرضی و منشاء سے وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ وھم بامرہ یعملون۔ اندریں حالات ظاہر ہے کہ رجوع اسی ذات قادر و قیوم کی طرف ہی کیا جائے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں ان تمام امور کی بست و کشاد ہے۔ (تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیء قدیر) جیسا کہ ملائکہ جو مدبرات امر ہیں۔ اور یہ چاروں بمنزلہ آلات خداوندی ہیں۔ یعنی خداوند عالم روحیں بذریعہ ملک الموت قبض کرتا ہے۔ رزق بتوسط میکائیل تقسیم فرماتا ہے۔ اور حفاظت بواسطہ جبرئیل کرتا ہے (الیٰ غیر ذلک) تو کیا کبھی کسی شخص نے ان فرشتوں سے مدد طلب کی ہے؟ کہ میری روح قبض نہ کرو، یا میری روزی فراخ کر دو۔ یا میری حفاظت کرو۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان امور کو انجام دیتے ہیں ان فرشتوں کی ذاتی مرضی و منشا کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نہ یہ کچھ بڑھا سکتے ہیں اور نہ گھٹا سکتے ہیں۔ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ دینی امور میں تفویض ثابت ہے مگر آج تک کسی مومن نے ائمہ اطہار سے یہ گذارش کرنے کی جرأت نہیں کی۔ کہ میرے آقا۔ فلاں چیز کو حلال بنا دو یا فلاں چیز کو حرام قرار دے دو۔ یا فلاں واجب کے ترک کرنے یا فلاں حرام کے بجا لانے کی مجھے رخصت دے دو۔ (معاذ اللہ) کیوں؟ فقط اس لئے

کہ وہ مالکنا من ادان لینا، اللہ کے مصداق ہیں۔ خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دینے والے ہیں نظام شریعت میں انہیں کسی قسم کا کچھ تغیر و تبدل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ لیکن جب تکوینی امور میں سرے سے تفویض ثابت ہی نہیں۔ نہ استقلالی اور نہ غیر استقلالی پھر خلق کرنے رزق دینے اور مارنے جلانے جیسے امور میں ان سے مدد مانگنے کا کیا محل باقی رہ جاتا ہے؟

ہاں چونکہ ان امور میں ان ذوات مقدسہ کا کام ہماری شفاعت اور سفارش کرنا ہے لہٰذا ان کے ظاہری حین حیات کی طرح اب بھی ان کی بارگاہ قدس میں یہ استدعا کرنا صحیح ہے کہ وہ بارگاہ خداوندی سے ہمارے یہ کار انجام دلوا دیں یعنی بطور وسیلہ و شفاعت ان سے مدد مانگنا درست ہے ظاہر ہے کہ کسی کام کو کسی اور ہستی سے انجام دلوا دینا بھی ایک قسم کی مدد ہے اس لئے بطور وسیلہ "یا علی مدد" کہنا اور ان کو حلال مشکلات بلکہ مشکل کشائے عالم سمجھنا یقیناً صحیح ہے۔ کوئی مومن عارف اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

امر چہارم صحیح طریقۂ توسل و طلب شفاعت

مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہوگیا کہ امور تکوینیہ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ میں ائمۂ اطہار کو خطاب کرکے ان سے بطور وسیلہ و سفارش مدد طلب کرنا جائز ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ یا علی سفارش کرکے مجھے خدا سے اولاد لے دو یا میرا رزق وسیع کرا دو یا میرے بیمار کو شفا دلوا دو یا استدعا کرکے میری فلاں مصیبت دور کرا دو۔ یا شفاعت کرکے میرے گناہ خدا سے بخشوا دو۔ وغیرہ وغیرہ صحیح ہے۔ یہ طریقہ ادعیۂ اہل بیت علیہم السلام میں وارد ہوا ہے چنانچہ دعائے توسل میں وارد ہے یا سادتی و موالی انی توجہت بکم و توسلت بکم الی اللہ و استشفعت بکم الی اللہ فاشفعوا لی عند اللہ و استنقذونی من ذنوبی عند اللہ الخ۔ میرے آقایان! میں آپ کے ذریعہ خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا توسل حاصل کرتا ہوں اور آپ سے طلب شفاعت کرتا ہوں آپ میری شفاعت فرمائیں اور خدا کے ہاں گناہوں سے میری خلاصی کرائیں الخ (مفاتیح الجنان ص ۱۱)

اسی طرح مستغاثہ بنام امام زمان علیہ السلام میں وارد ہے سل اللہ تعالیٰ فی نجح طلبتی و اجابۃ دعوتی و کشف کربتی۔ اے آقا! آپ بارگاہ خدا میں سوال کریں کہ وہ میری حاجات بر لائے میری دعا قبول فرمائے۔ اور میرے رنج و الم کو دور کرے (مفاتیح الجنان ص ۱۱۳) زیارت جامعہ میں تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو خطاب کرکے اس طرح ان کی بارگاہ میں درخواست پیش کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ استوہبتہ ذنوبی و کنتم شفعائی آپ میرے گناہ بخشوائیں اور میری شفاعت فرمائیں (مفاتیح ص ۵۵۵) یہاں اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کہ یہ بزرگوار ہماری اس غیبت آواز کو براہ راست سماعت فرماتے ہیں یا خدا کے کچھ مخصوص

زعفران تک ساری یہ عرضداشت پہنچاتے ہیں کیونکہ یہ غیر ضروری بحث ہے۔ اس قدر مسلم ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو ہماری اس داد و فریاد کی اطلاع ضرور ہو جاتی ہے۔ وہ مشیت ایزدی کا مطالعہ کرنے کے بعد شفاعت بھی فرماتے ہیں۔ ولا یشفعون الا لمن ارتضی۔ مگر توسل اور استشفاع کا ایک اور طریقہ ایسا بھی ہے جو مذکورہ بالا طریقے سے بھی افضل و اولیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ کی ذوات مقدسہ یا ان کی عزت و عظمت کا واسطہ دے کر براہ راست خداوند عالم کو خطاب کر کے چیزیں خدا سے طلب کی جائیں۔ مثلاً یوں کہا جائے اللھم انی اسئلک بحق یا بجاہ یا بحرمت محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ والحسنؑ والحسینؑ و تسعۃ من ذریۃ الحسینؑ ارزقنی یا اعطنی مالاً و عملاً و ولداً۔ یا اشفنی یا انصف فلاناً۔ یا احی فلاناً یا امت فلاناً یہی طریقہ ہمیشہ سے عباد و زہاد اور علماء و مجتہدین بلکہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کا معمول رہا ہے۔ اور ہے کتب سیر و تواریخ اور زبر احادیث و تفاسیر میں اس قسم کے متعدد اخبار و آثار موجود ہیں۔ کہ اور تو اور خود انبیاء و مرسلین نے بھی مشکلات و مصائب کے وقت بارگاہ قدرت میں سید ابرار اور ان کی اہلبیت اطہار علیہم صلوات الملک الجبار کے ذوات مقدسہ سے توسل حاصل کیا ہے اور ان کے ساتھ توسل کرنے سے ان کی مشکلات حل ہوئی ہیں۔ اس قسم کی بکثرت اخبار بصائر الدرجات بحار الانوار مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار اور تفسیر برہان وغیرہ کتب میں موجود ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ دو چار روایات پیش کرتے ہیں۔

بحار الانوار ج ۵ ص ۲۸۹ طبع تبریز پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب ان دعاء الانبیاء استجیب بالتوسل والاستشفاع بھم صلوات اللہ علیھم اجمعین" یہ باب بحار کے کچھ طویل و عریض صفحات تک پھیلا ہوا ہے جس میں اس دعوے کے ثبوت میں متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں۔ پہلی روایت بحوالہ کتاب جامع الاخبار و امالی شیخ صدوقؒ بروایت معمر بن راشد حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے راوی کا بیان ہے کہ سمعت ابا عبد اللہ السلام یقول اتی یھودی النبیؐ فقام بین یدیہ یحد النظر الیہ فقال یا یھودی ما حاجتک قال انت افضل ام موسی بن عمران الذی کلمہ اللہ وانزل علیہ التوراۃ والعصا و فلق لہ البحر و اظلہ بالغمام؟ فقال النبیؐ انہ یکرہ للعبد ان یزکی نفسہ ولکنی اقول ان آدم لما اصاب الخطیئۃ کانت توبتہ ان قال اللھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد لما غفرت لی فغفرھا اللہ لہ و ان نوحاً لما رکب فی السفینۃ و خاف الغرق قال اللھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد لما انجیتنی من الغرق فنجاہ اللہ منہ و ان ابراھیم لما القی فی النار قال اللھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد لما انجیتنی منھا فجعلھا اللہ علیہ برداً و سلاماً و ان موسی لما القی عصاہ و اوجس فی نفسہ خیفۃ قال اللھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد لما امنتنی فقال جل جلالہ لا تخف انک انت الاعلی یا یھودی ان موسیٰ لو ادرکنی ثم لم یؤمن بی و بنبوتی ما نفعہ ایمانہ شیئاً

ولا نفعته النبوة یا یهودی ومن ذریتی المهدیؑ اذا خرج نزل عیسیٰ بن مریمؑ لنصرتہ فقدمہ وصلی خلفہ یعنی میں نے حضرت صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ایک دفعہ ایک یہودی جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گھور گھور کر آنجناب کو دیکھنے لگا۔ آں حضرتؐ نے اس سے دریافت فرمایا۔ اے یہودی! تجھے کیا کام ہے؟ اس نے عرض کیا۔ آیا آپ افضل ہیں یا موسیٰ بن عمران۔ جن کے ساتھ خدا نے کلام کیا۔ ان پر توراۃ نازل کی۔ عصا مرحمت فرمایا۔ دریا کو شگافتہ فرمایا اور بادل کا سایہ کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگرچہ انسان کے لئے اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرنا پسندیدہ امر نہیں۔ مگر میں اظہار حقیقت کی خاطر کہتا ہوں کہ جب حضرت آدمؑ سے ترک اولیٰ ہوا تو ان کی توبہ اس طرح تھی کہ بارگاہ قدرت میں عرض کیا یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے معاف فرما۔ پس خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی طرح جب جناب نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے اور غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوا۔ تو بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا یا اللہ! محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے غرق ہونے سے نجات عطا فرما۔ چنانچہ خدا نے ان کو نجات عطا فرمائی۔ اور ان کی کشتی کنارے لگائی۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں یوں دعا و پکار کی۔ یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے اس آتش نمرودی سے نجات دے چنانچہ خدا نے آگ کو ان پر برد و سلام فرما دیا۔ اور جب حضرت موسیٰؑ نے عصا پھینکا اور وہ اژدہا بن گیا، تو جناب موسیٰؑ نے خوف محسوس کیا۔ اور اس طرح بارگاہ قدس میں فریاد کی۔ یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے امان دے۔ ارشاد قدرت ہوا۔ خوف نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ اے یہودی اگر حضرت موسیٰؑ میرے زمانے کو پالیتے اور پھر مجھ پر اور میری نبوت پر ایمان نہ لاتے۔ تو نہ ان کا ایمان ان کو کوئی فائدہ پہنچاتا اور نہ نبوت! اے یہودی میری ہی اولاد سے وہ مہدیؑ ہے کہ جب وہ ظہور کرے گا تو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ان کی نصرت کے لئے آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور ان کو آگے کر کے ان کی اقتدا میں نماز پڑھے گا۔ دنعم ماقیل ؎

اگر نام محمدؐ را نیاوردے شفیع آدمؑ — نہ آدمؑ یافتے توبہ نہ نوحؑ از غرق نجینا (جامیؒ)

(۲) بحوالہ بحار ج ۱۱ ص ۱۴۹ پر بحوالہ خصال۔ معانی الاخبار و عیون اخبار الرضا ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں سألت النبیؐ عن الکلمات التی تلقاھا آدمؑ من ربہ فتاب علیہ قال سئلہ بحق محمد و علی و فاطمۃ والحسن والحسین الا تبت علی فتاب (کذا فی التفسیر الدر المنثور للسیوطی والسیرۃ النبویۃ لابن دحلان ج ۱ ص ۱ و شرح الشفاء ج ۲ ص ۲۴۲ طبع مصر)

یعنی میں نے جناب رسول خداؐ سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا تھے جو حضرت آدمؑ نے خدا سے حاصل کئے تھے۔ اور جن کی بدولت ان کی توبہ قبول ہوئی۔ فرمایا وہ کلمات یہ تھے اللّٰھم انی اسئلک بحق محمد الخ نیز بحار کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا لما اشرف نوح علی الغرق دعی اللہ

بحقنا قد نجاه الله عنه الغرق ولما القی ابراهیم فی النار دعی الله بحقنا فجعل الله النار
علیہ بردا وسلاما وان موسیٰ لما ضرب طریقاً فی البحر دعی الله بحقنا فجعله الله یبسا
وان عیسٰی لما اراد الیهود قتله دعی الله بحقنا فنجی من القتل فرفعه الیه (کذا فی مقدمة
تفسیر مرآۃ الانوار ص) یعنی جب حضرت نوحؑ کو غرق ہونے کا اندیشہ دامنگیر ہوا۔ تو ہماری عظمت کا واسطہ
دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے غرق ہونے کے خطرہ کو ٹال دیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔ تو انہوں نے
بھی خدا کو ہماری عزت کا واسطہ دے کر پکارا۔ خدا نے ان کے لئے آگ کو سرد اور باعث سلامتی بنا دیا۔ جب
حضرت موسیٰؑ نے دریا کو عبور کرنا چاہا تو ہمارے حق کا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے اسے شگافتہ کر دیا اور
جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنا تو انہوں نے ہمارا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ چنانچہ خدا نے ان کو اپنی
بارگاہ میں زندہ اٹھا لیا۔" اخبار و آثار سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہوتی ہے کہ فرشتے بھی سرکار محمد و آل محمد
علیہم السلام کے توسل سے خدا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص۲۲ پر بروایت حماد"
حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے مروی ہے کہ آنجناب سے کثرت ملائکہ کے بارے میں استفسار کیا گیا۔
تو آپؑ نے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ لملائکۃ الله فی السموات اکثر من عدد التراب فی الارض
وما فی السماء موضع قدم الا وفیها ملک یسبحه ویقدسه ولا فی الارض شجر ولا مدر الا وفیها ملک
موکل بها وما منهم احد الا ویتقرب الی الله کل یوم بولایتنا (الظاهر یکون ولایتنا) اهل البیت
ویستغفر لمحبینا ویلعن اعداءنا یعنی مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ آسمان
والے فرشتے ذرات زمین سے بھی تعداد میں زیادہ ہیں۔ تمام آسمان میں یک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی
نہ کوئی ایسا فرشتہ موجود نہ ہو جو خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔ اور زمین میں کوئی بھی شجر و حجر ایسا نہیں جس کے ساتھ
کوئی فرشتہ موکل نہ ہو۔ اور یہ تمام فرشتے ہر روز بارگاہ قدرت میں ہم اہل بیتؑ کی ولایت کے ذریعہ قرب حاصل کرتے ہیں
اور ہمارے دوستوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں پر لعنت!!

انہی حقائق کی بنا پر علامہ میرزا ابو الحسن الشریف نے مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص۳۱ پر لکھا ہے" ومن الواضحات
ایضاً انه لا یستجاب دعاء الا بالتوسل بهم علیهم السلام ولم یدع احد من الاخیار ولم یسئل
منه شیئاً الا بواسطتهم بل عمدة دعاء هؤلاء الابقاء المتثبات علی ولایتهم یعنی یہ بات واضحات
میں سے ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے ساتھ توسل کے بغیر کوئی دعا مستجاب نہیں ہوتی۔ کبھی خدا کے کسی نیک بندے نے
ان کے ساتھ توسل کئے بغیر خدا سے کوئی سوال کیا ہے اور نہ کوئی حاجت طلب کی ہے بلکہ ان نیک لوگوں کی تو سب
سے بڑی دعا ہوتی ہی یہ ہے کہ خداوند عالم ان کو ان حضرات کی ولایت کے عقیدہ پر ثابت قدم رکھے" (اللهم

وارزقنا الثبات علی ولایتهم فی الدنیا والآخرة وتوفنا علی ملتهم واحشرنا فی زمرتهم وارزقنا شفاعتهم بحقهم علیک وبحقک علیهم علیهم السلام

علامہ حائری مرحوم نے اپنی تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل ج ۱۵ ص ۱۸۵ سے ص ۱۸۹ تک سب موالف و مخالف سے انبیاء و اولیاء اور دیگر علماء امت کے ان ذوات مقدسہ کے ساتھ توسل حاصل کرنے کے متعدد واقعات درج فرمائے ہیں۔ من شاء التفصیل فیرجع الیہ ؎

علیؑ کا نام مقدس وہ اسم اعظم ہے — کہ جس کسی نے پکارا اسی کے کام آیا

ان احادیث سے حاصل شدہ نتائج

اس امر جامع میں جو چند اخبار و آثار پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے چند قطعی نتائج برآمد ہوتے ہیں

(۱) سلف صالحین۔ ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کے عمل و طریقہ کار سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ شدائد و مصائب کے وقت بارگاہ رب العزت میں سرکار محمدؐ و آل محمدؑ کے توسل سے دعا کرنی چاہئے۔ اور یہی طریقہ احسن ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں تمام کائنات سرکار محمدؐ و آل محمدؑ کی محتاج ہے۔ اور وہ سوائے خدا کے اور کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ ان کے رحمۃ للعالمین اور حجۃ اللہ علی الخلق اجمعین ہونے کا مفہوم واضح ہو جائے۔

(۳) ان کے وسیلہ و شفاعت کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ہاں اور بات ہے کہ خود داعی کو اس بات کا علم ہی نہ ہو ما شئنا این چیزے دیگر است۔ فتدبر

(۴) اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کردہ بعض روایات کا مفہوم بھی واضح و لائح ہو جاتا ہے جیسے نصرت الانبیاء سراً و نصرت محمداً جہراً کہ میں نے تمام انبیاء و مرسلین کی مدد پوشیدہ طور پر کی۔ اور آنحضرت کی کھلم کھلا طور پر۔

قطع نظر اس سے کہ یہ روایت یا اس کے ساتھ ملتی جلتی دیگر روایات کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ صدوق اور جناب مقدس اردبیلی کا نام لینا غلط بیانی کی انتہا ہے۔ صاحب طوالع الانوار نے اسے کتاب مجمع الروائق سے نقل کیا ہے اور اس کتاب کو شیخ صدوقؒ کی تالیف سمجھا ہے۔ جو ان کا سراسر اشتباہ ہے۔ یہ کتاب شیخ عسکری کی تصنیف ہے جس کی طرف خود موصوف نے اشارہ بھی کیا ہے۔ (ص ۱۳۳) اور اس صفحہ پر حضرت مقدس اردبیلی کا نام تو صرف کتاب مذکور کے شیخ صدوقؒ کی طرف انتساب کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے مگر بعض حضرات نے آنجناب کا نام بھی اس روایت کے نقل کرنے والوں میں درج کر دیا۔ من هذا الشی عجاب.

اور محدث جزائری نے انوار نعمانیہ میں (ص ۱۳۲) پر اسے کسی سنی المذہب شخص کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ فراجع اور عام کتب متداولہ میں بھی کسی قابل اعتبار سلسلہ سند کے بغیر محض مرسلاً مروی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ساتھ استدلال اور وہ بھی عقائد کے معاملہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ کما لا یخفیٰ۔ لیکن اگر بالفرض انہیں درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو آنجناب کے انبیاءؑ کی مدد کرنے کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اوپر درج کردہ روایات معتبرہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ توسل کرنے سے انبیاءؑ کے مشکلات و مصائب دور ہوئے ہیں۔ اس لئے من باب مجاز عقلی۔ ونسبت الشئ الی السبب۔ یہ بزرگوار فرما سکتے ہیں۔ کہ میں نے انبیاءؑ کی مدد و نصرت کی۔ اسی طرح آنجناب کی طرف منسوب کردہ بعض خطبات میں جو وارد ہے کہ میں نے نوحؑ کو کشتی میں سوار کیا۔ اور ان کو غرق ہونے سے بچایا۔ میں نے ابراہیمؑ کو آتش نمرودی سے نجات دی الخ۔ تو بشرط صحت روایت (و دون اثباتہ خرط القتاد) اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہمارے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے ان کو ان شدائد سے نجات ملی چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ "معرفۃ بالنورانیۃ" والی روایت لکھنے کے بعد (جسے ان کے والد ماجد نے کسی مجہول الاسم والمؤلف کہنہ کتاب میں دیکھا تھا۔ اور اس سے علامہ موصوف نے نقل کیا ہے۔ جس میں اس قسم کے بعض فقرے موجود ہیں) بذیل عنوان بیان فرماتے ہیں: "قولہ انا الذی حملت نوحاً الخ اقول لو صح صدور ھذا الخبر فیحتمل ان یکون المراد بہ ربما نالہ الانبیاء علیہم السلام بالاستشفاع بانوارنا رفعت عنہم المکاروہ والفتن کما دلت علیہ الاخبار الصحیحۃ۔ (بحار ج ۷ ص ۳۴۷) یعنی میں کہتا ہوں کہ اگر اس خبر کا آنجناب سے صادر ہونا صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو احتمال ہے کہ اس سے اور اس کے ساتھ ملتی جلتی روایات سے مراد یہ ہو کہ ہمارے انوار مقدسہ کے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے انبیاء کے شدائد و مصائب دور ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اس مطلب پر اخبار صحیحہ دلالت کرتے ہیں۔

علامہ سید حسین لکھنوی نے جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی یہ تاویل نقل کرنے کے بعد اس پر بڑی اچھی تعبیر تنقید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ایں تاویل اگرچہ صحیح است لیکن از سیاق ایں عبارات بر اصل دور است و اگر در چنیں تاویلات مفتوح شود ہیچ کلامے بے تاویل نخواہد بود پس چنیں تاویلات حسب ضرورت بعد صحت روایات لائق اقتضا است نہ بدون آں واللہ یعلم۔ (حدیقہ سلطانیہ ص ۲۵ طبع ۲)"

یعنی یہ تاویل اگرچہ ہے تو درست مگر ان خطبوں کی عبارتوں کے سیاق و سباق ———— سے بر اصل دور ہے۔ اگر اس قسم کی (دور دراز کی) تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کوئی (غلط سے غلط) کلام بھی تاویل کے بغیر نہیں رہے گا

اسی طرح اگر بیاض مجری والا واقعہ جس کا کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہے۔ اور بظاہر یہ بھی خلاف عقل و فطرت کہ جناب امیر علیہ السلام جبکہ ہنوز اصلاب آباءؑ و ارحام امہات میں تھے تو اس حالت میں کس طرح ظاہری عالم آب و گل میں تشریف لائے۔ اور کس طرح بجسدِ عنصری جن کو مار بھگایا؛ بہرحال اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے ہمارے دعویٰ کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ چونکہ عالم اسباب ہیں ہر چیز کا ظہور کسی نہ کسی سبب سے ہوتا ہے۔ جب خدا کسی کی نصرت کرتا ہے تو وہ بھی کسی سبب و ذریعہ سے ہی کرتا ہے۔ البتہ وہ کسی خاص سبب و ذریعہ کا پابند نہیں ہے۔ خواہ انبیاء و اولیاء کے ذریعہ سے نصرت کر دے۔ خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے مدد فرما دے۔ چنانچہ جنگ بدر و حنین میں خدا نے ہزاروں فرشتے نصرت رسولؐ کے لئے اتارے تھے۔ گو بظاہر یہ فرشتوں کی مدد تھی۔ مگر بنصِ قرآن در اصل مدد خدا فرما رہا تھا۔ الیس یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثۃ آلاف من الملائکۃ منزلین (پ ۴ س آل عمران ع ۱۳) کیا یہ بات تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارے پروردگار نے تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کی ہو۔ اسی طرح یہ بھی عقلاً ناممکن نہیں ہے کہ خدائے قادر و قیوم نے کبھی عالم ارواح میں سید الاولیاء کو اپنی قدرت کاملہ سے بھیج کر اپنے کسی برگزیدہ نبی کی امداد فرمادی ہو۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ بہرحال ہمارا کام تو ان ذوات مقدسہ کے توسل سے بارگاہ قدرت میں دعا و پکار کرنا ہے۔ اب یہ امر خدائے علیم کی مرضی و صوابدید پر منحصر ہے۔ کہ جس ذریعہ سے چاہے ہماری مشکل حل فرمادے۔ اور جس طرح چاہے ہم و غم سے ہماری گلوخلاصی کرادے۔

مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ وھو علی کل شیءٍ قدیر وبالاجابۃ جدیر۔

مسئلہ استمداد از انبیاء و ائمہؑ قرآن مجید کی روشنی میں

اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات کے بعد یہ مسئلہ مزید کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں رہ جاتا۔ کہ امور تکوینیہ (خلق و رزق، امانت و احیاء وغیرہ) میں خداوند عالم کی ذات کے سوا اور کسی ذات سے استمداد جائز نہیں ہے۔ تاہم اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اختصار کے ساتھ اس موضوع پر ذیل میں قرآن مجید کی چند آیات، سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی چند روایات اور اعاظم علماء کے چند بیانات پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اصل حقیقت بالکل نکھر کر ہر شخص کو واضح و آشکار ہو جائے

فاستمع لما یتلیٰ علیک

(۱) ارشاد رب العزت ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین سورۂ فاتحہ میں بطور تعلیم المسئلہ ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے۔ ہم یہ اقرار کریں "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں" عبادت کا مفہوم تو واضح ہے البتہ قابل تحریر امر یہ ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن میں بجز ذات احدیت اور

کسی سے مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ ان امور سے امورِ شرعیہ اور عام عادی دنیوی امور تو مراد لئے نہیں جا سکتے۔ کیوں کہ ہم سطورِ بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ ان امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور دستِ تعاون دراز کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات میں مستحب بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہے۔ بنا بریں ماننا پڑے گا کہ ان امور سے مراد وہی امور ہیں جن پر کوئی انسان بحیثیت انسان ہونے کے قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفاء مرض (وغیرہ) جنہیں امورِ تکوینیہ کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں دو جلیل القدر مفسرین کے بیانات ملاحظہ ہوں (۱) جناب علامہ شیخ محمد جواد بلاغی اپنی تفسیر آلاء الرحمٰن ص۴۹ طبع صیدا بذیل عنوان "حصر الاستعانة باللہ جل اسمہ" رقمطراز ہیں: "قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ المائدۃ: تعاونوا علی البر والتقوی اما المعانۃ فی المباحات فھی احسان امر اللہ بہ ایضا فی کتابہ بقولہ تعالی فی سورۃ النحل ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وفی سورۃ البقرۃ وال عمران "ان اللہ یحب المحسنین" والمعلوم بالضرورۃ من سیرۃ النبی (ص) والصحابہ والائمۃ والمسلمین انھم یستعینون فی غالب امورھم المباحۃ بالالات والدابۃ والخادم والزوجۃ والصاحب والرسل والاجراء وغیرھم وفی سورۃ البقرۃ "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" وفی سورۃ النساء "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما" فقد لامھم اللہ علی عدم مجیئھم للاستعانۃ علی المغفرۃ باستغفار الرسول وھذا یکفی فی الحجۃ والدلالۃ علی ان الاعانۃ لیست بجمیع اقسامھا منحصرۃ باللہ وعلی انہ لا یلزمنا ان نقصر استعانتنا بقول مطلق علی اللہ تعالیٰ۔ وتفصیل ذالک ھو انا نتنظر الی استعانات البشر قولا وعملا فنراھا علی نحوین (النحو الاول) ھو الاستعانۃ بالوسائل المجعولۃ من اللہ لنیل المقصود التی ھی وما فیھا من التسبیب من جعل اللہ تعالیٰ وخلقہ (النحو الثانی) ھو الاستعانۃ بالالہ فیما ھو السمعین بالھیئۃ وقدرتہ الذاتیۃ المطلقۃ الفائقۃ ولا ریب فیہ ان النحو الثانی من الاستعانۃ ھو امتیقن فی قصرہ علی اللہ لان الاستعانۃ بھذا النحو اذا کانت بغیر اللہ کانت تالیھا لذالک الغیر و اشراکا باللہ وبما ذکرنا من الآیۃ والسیرۃ واقتران ایاک نعبد وایاک نستعین فی سیاق توحید اللہ وتمجیدہ بالمجد الالٰھی تقوم الحجۃ وتتضح الدلالۃ علی ان ھذا النحو من الاستعانۃ ھو تمام المقصور علی اللہ دون النحو الاول"

یعنی خداوند عالم سورہ مائدہ میں فرماتا ہے۔ نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو۔

لہٰذا ان اُمور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا تو یقیناً جائز ہے، باقی رہے مباح اُمور ان میں باہمی امداد کرنا بھی نیکی اور احسان ہے جس کا خدا نے سورۂ النحل میں حکم دیا ہے۔ کہ خدا تمہیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور سورۂ بقرہ و آل عمران میں ہے۔ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جناب رسولِ خداؐ، ان کے اصحاب باصفا نیز ائمۂ طاہرینؑ اور دیگر مسلمینؑ کی سیرتوں سے یہ بات بالبداہت ثابت ہے کہ وہ اپنے اکثر مباح اُمور میں آلات و اسباب مثل سواری، خادم، زوجہ، ساقی، پیامبر اور مزدور وغیرہ سے امداد حاصل کرتے تھے۔ سورۂ بقرہ میں وارد ہے صبر و صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو۔ سورۂ نساء میں ارشادِ خدا ہے جب کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر گناہ کر کے ظلم کیا تھا، اگر وہ اے رسولؐ، تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے طلبِ مغفرت کرتے اور رسولؐ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتا تو یقیناً خدا کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔ اس آیت میں خدائے حکیم نے ان لوگوں کی محض اس لئے مذمت کی ہے کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر استغفارِ رسولؐ سے اپنی بخششِ گناہ کے سلسلہ میں اعانت حاصل نہیں کی۔ یہی مقدار اس بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہر قسم کی اعانت و امداد خدا کے ساتھ مختص نہیں ہے اور یہ کہ ہم پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہر قسم کی امداد و اعانت کو خدا ہی میں منحصر سمجھیں۔ پھر آخر وہ کون سی مدد ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہے؟ اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم انسانوں کی تمام قولی اور عملی استعانتوں پر نگاہ کریں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم کی استعانت وہ ہے جو ان ظاہری وسائل و اسباب سے حاصل کی جاتی ہے۔ جن کو مطلب برآری کے لئے مقرر بھی خدا نے کیا ہے اور ان میں جو سببیت و تاثیر ہے وہ بھی خدا نے ودیعت فرمائی ہے۔ (جیسے اولاد کے لئے زوجہ، روزی کے لئے تجارت وغیرہ، باربرداری کے لئے سواری اور بھوک اور پیاس کے لئے روٹی اور پانی وغیرہا)

دوسری قسم کی استعانت وہ ہے جو معبودِ برحق سے بحیثیت معبودِ برحق و قادرِ مطلق ہونے کے طلب کی جاتی ہے۔ (یعنی ان امور میں جن کا تعلق عقیدۂ ربوبیت سے ہے) اور وہ بھی امورِ تکوینیہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دوسری قسم کی استعانت وہ ہے جو خدا کے ساتھ ہی مختص ہے کیونکہ اس قسم کی استعانت جب غیرِ خدا سے حاصل کی جائے۔ تو اس سے اس غیر کا معبودِ برحق بنانا اور اس کو خدا کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اوپر ہم نے سیرتِ نبیؐ و ائمہؑ اور آیتِ مبارکہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے تو حید و تمجید خداوندی کے ساتھ مربوط ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کر دیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یہی دوسری قسم کی استعانت ذاتِ خدا کے ساتھ مختص ہے۔ نہ پہلی قسم۔ (۱)

(۱) حضرت مولانا عمار علی صاحب مرحوم اپنی تفسیر عمدۃ البیان ج ۱ صلا پر ذیل آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین

لکھتے ہیں: "اس آیت سے ثابت ہوا کہ مدد چاہنی سوائے خدا کے کسی دوسرے سے پیغمبر ہو یا امام جائز نہیں۔ اسی طرح سے یہ بزرگوار بالاستقلال حاجتوں اور مقصدوں لوگوں کی بر لائیں اس واسطے کہ بر لانا حاجتوں کا سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔ البتہ ان بزرگوں سے اسی طرح سے سوال کرنا کہ تم میرے واسطے خدا سے دعا کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں یہ مقبولانِ درگاہ خدا ہیں۔ اور یا یہ کہ ان کے واسطے سے خدا سے دعا کرے یہ بھی درست ہے۔ اس صورت میں حصر بھی آیت میں باقی رہتا ہے اور سوائے خدا کے بالاستقلال کسی کی حاجت کو روا کرنے والا جاننا درست نہیں ہے کہ حصر ہو گیا ہے۔ عبادت سوائے خدا کے کسی غیر کو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سوائے خدا کے کسی کو بالاستقلال حاجت کا بر لانے والا جان کر مدد چاہنی بھی اس سے جائز نہیں ہے اگر خدا کے غیر سے مدد چاہنی جائز ہو تو چاہئے کہ عبادت بھی [illegible]۔"

(۲) جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا جاتا ہے قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ (پ ۷، س انعام ع ۱۱) کہہ دو کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (ترجمہ فرمانؒ) خزائن کی تفسیر خزائن رحمۃ اللہ یا خزائن مقدورات اللہ یا ارزاق العباد کے ساتھ کی گئی ہے (تفسیر مجمع البیان ج ۴، ص ۲۴۰) مطلب یہ کہ میرے پاس خدا کی رحمت، اس کے مقدورات اور بندوں کے رزق کے خزانے نہیں ہیں۔

(۳، ۴) اسی طرح آنحضرتؐ کو یہ وضاحت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ "قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا الا بلاغا من اللہ ورسالتہ (پ ۲۹ س جن ع ۱۱)" "اے رسولؐ تم کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نہ برائی کا اختیار رکھتا ہوں نہ بھلائی کا (کہہ دو کہ) مجھے خدا کے عذاب سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ ورنہ میں اس کے سوا کہیں پناہ دیکھتا ہوں، خدا کی طرف سے احکام کے پہنچا دینے اور اس کے پیغاموں کے سوا کچھ نہیں کر سکتا (ترجمہ فرمانؒ)
مفسر قرآن علامہ طبرسیؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ انی لا اقدر علی دفع الضرر عنکم ولا ایصال الخیر الیکم وانما القادر علی ذلک ھو اللہ تعالی ولکنی رسول لیس علی الا البلاغ والدعا الی الدین والھدایۃ الی الرشاد وھذا اعتراف بالعبودیۃ واضافۃ الحول والقوۃ الیہ عز اسمہ (مجمع البیان ج ۱۰ ص ۳۷۳) یعنی میں تم سے ضرر و نقصان کے دور کرنے اور نفع کے پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ان چیزوں پر خدا ہی قدرت رکھتا ہے میں تو رسول ہوں اور میرا کام صرف احکام خداوندی کا پہنچانا اور لوگوں کو دین کی طرف بلانا اور ہدایت کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ یہ آں حضرتؐ کی عبدیت و بندگی کا اعتراف اور ہر قسم کی قوت و طاقت کا خدا کی طرف انتساب ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر [illegible])

مقام تدبر ہے کہ جب بنص قرآن روزی اور نفع و نقصان جناب سید الانس والجان کے قبضۂ قدرت میں ہے ہی نہیں، بلکہ روزی رساں اور نفع و نقصان کا مالک خدائے رحمٰن ہی ہے تو پھر ان امور میں آنحضرتؐ یا ان کی عترت طاہرہ کی طرف رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) ارشاد قدرت ہے فلا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظلمین (پ ۱۱ س یونس ع ۱۰) "اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع ہی پہنچا سکتی ہے نہ نقصان ہی پہنچا سکتی ہے تو اگر تم نے (کبھی ایسا) کیا تو اس وقت تم بھی ظالموں میں (شمار) ہوگے۔" اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص ایسی ہستی کو پکارے جو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں وہ ظالم ہے اور سابقہ آیت مبارکہ کی روشنی میں واضح کیا جا چکا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے۔

(۶) آنحضرتؐ کو حکم ہوتا ہے کہ اس امر کی تشریح کر دیں قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ما شاء اللہ (پ ۹ س اعراف ع ۱۱) "اے رسولؐ! تم کہہ دو کہ میں خود اپنا آپ تو اختیار رکھتا نہیں نہ نفع نہ ضرر کا مگر وہی جو خدا چاہے۔" اس اعلان سے بھی بظاہر اپنی بندگی کا اظہار کر کے لوگوں کو ذات احدیت کی بارگاہ کی معرفت کرانا مقصود ہے۔ کہ تم لوگ اسی ذات کی طرف رجوع کرو جس کا میں خود محتاج ہوں۔ اور یہی امر تو آنحضرتؐ بلکہ تمام انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد اقصیٰ تھا۔ کہ لوگ متوجہ الی اللہ ہو کر اس کی عبادت کریں۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون (پ ۱۷ س انبیاء ع ۲) "اے رسولؐ! ہم نے تم سے پہلے جب کبھی رسول بھیجا تو اس کے پاس ہم یہی وحی بھیجتے رہے کہ بس ہمارے سوا کوئی معبود و قابل پرستش نہیں تو میری عبادت کیا کرو۔" (ترجمہ فرمانؑ) اور یہ دعا و پکار بھی عبادت خداوندی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں اسے عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۷) قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین (پ ۲۴ س مومن ع ۱۱) "تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ ہماری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر یقیناً جہنم واصل ہوں گے۔" حضرت امام زین العابدینؑ صحیفۂ سجادیہ کی دعائے وداع شہر رمضان میں یہی آیت پیش کرنے کے بعد بارگاہ قدرت میں یوں عرض کرتے ہیں فسمیت دعائک عبادۃ وترکہ استکباراً وتوعدت علی ترکہ دخول جہنم داخرین "بار الٰہا! تو نے دعا کو عبادت اور ترک کو تکبر قرار دیا ہے۔ اور ترک دعا پر ذلیل و رسوا کر کے داخل جہنم کرنے کی دھمکی دی ہے۔" (صحیفۂ کاملہ ص ۲۲۵ طبع ایران) بلکہ بعض احادیث میں تو اسے افضل العبادۃ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "ھو الدعاء وافضل العبادۃ الدعاء" یعنی یہاں عبادت

سے مراد دعا ہے اور یہ سب عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ (اصول کافی ص۴۶۶) اور بعض روایات میں اسے "مخ العبادۃ" بتایا گیا ہے۔ (عدۃ الداعی) انہی حقائق کی بنا پر فاضل ابن فہد حلی نے لکھا ہے "ان الدعاء عبادۃ فی نفسہ تعبد اللہ عبادہ بہ" دعا فی نفسہ عبادت ہے جس کی خدا نے بندوں کو تکلیف دی ہے (عدۃ الداعی ص۱۰ طبع بمبئی) پس جب دعا کرنا نہ صرف عبادت بلکہ افضل العبادات ہے۔ اور عبادت ذات ایزدی کے ساتھ مختص ہے تو دعا و پکار بھی خدا کی ذات سے ہی مختص ہوگی۔ ہاں قبولیتِ دعا کے منجملہ دیگر شرائط کے ایک عظیم شرط سرکار محمد و آل محمد کے ساتھ توسل حاصل کرنا بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ (پ۵ س نساء ع۹) اور (اے رسول) جب ان لوگوں نے نافرمانی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے (ترجمہ فرمان) اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بخشش گناہ وغیرہ امور میں آنحضرتؐ کا توسل حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہی وہ صحیح طریقہ ہے جو تعلیمات اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ زائر رسولؐ کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر یوں عرض کرے۔ یا محمد یا رسول اللہ بابی انت وامی یا نبی اللہ یا سید خلق اللہ انی اتوجہ بک الی اللہ ربک وربی لیغفر ذنوبی ویتقبل منی عملی ویقضی لی حوائجی فکن لی شفیعا عند ربک وربی فنعم المسئول المولی ربی ونعم الشفیع انت (مفاتیح الجنان ص۳۳) یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یا نبی اللہ اے مخلوق خدا کے سردار! میں آپ کے ذریعہ اپنے اور آپ کے پروردگار کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میرے گناہ معاف کردے۔ میرے عمل کو قبول کرے اور میری حاجات برلائے پس آپ خدا کی بارگاہ میں میری شفاعت کریں۔ کیونکہ بہترین مسئول خدا اور بہترین شفیع آپ ہیں۔

(۸) خداوند عالم حضرت یعقوبؑ کے کلام کی اس طرح حکایت فرماتا ہے کہ قال یا بنی لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقۃ وما اغنی عنکم من اللہ من شیء ان الحکم الا للہ علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون ولما دخلوا من حیث امرھم ابوھم ما کان یغنی عنھم من اللہ من شیء الا حاجۃ فی نفس یعقوب قضاھا وانہ لذو علم لما علمناہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون (پ۱۳ س یوسف ع۸) اور یعقوب نے نصیحتاً چلتے وقت بیٹوں سے کہا اے فرزندو (دیکھو خبردار) سب کے سب ایک ہی دروازہ سے نہ داخل ہونا (کہ کہیں نظر نہ لگ جائے) اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے (اس بلا کو جو خدا کی طرف سے آئے) کچھ بھی ٹال نہیں سکتا۔

حکم تو دراصل خدا ہی کے واسطے ہے۔ میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اور جب یہ سب بھائی جس طرح ان کے والد نے حکم دیا تھا۔ اسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے مگر جو حکم خدا کی طرف سے آنے کو تھا۔ اسے یعقوبؑ کچھ بھی ٹال نہیں سکتے تھے۔ مگر ہاں یعقوبؑ کے دل میں ایک تمنا تھی۔ جسے اُنہوں نے یوُں پورا کر لیا۔ اس میں تو شک نہیں کہ اسے چونکہ ہم نے تعلیم دی تھی۔ صاحب علم ضرور تھا۔ مگر بہتیرے لوگ (اس سے بھی) واقف نہیں ہیں (ترجمہ فرمانؒ) ارباب نظر و فکر غور کریں۔ کہ کس احسن طریقہ سے توحید افعالی کو بیان کیا گیا ہے اور امورِ قضاء و قدر میں اللہ سبحانہٗ کی ذات مستجمع جمیع صفات پر اعتقاد کرنے کی تعلیم دی تعلیم دی گئی ہے۔ خداوند عالم نے حضرت یعقوبؑ کے اس موحدانہ و متوکلانہ کلام کی وجہ سے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے انہ لذو علم لما علمناہ اس کی تفسیر صاحب صافی نے یوُں کی ہے لذو یقین ومعرفۃ من اجل تعلیمنا ایاہ ولذالک قال وما اغنی عنکم من شئ ولم یغتر بتدبیرہ (تفسیر صافی صفحہ ۲۵۸) یعنی ہماری تعلیم کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ صاحب یقین و معرفت تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ کہا تھا۔ کہ میں تم سے (اس بلا کو جو خدا کی طرف سے آئے) کچھ بھی ٹال نہیں سکتا۔ اور اپنی تدبیر پر اعتماد کر کے دھوکہ نہیں کھایا۔

(۹) بانیٔ اسلام کو حکم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے صاف صاف کہہ دو۔ انما انا منذر وما من الٰہ الا اللہ الواحد القہار رب السمٰوٰت والارض وما بینہما العزیز الغفار (پ ۲۳ ص ع ۱۳) اے رسولؐ تم کہہ دو کہ میں تو بس عذاب خدا سے ڈرانے والا ہوں اور یکتا قہار خدا کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں۔ سارے آسمان اور زمین کا اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں۔ سب کا پروردگار غالب بڑا بخشنے والا ہے (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ میں بموجب دریا بحباب اندر کوزہ میں دریا بند کر دیا گیا ہے اس آیت میں آنحضرتؐ نے اپنی الوہیت کی نفی کرتے ہوئے ذات احدیت میں منحصر کر کے تمام امور تکوینیہ (مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) کو اسی ذات ذوالجلال کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور یہی طرز توحید (لا الٰہ الا اللہ) کا معاد ہے

مقامِ اُلوہیت کی وضاحت

اب قابل غور و تدبر یہ بات ہے کہ کون کون سے کام مقام الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیسویں پارہ کا پہلا رکوع بغور پڑھنے سے کم از کم بیدرہ عدد تکوینی امور کی انجام دہی کا ذات خداوندی سے وابستہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ ان امور کی اجمالی فہرست یہ ہے :-

(۱) خلقت زمین و آسمان (۲) بارش برسانا (۳) باغات وغیرہ اگانا (۴) زمین کو قرارگاہ بنانا۔

(۵) زمین میں دریا جاری کرنا (۶) زمین کی روک تھام کے لئے پہاڑوں کا سلسلہ کھڑا کرنا۔ (۷) میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان حائل قرار دینا (۸) مضطر کی دعاؤں کا سُننا (۹) دُکھ درد اور مصائب کا دُور کرنا۔ (۱۰) زمین پر خلیفے بنانا (۱۱) خشکی وتری کی تاریکیوں میں رستہ دکھانا (۱۲) ہواؤں کا چلانا (۱۳) پہلے مخلوق کو پیدا کرنا پھر لوٹانا (۱۴) زمین و آسمان سے مقرر رزق پہنچانا۔ (۱۵) عالم الغیب ہونا۔ پس ان حقائق قرآنیہ سے معلوم ہو گیا کہ امور تکوینیہ خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور اللہ وہ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اسی ذات واحد یکتا کی طرف ہی رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرورِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام چونکہ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ توسل ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سب کچھ کلمہ توحید و ایمان کے اندر پوشیدہ ہے (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْلٍ) پس جب خدا کو اللہ مان لیا تو پھر اُسے سب کچھ مان لیا ہے

چوں گوئم لا الٰہ از جاں بہ تبسم … گرد انم مشکلات لا الہ را

(۱۶) اللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۲۴ س مومن ع۷) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور اسی نے تمہیں صاف ستھری چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ تو خدا بہت ہی متبرک ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

(۱۷) ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۲۴ س مومن ع۷) وہی ہمیشہ زندہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نرا کھرا اس کی عبادت کرکے اس سے دعا مانگو سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے (ترجمہ فرمان)

ایک عام مغالطہ دہی کا ازالہ

میدان شرک کے شاہسوار بالعموم اس مقام پر یہ کہہ کر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ کہ ہم اہل بیتؑ کو خدا یا خدا جیسا تھوڑا ہی سمجھتے ہیں۔ ہم تو ان کو خدا کا خاص بندہ سمجھ کر ان سے مدد مانگتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدائی صفات خاصہ ان میں تسلیم کر لیں اور خدائی کاموں کا مطالبہ ان سے کر لیا۔ اولاد ان سے مانگی دکھ درد دور کرنے کی استدعا ان سے کی۔ ازالہ مرض کا سوال ان سے کیا! مقدمات میں کامیابی حاصل کرنے کی دعائیں ان سے کیں۔ روزی ان سے طلب کی وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ سب کام خدا سے مختص ہیں۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ تو باقی کیا رہ گیا؟ سبحان اللہ عما یشرکون۔

(۱) ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ و
ھو العزیز الحکیم (پ۲۲ س فاطر ع ۲) خدا جب لوگوں کے واسطے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے
تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ اور جس چیز کو روک لے اس کے بعد اسے کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ وہی ہر چیز پر غالب
اور دانا و بینا حکیم ہے۔" اس آیۂ مبارکہ سے یہی ظاہر ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان پہنچانا خدا کے قبضہ قدرت
میں ہے لہٰذا ان امور میں رجوع بھی اسی کی بارگاہ اقدس کی طرف کرنا لازم ہے۔

(۲) قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا (پ۱۵ س بنی اسرائیل
ع ۶) اے رسول! تم ان سے کہو کہ خدا کے سوا اور جن لوگوں کو معبود سمجھتے ہو ان کو وقت پڑے پکار کر دیکھو کہ وہ
نہ تو تم سے تمہاری تکلیف ہی دفع کر سکتے ہیں اور نہ اس کو بدل سکتے ہیں۔ (ترجمہ قرآن) علامہ طبرسی "من دونہ"
(خدا کے سوا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ والمراد بالذین من دونہ الملائکۃ والمسیح وعزیر (تفسیر مجمع البیان
ج ۳) یعنی غیر خدا سے مراد ملائکہ اور حضرت مسیح و جناب عزیر ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت صرف بتوں تک محدود نہیں
بلکہ اس کے "من دونہ" میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جن، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام سب کو شامل ہے۔"
اسی طرح تفسیر صافی ص۲۹۵ میں "من دونہ" کی تفسیر "الملائکۃ والمسیح والعزیر" کے ساتھ کرنے کے بعد "کشف الضر"
کی تفسیر "المرض والفقر والقحط" کے ساتھ کی گئی ہے یعنی یہ بزرگوار تمہارے مرض و فاقہ اور قحط کو تم سے
دور نہیں کر سکتے۔"

(۳) وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من
یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم (پ۱۱ س یونس ع ۱۱)
نہیں کوئی برائی پہنچ بھی گئی تو پھر اس کے سوا کوئی اس کا دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر تمہارے ساتھ
بھلائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے فضل و کرم کا پلٹنے والا بھی کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے
فائدہ پہنچائے۔ اور وہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ان
احل اللہ بک ضرا من بلاء او شدۃ او مرض فلا کاشف لہ الا ھو ای لا یقدر احد علی کشفہ
غیرہ کانہ سبحانہ لما بین ان غیرہ لا ینفع ولا یضر عقبہ ببیان کونہ قادرا علی الضر
والنفع (مجمع البیان ج۳ ص...)
یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ تمہارے اوپر کوئی بلا و سختی اور مرض نازل کرے تو سوائے اس
کے اور کوئی اُسے دور کرنے والا نہیں ہے اور ربط آیات یہ ہے کہ گویا جب ما سبق آیت میں خدا نے یہ
فرمایا کہ غیر خدا نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر تو اس کے بعد یہ بتایا کہ خدا ہی نفع و ضرر پہنچانے پر قادر ہے۔"

(۲۱) لیس لک من الامر شیءٌ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون۔ (پ ۴ س آل عمران ع ۱۳)
"اے رسول! اس معاملہ میں تمہارا کچھ اختیار نہیں۔ خواہ خدا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے۔ اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔"

یہاں "لیس" حرف نفی اور "شیء" نکرہ ہے اور ارباب علم جانتے ہیں کہ جب نکرہ تحتِ نفی واقع ہو تو مفید عموم ہوتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خلاق عالم نے اس آیت میں ہر قسم کے معاملات کی آنحضرتؐ کے قبضہ میں ہونے کی نفی فرمائی ہے چونکہ امور تشریعیہ دلائل خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہیں۔ باقی امور تکوینیہ عموم آیت کے تحت رہیں گے۔ (وبقی الباقی تحت العموم) کہا جاتا ہے کہ یہ آیت صرف جنگ کے بارے میں ہے کہ اس میں آنحضرتؐ کو کوئی اختیار نہ تھا۔ اس سے بھی ہمارے مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ تائید ہوتی ہے کیونکہ جس بزرگوار کو امور جنگ میں کوئی اختیار نہیں وہ پورے عالم امکان کا کیونکر با اختیار فرمانروا ہو سکتا ہے۔

(۲۲) فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر (پ ۳۰ س غاشیہ ع ۱۳) بس نصیحت کرو تم تو فقط نصیحت کرنے والے ہو۔ تم ان پر کوئی داروغہ تو نہیں، جب آنحضرتؐ کا صرف لوگوں پر بھی تسلط نہیں تو پھر تمام کائنات کس طرح ان کے قبضۂ اقتدار میں تسلیم کی جا سکتی ہے؟ جب ایسا نہیں تو پھر ان تمام امور میں ان کی طرف رجوع کرنا کہاں تک قرین عقل ہو سکتا ہے؟

(۲۳) قل لست علیکم بوکیل (پ ۷ س انعام ع ۱۴) تم کہہ دو میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔

(۲۴) وما جعلناک علیھم حفیظاً وما انت علیھم بوکیل۔ (پ ۸ س الانعام ع ۱۹) اور ہم نے تم کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔

ان آیات سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ امور تکوینیہ میں حفاظت و ذمہ داری اور نگرانی و نگہبانی آنحضرتؐ کے وظائف میں داخل نہیں ہے لہٰذا بعد از یں ان امور میں براہ راست ان کی طرف رجوع کرنے کا کوئی محل باقی نہیں رہتا۔

(۲۵) ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا (پ ۱۵ س الاسراء ع ۱۲) اور نہ سلطنت میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا حامی ہو اور تم اس کی بڑائی کبریائی کا اظہار کرتے رہا کرو۔

اس آیہ مبارکہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کارخانہ قدرت میں کوئی خدا کا شریک و سہیم نہیں ہے وہ ذات و صفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ فلا تدعوا مع اللہ احداً

(۲۶) قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً (پ ۲۹ س جن ع ۱۲) تم کہہ دو میں تو صرف اپنے پروردگار

کو پکارتا ہوں۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا۔

(۲۷) وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً (پ۲۹ س جن ع ۱۱) "اور مسجدیں سجدے کے مقامات اللہ ہی کے لئے مخصوص ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو (ترجمہ مقبول)"

مشکلات و مصائب میں غیر اللہ کی دعا و پکار کی اس سے بڑھ کر اور کس طرح ممانعت کی جا سکتی ہے۔

(۲۸) ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ (پ۴ س آل عمران ع ۱۷) "مسلمانو! یاد رکھو، اگر خدا نے تمہاری مدد کی تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر تم کو چھوڑ دے تو کوئی ایسا ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کو کھڑا ہو۔ اور مومنین کو چاہئے کہ خدا ہی پر بھروسہ رکھیں"

(۲۹) اولم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ان فی ذلک لآیات لقوم یومنون۔ (پ۲۱ س روم ع ۴) "کیا ان لوگوں نے (اتنا بھی) غور نہیں کیا کہ خدا ہی جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں ایماندار لوگوں کے واسطے (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں (ترجمہ فرمان)"

ان آیات سے مثل آفتاب نصف النہار ہویدا ہوتا ہے کہ شدائد میں نصرت کرنا اور رزق کو کم و زیادہ کرنا پروردگار عالم کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ لہٰذا ان امور میں رجوع بھی اسی کی طرف کرنا چاہئے۔

(۳۰) الیس اللہ بکاف عبدہ (پ۲۴ س زمر ع ۱) "اور کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے" (ترجمہ مقبول)

کس حسین و جمیل انداز میں خدا اپنے بندوں سے دریافت کر رہا ہے کہ کیا میں اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہوں؟ اب بندوں کو چاہئے کہ سوچ کر جواب دیں۔ کہ کیا وہ کافی ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو توحید رخصت! اور اگر اثبات میں ہے تو پھر اس کی بارگاہ اقدس کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر جبہ سائی برائے چہ؟

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون (پ۳ س آل عمران ع ۷)

ایک عجیب مغالطہ اور اس کا ازالہ

وہ آیات جن میں اللہ کے سوا دوسروں کی دعا و پکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ جن میں سے کئی ایک سطور بالا میں مذکور ہیں۔ اکثر مجیب صاحبان نے تو حسب عادت ان کو چھوا ہی نہیں۔ البتہ ایک صاحب نے خلاف عادت ان کے جواب سے عہدہ برآ ہونے کی ناکام کوشش کی ہے۔ انہوں نے ایک مغالطہ پیش کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ انہوں نے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام "غیر اللہ" نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مجازی

ملکی زبان کے محاورہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ تفسیر بالرائے کی ہے۔ کیونکہ ہمارے محاورہ میں "غیر" مخالف اور غیر متعلق کو کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص فلاں کا غیر ہے یعنی اس کا مخالف ہے۔ اور اس سے اس کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ "من دون اللہ" جس کا ترجمہ ہے "اللہ کے سوا" "خدا کے علاوہ" "غیر اللہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خدا نہیں ہے۔ اگر ان صاحب کی یہ تاویل صحیح تسلیم کر لی جائے۔ تو جب کوئی یہ کہے کہ فلاں آدمی غیر سید ہے۔ تو اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہوگا۔ کہ وہ سادات کے مخالف ہے۔ یا جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص غیر عالم ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ دشمن علماء ہے، اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ فلاں غیر نبی و امام ہے۔ تو اس کا یہ مفہوم ہوگا۔ کہ وہ نبی و امام کا مخالف و معاند ہے ما لکم کیف تحکمون۔ غالباً ایسے ہی ملاؤں سے دل برداشتہ ہو کر ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا ؎

ز ما بر صوفی و ملا سلامے — کہ پیغام خدا دادند ما را
ولے تاویل شان در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

حالانکہ بات بالکل سیدھی سادی ہے کائنات میں جو کچھ ہے یا خدا ہے یا غیر خدا۔ تو اگر ائمہ اہل بیت غیر خدا نہیں تو کیا پھر وہ عین خدا ہیں؟ اگر یہی عقیدہ ہے۔ تو بہتر ہے کہ اس کا اظہار کریں۔ اس لیپا پوتی سے کیا حاصل؟

؎ بیفکن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاران دیگرے را می پرستند

اگر بالفرض خود خدا کا یہی مفہوم ہوتا جو محقق بیان کر رہے ہیں۔ تو جن علماء و مفسرین (مثل علامہ طبرسی و فاضل کاشانی نے مجمع البیان و صافی میں) اقوال معصومینؑ کی روشنی میں "من دون اللہ" کے ذیل میں ملائکہ، عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے نام لکھے ہیں تو کیا وہ ان کو اللہ کا مخالف اور دشمن سمجھتے ہیں؟ (معاذ اللہ) خدا ان لوگوں کی حالت زار پر رحم فرمائے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر جگہ "من دون اللہ" سے مراد یہ ذوات مقدسہ نہیں ہیں۔ لیکن غیر اللہ ہونا اور بات ہے اور کسی جگہ مراد نہ ہونا اور بات۔ اور جہاں خدا اور اس کے رسولوں میں تفریق کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے مثلاً یہ یعنی خدا کو تو برائے نام مانا جائے اور اس کے رسولوں کا انکار کر دیا جائے جیسا کہ تفاسیر میں مرقوم ہے۔

ایک فیصلہ کن استفتاء

ہمارے جس محقق کو بھی اس تحقیق انیق پر ناز ہے کہ ائمہ طاہرینؑ غیر اللہ نہیں ہیں۔ ان کی خدمت میں ایک استفتاء پیش کیا جاتا ہے امید ہے کہ وہ فرصت اولیٰ میں اس کا جواب دیتے ہوئے ایک نئی تحقیق کا اضافہ کر کے ارباب علم و نظر کی تسکین فرمائیں گے۔

وہو ہذا۔ ارشاد ایزدی ہے وما اھل بہ لغیر اللہ (پ ۲ س۔ بقرہ ع ۵) یعنی جس حیوان پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی حیوان کے ذبح کرتے وقت بجائے بسم اللہ واللہ اکبر

کے اسم محمدؐ یا اسم علیؑ یا اسم الحسنؑ یا اسم الحسینؑ یا اسم العباس ابن علیؑ و علیٰ ہذا القیاس ان بزرگواروں میں سے کسی بزرگ کا نام لیا جائے تو کیا اس حیوان کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔ حدیث اور فقہ جعفریہ کی روشنی میں بحوالہ کتاب مع قید صفحہ و سطر جواب دیا جائے۔

مسئلہ استمداد تعلیمات معصومینؑ کی روشنی میں

تیسرے باب میں ابطال تفویض کے سلسلہ میں جس قدر احادیث معصومینؑ پیش کی جا چکی ہیں وہ سب یہاں ہمارے دعوے کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفاء اور تحدید عمر وغیرہ) کا انجام دہی سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے سپرد نہیں فرمائی۔ بلکہ ان امور میں ان کا منصب و مقام بارگاہ خداوندی میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ بعد ازیں اس سلسلہ میں ان بزرگواروں سے سوائے استمداد شفاعت و درخواست سفارش کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے؟ علاوہ بریں چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ثبوت دعویٰ مدعی کے ذمہ ہوا کرتا ہے لہٰذا چاہیے تو یہ کہ جو شخص اس امر کا مدعی ہے کہ ان بزرگ ہستیوں میں ائمہ اطہارؑ سے براہ راست استمداد و استعانت روا ہے وہ اس سلسلہ میں نصوص قرآنیہ اور صحیح و صریح ارشادات معصومینؑ پیش کرے جن میں ائمہ ہدیٰؑ نے یہ فرمایا ہو کہ لوگ مشکلات و مصائب، طلب اولاد، شفائے امراض اور موت و حیات وغیرہ امور میں محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی طرف متوجہ ہوا کرو۔ جہاں تک ممکن تھا ہم نے اس سلسلہ میں بہت تحقیق و تفحص سے کام لیا ہے۔ [illegible] ہے کہ شاید اس سلسلہ میں کسی معصومؑ کا کوئی مستند ارشاد [illegible] ہم [illegible] نہیں کوئی ایسا ارشاد [illegible] میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ [illegible] ہاں البتہ مخالفت نظر سے ضرور گذری ہے۔

(۱) چنانچہ نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: فاشکوا الی من لا تشکی الیہ و لا بغض [illegible] (نہج البلاغہ حصہ اول ص [illegible] طبع مصر) اللہ سے وہ کرو اپنی شکایتیں ایسے شخص (امام حاکم) کی طرف پیش کرو جو تمہاری شکایت کے اضطراب کو دور نہیں کر سکتا اور نہ ہی رائے سے علم و مضبوط احکام و امور کو توڑ سکتا ہے۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے بارے میں اقرار کرنے والے لوگوں کی مذمت اور ان سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واللہ ما نحن الا عبید اللہ الذی خلقنا واصطفانا، ما نقدر علی ضر ولا نفع ... لقد آذوا اللہ وآذوا رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ فی قبرہ وامیر المومنینؑ وفاطمۃ والحسن والحسینؑ ابیت علی فراشی خائفاً وجلاً مرعوباً یا منون وافزع الخ یعنی خدا کی قسم ہم اس

خدا کے بندے ہیں۔ جس نے ہمیں پیدا کر کے منتخب فرمایا ہے ہمیں نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان لوگوں نے وہابیوں سے متعلق غلط نظریات قائم کر کے خدا اور جناب رسول خدا کو ان کی قبر اقدس میں اذیت پہنچائی ہے اسی طرح ان لوگوں نے حضرت امیر المومنینؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور جناب امام حسنؑ و حسینؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کو دکھ پہنچایا ہے کب یہ غور نہیں کرتے کہ وہ امن و اطمینان سے وقت گذار رہے ہیں۔ اور میں خوف و ہراس کے عالم میں رات خواب پر رات گذارتا ہوں (رجال کشی ص۳۴۲)

(۳) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دعائے طلب حاجات میں فرماتے ہیں "فمن حاول سد خلته من عندك ورام صرف الفقر عن نفسه بك فقد طلب حاجته في مظانها واتى طلبته من وجهها ومن توجه بحاجته الى احد من خلقك او جعله سبب نجحها دونك فقد تعرض للحرمان واستحق من عندك فوت الاحسان" (صحیفہ کاملہ مترجمہ مفتی جعفر حسین ص[illegible]) جس نے اپنی [illegible] کے رفع کرنے کے لئے تیرا ارادہ کیا اور اپنی احتیاج کے دور کرنے کے لئے تیرا قصد کیا [illegible] نے اپنی حاجت کو اس کے محل و مقام سے طلب کیا اور اپنے مقصد تک پہنچنے کا صحیح راستہ اختیار کیا۔ اور جو اپنی حاجات کے لئے مخلوقات میں سے کسی ایک کی طرف متوجہ ہوا یا تیرے علاوہ دوسرے کو اپنی حاجت برآری کا ذریعہ قرار دیا وہ حرمان نصیبی سے دوچار [illegible] تیرے احسان سے محرومی کا سزاوار ہوا۔ امام عالی مقام نے مخلوق کو حاجت روا سمجھنے اور مطلب برآری میں ان پر اعتماد کرنے کی جو مذمت فرمائی ہے اس میں کسی نبی یا امام کا استثنا نہیں فرمایا۔

علامہ سید علی خان اپنی شرح صحیفہ ریاض السالکین ص۴۸۲ طبع ایران میں ان فقرات کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واعلم انه لما كان له تعالى خزائن السموات والارض وكان امرها بيده لا معطي ولا مانع الا هو وقد امر بالدعاء وتكفل بالاجابة فقال ادعوني استجب لكم وحث الخلق على ان يسألوه ليعطيهم فقال واسئلوا الله من فضله وكانت له القدرة التامة التي لا يعجزها شيء وكان له الجود الذي لا بخل فيه والغنى الذي لا تنزعه لا ينقصه عطاء ولا يفقره منه لا جرم كان من طلب اصلاح خلته وجبر فاقته من عنده ورام صرف الفقر عن نفسه به طالبا لحاجته من موضعها الذي يطلب فيه وقاصدا ما طلب من جهته التي يقصد منها فكان حريا بالنجح لما سأل وجديرا بالظفر بما طلب واما من توجه بحاجته الى احد من المخلوقين وناط بها آمال الرجاء والطمع [illegible] او جعله سببا لنجاحها والظفر بها متمسكا [illegible] دون الله تعالى فقد تعرض للحرمان وفوت الاحسان منه تعالى اذ لم يأت حاجته من الوجه الذي ينبغي ان يأتيها منه ولم يطلبها من محلها الذي هي فيه ومن التمس الشيء من غير محله واتاه من غير جهته لم يظفر الا بالحرمان ولم يحصل الا على خيبة الطلب الخ

نہیں جا سکتا ہے کیونکہ زمین و آسمان کے تمام خزانوں کی کنجیاں خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی معطی و رافع نہیں ہے۔ اور اس کریم نے دعا کا حکم دے کر قبولیت کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے تم مجھ سے دعا کرو۔ میں قبول کروں گا نیز اس نے لوگوں کو اس بات کی رغبت دلائی ہے کہ وہ اس سے سوال کریں۔ تاکہ وہ انہیں عطا کرے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے تم اللہ کے فضل کے بارے میں سوال کرو اور وہ ایسا آقا و مطلق ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اور ایسا جواد مطلق ہے جس میں بخل وغیرہ کا شائبہ تک نہیں۔ اور ایسا غنی ہے جس میں فقر و فاقہ کی آمیزش نہیں۔ یہ عطا و بخشش اس کے خزانہ کو کم کرتا ہے اور نہ روز روز کا عطیہ اسے محتاج بناتا ہے۔ بنا بریں جو شخص بھی اپنی حاجت کی اصلاح فقر و فاقہ کی دوری خدا سے طلب کرے گا تو وہ شخص یقیناً اپنی حاجت کو وہاں سے طلب کرے گا۔ جہاں سے طلب کرنی چاہیے۔ لہٰذا وہ کامیابی و کامرانی کا مستحق ہوگا۔ اور جو شخص اپنی حاجات کو کسی مخلوق سے طلب کرے گا۔ اور جو خدا کے علاوہ اپنی امید و آرزو کا مرکز اپنے جیسی عاجز مخلوق کو بنائے گا۔ یا خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ہی کامیابی کا سبب قرار دے گا وہ خدا کی طرف سے منع و حرمان نصیبی کا مستحق قرار پائے گا کیونکہ اس نے اپنی حاجت وہاں سے طلب نہیں کی جہاں سے طلب کرنی چاہیے تھی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی کسی چیز کو اپنے محل و مقام سے طلب نہ کرے وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہتا ہے۔"

(۴) نیز حضرت امام زین العابدینؑ دعائے تضرع الی اللہ میں فرماتے ہیں فانت یا مولای دون کل مسئول موضع مسئلتی و دون کل مطلوب الیہ ولیّ حاجتی انت المخصوص قبل کل مدعو بدعوتی لا یشرکک احد فی رجائی ولا یتفق احد معک فی دعائی ولا ینظمہ وایاک ندائی الخ (صحیفہ کاملہ ترجمہ مفتی صاحب ص۲۴۳) اے میرے مالک! تو ہی میرے سوال کا مرجع ہے نہ وہ جن سے سوال کیا جاتا ہے۔ اور تو ہی میرا حاجت روا ہے۔ نہ وہ جن سے حاجت طلب کی جاتی ہے۔ اور ان تمام لوگوں سے پہلے جنہیں پکارا جاتا ہے تو میری دعا کے لئے مخصوص ہے۔ اور میری امید میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور میری دعا میں تیرا کوئی ہم پایہ نہیں ہے۔ اور میری آواز تیرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتی۔"

(۵) انہی جناب نے بارگاہ قدرت میں صحیح طریقۂ توسل اختیار کرنے کی یوں تعلیم فرمائی ہے۔ دعائے روز پنجشنبہ میں فرماتے ہیں۔ اللھم انی بذمۃ الاسلام اتوسل الیک وبحرمۃ القرآن اعتمد علیک وبمحمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ استشفع لدیک الخ۔ اے اللہ! میں اسلام کے عہد و پیمان کے ذریعہ تجھ سے توسل چاہتا ہوں۔ اور قرآن کی عزت کے واسطہ سے تجھ پر بھروسہ رکھتا ہوں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں شفاعت کا طلبگار ہوں۔" (صحیفہ مذکور ص۲۴۳)

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے: وعزتی وجلالی ومجدی وارتفاعی علی عرشی لاقطعن امل کل مؤمل غیری بالیأس ولاکسونہ ثوب المذلۃ عند الناس ولانحینہ من قربی ولابعدنہ من فضلی ایؤمل غیری فی الشدائد والشدائد بیدی ویرجو غیری ویقرع بالفکر باب غیری وبیدی مفاتیح الابواب وھی مغلقۃ وبابی مفتوح لمن دعانی فمن ذا الذی املنی لنوائبہ فقطعتہ دونہا ومن ذا الذی رجانی لعظیمۃ فقطعت رجاءہ منی جعلت امال عبادی عندی محفوظۃ فلم یرضوا بحفظی وملأت سمواتی ممن لا یمل من تسبیحی وامرتہم ان لا یغلقوا الابواب بینی وبین عبادی فلم یثقوا بقولی الخ ۔۔۔ (ریاض السالکین ص۔۔ بحوالہ عدۃ الداعی)

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص میرے علاوہ کسی اور پر بھروسہ کرے گا میں ضرور اس کی امید کو ناامیدی کے ساتھ تبدیل کروں گا۔ اور لوگوں کے نزدیک اسے لباس ذلت پہناؤں گا۔ اور اسے اپنے فضل وکرم سے دور کروں گا۔ وائے شرم نہیں آتی، کیا وہ شدائد ومصائب میں مجھے چھوڑ کر اوروں سے امیدیں وابستہ کرتا ہے۔ حالانکہ شدائد میرے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ میرے غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ حالانکہ سوائے میرے دروازہ کے باقی تمام دروازے بند ہیں اور ان کی کنجیاں میرے دست قدرت میں ہیں۔ ہاں میرا دروازہ مجھ سے دعا وپکار کرنے والوں کے لئے ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔ بھلا وہ کون شخص ہے جس نے شدائد میں میرے ساتھ امید وابستہ کی ہو۔ اور میں نے اسے ناامید کیا ہو۔ میرے پاس لوگوں کی آرزوئیں محفوظ ہیں۔ مگر افسوس، وہ میری حفاظت پر رضامند نہیں۔ میں نے اپنے آسمانوں کو ایسی مخلوق (فرشتوں) سے بھر دیا ہے جو میری تسبیح وتقدیس سے کبھی نہیں تھکتے۔ اور میں نے ان کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ میرے اور میری مخلوق کے درمیان کبھی دروازہ ہائے رحمت کو بند نہ کریں۔ مگر افسوس! یہ لوگ میرے قول پر اعتماد نہیں کرتے۔

مجھے بتاؤ سبھی اور آفری کیا ہے

(۲) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے آباء واجداد کے سلسلۂ سند سے خداوند عالم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ ما من مخلوق یعتصم بمخلوق دونی الا قطعت اسباب السموات والارض دونہ فان دعانی لم اجبہ وان سألنی لم اعطہ وما من مخلوق یعتصم بی دون خلقی الا ضمنت السموات والارض رزقہ فان سألنی اعطیتہ وان دعانی اجبتہ وان استغفرنی غفرت لہ الخ (ریاض السالکین ص۳ بحوالہ کتاب عدۃ الداعی ص۹۵)

"جو کوئی مخلوق میں میرے علاوہ کسی اور مخلوق پر بھروسہ کرے میں اس کے لئے زمین وآسمان کے وسائل واسباب بند کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اسے قبول نہیں کرتا۔ اور اگر مجھ سے سوال کرے تو اسے عطا نہیں

کرتا اور جو مخلوق میرے دامن کے ساتھ تمسک ہو جائے میں زمین و آسمان کو اس کے رزق کا ضامن بنا دیتا ہوں پس اگر مجھ سے سوال کرے تو اُسے عطا کرتا ہوں۔ اگر دعا کرے تو اُسے قبول کرتا ہوں اور اگر مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ تو اسے معاف کر دیتا ہوں۔"

(۶) حضرت امام زین العابدین دعائے تضرع الی اللہ میں فرماتے ہیں "اللھم انی خصصت بانقطاعی الیک واقبلت علیک وصرفت وجھی عمن یحتاج الی رفدک وقلبت مسئلتی عمن لم یستغن عن فضلک ورأیت ان طلب المحتاج الی المحتاج سفه من رأیه وضلة من عقله" (صحیفہ کاملہ ۱۵)

"اے اللہ میں پورے کے ساتھ دوسروں سے منہ موڑ کر تجھ سے لو لگائے ہوں اور ہمہ تن تیری طرف متوجہ ہوں اور ہر شخص سے جو خود تیری عطا و بخشش کا محتاج ہے منہ پھیر لیا ہے اور اس شخص سے جو تیرے فضل و احسان سے بے نیاز نہیں ہے۔ سوال کا رخ موڑ لیا ہے اور میں سمجھ چکا ہوں کہ محتاج سے مانگنا سراسر سمجھ بوجھ کی سبکی اور عقل کی گمراہی ہے۔" (صحیفہ کاملہ ۱۵۱ اردو ترجمہ)

علامہ سید گل خان نے اس کلام حق ترجمان کی شرح میں بعض علماء کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ "من التوکل ان لاتطلب لنفسک ناصراً غیر اللہ ولا لرزقک قاسماً غیر اللہ ولا لعملک شاھداً غیر اللہ۔"

(ریاض السالکین ۲۴۴) "یعنی خدا پر بھروسا کرنے کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی سے اپنے لئے نصرت طلب نہ کرے سوائے خدا کے کسی اور کو رزق کا تقسیم کرنے والا سمجھے اور نہ ہی خدا کے سوا کسی کو اپنے عمل پر گواہ قرار دے۔

علامہ ابن فہد حلی نے توکل کی یہ تعریف کی ہے کہ "ان المخلوق لایضر ولا ینفع ولا یعطی ولا یمنع" مخلوق کسی کو نفع و نقصان اور عطا و منع کی مالک نہیں ہے۔" (عدۃ الداعی ۱۲۵ طبع مصر)

(۹) حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "فاذا اشتد الفزع فالی اللہ المفزع" یعنی جب خوف و ہراس سخت ہو جائے تو خدا سے مدد طلب کرو۔ (اصول کافی ۴۸۹ کتاب الدعاء)

(۱۰) جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں "ما من بلاء ینزل علی عبد مومن فیلھمه اللہ عزوجل الدعاء الا کشف ذلک البلاء وشیکا وما من بلاء ینزل علی عبد مومن فیمسک عن الدعاء الا کان ذلک البلاء طویلا فاذا نزل البلاء فعلیکم بالدعاء والتضرع الی اللہ عزوجل" یعنی جس بندۂ مومن پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو۔ اور خدا اسے دعا کرنے کا الہام کر دے تو وہ آفت جلد ٹل جاتی ہے۔ پھر فرمایا پس جب بھی تم پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو تو تم پر لازم ہے کہ دعا کرو اور خدا کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرو۔ (اصول کافی ۴۹۱ عدۃ الداعی ۱۴۶)

(۱۱) جناب امام زین العابدین دعائے دفع مہمات میں فرماتے ہیں "انت المدعو للمھمات وانت المفزع فی الملمات لایندفع منھا الا ما دفعت ولا ینکشف منھا الا ما کشفت" "تو ہی وہ ہے جسے مشکلات میں پکارا جاتا ہے جس کی طرف مصیبتوں میں رجوع کیا جاتا ہے کوئی مصیبت ٹل نہیں سکتی مگر جسے تو ٹال دے اور کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی مگر جسے تو حل کر دے"

۱۔ ترجمہ بو جملہ بے جا ہو اور ادا ہو تو مومن دعا و بلا دونوں دور ہو جائے

علامہ سید علی خان اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تعریف المسند هنا بلام الجنس لافادة القصر تحقیقاً باعتبار تقییده بالظرف، اذ لیس غیره تعالى مدعواً للمهمات ولا مفزعاً فی الملمات وان دعی غیره لها او فزع الیه فهو جهل محض، او شرک خفی او صریح علی ان دعائه سبحانه عند نزول الملمات والفزع الیه حین حلول المهمات دون غیره امر فطری کما قال تعالى واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاه وقال تعالى قل ارأیتکم ان اتاکم عذاب الله او اتتکم الساعة اغیر الله تدعون ان کنتم صادقین بل ایاه تدعون فیکشف ما تدعون الیه ان شاء وتنسون ما تشرکون" (ریاض السالکین ص۳۳۳) یہاں مسند (المدعو) کو لام تعریف کے ساتھ معرف کرکے اس لئے لایا گیا ہے کہ اس سے مقصد حصر حقیقی ہے کیونکہ مہمات میں خدا کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے پکارا جائے، اور نہ خدا کے سوا کوئی ایسا ہے جس سے شدائد میں مدد حاصل کی جائے۔ اور اگر شدائد و مہمات میں غیر خدا کو پکارا گیا۔ یا اس سے مدد طلب کی گئی تو محض جہالت یا شرک خفی بلکہ جلی ہوگا۔ علاوہ بریں مہمات و مصائب کے وقت صرف خدا کی طرف رجوع کرنا اور اس سے اعانت طلب کرنا ایک فطری امر ہے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ جب تم سمندر میں ہوتے ہو اور تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو خدا کے سوا دوسرے وہ لوگ جن کو تم پکارا کرتے ہو۔ بھول جاتے ہو۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ اگر تم پر عذاب نازل ہو۔ یا قیامت آجائے اگر سچے ہو تو غیر خدا کو بلاؤ تو سہی۔ نہیں بلکہ تم صرف خدا کو ہی پکارتے ہو۔ پس خدا اگر چاہے تو وہ تمہاری تکلیف کو دور کردیتا ہے۔ اس وقت شرک بھول جاتے ہو۔ اسی دعائے مبارکہ کے آخر میں ہے "وانت القادر علی کشف ما منیت به ودفع ما وقعت فیه" جس مصیبت میں مبتلا ہوں اس کے دور کرنے اور جس میں پھنس گیا ہوں اس کے ٹالنے پر تو ہی قادر ہے (صحیفہ سجادیہ [illegible])

اس کی شرح میں علامہ موصوف فرماتے ہیں "لافادة القصر تحقیقاً ای انت القادر لا غیرک علی کشف ما ابتلیت به" (ریاض ص۳۳۵) یہ (تقدیم مسند) حصر حقیقی کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ بار الہا صرف تو ہی میری مصیبت دور کرنے پر قادر ہے اور کوئی قادر نہیں ہے۔

(۲) حضرت امیر المومنینؑ دعائے کمیل میں فرماتے ہیں "الٰهی وربی من لی غیرک اسئله کشف ضری والنظر فی امری" (الدعا و الزیارة ص...) اے میرے معبود اور میرے پروردگار! تیرے سوا میرا کون ہے جس سے اپنی تکلیف دور کرنے اور اپنے معاملہ میں نظر کرنے کی درخواست کروں۔

(۳) وہ دعا جو امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے بعد پڑھی جاتی ہے اس میں وارد ہے "یا من لا یعلم الغیب الا هو یا من لا یصرف السوء الا هو یا من لا یدبر الامر الا هو یا من لا

يغفر الذنب الا هو يا من لا يخلق الخلق الا هو يا من لا ينزل الغيث الا هو (معارج ص۳) اے وہ خدا جس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اے وہ معبود جس کے سوا کوئی مصیبت دور نہیں کرتا اے وہ اللہ جس کے سوا کوئی تدبیر امور نہیں کرتا۔ اے وہ رب جس کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا اے وہ پروردگار جس کے سوا کوئی پیدا نہیں کرتا۔ اے وہ مالک حقیقی جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا۔"

(۴) اسی باب میں ذیل آیات قرآنیہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الٰہ اور اللہ کہتے ہی اسی ذات مستجمع جمیع صفات کو ہیں کہ جب مصائب و شدائد میں ہر طرف سے امیدیں منقطع ہو جائیں تو مخلوق اس کی طرف رجوع کرے چنانچہ اس حدیث صادقیؑ سے بھی اس مطلب کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے جو آنجنابؑ نے اس شخص کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی جس نے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق آپ سے مقنع دلیل طلب کی تھی۔ امام نے فرمایا۔ تو کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بیچ منجدھار میں کشتی ٹوٹ گئی ہو۔ اب نہ تو وہاں کوئی کشتی تھی جو تجھے نجات دے اور نہ ہی تو تیرنا جانتا تھا جو تجھے کنارے لگائے۔ آیا اس وقت تیرے دل میں کسی ایسی قادر مطلق ہستی کا تصور تھا جو ایسی بے سروسامانی کے عالم میں بھی تجھے نجات دے سکتی ہے۔ کہا ہاں امام نے فرمایا فذلك الشئ هو الله القادر على الانجاء حيث لا منجى وعلى الاغاثة حيث لا مغيث" وہی قادر مطلق خدا ہے جو اس وقت نجات دینے پر قدرت رکھتا ہے جب کوئی نجات دہندہ نہ ہو۔ اور اس وقت فریادرسی کرتا ہے۔ جب اور کوئی فریادرس نہ ہو (تفسیر صافی ص۱۹)

(۵) قطع نظر مذکورہ بالا دلائل قاطعہ کے خود ائمہ اطہار اور ان کے اصحاب اخیار کا عمل درآمد بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ مشکلات و مصائب اور مہمات و شدائد میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ امر ناقابل انکار حد تک ثابت ہے۔ کہ جب اصحاب ائمہ ان بزرگواروں کی بارگاہ میں التماس دعا کے لئے حاضر ہوتے تو یہ ذوات مقدسہ ان کو بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ کسی کو کوئی مخصوص نماز حاجت پڑھنے کے بعد خدا سے دعا و پکار کرنے کا حکم دیتے۔ کسی کو کوئی مخصوص دعا تعلیم دیتے چنانچہ دعائے کمیل و دعائے مشلول وغیرہ صدہا دعائیں اور اسی طرح سینکڑوں قسم کی نمازہائے حاجت اس کے [illegible] ثبوت [illegible] ہمیں بھی یہی طریقہ اپنانا چاہئے

(۶) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ الا ادلكم على سلاح ينجيكم من اعدائكم و يدر ارزاقكم قالوا بلى قال تدعون ربكم بالليل و النهار فان سلاح المؤمن الدعاء کیا میں تمہیں ایسا ہتھیار نہ بتاؤں جو تمہیں شر اعداء سے نجات دے اور تمہارے رزقوں کو کشادہ کرے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں ضرور ارشاد فرمائیں! فرمایا رات اور دن کے وقت اپنے پروردگار سے دعا [illegible]

مومن کا ہتھیار ہے۔ (اصول کافی ص۴۶۸)

(۱۷) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ علیکم بسلاح الانبیاء۔ فقیل ما سلاح الانبیاء قال الدعاء۔ انبیاء کے ہتھیار کو لازم پکڑو۔ عرض کیا گیا کہ انبیاء کا ہتھیار کیا ہے؟ فرمایا خدا سے دعا کرنا۔
(کافی ص۴۶۸)

متعلقہ مسئلہ میں ائمہ اطہار کے اصحاب اخیار کا طریقہ

ان حضرات کی اسی تعلیم و تلقین کا نتیجہ تھا کہ ان کے اصحاب باصفا ہمیشہ ان بزرگواروں سے صرف بارگاہ خداوندی میں دعا و سفارش کرنے کی استدعا کیا کرتے تھے۔ یہ کبھی استدعا نہیں کی تھی کہ آپ ہمیں اولاد دیں۔ یا روزی فراخ کریں۔ یا ہمارے بیمار کو شفا دیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ طریقہ کار تعلیمات قرآن اور اہلبیت رسول کے خلاف ہے۔ ذیل میں ان اصحاب اخیار کے صحیح طریقہ کار کے چند واقعات حاضر بیانی کی خاطر درج کئے جاتے ہیں۔ مفضل بن قیس بیان کرتے ہیں۔ کہ دخلت علی ابی عبداللہ فشکوت الیہ بعض حالی وسألتہ الدعاء یعنی میں حضرت صادق آل محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے دعا کرنے کی استدعا کی۔ آنجناب نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ وہ تھیلی لاؤ جو ابو جعفر (منصور دوانقی) نے بھیجی ہے چنانچہ کنیز نے وہ تھیلی پیش کی جس میں چار سو دینار تھے۔ امام نے وہ تھیلی مجھے عطا فرما دی۔ میں نے عرض کیا۔ لا واللہ جعلت فداک ما اردت ھذا ولکن اردت الدعاء لی۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ بخدا میری گذارش کا یہ مطلب نہ تھا۔ بلکہ میرا مقصد تو صرف دعا کرنے کی استدعا کرنا تھا فرمایا۔ ولا ادع الدعاء میں دعا بھی ترک نہیں کروں گا۔" (رجال کشی ص۲۴۱)

(۲) اسی طرح حماد بن عیسیٰ الحسین بن داؤد القمی کا بیان ہے "دخلت علی ابی جعفر وباھلی حمیل فقلت جعلت فداک ادع اللہ ان یرزقنی ولداً ذکراً" یعنی میں حضرت امام محمد تقی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں آپ میرے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ مجھے اولاد نرینہ عطا کرے۔ راوی کہتا ہے فاطرق ملیاً ثم رفع راسہ فقال فان اللہ یرزقک غلاماً ذکراً الخ" امام کچھ دیر سر جھکائے بیٹھے رہے پھر سر بلند کر کے فرمایا خدا تمہیں فرزند نرینہ عطا کرے گا"
(رجال کشی ص۲۵۶)

(۳) عبدالرحمٰن بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس جناب امام موسیٰ کاظم کا بہت سا مال (بطور خمس) تھا۔ چنانچہ ایک سال میں وہ لے کر گیا اور جب علی بن یقطین نے مجھے آنجناب کے نام ایک مکتوب دیا جس میں جناب سے التماس دعا کی تھا۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی کاروبار اور خدمت امام میں مال پہنچانے سے فارغ ہو چکا تو عرض

کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں سألنی علی بن یقطین ان تدعو اللہ۔ علی بن یقطین نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ سے ان کے لئے دعا کروں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا للآخرۃ؟ کیا آخرت کے لئے دعا کرنے کا کہا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ نعم ہاں۔ عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ سنتے ہی امامؑ نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھتے ہوئے فرمایا ضمنت لعلی بن یقطین ان لا تمسہ النار ابداً۔ میں علی بن یقطینؒ کا ضامن ہوں کہ ان کو کبھی آتش جہنم نہیں چھوئے گی۔ (رجال کشی ص۲۷۰) ھنیأ لارباب النعیم نعیمہا

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

رزقنا اللہ دعائھم وشفاعتھم فی الدنیا والآخرۃ

(۲) علماء اعلام کا بھی ہمیشہ سے اسی طریقہ پر عمل درآمد رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی اور دیگر بعض علماء اعلام نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ کے والد ماجد حضرت شیخ علی بن الحسین القمی کے ہاں اپنی چچا زاد بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے جناب ابو القاسم حسین بن روحؒ (نائب خاص حضرت حجتؑ) کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا جس میں ان سے استدعا کی۔ کہ حضرت امام العصرؑ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ میرے لئے بارگاہ رب العزت میں اولاد کے لئے دعا فرمائیں۔ چنانچہ جناب ابو القاسمؒ نے جناب شیخ کی استدعا امامؑ تک پہنچائی۔ ناحیہ مقدسہ سے جواب صادر ہوا ہم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ ان کی موجودہ بیوی کے بطن سے اولاد نہ ہوگی۔ ہاں عنقریب ان کو ایک دیلمیہ کنیز ملے گی۔ جس سے ان کو خدائے عزوجل دو فقیہ بیٹے عطا فرمائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ دو بیٹے محمد بن علی (معروف شیخ صدوق) اور ان کے برادر معظم شیخ حسین بن علی متولد ہوئے۔

(فوائد رضویہ ج۲ ص۱۹۵ انطلام بحر الکلام ج۱ ص۹۶ وغیرہ)

متعلقہ مسئلہ علماء اعلام کے بیانات کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اب تک ہم نے قرآن و حدیث اور اصحاب ائمہ کی روش و رفتار کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہمارے تمام علمائے اعلام شیعہ امامیہ کثرہم اللہ فی البریہ کا بھی یہی نظریہ ہے چنانچہ تیسرے باب میں علماء کبار کے جو بیانات پیش کئے گئے ہیں وہ سب ہمارے اس دعویٰ پر شاہد عادل ہیں۔ فلا نطیل الکلام بتکرار المرام۔ فراجع وتدبر ان کنت من اولی الافہام۔

علاوہ بریں کتب اصول عقائد میں اقسام توحید بیان کرتے ہوئے توحید افعالی کے متعلق ہمارے اعلام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ہمارے دعویٰ پر بطور نص صریح دلالت کرتا ہے۔ کہ امور تکوینیہ میں سوائے خداوند عالم کی ذات جامع جمیع صفات کے اور کسی ذات حتیٰ کہ نبیؐ و امامؑ سے بھی براہ راست استمداد جائز نہیں ہے ہاں ان کا توسل اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے کی استدعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں سألنی علی بن یقطین ان تدعو اللہ۔ علی بن یقطین نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ سے ان کے لئے دعا کروں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا۔ للآخرۃ؟ کیا آخرت کے لئے دعا کی التجا کی؟ میں نے عرض کیا۔ نعم! ہاں۔ عبد الرحمٰن بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ سنتے ہی امامؑ نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھتے ہوئے فرمایا ضمنت لعلی بن یقطین ان لا تمسہ النار ابدا۔ میں علی بن یقطینؒ کا ضامن ہوں کہ ان کو کبھی آتش جہنم نہیں چھوئے گی۔ (رجال کشی ص ۲۷۰ ضیاء الجنۃ ہے نصیب سچ ہے

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

رزقنا اللہ دعائہم وشفاعتہم فی الدنیا والآخرۃ

(۲) علماء اعلام کا بھی ہمیشہ سے اسی طریقہ پر عمل درآمد رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی اور دیگر بعض علماء اعلام نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ کے والد ماجد حضرت شیخ علی بن الحسین القمی کے ہاں اپنی چچازاد بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے جناب ابو القاسم حسین بن روحؒ (نائب خاص حضرت حجتؑ) کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا جس میں ان سے استدعا کی کہ حضرت امام العصرؑ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ میرے لئے بارگاہ رب العزت میں اولاد کے لئے دعا فرمائیں۔ چنانچہ جناب ابو القاسمؒ نے جناب شیخ کی یہ دعا امام زمانہ تک پہنچائی۔ ناحیہ مقدسہ سے جواب صادر ہوا۔ ہم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ ان کی موجودہ بیوی کے بطن سے اولاد نہ ہوگی۔ ہاں عنقریب ان کو ایک دیلمیہ کنیز ملے گی جس سے ان کو خدائے عزوجل دو فقیہ بیٹے عطا فرمائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ دو بیٹے محمد بن علی (معروف شیخ صدوق) اور ان کے برادر معظم شیخ حسین بن علی متولد ہوئے۔

(فوائد رضویہ ج ۲ ص ۵۶۱ انظام تحریر الکلام ج ۱ ص ۹۶ وغیرہ)

متعلقہ مسئلہ علماء اعلام کے بیانات کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اب تک ہم نے قرآن و حدیث اور اصحاب ائمہ کی روش و رفتار کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہمارے تمام علمائے اعلام شیعہ امامیہ کثرہم اللہ فی البریۃ کا بھی یہی نظریہ ہے چنانچہ تیسرے باب میں علماء ابرار کے جو بیانات پیش کئے گئے ہیں وہ سب ہمارے اس دعویٰ پر شاہد عادل ہیں۔ فلا نطیل الکلام بتکرار المرام۔ فراجع ورتدبر ان کنت من اولی الافہام۔

علاوہ بریں کتب اصول عقائد میں اقسام توحید بیان کرتے ہوئے توحید افعال کے متعلق ہمارے اعلام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ہمارے دعویٰ پر بطور نص صریح دلالت کرتا ہے۔ کہ امور تکوینیہ میں سوائے خداوند عالم کی ذات جامع جمیع صفات کے اور کسی ذات حتیٰ کہ نبیؐ و امامؑ سے بھی براہ راست استمداد جائز نہیں ہے ہاں ان کا توسل اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے کی استدعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

اقسامِ توحید

اس امر کی بقدرِ ضرورت یہاں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ توحید کے چار اقسام ہیں کہ شرک ایسے گناہِ عظیم سے دامن بچانے اور دولتِ ایمان حاصل کرنے کے لئے نہ صرف ان کا جاننا اور ان پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے بلکہ ان کے مطابق عمل درآمد کرنا بھی لازم ہے۔ وہ اقسام یہ ہیں (۱) توحید فی الذات (ذاتِ خداوندی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے) (۲) توحید فی الصفات (خدا کی صفاتِ حقیقیہ عین ذات ہیں اور سب مخلوق کی صفات زائد بر ذات ہیں) (۳) توحید فی الافعال (امورِ تکوینیہ مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفاء امراض وغیرہ میں کوئی ہستی خدا کی شریک نہیں ہے) (۴) توحید فی العبادت۔ (عبادت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے) تفصیل کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد۔ یا ہمارے رسالہ اقسام توحید کی طرف رجوع کیا جائے۔ فان فیہ شفاء لکل علیل ورواء لکل غلیل انشاء اللہ الجلیل

ادھر ان اقسام توحید میں سے کسی قسم کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور ادھر آدمی شرک کے گہرے گڑھے میں گرا۔ اسی وجہ سے شرک جلی کے بڑے اقسام بھی چار ہیں۔ (۱) شرک فی الذات (۲) شرک فی الصفات (۳) شرک فی الافعال اور (۴) شرک فی العبادۃ۔ ایک سچے مسلمان کے لئے ان تمام اقسام شرک سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ جنابِ مولانا سید محمد سبطین سرسوی نے رسالہ پیام توحید ص۳ پر اقسام توحید بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "پس حقیقی اور سچا خدا پرست وہ ہے جو ان چاروں قسم کے شرک سے پاک ہو۔ اور چاروں قسم کی توحید میں کامل ہو۔ توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی الطاعۃ۔ توحید فی العبادۃ کا صحیح عقیدہ رکھتا ہو۔ اور دینِ برحق وہ ہے جس میں تعلیم توحید اس درجہ مکمل ہو کہ کہیں کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ اور یہی تعلیم اسلام ہے"۔

بنابریں توحید افعالی کے متعلق علمائے اعلام نے جو کچھ لکھا ہے۔ (جس کی ایک معتد بہ مقدار باب التفویض میں نقل کی جا چکی ہے۔ وہ سب بیانات تائید مدعا میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں تبرکاً و تیمناً مزید چند اعلام کی فرمائشات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیقۂ سلطانیہ ج ۱ ص۳۲ میں مباحثِ طویلہ کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں "و بالجملہ حق آں است کہ غیر از افعال عباد کہ منحصر در حرکات و سکنات و ما یترتب علیہا است از غیر خدا از قسم اجسام و جسمانیات متأصلہ صادر نمی شود و حضرت وغیر حضرات از ممکنات نہ بر خلق و ابداء اجسام خود و اجسام قدرت دارند و نہ تفویض خلق و اقدار از جانب جناب احدیت بر خلق و رزق نسبت بایشان از روئے عقل و شرع ثابت می شود الخ" ... یعنی خلاصۃ الکلام کہ حق یہ ہے کہ افعالِ عباد (جو کہ اعراض ہیں) کے علاوہ جن سے انسانی حرکات و سکنات اور ان کے نتائج مراد ہیں اور کوئی چیز از قسم اجسام متأصلہ (یعنی جوہر) غیر خدا سے صادر نہیں ہو سکتی۔ اور حضرات ائمہ اہل بیتؑ اور دیگر تمام ممکنات نہ بذات خلق اجسام پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور نہ عقلاً و نہ شرعاً ذاتِ احدیت کی طرف سے خلق کرنے و رزق دینے

کی تفویض یا قدرت کا عطا ہونا ثابت ہے؟

(۲) عالم ربانی سرکار آیۃ اللہ حضرت شیخ جعفر شوشتری اعلی اللہ مقامہ (مصنف خصائص حسینیہ وغیرہ کتب جلیلہ جن کی علمی جلالت کے سامنے بڑے بڑے علماء و مجتہدین کے سر نیاز جھک جاتے ہیں۔) اپنے رسالہ عملیہ منہج الرشاد مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۰۴ پر مرتد ملی و فطری کا تذکرہ ۔۔۔ الفاظ سے بحث کرتے ہوئے جن سے ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے عنوان "مسئلہ" تحریر فرماتے ہیں" در زبان بعض عوام متعارف است کہ می گویند امام حسینؑ عمرت را زیاد کند یا حضرت عباسؑ روزی ترا زیاد کند یا ترا اولاد دہد یا فلان امام زادہ ترا نگاہ دارد اگر مقصود این است کہ از برکت اینہا بشود یا اینکہ ایشان شفیع شوند در خصوص اولاد و زیادتی رزق و طول عمر بسیار خوبست و اگر مقصود حقیقت رازق و معطی و خالق باشند مشکل است؛

یعنی بعض عوام الناس کے درمیان متعارف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ تمہاری عمر کو زیادہ کریں یا حضرت عباسؑ تمہاری روزی کو زیادہ کریں یا تمہیں اولاد دیں۔ یا فلاں امام زادہ تمہاری حفاظت کریں"

اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ ان کی برکت سے ایسا ہو یا یہ بزرگوار در بارگاہ قدرت میں طول عمر و زیادتی رزق اور حصول اولاد کے متعلق سفارش کریں تو یہ درست ہے۔ لیکن اگر مقصد یہ ہو کہ حقیقتاً یہی بزرگوار رازق و معطی اور خالق ہیں۔ (یعنی براہ راست یہ کام انجام دیتے ہیں) تو ان دونوں کا جواز بلکہ قائل کا اسلام مشکل ہے۔

(۳ و ۴) مذکورہ بالا رسالہ شریفہ دو جلیل القدر مجتہد حضرات یعنی سرکار آیۃ اللہ شیخ حبیب اللہ الرشتی و آیۃ اللہ السید اسماعیل الصدر الموسوی اعلی اللہ مقامہما کا مصدقہ ہے اور محل اختلاف میں ان کے حواشی شریفہ سے مزین ہے۔ مگر مذکورہ بالا عبارت پر ان کا کوئی حاشیہ نہیں ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار بھی اس مسئلہ میں حضرت شیخ جعفر شوشتری اعلی اللہ مقامہ سے متفق ہیں۔ کما لا یخفی علی من جال خلال ہذہ الدیار۔

(۵) علامۃ العصر حضرت الشیخ محمد الخالصی قدس سرہ اپنی کتاب احیاء الشریعۃ فی مذہب الشیعۃ ج ۱ ص ۹۵ پر رقمطراز ہیں: "ویکفر علی ما بیّنا ان الاعانۃ لا تکون الا بید اللہ بحسب ظاہرہا التوحید او نشأت من الغلو مثل قول بعض العوام لبعض حجرت علی محمد او علی او فاطمۃ الزہراء او علی احد الائمۃ او قولہم یرزقک الحسین ویشفیک العباس ومثال ذلک من الالفاظ وبعضہم یدعو فیطلب الرزق والشفاء والولد او دفع المکروہ من النبی او احد الائمۃ فان کان المتکلم بہذہ الالفاظ قاصداً لمعانیہا معتقداً بہا فہو کافر یجری علیہ جمیع احکام الکفر وان کان معتقد قلبہ علی خلاف ظاہرہ وکان مرادہ طلب الرزق من اللہ والشفاء مثلاً من اللہ ببرکۃ النبی لاعتقادہ انہ ارسل رحمۃ للعالمین واذن اللہ لہ بالشفاعۃ وہکذا اعتقادہ فی الائمۃ فلیس ذلک بکفر وان کان حراماً لانہ لفظ کفر الا انہ لم یرد ظاہرہ ولم یعتقد بہ

فكانها نقلت عن معانيها عرفاً الى معان توافق الاعتقادات الصحيحة ويجب ترك هذه الالفاظ وان لم يرد بها ظاهرها۔

یعنی بعض عوام کی زبان پر کچھ ایسے الفاظ جاری رہتے ہیں۔ جو بظاہر عقیدۂ توحید کے منافی ہیں۔ یا جن سے غلو کی بو آتی ہے۔ جیسے ان کا یہ کہنا کہ تمہارا امر جناب رسول خدا یا حضرت علی مرتضیٰؑ یا حضرت فاطمۃ الزہراؑ و دیگر ائمہ ہدیٰ کے ذمہ ہے" یا ان کا یہ کلام کہ حضرت امام حسینؑ تمہیں رزق دیں" یا "حضرت عباسؑ تمہیں شفا عطا فرمائیں" بلکہ اس قسم کے اور الفاظ جس طرح ہمارے ہاں عوام یہ کہتے ہیں کہ اللہ و پنجتنؑ تمہیں مال و اولاد دیں یا اللہ و پنجتنؑ پاک نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے۔ یا اللہ و پنجتنؑ پاک آپ کو آباد و شاداب رکھیں وغیرہا اور بعض لوگ براہ راست جناب رسول خداؐ یا دیگر بعض ائمہ ہدیٰ سے رزق مانگتے، شفا طلب کرتے، اولاد کا سوال کرتے یا کرامات وخوارق کے وقوعہ کی ان سے دعائیں کرتے ہیں۔ پس اگر تو ان الفاظ سے ان لوگوں کا مقصد ان کے حقیقی معنی ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے کہ یہ بزرگوار یہ کام انجام دیتے ہیں پھر تو یہ کافر ہیں۔ ان پر تمام احکام کفر مترتب ہوں گے۔ لیکن اگر ان کی مراد وہ نہیں جو ظاہری لفظ سے مترشح ہوتی ہے بلکہ ان کا مقصد جناب رسول خداؐ کی برکت سے خدا سے رزق و شفا طلب کرنا ہے۔ کیونکہ خدا نے ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اور ان کو شفاعت و سفارش کرنے کا اذن بھی دیا ہے اور یہی مقصد ائمہ اطہارؑ کے ذکر کے وقت ان سے یہ اشیاء طلب کرنے کا ہے، تو یہ کفر نہیں۔ گرچہ ظاہری الفاظ کفر پر ہی دلالت کرتے ہیں۔ مگر چونکہ قائل نے ان کے ظاہری معنی کا قصد نہیں کیا اور نہ ہی وہ اس کا معتقد ہے۔ تو گویا یہ الفاظ اپنے معانی لغویہ سے عرفاً معانی صحیحہ کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ بہرحال اگرچہ ان الفاظ کے ظاہری معنی کا قصد نہ بھی کیا جائے تاہم ایسے مشتبہ الفاظ کا ترک کرنا واجب ہے۔

(۲) فاضل اجل علامہ سید ابو الفضل برقعی اپنی کتاب عقل و دین میں ص۲۴۹ پر توحید عبادتی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

در باب توحید که فقط خدا حاضر و ناظر است در همه جا و باید او را خواند۔ و پرستش کرد۔ استغاثه قدرة الی الله عوام در دو هم جمع می شوند در زمان ما بنام عزاداری امام حسینؑ یا امام دیگرے را مخاطب قرار میدهند و از او حوائج می طلبند و گریه میگویند اے آقا! خدا ابت شوم، خودت فلان کار مرا یا مشکل مرا رفع کن و حاجات مرا بر آور۔ دیگر نمی دانند حاضر در کل مکان مخصوص ذات پروردگار است و هر امامؑ یا رسولؐ یا فرشته ای دارای مکان محدود است ۱ھ

یعنی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہئیے کہ صرف خداوند عالم ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اس لئے اسے ہی⁽¹⁾ پکارنا اور اسی کی ہی پرستش وعبادت کرنی چاہئیے۔ مگر افسوس کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ

(۱) حاجت برآری کے لیے)

عزاداری کے نام سے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جناب امام حسینؑ کو مخاطب کرکے ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں اور بار بار یہ کہتے ہیں۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ خود میرا فلاں کام انجام دیں۔ میری فلاں مشکل حل کریں اور میری حاجات بر لائیں۔ مگر یہ لوگ دستا نہیں سمجھتے کہ ہر وقت، ہر جگہ حاضر ہونا پروردگار عالم کی ذات سے مختص ہے۔ جو لامکان ہے۔ باقی امامؑ ہوں یا رسولؐ۔ فرشتے یہ سب کے سب صاحب مکان ہیں اور محدود ہیں" الخ

(۷) حضرت شیخ جعفر نجفیؒ کے رسالہ ردّ بر وہابیہ نے صاحب حدیقہ سلطانیہ نے (ج۳ ص۱۸۱) پر بعض اقتباسات کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

"پس اگر دعوت غیر خدا و استعانت بمخلوق از یں راہ باشد کہ او را فاعل مختار یجان دانستے کہ منافع و مضار بقبضۂ اختیار او باشد۔ بقصد بیں ایں قول کفار است۔ و اگر مراد ش آں باشد کہ دعائے او و استغاثہ با او از برائے شفاعت است اگرچہ تعرفے و مساحمۂ او در عبارت واقع شدہ لیس ایں از اعظم طاعات است و از محافظت علی الآداب من کل الجہات"

یعنی اگر غیر خدا سے بایں طور فاعل مختار سمجھ کر مدد طلب کی جائے کہ نفع و نقصان اس کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ تو یہ کافروں کا نظریہ ہے۔ اور اگر مدد مانگنے والے کی مراد ان حضرات سے شفاعت و سفارش طلب کرنا ہے۔ تو بہت بڑی اطاعت اور آداب اسلامی کی محافظت ہے۔ اگرچہ ادائے مقصد میں عبارت کے اندر قدرے کوتاہی ہو گئی ہے" (یعنی وہ الفاظ نہیں لائے گئے جو بالصراحت طلب شفاعت پر دلالت کریں) فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون۔

ہمارے عوام اہل ایمان پر لازم ہے کہ ان علماء اعلام کی فرمائشات کو اپنے لئے آویزۂ گوش بنائیں۔ اور اس قسم کے الفاظ مدد اور دو یا مجھ سے لازماً پرہیز کریں۔ جن سے شرک خفی یا جلی مترشح ہوتا ہے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں جب تیسرے باب میں یہ مطلب ناقابل تردید عقلی و سمعی دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ امور تکوینیہ خلاق عالم نے اپنی کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں فرمائے۔ بلکہ خود اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ تو بعد ازیں عقل سلیم کو یہ فیصلہ کرنے میں ذرہ بھر دقت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ فاقد شیٔ معطی شیٔ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رجوع اسی خدائے لم یزل و لایزال کی طرف ہی کرنا چاہیئے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں ان معاملات کی باگ ڈور ہے فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ اگرچہ سطور بالا میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جو قلب سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے انسان کے لئے حقیقت حال سمجھنے اور حق و باطل کے درمیان

تمیز کرنے کے لئے کافی ہے مگر جب تک یہاں دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک یہ باب تشنۂ تکمیل رہے گا۔ اس لئے حسب سابق اس موضوع کے متعلق دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات مع قطعی جوابات ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے اور اسے ایک نستعین کا صحیح محل تصور کیا جاتا ہے کہ ذات باری نے معصومین کے قول، ان کے فعل کو اپنا قول اور فعل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کا مفاد ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان سے استمداد خود خدا سے مدد طلب کرنے کے مترادف ہے۔ یہ شبہ محض فن خطابت کی پیداوار ہے جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ قاعدہ علی العموم تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ائمۂ اطہارؑ کی عبادت کرنا بھی جائز ہو۔ کیونکہ بنابریں ان کی عبادت خدا کی عبادت متصور ہوگی۔ کیا یہ استدلال کرنے والے حضرات اس بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟ جو جواب یہ حضرات ائمہ اطہارؑ کی عبادت کرنے کے عدم جواز کے متعلق دیں گے۔ وہی جواب ہماری طرف سے عدم جواز استمداد کے بارے میں سمجھا جائے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دعا بھی ایک قسم کی عبادت ہے بلکہ افضل العبادت ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ علاوہ بریں یہ آیت مقام اعجاز کے متعلق ہے۔ کہ کفار پر کنکریاں مارنا جناب رسول خداؐ کا فعل تھا۔ لیکن ان کو ہر ہر کافر تک پہنچانا اور اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں کا چندھیا جانا، یہ خدا کا فعل تھا۔ اس آیت کا سیاق و سباق بالکل اسی آیت جیسا ہے جو اس آیت سے پہلے موجود ہے۔ جس میں خدا اصحاب رسولؐ کو خطاب کر کے فرماتا ہے۔ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتل۔ تم نے کفار کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے کیا ہے۔ کیونکہ گو شمشیر بکف ہو کے لڑنا مسلمانوں کا فعل تھا۔ مگر کفار کے دلوں میں رعب ڈال کر کمزور کرنا اور مسلمانوں کی نظروں میں ان کو قلیل دکھا کر ان کے دلوں کو بڑھانا اور نصرت کے لئے فرشتوں کا اتارنا خدا کا فعل تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے موضوع بحث سے بالکل غیر متعلق ہے۔ تفصیل کے لئے تفسیر صافی ص۱۹۲ و تفسیر برہان ۵، ص۸ ملاحظہ ہو۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں مظاہر اسماء اللہ الحسنیٰ کی بحث کر کے، اس کے ذریعہ اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش ناتمام کی گئی ہے۔ اس بحث کا جواب باصواب ہم تیسرے باب میں ذیل شبہ چہارم بالتفصیل پیش کر کے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس بحث کو ہمارے موضوع کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور نیز ہم ائمہ اہل بیتؑ پر اسماء اللہ الحسنیٰ کے اطلاق کا وہ مطلب جو یہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ تاریخی شواہد سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ نظریہ فلاسفہ و صوفیہ کا کاشتہ و پرداختہ ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے فلا نطیل الکلام بالتکرار۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں ایک طویل بحث بعنوان "وسیلۃ التوحید" موجود ہے۔ اس ان کا جابر ہے کا وسیلہ ہونا ثابت کرکے (جو کہ برحق ہے) مگر یہ جیب کلمہ حق یراد بہا الباطل یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ائمہ اطہار کے وسیلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور خلق کو دیتے ہیں لہٰذا ان سے استمداد و طلب مدد جائز ہے۔ یہ شبہ ان ذوات مقدسہ کے وسیلہ ہونے کے صحیح مفہوم کیا ہے اسے ہم تیسرے باب میں بذیل جواب شبہ پنجم بالوضاحت بیان کر چکے ہیں۔ ناظرین کرام اس مقام کی طرف مراجعہ فرما کر حقیقت الامر معلوم کر سکتے ہیں۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں "ولایت مطلقہ" کی بحث چھیڑ کر اس سے بھی جواز استعانت کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ ہم ولایت مطلقہ کا صحیح مفہوم اور ولی حقیقی کا منصب و مقام اسی کتاب کے تیسرے باب میں بذیل شبہ دوم بیان کر چکے ہیں جسے بغور دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح و عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ اس بحث کو جس طرح تفویض کے باطل عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح استمداد از انبیاءؑ و ائمہؑ کے موضوع سے بھی اس کا کوئی ربط نہیں ہے فراجع۔

پانچواں شبہ اور اس کا جواب

نادعلیا مظہر العجائب۔ تجدہ عونا لک فی النوائب۔ کل ہم وغم سینجلی۔ بولایتک یا علی یا علی یا علی نادعلی علاوہ دیگر کتب کے تحفۃ العوام مستند و مروجہ میں بھی مندرج ہے اور سرور کائنات کی زبان وحی ترجمان سے اس وقت ادا ہوئی جب آپ نرغہ اعداء میں دین اسلام کو دم توڑتے دیکھ رہے تھے الخ..."

قطع نظر "نادعلیا" کی تاریخی و تحقیقی حیثیت کے جو علماء محققین کو معلوم ہے کہ یہ کے حوالہ کے لئے خود استدلال کنندگان کو بھی سب سے زیادہ مستند کتاب تحفۃ العوام ہی ملی ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہماری نزاع تمام تر امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں ہے۔ کہ آیا ان میں خدا کے سوا کسی دوسرے سے اور ... سے مدد مانگنا جائز ہے یا نہ۔ لیکن نادعلیا کا شان ورود جنگ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے بحکم خدا شدائد جنگ میں جناب امیر علیہ السلام کو پکارا۔ اور یہ بات محل نزاع سے خارج ہے۔ کیونکہ ہم اس باب کی ابتداء میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ امور تکوینیہ کے علاوہ دوسرے معاملات میں ایک دوسرے کی نصرت و مدد کرنا بہترین عبادت ہے ظاہر ہے کہ جنگ و جہاد بھی ایسے دوسرے معاملات میں سے ہیں۔ لہٰذا امور جہاد میں ایک دوسرے سے مدد طلب کرنا اور مدد کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہوتی ہے۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے۔ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمؤمنین (پ ... ع ...) خداوہ ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ساتھ تیری تائید کی۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں من انصاری الی اللہ (پ ... آل عمران ...)

---

(۱) جو اہل کتب میں اس مقام پر بہت اہم پیرا رہتے ہیں مگر ان صاحب بھی کوئی حدیث دعویٰ پیش کر سکے ہیں۔ (باقی صفحہ ... پر)

کوئی ایسا ہے جو خدا کی طرف ہو کر میرا مددگار بنے۔ جب تک کسی قطعی دلیل سے امور تکوینیہ (مثل خلق و رزق، و امات و احیاء وغیرہ) میں ان ذوات مقدسہ سے استمداد کا جواز ثابت نہ کیا جائے۔ اس وقت تک ان مجہول جعلیوں سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ صاحب رسالہ ہدیۂ رضویہ نے لکھا ہے

"مراد، اعانت فی الشدائد است نہ اعانت فیما یختص باللہ کالخلق والرزق والشفاء وغیرہا بیں چہ
نگوئی یا اللہ یا علی ارحنی ولداً او رزقاً و اشفنی الخ (رسالہ ہدیۂ رضویہ ص ۴۱)

یعنی نادعلیاً سے مراد شدائد جنگ میں اعانت کرنا ہے۔ نہ کہ ان امور میں جو خدا کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسے خلق کرنا و رزق دینا اور شفاء عطا کرنا۔ لہٰذا ان امور میں ان بزرگوں سے براہ راست مدد مانگنے کی بجائے تم اس طرح کیوں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۳) اور نہ ہی کسی امام معصوم کا کوئی ارشاد پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور نہ قیامت تک ایسا کر سکتے ہیں۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً ہم نے بفضلہ تعالیٰ جو کچھ لکھا ہے وہ پوری تحقیق و تدقیق اور شرعی ذمہ داری کے ساتھ لکھا ہے۔ ؎

کار ہر مرد نیست خرمن کوفتن   گاو نر می خواہد و مرد کہن

بحار الانوار ج ۹ ص ۲۵۷ طبع قدیم پر نادعلی کے متعلق صرف اس قدر لکھا ہے۔ اور وہ بھی غزوہ احد کے ضمن میں نہ کہ خیبر میں (جیسا کہ عوام الناس بلکہ اکثر خواص بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں) عن شارح الدیوان ——————

قال یقال ان النبیؐ نودی فی ھذا الیوم ناد علیاً مظھر العجائب الخ یعنی شارح دیوان سے منقول ہے انہوں نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اس (احد والے) روز آنحضرتؐ کو ندا دی گئی۔ نادعلیاً مظہر العجائب الخ۔ اب نامعلوم شارح دیوان کون صاحب ہیں۔ (کیونکہ وہ متعدد ہیں) ان کا مذہب کیا ہے۔ (کیونکہ شیعہ و سنی شارحین نے دیوان منسوب بامیر علیہ السلام کی شرحیں لکھی ہیں) ان کا علمی و تحقیقی مقام کیا ہے؟ نیز ان کی اس روایت کا مدرک و ماخذ کیا ہے؟ اور پھر اس کا سلسلۂ سند کیا ہے؟ یہ سب امور ہنوز پردۂ خفا میں ہیں۔ ظلمات بعضھا فوق بعض۔ یہاں عام طور پر صاحب مدارج النبوۃ کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ انہوں نے نادعلی کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی کتاب کے یہ جملے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ "ظاہراً نقشہ نادعلی مظہر العجائب ہمدریں جا صدور یافتہ تا آخر شقاقت (جلد ۲) لیکن اس کے متصل بعد انہوں نے اس کی جو تردید کی ہے وہ اسے عمداً یا سہواً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں، الخ۔ اگر ان حضرات میں کوئی علمی دم خم ہے تو نادعلیؑ اور اس کے خواص و آثار کے متعلق از حضرت علی تا جناب مہدیؑ دوازدہ ائمہ اطہار میں سے کسی امامؑ کا کوئی فرمان پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ لوگ قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے * ورنہ بصورت دیگر اس سلسلہ میں سکوت ہی میں ان کی سلامتی ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

روایتی سقم کے علاوہ اگر چند لمحات کے لئے درایتہً بھی غور و تدبر کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہاں جناب امیر علیہ السلام

---

* اما در کتب حدیث ہیچ ذکر آں نکردہ اند۔ واللہ اعلم

نہیں کہتے۔ یا اللہ بحق علی مجھے اولاد اور رزق دے اور مجھے شفاعت فرما" و سوائے الحق لحقیق بالاتباع۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب

علامہ شیخ عباس قمی نے ایک دعا کو بحوالہ بلد الامین اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے یہ دعا حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو تعلیم فرمائی تھی، جو کہ قید میں تھا۔ اور اس کے پڑھنے سے رہا ہوا۔ آخر میں اس کا یہ ہے یا محمد یا علی یا علی یا محمد اکفیانی فانکما کافیان (مفاتیح الجنان مطبوعہ ایران ص۱۱۹) اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقت استغاثہ کس طرف رجوع کرنا چاہئے اور کس طرح استغاثہ کرنا چاہئے۔ تمام اکابر علماء کا عمل اس کتاب کی صحت و سند کے لئے کافی و وافی ہے۔"

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۴) کہ اردیا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ تردید تو اُسے دی جاتی ہے جو پہلے موجود نہ ہو۔ مگر تاریخ عالم شاہد ہے کہ جنگ احد میں و عام دوسری جنگوں کی طرح جناب امیر المومنین از ابتدا تا انتہا موجود تھے حتیٰ کہ شمع رسالت کے تمام نہاد پروانوں کے رسول کو نرغہ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد بھی تن تنہا جناب حیدر ہی تھے جو بنیان مرصوص کی طرح ڈٹ کر حریم اسلام اور رسول اسلام کی جان کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اور کفار کے ٹیڈی دل لشکر کا اس بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے اور کفار کو مولیوں گاجروں کی طرح کاٹ رہے تھے۔ بالآخر آپ کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر کفار نے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی سلامتی نظر آئی۔ اور مولائے کائنات کے ان محیر العقول شجاعتی کارناموں کو دیکھ کر فرشتوں نے یہ ترانے پڑھے۔ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار (حیات القلوب ج ۲ ص۳۳۲ وغیرہ) اور جناب جبرئیل نے خدمت رسول میں حاضر ہو کر ان الفاظ تہنیت پیش کی۔ یا رسول اللہ ھذہ المواسات۔ یا رسول اللہ ہمدردی اس کا نام ہے۔ آنحضرت نے فرمایا انہ منی وانا منہ کیوں ایسا نہ ہو جبکہ علی مجھ سے ہیں۔ اور میں ان سے ہوں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۲۶۹ معارج رکن ۴ ص۳ وغیرہ) اور اگر بالفرض اس نادِ علی کا شان نزول جنگ خیبر ہی تسلیم کر لیا جائے تو جب بھی یہی خرابی لازم آتی ہے کیونکہ باتفاق تمام مورخین اس جنگ میں بھی جناب امیر علیہ السلام آنحضرت کے ہمراہ تھے۔ مدینہ میں نہ تھے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ کیونکہ ارباب تاریخ کا اتفاق ہے کہ سوائے غزوہ تبوک کے آنحضرت نے کبھی حضرت امیر کو مدینہ میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ہر غزوہ میں آنحضرت کے ہم رکاب ہوتے تھے۔ ع

یہی تھے وہ جناب سو یوں پاک ہو گئے

بایں ہمہ ہم رجائے مطلوبیت بطور توسل اس کے پڑھنے کے مخالف نہیں۔ بلکہ جائز سمجھتے ہیں۔ واللہ العالم

(منہ عفی عنہ)

اور مکوّ نیشیریں ائمہ اطہار سے جواز استمداد پر اس دعا کے ساتھ تمسک کرنا بچند وجہ درست نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ یہ دعا بلد الامین از خاص کفعمی اور کتاب کنوز النجاح علامہ طبرسی (صاحب تفسیر مجمع البیان) سے منقول ہے۔ اور اس میں یہ مذکور ہے۔ کہ حضرت صاحب العصرؑ نے عالم خواب میں ایک ایسے شخص کو بمقام مقابر قریش در بغداد تعلیم دی جو قید بلا میں گرفتار تھا جس کا نام ابوالحسن محمد بن احمد بن ابی اللیث تھا جیسا کہ اس کے حوالہ سے کتاب «نجم ثاقب» از محدث نوری ص۲۹۲ طبع ایران میں مذکور ہے «کہ ایں دعا را حضرت صاحب الزمان صلوات اللہ علیہ تعلیم فرمود در خواب با ابوالحسن محمد بن احمد الخ» یعنی امام صاحب العصرؑ نے یہ دعا خواب میں ابوالحسن محمد بن محمد کو تعلیم دی تھی۔ اور یہ بات کس قدر بعید از حقیقت ہے کہ کسی کتاب میں [illegible] نہیں کہ یہ دعا امامؑ نے قیدی کو [illegible] میں تعلیم فرمائی۔ (حقائق العقائد ص۲۲) اور یہ بات ارباب علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ خواب شریعت مقدسہ اسلامیہ میں حجت نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "ان دین اللہ اعز ان یری فی النوم" "اللہ کا دین اس سے بلند و بالا ہے کہ خواب میں نظر آئے" (مصابیح الانوار ج۲ ص۲۹۵) یہی وجہ ہے کہ فقہاء عظام خواب سے احکام فرعیہ کو ثابت کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے چہ جائیکہ اصول دینیہ میں اس کے ساتھ تمسک کیا جائے۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں "لا یثبت حجیة الرؤیا بالشرع [illegible] ثابت نہیں ہے" (تنقیح المقال ج۱ ص۳۲۱) رہا بعض حضرات نے رسالہ [illegible] سے امام حسن عسکریؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے "کلامنا فی النوم مثل کلامنا فی الیقظة" اور پھر اس سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جو خواب [illegible] والے حکم کی اندر ہوتی ہے اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ [illegible] موجود ہے اور ایسے نشانی والے مقصود بلکہ [illegible] کہیں موجود [illegible] کا وہ مطلب نہیں جو لیا گیا ہے بلکہ اس کا صاف و صریح مفہوم یہ ہے [illegible] کچھ فرمائیں تو اس کے اس کلام اور بیداری والے کلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ [illegible] نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا خواب بھی بمنزلہ وحی ربانی ہوتا ہے جیسا کہ جناب خلیلؑ و اسماعیلؑ کے قرآنی قصہ سے واضح و آشکار ہے۔

ثانیاً یہ کہنا کہ تمام اکابر علماء کا مسلّم اس کتاب کی صحت و سند کے بارے کافی دوا ہے درست نہیں ہے۔ اس عمومی حیثیت سے اس کتاب کے مستند ہونے میں ہمیں کوئی کلام نہیں۔ مگر فرقہ شیعہ اصولیہ کے نزدیک یہ خصوصیت صرف قرآن مجید کو ہی حاصل ہے کہ اول سے آخر تک اس کا ہر ہر جز قطعی الصدور ہے۔ اس کے علاوہ وہ حیثیت کسی بھی کتاب کو حتیٰ کہ اپنی کتب اربعہ کو بھی نہیں دیتے۔ تا ہم معارج الجماد [illegible] جیسی قابل ایراد مواد موجود ہے۔ عند المطالبہ جس کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

ثالثاً۔ یہ بنا ہی حقیقت کے سراسر خلاف ہے کہ دراصل اکابر علماء کا اس پر عمل ہے کیونکہ عراق و ایران کے انہی اکابر علماء میں سے بعض حضرات اس دعا کے پڑھنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ شیخ محمد خالصی ۔۔۔ کاظمینی نے اپنی کتاب ۔۔۔ احیاء الشریعۃ ۔۔۔ میں اس کے پڑھنے کو حرام قرار دیا ہے فراجع۔ ممکن ہے سرکار خالصی مرحوم کے اس فتوے میں شدت ہو۔ مگر اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر تمام اکابر علماء کا اتفاق نہیں ہے۔ اور اصول متاخرین کے الحق ہیں ۔۔۔ مندرجہ بالا کنندہ کے دعوائے اتفاق تمام اکابر علماء کے ابطال کے لئے کافی ہے کیونکہ اہل معقول جانتے ہیں کہ موجبہ کلیہ کا عکس سالبہ جزئیہ بھی ہوتا ہے۔ فتدبر۔

۱؎ جناب موصوف حضرت آیۃ اللہ الشیخ مہدی الخالصی الکاظمینی کے خلف اکبر ہیں۔ ۔۔۔ اور یہ شیخ مہدی وہی بزرگوار ہیں جن کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ انگریزوں نے ان سے انتداب عراق کا ناجائز فتویٰ حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے درہم و دینار کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ مگر سرکار موصوف نے انہیں پائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا۔ مگر ۔۔۔ صاد کرنا تو درکنار نہیں فرمایا تھا۔ جناب شیخ موصوف علم و عمل میں اپنے عظیم والد کے خلف رشید ہیں۔ بہت بڑے بلند پایہ عالم، وسیع النظر فاضل اور جامع الفنون مجتہد ہیں۔ ان کی سب سے نمایاں خصوصیت حریت فکر ۔۔۔ مقبول ہے۔ یعنی وہ جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کے اظہار سے انہیں دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ وہ ۔۔۔ خلاف ہیں منافقت و مداہنت اور غلط روایات کو بدترین گناہ تصور کرتے ہیں۔ اور تو اور ۔۔۔ وہ اس سلسلہ میں بڑی بڑی طاقتوں سے بھی ٹکر لینے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے۔ یہی وہ مجاہد ہیں جس نے سابق شاہ ایران کو ان کی غیر اسلامی پالیسیوں پر ٹوکا۔ اور عبدالکریم قاسم سابق صدر عراق جیسے آمر کو غیر اسلامی آئین نافذ کرنے پر للکارا۔ اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ع

اینہا ہمہ دانا است کہ معلوم عوام است

انہی وجوہ سے ان کی زندگی کا کافی حصہ قید و بند کی صعوبتیں یا نظر بندی کی صعوبتیں جھیلنے میں گزر رہا ہے۔ مگر ان کی بلند ہمتی و جذبۂ خدمت دین کا یہ عالم ہے کہ وہ اس حصۂ زندگی کو اپنی زندگی کا بہترین دور قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اسی دور میں قرآن مجید حفظ کرنے اور دوسری بعض علمی کتابیں یکسوئی کے ساتھ لکھنے کا موقع ملا ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ہمیں ان جناب سے شرف تلمذ حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا بلکہ جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے ان سے زیارت کاظمین کے موقع پر صرف تین مرتبہ مختصر سی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے اور دو بھی بعض اختلافی مسائل میں ان سے بحث و تمحیص کرنے کی نذر ہو گئیں۔ جیسا کہ نجف اشرف کے بعض افاضل طلبہ اس امر کے عینی شاہد موجود ہیں۔ ہمارے ۱۹۶۰ء میں پاکستان مراجعت کرنے کے بعد سرکار موصوف عالم فنا سے راہی عالم بقا ہو گئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وحشرہ مع ائمۃ الطاہرین۔ مرحوم کی تمام زندگی مذہب و ملت کی بے لوث خدمت کرنے میں گزری ہے۔ (باقی دیکھو ص ۲۹۸ پر)

رابعاً: ہم اسی باب میں بعض طریقۂ توسل بالوضاحت بیان کر چکے ہیں کہ امور تکوینیہ کے متعلق معصومینؑ کی درگاہ میں ملتجی ہونا بایں معنیٰ کہ وہ بارگاہ خداوندی سے ہمارے یہ کام انجام دلوا دیں یعنی بطور توسل و استشفاع ان سے استمداد و استعانت صحیح ہے۔ لہٰذا اس دعا یا اس کے ساتھ ملتے جلتے ادعیہ و استغاثات میں ہمارا موقف یہی ہے۔ کہ ان سے بطور وسیلہ و شفیع مدد حاصل کرنا مراد ہے یعنی یہ کہ یہ بزرگوار ہمارے یہ کام بارگاہ رب العزت سے انجام دلوا دیں۔ ظاہر ہے کہ کسی کام کا انجام دلوانا بھی ایک قسم کی مدد ہی ہے۔ چنانچہ صاحب رسالہ ہدیۂ رضویہ نے صفحہ ۱۲۱ پر لکھا ہے

"منقول شدہ یا محمدؐ یا علیؑ انصرانی فانکما ناصرای و یا مولاتی یا فاطمۃ اغیثینی" منافاتی باین ندارد زیرا کہ نصرت و اعانت منحصر در این نیست کہ خود ایشان مباشرت امر مطلوب نمایند تا معنی توسل و استشفاع بایشان صحیح نباشد۔ و در فقرتین مزبورتین متبادر از انصرانی و اغیثینی ہمین است کہ نصرت و اعانت باستشفاع بجناب اللہ نمائید و دعا بفرمائید کہ خدا قضاء حاجت ما بفرمائید نہ اینکہ خود شما خالق اولاد و رازق وغیرہ بشوید"

یعنی دعا میں یا محمدؐ یا علیؑ انصرانی یا مولاتی یا فاطمۃ اغیثینی کا وارد ہونا ہمارے مدعا کے ساتھ منافات نہیں رکھتا۔ کیونکہ نصرت و فریاد رسی اس بات پر منحصر تو نہیں۔ کہ جس امر کی ان سے استدعا کی جا رہی ہے۔ وہ اسے بنفس نفیس خود انجام دیں۔ تاکہ ان سے توسل و استشفاع بے معنیٰ ہو جائے۔ مذکورہ بالا ہر دو فقروں میں وارد شدہ الفاظ "انصرانی و اغیثینی" سے یہی معنیٰ متبادر ہوتے ہیں۔ کہ آپ بارگاہ قدرت میں ہماری سفارش و شفاعت کر کے ہماری نصرت و فریاد رسی کریں۔ اور دعا فرمائیں۔ کہ خداوند عالم ہماری حاجت بر لائے۔ ان فقروں کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آپ خود اولاد کے خالق اور روزی کے رازق بن کر یہ کام انجام دیں"

خامساً: ہمارے اس موقف کی (کہ ان سے مراد طلب شفاعت ہے) خود یہی استغاثات وغیرہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) ان کے قلم سے نکلے ہوئے کئی شاہکار موجود ہیں۔ جن میں سے چند نمایاں یہ ہیں۔ احیاء الشریعہ فی مذہب الشیعہ (کئی جلدیں) (۲) ترجمہ صدا و طبیعت مع حواشی (۳) ہدی اعطو اللہ (۴) حجاب در اسلام (۵) الاسلام سبیل السعادۃ والسلام (۶) الشیعیہ (۷) رسالۃ العلم (۸) الجمعۃ والاسلام وغیرہ رسائل کثیرہ۔ یہ درست ہے کہ ان کے بعض فتاویٰ سے دوسرے بعض علماء کو اختلاف تھا۔ وہ کہیں بھی ہے۔ جیسا کہ بعض مجتہدین کو دوسرے مجتہدین سے ہوتا ہے۔ مگر جس طرح بعض حاشیہ بردار مخلوق الٰہیہ جیسا کہ نے وہاں اور بعض جیسی الشیخ کے اجارہ دار ضلال نے یہاں ان کے

(باقی دیکھیں صفحہ ۲۶۹ پر)

بعض عبارات سے بھی ہوتی ہے (کلام الامام یفسر بعضہ بعضاً) مثلاً اسی کتاب مفاتیح الجنان کے صفحہ ۱۱۲ (یعنی جس صفحہ پر مذکورہ بالا دعا مذکور ہے۔ اس سے صرف ایک صفحہ بعد) ایک استغاثہ حضرت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ مذکور ہے۔ جس میں وارد ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر زیر آسمان کھڑے ہو جائیں۔ اور یہ سلام پڑھیں۔ سلام اللہ الکامل التام الخ

(بقیہ حاشیہ ۲۷۸) خلاف طوفان بدتمیزی کا بپا کیا ہے اور سب و شتم و الزام و اتہام کا جو بازار گرم کیا ہے وہ اہل علم و دیانت تو کیا کسی عام شریف انسان کو بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی غیر مسلمان کے ساتھ بھی روا رکھے۔ چہ جائیکہ بڑے بڑے مدعیان علم و عرفان اپنے ہی ایک جلیل الشان مجتہد جامع الشرائط کے خلاف یہ روش و رفتار اختیار کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ خوف خدا، خوف حشر و نشر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکے ہیں۔ اور شرم و حیا کا آخری قطرہ بھی ان کے دیدہ سے ڈھلک چکا ہے۔

بہرحال سرکار مرحوم اس وقت خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ ان پر بلا ثبوت شرعی مختلف قسم کی تہمتیں لگانے والوں نے بھی خواہ مخواہ ایک دن بارگاہ خدا میں حاضر ہونا ہے۔ ان کا معاملہ احکم الحاکمین کے سپرد ہے ؎

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

اگر اس انداز تقریر و تحریر سے زبان و دہن بگڑ جائے تو کوئی نئی بات نہیں۔ مگر ان حضرات کو کبھی لمحات فرصت میں سوچنا چاہئے کہ ؎

کریں گے کیا؟ اگر کسی پر خدائے ذوالمنن بگڑا

ہم محض قربۃً الی اللہ اس مظلوم عالم دین کی حمایت میں یہ چند سطور لکھ رہے ہیں تاکہ عامۃ الناس کی غلط فہمیوں کو دور کرکے ان کو اپنے ایک عالم جلیل کے خلاف لب کشائی کے گناہ عظیم سے بچایا جائے۔ اس لئے ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ جناب مرحوم کے عقائد حقہ کا ایک شمہ انہی کی کتاب احیاء الشریعہ فی مذہب الشیعہ مطبوعہ مطبع المعارف بغداد ۱۳۷۰ھ جلد اول طبع اول سے پیش کرتے ہیں۔ امید کامل ہے کہ مرحوم کے عقائد پر بعض حلقوں کی طرف سے جو تہرے پردے ڈالے گئے ہیں۔ وہ چاک ہو جائیں گے، افتراء پردازی کرنے والے خائب و خاسر ہوں گے۔ اور اہل ایمان کی تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ انتہی

اصول دین و مذہب پانچ ہیں۔ (یجب علی کل مکلف تحصیل العلم باصول الدین ھی التوحید والنبوۃ والمعاد ویضاف الیہا العدل والامامۃ وھما من اصول المذہب۔ (احیاء الشریعہ ج ۱)

(۲) عقیدۂ توحید۔ خدا واحد عالم و احد لاشریک، ازلی و ابدی، حاصل مختار، قادر و عالم اور بے مثل و مثال صانع عالم ہے۔ وقدیم، ازلی، ابدی، سرمدی، غیر محدود۔ وبعد ولا شریک لہ فرد صمد لم یستعن بغیرہ۔ مختار فی افعالہ یحکم ما یشاء ویفعل ما یرید عن حکمۃ — لا یعبث ولا یظلم قادر (باقی دیکھو ص ۳۷۷)

آخر میں لکھا ہے کہ امام کی خدمت میں اس طرح عرض کریں۔ یا ابن رسول اللہ حاجتی کذا وکذا بجائے کذا وکذا حاجات خود را ذکر کند۔ فاشفع لی فی نجاحها سل اللہ تعالیٰ فی نجح طلبتی واجابة دعوتی وکشف کربتی۔ الخ۔ ملے فرزند رسول! میری یہ حاجات ہیں (درمیان وہ حاجات بیان کریں) ان کے بارے میں آپ میری سفارش کریں۔ اور بارگاہ ایزدی میں سوال کریں کہ وہ میری حاجات بر لائے۔ دُعا قبول فرمائے۔ اور رنج و غم دُور فرمائے۔"

(بقیہ حاشیہ ص۲۹) لا یتغیر ولا یتبدل لا حرکة له ولا انتقال — ولا زوال — لا یحویه مکان ولا یخلو منه مکان ولا یحده وقت ولا زمان الخ (ص۱۴)

(۳) عقیدۂ نبوت عامہ۔ خدا پر ارسال رسل لطفاً واجب ہے۔ انبیاءؑ کے لئے گناہ سے معصوم، سہو و نسیان سے محفوظ ہونا، با معجزہ ہونا ضروری ہے۔ اور بمقام اعجاز میں وہ مردے بھی زندہ کرسکتے ہیں۔ الغرض وہ تمام صفات حمیدہ میں سرآمد روزگار ہوں۔ (فقد استدل علی وجوب ارسال الرسل بادلة عقلية واضحة ص۲۹) — (ویجب من باب اللطف ان یکون الرسل ممتازین فی صفاتهم واخلاقهم واعمالهم وهذا ما یسمونه العصمة من المعاصی۔ ص۳۰) — (ویجب ان لا یکون ناسیاً ولا ساهیاً غافلاً — ویجب مع ذلک ان یکون النبی مؤیداً بالمعجزات الخارقات للعادات مما لا یطیق علی الاتیان بمثله بشر کاحیاء الموتی وابراء الاکمه والابرص بدون علاج او دواء الخ ... ص۳۰)

(۴) عقیدۂ نبوت خاصہ۔ آنحضرتؐ کی نبوت کے دلائل تمام سابقہ انبیاء سے زیادہ ہیں۔ ان کی شریعت بے نظیر، علوم بے مثال، معجزات متواتر، سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم اور آپؐ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔" — (اما نبوته صلعم فان دلائلها قد توفرت فیه اکثر من غیره من الانبیاء — انه ادعی النبوة واتی بالمعجزات وتحدی بها البشر فعجزوا عن الاتیان بمثلها وجاء بشرائع وقوانین لم یأت بها غیره من الانبیاء — وکشف المجهولات — واتی من العلوم بما لم یأت به احد قبله — وقد تواتر الخبر عن معجزاته صلعم من تسبیح الحصی بیدیه وکلام الظبی والقضیب معه وشفاء المریض بدعائه ولمس یده واحیاء الموتی والکلام معهم ورد الشمس والقمر والاخبار بالغیب بما یکن الناس فی ضمائرهم — واکبر معجزاته صلعم القرآن الکریم ص۳۲) (وهذا معنی الخاتمیة والدلیل علیها عقلی ونقلی — والنقلی القرآن الکریم اذ یقول فی سورة الاحزاب (وخاتم النبیین) — والسنة النبویة اوضح منه — بل تواتر قوله فی موارد کثیرة (لا نبی بعدی) ص۳۵)

(۵) عقیدۂ امامت۔ امامت ریاست عامہ ہے۔ امام کے لئے اعلم، اشجع، احرص علی العمل، اورع، اتقی، معصوم (باقی دیکھو ص ۲۷۱)

اسی طرح جو استغاثہ حضرت سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کی خدمت میں کیا جاتا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید مزید بھی اسی مفاتیح الجنان کی دعائے توسل مندرجہ "ث" سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے یا فاطمۃ الزھراء یا بنت محمد یا قرۃ عین الرسول یا سیدتنا و مولاتنا انا توجھنا و استشفعنا و توسلنا بک الی اللہ وقدمناک بین یدی حاجاتنا یا وجیھۃ عند اللہ اشفعی لنا عند اللہ الخ۔۔۔ یا فاطمۃ الزہرا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۰) سہو و نسیان سے بلکہ تمام خلق و خُلق عیوب سے محفوظ، اور منصوص من اللہ والرسولؐ غرضکہ تمام صفات جمیلہ میں افضل و اکمل ہونا شرط ہے۔ ان صفات جمیلہ کے حامل اور آنحضرتؐ کے بعد امام برحق بارہ ہیں۔ از حضرت علیؑ تا حضرت مہدیؑ۔ "الامامۃ ریاسۃ عامۃ وسلطنۃ بحفظ ما جاء بہ النبیؐ ــــ لابد ان تتوفر فی الامام شروط الامامۃ وھی امور ــــ الاول ان یکون اعلم الناس۔ الثانی ان یکون احرص الناس علی العمل بشرائع النبی واحکامہ۔ الثالث ان یکون نقیا طاھر المولد زکیا غیر مبتلی بعاھۃ او زمانۃ الخ الرابع ان یکون حافظا غیر ساہ ولا ناس ــــ وبھذا یتضح لک ان الامام لابد ان یکون منصوصا علیہ من النبی بامر اللہ تعالی ــــ ولیس للامۃ ان تعین الامام وتنصبہ ــــ (ص ۲۵۹) ــــ بعد ما ذکرنا نعرف جلیا من ھو الامام بعد نبینا فان الامۃ لم تختلف واتفقت کلمتھا علی ان علیا اعلم الناس بعد رسول اللہ واشجعھم واورعھم واتقاھم واصبرھم واحرصھم علی العمل باحکام الشریعۃ واقواھم شکیمۃ واخشنھم فی ذات اللہ واطوعھم للہ ولرسولہ واسبقھم الی الایمان ــ (ص ۲۶۰) اسی طرح پر مسلمانوں کے خلفاء سے آنجنابؑ کا مختصر موازنہ کرکے آنجنابؑ کی برتری ثابت فرمائی ہے۔ ورص ۲۶۵ پر اجماع اور خلفاء کے بعض مزعومہ فضائل پر زبردست تنقید فرمائی ہے ــ (ص ۲۶۶) سمی علیا نفسہ وفی حدیث سفر بمنزلتہ فی جمیع الامور الا النبوۃ) ــ ومع ھذا کیف یعترض لریب قلب احد فی خلافۃ علیؑ عن النبیؐ وعدم استحقاق من تقدم لھا (ص ۲۶۷) پھر ص ۲۹۰ سے لے کر ص ۳۱۲ تک ائمہ اثنا عشرؑ کے مختلف گرجامع حالات وکوائف زندگی درج فرمائے ہیں، اور بالخصوص امام زمانہؑ کے حالات اور ان کے متعلق مخالفین کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات کے مکمل جوابات پیش کئے ہیں)

(۲۶) ائمہ طاہرینؑ زندہ جاوید ہیں۔ ان سے توسل کے جواز پر احادیث متواترہ موجود ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں باذن اللہ شفاعت محمد و آل محمد علیہم السلام برحق ہے اور توسل وشفاعت کی غرض سے ان کو پکارنا جائز ہے۔ ان حقائق کا انکار قرآن وسنت صحیحہ کے انکار کے مترادف ہے (وقد یتراءی من کلام بعض المسلفیین ان الانبیاء (باقی دیکھو ص ۲۷۲)

اے رسول کی آنکھوں کی ٹھنڈک! اے ہماری سردار! ہم بارگاہِ قدرت میں آپ کو شفیع بناتے ہوئے آپ کو اپنی حاجات کے آگے بارگاہِ اقدس میں پیش کرتے ہیں۔ اے اللہ کی بارگاہ میں صاحبِ عزت وعظمت بارگاہِ ربّ العزت میں ہماری شفاعت فرمادیجئے۔ بعض رسائل میں ائمہ اطہار کی فریادرسی کے جو بعض شواہد پیش کئے گئے تھے ان پر غور و تدبر کرنے سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ ان اہل ایمان نے ان ذوات مقدسہ سے توسّل کیا۔ اور خدا نے ان کی برکت سے ان کی مصیبت دُور فرمادی۔ ان حقائق سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ ان ادعیہ و استغاثہ جات سے

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۱) والاولیاء اموات فلا یجوز التوسل بھم ودعائھم وھذا رد علی القرآن الکریم فانہ یقول فی سورۃ البقرۃ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ۔ ۔ ۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء ـــــ فیجوز دعائھم لانھم احیاء بنص القرآن (ص۸۴)

(القرآن الکریم اثبت الشفاعۃ لمن اذن لہ الرحمن ورضی لہ قولا ـــ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ ـــ والآیات فی الاذن بالشفاعۃ للملائکۃ والانبیاء فی القرآن الکریم کثیرۃ (ص۸۵)

ـــ ولاخبار واحادیثھم درباہ متواترۃ فی جواز التوسل بالنبی واھلبیتہ الی اللہ تعالی فی طلب الحوائج منہ تعالی ـ وجواز دعائھم یشفعون وھم احیاء عند ربھم یرزقون شافعون مشفعون ـ (ص۸۹)

(۸) انبیاءؑ و ائمہؑ کے مزارات پر قبہ و قبور کی تعمیر جائز ہے اس موضوع کو ص۸۵ سے کر ص۸۹ تک قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ ص۸۶ پر حدیث ابو الھیاج جو ہدم قبور کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے کا جواب دیتے ہوئے اسے مخالف قرآن قرار دیا ہے۔ (فان ذلک الحدیث مؤول او یجب طرحہ لانہ لا یقاوم القرآن العزیز وعمل الصحابۃ الدال علی المشروعیۃ بسیرۃ المسلمین والاحادیث المتواترۃ الخ)

(۹) انبیاءؑ و ائمہؑ کی قبور مقدسہ کی زیارت نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے (وقد وردت الاحادیث عن اھل بیت العصمۃ متواترۃ باستحباب زیارۃ النبیؐ واھل بیتہ المعصومین وتعظیم قبورھم (ص۸۸)ـــ (وفی استحباب زیارتھم ولا سیما زیارۃ الحسین ابن علیؑ سید شباب اھل الجنۃ وحجۃ اللہ الخ (ص۸۹)

(۱۰) انبیاءؑ و ائمہؑ کی قبور مقدسہ کی تعظیم مستحب اور ان میں بجعل اللہ آثار خیر و برکت کا اعتقاد صحیح ہے (ونعتقد ان الآثار والبرکۃ فی قبر نبیہ وقبور اھل بیتہ انما ھی بتقدیر وجعل من اللہ تعالی (ص۸۹) فقد وردت الاحادیث عن اھل بیت العصمۃ متواترۃ باستحباب زیارۃ النبی واھل بیتہ المعصومین وتعظیم قبورھم (ص۸۸)

(۱۱) امامت و ولایت اہل بیتؑ کے بغیر توحید خدا مکمل نہیں ہو سکتی۔ (ان ھؤلاء الائمۃ الاثنا عشر حجج اللہ علی خلقہ بعد رسولہ وھم اوصیاء نبیہ ولا یتم التوحید، لنا الا بالقول بامامتھم والاعتراف

(آگے دیکھو ص۲۶۵)

ہمارے مؤلف کی بھی حرف بحرف تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ تردید لیکن اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دفع شدائد، رفع مصائب اور طلب حوائج میں رجوع بہرحال خداوند عالم کی طرف کرنا چاہئے۔ جو خالق و مالک ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں تمام امور کی باگ ڈور ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا توسل ضرور حاصل کرنا چاہئے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان امور کو بذیلہ خدا ہی کرتا ہے اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بھی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ان ہر دو قسم کی مدد میں فرق ضرور ہے خدا کی مدد یہ ہے کہ وہ یہ کام کرتا ہے اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی مدد یہ ہے کہ وہ یہ کام بارگاہ خدا سے کرا دیتے ہیں۔

خود اس دعائے فرج کے ابتدائی اور آخری جملے اس کے مقام وسیلہ میں وارد ہونے پر دلالت کرتے ہیں، ابتدا تو خدا سے یوں خطاب ہے الٰہی عظم البلاء و برح الخفاء فقطع الرجاء الخ درمیان میں ہے "فرج عنا بحقهم" اور آخر میں اختتام یوں ہوتا ہے بحق محمد و آله الطاهرين (مفاتیح ملٹا) بنابریں اس دعائے فرج اور اسی جیسی ادعیہ جات کا پڑھنا علمدیت پڑھنا بلا اقراری جائز ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ ملے (؟) بوجود امام فی کل عصر یکون هو الملجا للعباد ولتقوم الحجۃ للہ علی الناس (ملٹ) ——— ومن ثبت وجوب وجود الامام علی هذه الصفۃ مادام علی الارض بشر ولهذا ثبت امامۃ المهدی ووجوده اذ لو لم یکن موجود الخلت الارض من حجۃ وملجا ومغیث للعباد وحافظ للدین الله ومنظم لامر الامۃ وهذا امنا فی للطف الله جل اسمه (ملٹ) منه وملا خطا فی امیر ومحی حیاس کے بعض تبارگ و مشائخ اعمال کا ذکر کرنے کے بعد ملٹ پر ائمہ اہل بیت کو اولوالامر ثابت کرتے ہوئے بایں الفاظ ان کا ذکر کیا ہے۔ رهم ائمۃ الهدی ومصابیح الدجی واعلام التقی الدعاۃ الی الله الادلاء علی مرضاۃ الله المستوفرون فی امر الله والتامون فی محبۃ الله ——— فهم ولاۃ الامر السادۃ القادۃ الذین امرنا بطاعتهم فی هذه الآیۃ وقرنت طاعتهم بطاعۃ الله (ملٹ)

(۱) فرقہ وہابیہ کے عقائد سخیفہ کا رد۔ جناب علامہ خالصی مرحوم نے احیاء الشریعہ کے ملٹ سے کر ملٹ تک پورے (؟) صفحات میں وہابیوں کے مخصوص عقائد و نظریات باطلہ کا قرآن کریم و احادیث معصومین اور عقل سلیم کی روشنی میں بطریق احسن ابطال فرمایا ہے۔ آخر میں طول کلام کی وجہ یہ لکھی ہے وانما اسهبنا الکلام فی هذه المسئلۃ ——— لما رأینا من اشتباه کثیر من اخواننا الذین انتموا الی السلف فاردنا التفاهم معهم حرصا علی اتفاق کلمۃ المسلمین ووحدتهم و امتثالا لامر الله تعالی اذ قال فی سورۃ الانعام وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله ذلکم وصاکم به لعلکم تتقون (ملٹ)۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جو بزرگوار فرقہ وہابیہ کی غلطیوں کی اصلاح کر کے ان کو مذہب اہل سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اس قدر طول کلام و اہتمام سے کام (دیکھو ملٹ)۔

ایک مضحکہ خیز استدلال کا ابطال

ہم کئی بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ مولا نے کائنات کے نام کا نعرہ "یا علی" لگانا اور بطور وسیلہ یا علی مدد کہنا جائز ہے بشرطیکہ اسے اسلامی سلام کی جگہ نہ دی جائے بلکہ اسلامی مقررہ سلام کے بعد کہا جائے جائز ہے اسی طرح بطور توسل "یا علی اور کبھی" کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اس امر کی بھی کئی مرتبہ وضاحت کر چکے ہیں کہ خداوند عالم نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو اس قدر علمی و عملی تفوق و کمالات عطا فرمائے ہیں۔ کہ ان کا عد و احصاء نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بزرگوار اس بات کے قطعاً محتاج نہیں کہ ان کی عظمت شان و رفعت مقام کو اجاگر کرنے کے لئے بے سرو پا واقعات و حکایات کا سہارا لیا جائے اور نادان دوستوں کے روپ میں بجائے فائدہ کے الٹا عظمت اہل بیت کو نقصان پہنچایا جائے اور دنیا کے دانشوروں کو ہنسایا جائے۔ مگر ہمارے مولوی صاحبان اس غلط روش و رفتار کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں اس کی اگرچہ بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر بنظر اختصار یہاں فقط اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے یہ حضرات "یا علی اور کبھی یا ابا الغیث" اور کبھی کہنے کے جواز پر جو ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛ جب جنگ تبوک میں آنحضرت کا لشکر خستہ ہو گیا۔ اور آپ سے جدا ہو گیا تو جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! خداوند عالم نے آپ کو فتح و ... سلام کے بعد نصرت و فتح کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے۔ کہ اگر لشکر آپ کو چھوڑ گیا ہے۔ تو آپ اگر چاہیں تو علی علیہ السلام کو پکار لیں۔ وہ فوراً پہنچیں گے۔ آنحضرت نے حضرت علی کو پکارنا پسند فرمایا جبرئیل نے عرض کی آپ اپنا رخ مدینہ کی طرف کیجئے۔ اور نادیا ابا الغیث اور کبھی یا علی اور کبھی، اور کبھی یا علی اے ابوالغیث میری مدد کو پہنچو یا علی میری مدد کو پہنچو یا علی۔ چنانچہ آنحضرت نے پکارا اور حضرت علی فوراً پہنچ گئے؛ (حقائق الوسائل ص ۲۲۵ جواہر الاسرار ص ۳۱ اسرار الشریعہ ص ۲۲۲) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بلا اختلاف مذہب

مذہب حقہ شیعہ کی تصانیف ... اہل بیت کے بعض نام نہاد مبلغ وہابی، وہابی کہہ کے بدنام ... کی مہم چلا رہے ہیں۔ اور ہم ان کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے یہ سب اہتمام کر رہے ہیں ... انقلابات ہیں زمانے کے۔

(۲) معاد جسمانی (قیامت حق ہے اور جنت و جہنم وغیرہ تمام امور جو رسول اسلام لائے تھے برحق ہیں) من اصول الدین الاعتقاد بالمعاد الجسمانی وهو عود الابدان والارواح بعد الموت کما کانت فی الدنیا لیحاسبوا علی اعمالهم فیها فیجزی المحسن بالاحسان والمسیئ بالعقاب و مصیر الاول الی الجنة والثانی الی النار والناس بعد عودهم مخلدون لا یذوقون الموت ولا یفنون۔

(۳) ... یجب التصدیق بکل ما جاء به النبیؐ علی سبیل الجملة والعموم (ص ۹)

تبصرہ: یہ ہے حضرت آیۃ اللہ الشیخ محمد الخالصی الکاظمینی کے عقائد کا جامع خلاصہ جو ہم نے ان کی سب سے زیادہ مستند کتاب احیاء الشریعہ سے بلا تبصرہ ان کے عین الفاظ میں پیش کر دیا ہے اس سے ارباب عقل و انصاف بآسانی اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ شیعہ امامیہ کے عقائد حقہ ہیں۔ یا کسی اور فرقہ کے معتقدات ہیں۔ اور آیا یہ عقائد صحیحہ رکھنے والے عالم دین کی ☆

ملت تمام اہل سیر و تواریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ تبوک لڑی ہی نہیں گئی۔ بات صرف اس قدر تھی کہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ کفار روم وغیرہ کا ایک بہت بڑا لشکر جرار مدینہ پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کرنے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ بڑے شد و مد کے ساتھ لشکر کثیر لے کر پیشگی مقابلہ کے لئے جناب امیر علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا خلیفہ و نائب بنا کر روانہ ہوئے۔ سفر کی بے شمار صعوبتیں اور زحمتیں جھیل کر جب مقام تبوک پہنچے۔ جو حجر و شام کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط اور بے بنیاد تھی۔ کفار روم وغیرہ نے قطعاً کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے واپس مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہ ہے اس واقعہ کا اجمالی بیان جو عند الکل مسلم ہے۔ تمام کتب سیر و تواریخ موجود ہیں۔ طالبان تحقیق جب چاہیں ان کی ورق گردانی کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ دو چار کتابوں کے حوالہ جات پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ع

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است

(علیکم بمراجعة کتب السیر والتواریخ تزدادوا علماً وبصیرةً) قل یا ایها الناس قد جاءکم الحق من ربکم۔

ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات کے مغالطہ آمیز استدلال کو پڑھئے اور ان کی وسعت علم و فضل اور حلقہ تحقیق و تدقیق کی داد دیجئے ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ان اللہ کے بندوں کو کون سمجھائے کہ آپ اپنے اپنے کام میں مشغول رہیں اور مخصوص کی وادی پُر خار میں قدم نہ رکھیں اور اس طرح نہ خود رسوا ہوں۔ نہ مذہب کو بدنام کریں ؎

اے مگس عرصہ سیمرغ نہ جولانگہ تست — عرض خود میبری و زحمت ما میداری

[illegible] یہ [illegible] الفاظ رکھتے ہوئے [illegible] کہ [illegible] جاتا ہے کہ اے شیعیان حیدر کرار اے موالیان اہل بیت اطہار سنت رسولؐ پر عمل کرو اور [illegible] کامیابی حاصل کرو (حقائق شیعہ ص۲۲) [illegible] اہل بیتؑ [illegible] محبت کے دعا میں [illegible] دشمنی کی [illegible] موالیان اہل بیتؑ [illegible] منافقین [illegible] کے اندیشہ سے [illegible] رکھتے تھے [illegible] بلکہ صرف [illegible] ہم اس مقام پر ان کے ساتھ [illegible] صرف [illegible] لکھتے ہیں

لیجئے ضد کا کیا ٹھکانہ دین اپنا چھوڑ کر — ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

[illegible] ہمارے اور ہمارے مذہب کے متعلق [illegible] قائم کر گئے۔

اس کا اندازہ لگانا ارباب فہم و فراست کے لئے مشکل نہیں۔ یہاں اگر یہ عذر لنگ پیش کیا جائے کہ آخر وہ روایت بھی تو بعض کتابوں میں موجود ہے جو ان حضرات نے پیش کی ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ دانشمندوں کا قول ہے "نقل را عقل باید" اور یہ کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" ہر رطب و یابس کو نقل کر دینا اگرچہ تاریخی یا عقلی مسلمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر یہ عذر پیش کرنا کہ آخر یہ بھی تو بعض کتابوں میں مذکور ہے۔ اہل دانش و بینش اور ارباب تحقیق کا کام نہیں ہے۔ ہم کتاب کے مقدمہ میں درایۃ الحدیث پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ساتواں شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں سید شہاب الدین کی کسی کتاب توضیح الدلائل سے حضرت امیر المومنین کی طرف منسوب شدہ ایک خطبہ کا بعض حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ الشافعی کی کتاب در منظم اور شیخ سلیمان قندوزی الحنفی کی ینابیع المودۃ سے ایک خطبے کے بعض اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن میں یہ جملہ "انا حلال المشکلات" بھی وارد ہے۔ ان خطبوں سے استدلال کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے "ان ہر دو خطبات سے واضح ہوتا ہے کہ آنجناب میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو مشکل کشائے عالم ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ ان خطبات کے ساتھ استدلال کرنا بوجوہ صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ یہ خطبے ہماری کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہیں۔ سرکار علامہ مجلسیؒ فرما چکے ہیں۔ کہ اما خطبۃ البیان وامثالہا فلم توجد الا فی کتب الغلاۃ (بحار ج ۴ ص ۱۲۰) مقام تعجب ہے کہ ان خطبات کے نقل کرنے والے حضرات ایک طرف تو حضرت امیر المومنینؑ کو آنحضرتؐ کا خلیفہ بلافصل بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور دوسری طرف خطبے وہ نقل کرتے ہیں جن سے آنجنابؑ کے خدا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ ان ھذا الشئ عجاب؟ اور ان سے بھی زیادہ تعجب ہمیں اپنے ان مدعیان تشیع و ایمان پر ہے۔ کہ جو اصول عقائد کے سلسلہ میں اپنی تفسیر و حدیث کی کتب معتبرہ حتیٰ کہ نہج البلاغہ ایسی مستند و معتبر کتاب جس کا کلام حضرت امیر علیہ السلام ہونا فریقین کے نزدیک مسلم ہے۔ کو پس پشت ڈال کر مخالفین کی وہ کتب بھی جو ہر رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ جن پر مخالف علماء و فضلاء بھی اعتماد نہیں کرتے۔ حالانکہ نزد اہل بیتؑ نے اصول عقائد بلکہ اپنے مناقب و فضائل بھی مخالفین کی کتابوں سے حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں لا تاخذن معالم دینک عن غیر شیعتنا فانک ان تعدیتہم اخذت دینک عن الخائنین۔ الخ ... یعنی اپنے دین کے معارف و معلومات ہمارے شیعوں کے علاوہ اور کسی سے حاصل نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر اپنے دین کو خیانت کاروں سے حاصل کرو گے۔ (رجال کشی ص ۳، رجال مامقانی ج ۲ ص ۲۷۳) اسی طرح بحار ج ۱ ص ۱۴۱ پر علامہ مجلسیؒ نے اسی عنوان کا ایک مستقل باب

قائم کیا ہے۔ باب النہی عن اخذ فضائلہم من مخالفیھم[1] (مخالفین سے فضائل اہل بیت حاصل کرنے کی ممانعت)

ثانیاً اس خطبہ میں وارد شدہ فقرہ "انا حلال المشکلات" میں اجمال ہے جن مشکلات کے آپ حلال ہیں۔ ان سے دینی مشکلات مراد ہیں یا دنیوی؟ اور اگر دنیوی مراد ہیں تو عام عادی مشکلات مقصود ہیں یا مشکلات تکوینی؟ عین ممکن ہے کہ اس سے دینی مشکلات و معضلات کا حل کرنا مراد ہو جیسا کہ اس فقرہ کے بعد دوسرے متصل فقرہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے "موضح الشبہات" کہ میں شکوک و شبہات کا زائل کرنے والا ہوں۔ جب تک قرینۂ قطعیہ سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس سے مراد امور تکوینیہ ہیں اس وقت تک اس سے تمسک کرنا درست نہیں

ثالثاً اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے علی الاطلاق ہر قسم کی تمام دینی و دنیوی مشکلات مراد ہیں تب بھی ان حضرات کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مشکل کشائی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ بزرگوار بنفس نفیس وہ کام انجام دیں۔ بلکہ شفاعت و سفارش کر کے بارگاہ قاضی الحاجات سے وہ کام کرا دینا بھی اس کے دائرہ میں داخل ہے۔ اور یہ بات کئی بار ثابت کی جا چکی ہے کہ یہ بزرگوار مخلوق خدا کے وسیلہ و شفیع ہیں۔ سفارش کر کے خداوند عالم کی بارگاہ سے کام انجام دلواتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے وہ یقیناً مشکل کشا۔ اور حلال مشکلات ہیں جو کوئی انہیں حلال مشکلات نہیں جانتا وہ ناقص الایمان ہے۔

آٹھواں شبہ اور اُس کا جواب

حضرت امام حسین علیہ السلام کی وہ زیارت جو عید الفطر اور عید قربان میں پڑھی جاتی ہے اس میں وارد ہے۔ یا مولائی اتیتک خائفاً فامنی و اتیتک مستجیراً فاجرنی و اتیتک فقیراً فاغننی" (مفاتیح الجنان ص۳۴۳) اے میرے آقا میں آپ کے پاس خوف زدہ ہو کر آیا ہوں مجھے امن دیں۔ میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔ مجھے پناہ دیں۔ اور

---

[1] اس باب کی مندرجات کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ معصومین فرماتے ہیں کہ مخالفین نے تین طریقوں سے ہماری مخالفت کی ہے (۱) بعض حد سے بڑھا کر تا کہ ہمارے نام لیوا غلو کا شکار ہو جائیں اور اس طرح ان کو ان کے کافر بنانے کا بہانہ ہاتھ آ جائے (۲) حد سے گھٹا کر تا کہ لوگ ہمارے متعلق کوتاہی میں مبتلا ہو جائیں۔ (۳) ہمارے نام سے بعض مخصوص لوگوں کے نام بنام مثالب و مطاعن بیان کرکے تا کہ وہ لوگ ہمارے متعلق بھی ایسا رویہ اختیار کریں۔ اور نام بنام ہمیں اچھے سب و شتم کا نشانہ بنائیں۔ لہٰذا جب تک مخالفین کی بیان کردہ روایات کی تائید احادیث اہل بیت سے نہ ہو جائے اس وقت تک ان پر اعتماد کیا جا سکتا۔ (کذا فی الدمعۃ الساکبہ ج ۲ ص۱۴۲ و عیون الاخبار ج ۱ ص۳۰۳) (منہ عفی عنہ)

آپ کے پاس فقیر ہو کر آیا ہوں مجھے غنی بنا دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ زیارت ائمہ ہدیٰ سے استمداد کی جاسکتی ہے؟ یہ استدلال چند وجوہ مدفوع ہے۔

اوّلاً یہ زیارت جس میں یہ فقرے موجود ہیں کسی امام عالی مقام سے مروی نہیں ہے۔ بلکہ بعض علماء کی ساختہ کردہ معلوم ہوتی ہے ورنہ مستدل ہی بتائیں کہ یہ کس امام سے منقول ہے؟ اور اس کی سند کیا ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین جس زیارت کی یہ کیفیت ہو، اس کی وجہ سے قرآن اور اہل بیت رسولؐ کے مسلمہ قرآن سے ثابت شدہ حقیقت سے دستبرداری اختیار کی جاسکتی ہے؟

ثانیاً ممکن ہے کہ یہاں دنیوی خوف و ہراس اور مادی فقر و فاقہ مراد نہ ہو۔ بلکہ مقصد یہ ہو کہ اے میرے آقا میں اپنے گناہوں سے خائف ہوں۔ آپ مجھے پناہ دیں۔ یعنی میرے گناہ بارگاہ غفور رحیم سے معاف کرائیں۔ میں نیکیوں سے تہی دامن ہوں شفاعت کرکے میرے دامن کو حسنات سے پُر کرائیں اور بظاہر یہی مطلب زائر و مزور کے شایان کے لائق ہے۔ زائرین اپنے گناہوں کی بخشش اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان مقدس بارگاہوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ نہ کہ دنیوی مال و دولت حاصل کرنے کے لئے۔ جیسا کہ خود "اللّٰھم انی تعرضت لزیارۃ اولیائک رغبۃ فی ثوابک ورجاء مغفرتک وجزیل احسانک" (مفاتیح ص ...)۔ یا اللہ میں تیرے ثواب میں رغبت تیری بخشش گناہ کی امید اور تیرے احسان جزیل کو حاصل کرنے کی خاطر تیرے اولیاء کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ یہ ایسا جامع مفہوم ہے جو شاہ و گدا پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ ورنہ اگر کوئی مرفہ الحال اور فارغ البال دنیادار یہ زیارت پڑھے تو وہ بجائے ثواب کے الٹا دروغ بافی کی وجہ سے مستوجب عذاب و عتاب قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ نہ خائف ہے نہ پناہ گزین اور نہ ہی فقیر و نادار ہے۔ اور نہ ان امور کا خواستگار۔ یا پھر یہ شرط عائد کی جائے کہ یہ زیارت صرف غرباء ہی پڑھیں۔ امراء اسے نہیں پڑھ سکتے۔

ثالثاً اگر بالفرض اس سے دنیوی فقر و غنا اور خوف و ہراس سے پناہ مراد لی جائے۔ تو پھر بھی اس سے اصل مقصد امام سے توسّل اور طلب شفاعت کرنا ہے جس کی دوسری زیارات میں تصریح موجود ہے چنانچہ اعمال حرم حسینیؑ میں جو دعا و صلوات مذکور ہے۔ اس کے ضمن میں مرقوم ہے "یا سیدی و مولائی ادخلنی فی حزبک و زمرتک واستوھبنی من ربک وربی فان لک عند اللہ جاھا وقدرا ومنزلۃ رفیعۃ ان سئلت اعطیت وان شفعت شفعت" اے میرے آقا! مجھے اپنے مخصوص زمرے و گروہ میں داخل فرمالیں۔ اور مجھے اپنے اور میرے پروردگار سے بخشوالیں کیونکہ آپ کو بارگاہ ایزدی میں بہت بڑی قدر و منزلت حاصل ہے۔ اگر آپ اس سے سوال کریں تو آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اور اگر سفارش کریں تو آپؑ کی شفاعت مقبول ہوگی (مفاتیح ص ...)

اسی طرح امام حسینؑ کی دوسری زیارت جو امام علی نقیؑ سے مروی ہے اس کے آخر میں ہے جئت منقرا

بالذنوب لتشفع عند ربك یا ابن رسول اللہ: اے فرزند رسولؐ میں آپ کی بارگاہ میں گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں" (مفاتیح ص۴۴۳)

جناب امام حسینؑ کی زیارت اول رجب میں وارد ہے "فاشفع ایھا السید الطاھر الی ربک فی حط الاثقال عن ظھری وتخفیفھا عنی وارحم ذلی وخضوعی لک" اے میرے پاک و پاکیزہ سردار! میری ذلت اور گڑگڑاہٹ پر رحم فرمائیں۔ یعنی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں کہ وہ میری پشت سے گناہوں کے بوجھوں کو ہلکا کرے اور انہیں بالکل اتار دے۔ (مفاتیح ص۴۴۳)

اسی طرح آنحضرتؑ کی زیارت نیمۂ رجب میں وارد ہے "یا مولائی و ابن مولائی زرتک مشتاقاً فکن لی شفیعاً الی اللہ" اے میرے آقا اور میرے آقا کے فرزند! میں نے بہت شوق سے آپ کی زیارت کی ہے۔ بس خدا کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں" (مفاتیح ص۴۴۴) اور زیارتوں کو پڑھئے۔ خود اسی زیارت کے اذن دخول میں یہ فقرے موجود ہیں "یا مولائی یا ابا عبد اللہ یا ابن رسول اللہ عبدک وابن امتک الذلیل بین یدیک والمصغر فی علو قدرک والمعترف بحقک جاءک مستجیراً بک قاصداً الی حرمک متوجھاً الی مقامک متوسلاً الی اللہ تعالیٰ بک" (مفاتیح ص۴۴۴) اے میرے آقا یا ابا عبد اللہ اے فرزند رسولؐ آپ کا غلام، آپ کی کنیز کا بیٹا، آپ کے سامنے ذلیل، آپ کی بلندیٔ مقام کے سامنے صغیر و حقیر اور آپ کے حق کا اقرار کرنے والا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے۔ آپ کے ذریعہ سے پناہ لینے، آپ کے حرم اقدس کا قصد کرتے، اور آپ کے مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے تاکہ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں آپ کا توسل حاصل کرے"

ایک ضروری وضاحت مخفی نہ رہے کہ یہاں عبد سے مراد عبد طاعت یعنی غلام اور امت سے مراد کنیز طاعت ہے۔ الغرض ان الفاظ سے وہ رشتہ مراد ہے جو آقا اور غلام کے درمیان قائم ہے۔ نہ وہ تعلق جو معبود و عبد کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے دعائے جنازہ اور ان الفاظ میں صرف ظاہری تجانس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دلبری سے کام لیا ہے۔ محمد بن زید طبری بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں امام رضا علیہ السلام خراسان میں تشریف فرما تھے۔ میں ان کے سرہانے کھڑا تھا اور بنی ہاشم کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ جن میں اسحاق بن عباس بن موسیٰ بھی شامل تھے۔ امامؑ نے انہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "یا اسحاق! بلغنی انکم تقولون ان الناس عبید لنا، لا وقرابتی من رسول اللہ ما قلتہ قط ولا سمعتہ من احد من آبائی ولا بلغنی عن احد منھم انہ قالہ لکن نقول الناس عبید لنا فی الطاعۃ موال لنا فی الدین فلیبلغ الشاھد الغائب (بحار ج۷ ص۲۳ بحوالہ امالی شیخ مفیدؒ و امالی شیخ طوسیؒ وغیرہما) اے اسحاق! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے بندے ہیں اور ہم معبود۔ مجھے قرابت رسولؐ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ بات

نہ کبھی میں نے کہی ہے اور نہ اپنے آباؤ اجداد سے سنی ہے اور نہ ہم سے محمد تک کوئی ایسی روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کبھی یہ بات کہی ہو۔ ہاں البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ اطاعت کرتے میں ہمارے غلام اور دین میں ہمارے دوست ہیں۔ حاضرین کو چاہیئے کہ غائبین تک یہ بات پہنچا دیں۔

بنابریں معلوم ہو گیا کہ یہاں عبید و اُمت کا وہ معنی مراد ہے جو عبید الحسین اور امۃ الفاطمہ میں ہے نہ وہ معنی جو عبداللہ اور امۃ اللہ میں مراد ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہے "وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم" اپنے میں سے بے زوجوں کی شادی کرو۔ نیز اپنے غلاموں اور کنیزوں کی بھی شادیاں کرو۔" فلا تغفل۔

بہرحال ان حقائق کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی کہ ان جملہ الفاظ سے مراد دراصل بارگاہ رب العزت میں امام کا توسل حاصل کرنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا ہے۔ ولیس وہو الحق لاینکرہ احد من اہل الحق۔ اسی بیان حقیقت ترجمان سے ان تمام فقرات کا صحیح مفہوم بھی واضح و لائح ہو جاتا ہے۔ جو بعض دوسری زیارات میں وارد ہیں۔ فتدبر والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ۔

نواں شبہ اور اُس کا جواب

روایات میں وارد ہے کہ جب تم راستہ بھول جاؤ تو یہ پکارو: یا اباصالح یا اباصالح ارشدونا الی الطریق رحمکم اللہ۔ اے ابوصالح اے ابوصالح خدا تم پر رحم کرے ہمیں صحیح راستہ بتلا دو۔ (حلیۃ المتقین ص۱۵۹) میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ ابوصالح ایک جن مومن بھائی ہے۔ جب ایک جن فریاد رسی کر سکتا ہے۔ تو امام کیوں مدد اور فریاد رسی نہیں کر سکتے؟" یہ شبہ بدو وجہ ناقابل التفات ہے۔

اوّلاً۔ یہ روایت اخبار احاد میں سے ہے جو اصول اعتقاد میں ناقابل اعتماد ہے۔ جیسا کہ اس امر کی تحقیق کتاب کے دیباچہ میں کی جا چکی ہے۔

ثانیاً۔ یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے۔ کیونکہ بحث ان امور کو غیر میں غیر خدا سے استمداد کے بارے میں ہے جو قدرت بشریہ سے خارج ہیں۔ جیسے خلق ورزق و اماتت و احیاء وغیرہ۔ مگر اس روایت میں صرف گم گشتہ راہ کو راہ دکھانے کا تذکرہ ہے۔ جو یقیناً ان امور سے خارج ہے بلکہ ان امور میں سے ہے جن میں ایک دوسرے کی امداد کرنا بہترین کار ثواب ہے جیسا کہ اسی باب کی ابتدا میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ابوصالح سے مراد جن ہے جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ یا اس سے مراد جناب امام العصر ہیں۔ جیسا کہ محدث نوریؒ کا خیال ہے (نجم ثاقب ص۲۲۲) بہرحال اسے ہمارے متعلقہ مسئلہ سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔

دسواں شبہ اور اُس کا جواب

متعدد روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ ہم وجہ اللہ ہیں۔ جنب اللہ ہیں۔ لسان اللہ ہیں۔ ید اللہ ہیں۔ عین اللہ ہیں۔ خزان اللہ ہیں۔ اور باب اللہ ہیں۔

تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ خدا سے مانگیں یا ان ذواتِ قدسیہ سے سوال کریں؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس پر ہمارا بھی ایمان ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ وجہ اللہ، جنب اللہ، ید اللہ وغیرہ ہیں مگر قابلِ غور امر یہ ہے کہ ان الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے، کہیں کلمۂ حق یراد بہا الباطل کا مظاہرہ تو نہیں ہو رہا؟ یہ بات تو محتاجِ بیان نہیں کہ ان الفاظ کے حقیقی معانی تو یہاں مراد نہیں لئے جا سکتے۔ ورنہ خدا کا مجسم ہونا لازم آئے گا یا ان بزرگواروں کو خدا کا اوتار ماننا پڑے گا۔ اور یہ دونوں باتیں بالبداہت باطل ہیں۔ اور ان کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اطلاق من باب المجاز والاستعارہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ مجاز کیا ہے؟ اس کا جواب علمائے اعلام کی تحقیق میں یہ ہے وجہ (چہرہ) چونکہ کسی کی معرفت و پہچان کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام خدا اور اس کے دینِ حق کی معرفت و پہچان کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس لئے ان کو وجہ اللہ کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں "وجہ اللہ انبیاءہ وحججہ الذین بہم یتوجہ الی اللہ والی دینہ ومعرفتہ (لوامع الانوار ص۹۶) یعنی خدا کے انبیاء و ائمہ وجہ اللہ ہیں کیونکہ انہی کے ذریعہ خدا اور اس کے دین کی طرف توجہ اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح جنب (پہلو) چونکہ انسان کے بالکل قریب ہوتا ہے اسی طرح یہ ذواتِ مقدسہ قربِ روحانی کے طور پر ساری کائنات سے زیادہ خدا کے قریب ہیں۔ اس لئے ان کو جنب اللہ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ معنی جنب اللہ انہ لیس شیٔ اقرب الی اللہ من رسولہ ولا اقرب الی رسولہ من وصیہ فھو فی القرب کالجنب (لوامع الانوار ص۹۶) یعنی جنب اللہ کے معنی یہ ہیں کہ رسولِ خدا سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ خدا کے قریب نہیں۔ اور ان کے حقیقی وصی و جانشین سے زیادہ آنحضرتؐ کے کوئی قریب نہیں (کذا قال الطبرسی فی مجمع البیان بان الجنب بمعنی القرب۔ جناب مرآۃ الانوار (ص۱۱۱) پر لکھتے ہیں: والوجہ فیہ اظہار انھم فی القرب کالجنب، یعنی شاید ان کو جنب اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قربِ (روحانی) میں بمنزلہ پہلو کے ہیں۔ حضرت شیخ صدوقؒ نے جنب کے معنی اطاعت کرتے ہوئے ان کے ارشاد "انا جنب اللہ" کا مفہوم یہ بیان کیا ہے۔ "ای انا الذی ولایتی طاعۃ اللہ عزوجل" یعنی میں وہ ہوں جس کی ولایت خدا کی اطاعت ہے (کتاب التوحید ص۱۵۲)۔

لسان (زبان) چونکہ مافی الضمیر کے اظہار کا آلہ و ذریعہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بجز منشاء پروردگار کوئی بات نہیں کرتے۔ بلکہ جب بھی بولتے ہیں، تو خدا کے مقصود و منشا کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو لسان اللہ کہا جاتا ہے۔ فانہ غیر متکلم الا ما ھو مراد اللہ کما ان اللسان لا یتکلم الا بما ھو مراد المتکلم ۔ فھو بمنزلۃ لسانہ فی بیان مرادہ ومقصدہ (الخ) یعنی وہ بغیر خدا کی منشاء کے بات نہیں کرتے جس طرح زبان متکلم کی منشا کے بغیر

نہیں ہوتی" (لوامع الانوار ص۴۹)

ید کے کئی معنوں میں سے ایک معنیٰ قدرت و قوت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات مقدسہ خدا کی خاص قدرت کے اظہار کا مظہر ہیں۔ اس لئے ان کو "ید اللہ" کہا جاتا ہے یا یہاں ید بمعنیٰ رحمت خداوندی ہے۔ اس کی تائید جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے فرماتے ہیں انا ید الله المبسوطة علی عباده بالرحمة والمغفرة۔ میں خدا کا وہ ہاتھ ہوں جو اس کے بندوں پر رحمت و مغفرت کے ساتھ کشادہ ہے یعنی میں رحمت خدا ہوں۔ اسی طرح ید کے ایک معنیٰ نعمت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات قادسہ خدا کی خاص نعمت ہیں۔ اس لئے ان کو "ید اللہ" کہا جاتا ہے۔ ائمہ اطہار کو ید اللہ کہنے کی یہ سب وجوہ علامہ ثانی میرزا ابو الحسن الشریف نے مرآۃ الانوار کے ص۳۴۴ پر دس المجازات المشاہرہ فی کلام العرب کے ذکر فرمائی ہیں فراجعہ

اسی طرح ان کے عیبۃ اللہ کا صحیح مفہوم ہے۔ کہ وہ خدا کے دین کے محافظ ہیں (یعنی حافظین اللہ وقد قال اللہ عزوجل تجری باعیننا ای بحفظنا (کتاب توحید شیخ صدوق ص۱۵۵)

یہ درست ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے خزانہ دار ہیں لیکن کس کے؟ سونے چاندی کے ڈھیروں کے یا خدا کے علم و دین کے؟ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ کہ وہ علم و دین خدا کے خزینہ دار ہیں نہ سونے اور چاندی وغیرہ دنیوی اشیاء کے۔ چنانچہ مرآۃ الانوار ص۱۵ پر بحوالہ بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا انا لخزان اللہ فی ارضہ و سمائہ لا علی ذھب ولا علی فضة الا علی علمہ" ہم خدا کی زمین و آسمان میں اس کے خزانہ دار ہیں لیکن نہ سونے چاندی کے بلکہ اس کے علم کے۔ پھر اسی صفحہ پر بحوالہ تفسیر عیاشی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ فرمایا "نحن خزان اللہ علی دینہ" ہم خدا کے دین کے خزانہ دار ہیں۔ کئی احادیث میں وارد ہے "نحن خزنة وحی اللہ" ہم وحی خدا کے خزینہ دار ہیں۔ نتیجہ سب کا ایک ہے۔ کہ خدا کے دین کی صحیح معرفت اور اس کے معارف و حقائق ہمارے ہی گھر سے مل سکتے ہیں۔

اسی طرح ان بزرگواروں کے باب اللہ (خدا کا دروازہ) ہونے کا مطلب بھی واضح ہے کہ خدا تک رسائی اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے دین کے معارف حاصل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ جناب رسول خدا فرماتے ہیں۔ ان علیاً باب اللہ الاکبر فمن اراد اللہ فلیدخل من الباب الخبر علی خدا کا بڑا دروازہ ہیں جو خدا کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اسی دروازہ پر آئے۔ (مرآۃ الانوار ص۹۱) نیز آنحضرت کا یہ ارشاد مشہور و متواتر ہے۔ انا مدینة العلم و علی بابها فمن اراد المدینة فلیأتها من بابها۔ میں شہر علم ہوں۔ اور علی اس کا دروازہ شہر میں داخل ہونے والے کو چاہئے۔ کہ دروازہ کی طرف سے داخل ہو۔ (فمن اتاها من غیر بابها سمی سارقاً نہج البلاغہ) ارشاد قدرت ہے واتوا البیوت من ابوابها۔ ان حقائق

کی روشنی میں ارباب عقل و انصاف فرمائیں کہ ان الفاظ و معنی کو ان حضرات سے مقصد اصل کے ساتھ۔ دُور کا بھی ربط و تعلق ہے یا نہیں

دوسرا صحیح مفہوم

ان تمام اطلاقات کا دوسرا مجموعی صحیح مفہوم یہ بھی درست ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے ان کے اعضاء و جوارح کو خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ الغرض ان کو اسی طرح ید اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ، لسان اللہ اور جنب اللہ وغیرہ کہا گیا ہے جس طرح اظہار شرف و عظمت کے لئے کعبہ کو بیت اللہ، جناب عیسیٰؑ کو روح اللہ اور ناقۂ صالحؑ کو ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

تیسرا صحیح مفہوم

نیز ان اطلاقات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عام لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی ہیں تو خدا کی ملکیت مگر مقام عمل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس ان اعضاء کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں۔ مگر ان بزرگواروں کا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے وہ صحیح معنوں میں اپنے ہاتھ پیر، چہرہ و زبان اور آنکھ و کان کو خدا کی مقدس امانت سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان اعضاء و جوارح سے وہی کام لیتے ہیں جس کے لئے خدا نے عطا کئے ہیں۔ ان کے قدم و ہاتھ ادھر بڑھیں گے جدھر خدا کی مشیت ہوگی۔ ان کی آنکھ ادھر اٹھے گی جدھر خدا کی مرضی ہوگی۔ ان کے کان ادھر متوجہ ہوں گے جدھر خدا کی رضا ہو۔ وقس علیٰ ہذا۔ اور یہی مطلب ہے اس آیۂ وافی ہدایہ کا۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ

ایک اور ضروری وضاحت

چونکہ سرخی [illegible] سے مذہب [illegible] کے نام پر بہت کچھ ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے کہ ہر قسم کے بدعات و رسومات [illegible] بلا تامل و تحقیق رائج ہیں ہے لہٰذا سید الشہداء [illegible] کی نیاز یا [illegible] [illegible] [illegible] نقشیم کروں گا یا مجلس عزا کروں گا یا اتنی رقم عزاداری میں تقسیم کروں گا وغیرہ اور اس کا نتیجہ کا [illegible] کی خدمت میں ہدیہ کروں گا [illegible] درست ہوگی [illegible] کی طرف [illegible] جائز ہوگا جس طرح تسبیح جناب سیدہ اور نماز جعفر طیارؑ میں ہے۔ فما من حیلة۔

ھذا بصائر للناس و ھدی و رحمة لقوم یوقنون

یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظة من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمة للمؤمنین

پانچواں باب

حقیقت معجزہ اور اُس کے فعل خدا یا فعل نبی و امام ہونے کا بیان

بحکم علاء انقلاب زمانہ اور نیرنگی دہر نوبت ہے کہ آج ان مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی ضرورت درپیش آرہی ہے جو قرآن اور حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کی روشنی میں قریباً چودہ سو سال سے علماء اسلام کے درمیان متفق علیہ اور مسلم الثبوت ہیں جن کو اگر ضروریات دین اسلام سے نہیں تو کم از کم ضروریات مذہب شیعہ خیر البریہ سے تو یقیناً قرار دیا جا سکتا ہے منجملہ ان مسائل و حقائق کے ایک معجزہ کے فعل خدا ہونے کا مسئلہ بھی ہے جسے زمانہ ہائے دراز تک متفق علیہ رہنے کے بعد کچھ مخصوص لوگوں نے کچھ عرصہ سے محل نزاع و محور قیل و قال بناتے ہوئے اسے نبی و امام کا فعل کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے ہم اس باب میں انشاءاللہ قرآن کریم، متواتر ارشادات معصومین اور بیانات علماء متقدمین و متاخرین کی روشنی میں ثابت کریں گے۔ کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے فقط۔ لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے بطور تمہید معجزہ کی حقیقت اس کے شرائط، معجزہ و کرامت میں فرق اور محل نزاع کی تنقیح کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ المستعان علیہ التکلان

معجزہ کی تعریف

معجزہ کے لغوی معنے ہیں "عاجز کنندہ" اور اصطلاح متکلمین میں "یعنی معجزہ خداوند عالم کے اس خارق عادت فعل کا نام ہے۔ جسے وہ اپنے کسی نبی یا امام کے دعویٰ کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا ظہور مقرون بالتحدی ہو (دعوائے نبوت و امامت کے ساتھ بطور چیلنج) مقرون ہو جس کا مثل پیش کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہو" لہٰذا اگر ایسا کوئی فعل نبی یا امام سے اعلان نبوت و امامت سے قبل ظاہر ہو تو اُسے اصطلاح میں "ارہاص" کہا جاتا ہے اور اگر نبی یا امام کے علاوہ خدا کے کسی نیک بندے سے کوئی خارق عادت فعل ظاہر ہو تو اُسے کرامت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے" کما لا یخفی علیٰ ھذہ الحقائق ملاحظہ ہو کتب الکلام (سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات وغیرہ)

معجزہ کے شرائط

معجزہ کے چند شرائط ہیں جن کی طرف گو اجمالی اشارہ تو تعریف میں موجود ہے مگر ان کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) معجزہ کو ایسا قطعی ہونا چاہئے جس سے منکرین کے انکار کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔

(۲) معجزہ کو دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقارن ہونا چاہئے۔

(۳) معجزہ کو دعویٰ کے مطابق ہونا چاہئے۔ یعنی معجزہ مصدق ہو نہ کہ معجزہ مکذب۔ جیسے مسیلمہ کذاب نے جب ایک کانے کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا [illegible]

(۴) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ صاحبِ اعجاز کے علاوہ باقی تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں

(۵) معجزہ کو مقتضائے عادت و نوامیسِ طبیعت کے خلاف ہونا چاہئے کیونکہ ناممکن عادی کو وجود میں لانے کا نام معجزہ ہے نہ کہ ناممکن عقلی کو ممکن بنانے کا۔ الغرض معجزہ عالمِ اسباب اور نیچر کے قانون کے خلاف ہوتا ہے جیسے آگ کا سرد ہو جانا۔ پانی کے بہاؤ کا رک جانا وغیرہ و محال عقلی کو اس کے ذریعہ ممکن نہیں بنایا جاسکتا ہے جیسے اجتماعِ ضدین وغیرہ کیونکہ ناممکن عقلی میں صلاحیت ہی نہیں ہے کہ قدرتِ کاملہ کا اس سے تعلق ہو۔

(۶) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کا کوئی ظاہری اور مادی سبب موجود نہ ہو جیسا کہ سحر، جادو، کیمیا، لیمیا اور سیمیا میں ہوتا ہے۔ فتدبر۔

(۷) اظہارِ معجزہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ کچھ لوگ اس کی درخواست کریں یا ایسے لوگ موجود ہوں جن کی اعجاز نمائی کی وجہ سے ہدایت کی توقع ہو۔

(۸) معجزہ کا فعلِ خدا ہونا چاہئے۔ اس کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے انشاءاللہ۔ الی غیر ذلک من الشرائط

(شرح تجرید، الحکم الطیب وغیرہ)

معجزہ دلیلِ نبوت و امامت ہے

خداوند عالم جن لوگوں کی طرف نبی و امام بھیجتا ہے ان کے طبائع اور عقول واذہان مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بلند طبع اور کامل العقل ہوتے ہیں۔ جو صرف ان بزرگواروں کے علمی و عملی کمالات اور ان کی مقدس تعلیمات کو دیکھ کر ہی معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ یہ خدا کے فرستادہ ہادی و رہنما ہیں۔ مگر عامۃ الناس اس قدر استعداد و لیاقت نہیں رکھتے۔ اور نہ اس قدر ژرف بین نگاہ کے مالک ہوتے ہیں۔ کہ وہ دقائق کو سمجھ کر ان کی تصدیق کر سکیں۔ اس لئے عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے پاس کوئی ایسی قطعی علامت ہونی لازم ہے جسے دیکھ کر ہر کس و ناکس پر ان کی صداقت و حقانیت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جائے۔ اسی قطعی علامتِ نبوت و امامت کو اہلِ شرع معجزہ کہتے ہیں۔ مثلاً نبی اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں میں اس کا قانون لایا ہوں میری ہر بات حق اور واجب القبول ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے تم مجھ پر اور میری باتوں پر ایمان لے آؤ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دعویٰ ہے اور بہت بڑا دعویٰ۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ کوئی دعویٰ دلیل و برہان کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ لوگوں نے نہ تو اسے نیچے آتے دیکھا ہے۔ اور نہ ہی آنکھوں سے اس پر قانون اُترتے دیکھا ہے۔ پڑھے لکھے عقلمند اور سمجھدار لوگ تو یہ دیکھ کر کہ وہ شخص جس نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی جس نے کسی معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا۔ وہ یکدم دعوائے نبوت کر کے وہ علوم اور جامع قانون پیش کرتا ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے علماء و فضلاء دم بخود ہیں سمجھ جائیں گے کہ وہ واقعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے مگر عامی

نہیں ہوسکتی" (لوامع الانوار ص۴۹)

ید کے کئی معنوں میں سے ایک معنی قدرت و قوت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات مقدسہ خدا کی خاص قدرت کے آثار کاملہ ہیں۔ اس لئے ان کو "ید اللہ" کہا جاتا ہے یا یہاں ید بمعنی رحمت خداوندی ہے۔ اس کی تائید جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں انا ید اللہ المبسوطۃ علی عبادہ بالرحمۃ والمغفرۃ۔ میں خدا کا وہ ہاتھ ہوں جو اس کے بندوں پر رحمت و مغفرت کے ساتھ کشادہ ہے۔ یعنی میں رحمت خدا ہوں۔ اسی طرح ید کے ایک معنی نعمت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات قادسہ خدا کی خاص نعمت ہیں۔ اس لئے ان کو "ید اللہ" کہا جاتا ہے ائمۂ اطہار کو ید اللہ کہنے کی یہ سب وجوہ عالم ربانی میرزا ابو الحسن الشریف نے مرآۃ الانوار کے ص۳۴۷-۳۴۸ پر اسی المجازات لشائعۃ فی کلام العرب کہہ کر ذکر فرمائی ہیں۔ فتو اجیہ

اسی طرح ان کے عین اللہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا کے دین کے محافظ ہیں۔ المعنی انا الحافظ لدین اللہ وقد قال اللہ عزوجل تجری باعیننا ای بحفظنا (کتاب توحید شیخ صدوق ص۱۵۵)

یہ درست ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے خزانہ دار ہیں لیکن کس کے؟ سونے چاندی کے ڈھیروں کے یا خدا کے علم و دین کے؟ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ کہ وہ علم و دین خدا کے خزینہ دار ہیں نہ سونے اور چاندی وغیرہ دوسری اشیاء کے۔ چنانچہ مرآۃ الانوار ص۱۰۴ پر بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ انا لخزان اللہ فی ارضہ و سمائہ لا علی ذہب ولا علی فضۃ الا علی علمہ "ہم خدا کی زمین و آسمان میں اس کے خزانہ بردار ہیں۔ لیکن نہ سونے چاندی کے بلکہ اس کے علم کے" پھر اسی صفحہ پر بحوالہ تفسیر عیاشی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ فرمایا۔ نحن خزان اللہ علی دینہ" ہم خدا کے دین کے خزانہ دار ہیں۔ کئی احادیث میں وارد ہے "نحن خزنۃ وحی اللہ" ہم وحی خدا کے خزینہ دار ہیں۔ نتیجہ سب کا ایک ہے۔ کہ خدا کے دین کی صحیح معرفت اور اس کے معارف و حقائق ہمارے ہی گھر سے مل سکتے ہیں

اسی طرح ان بزرگواروں کے باب اللہ، خدا کا دروازہ ہونے کا مطلب بھی واضح ہے کہ خدا تک رسائی اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے دین کے معارف حاصل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ جناب رسول خدا فرماتے ہیں۔ ان علیاً باب اللہ الاکبر فمن اراد اللہ فلیدخل من الباب الخبیر "علی خدا کا بڑا دروازہ ہیں۔ جو خدا کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اسی دروازہ پر آئے۔ (مرآۃ الانوار ص۹۱) نیز آنحضرت کا یہ ارشاد مشہور و متواتر ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا من اراد المدینۃ فلیاتہا من بابہا۔ میں شہر علم ہوں۔ اور علی اس کا دروازہ شہر میں داخل ہونے والے کو چاہئے کہ دروازہ کی طرف سے داخل ہو۔ و نحن انا ہا من غیر بابہا سمی سارقا (نہج البلاغہ) ارشاد قدرت ہے وأتوا البیوت من ابوابہا۔ ان حقائق

عامۃ الناس کے اطمینانِ قلب کے لئے کسی اور قطعی ثبوت کی ضرورت ہے۔ جب وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایسی چیز دکھائے گا جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہو۔ اور وہ کام کرکے دکھائے جس پر صرف خدا ہی قدرت رکھتا ہو اور انسانی دسترس سے بالا ہو تو یقیناً وہ اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور فی الواقع وہ فرستادۂ خداوندی ہے اور خدا نے یہ خارقِ عادت امر بطور سند اس کے ہاتھوں پر ظاہر کیا ہے کیونکہ معجزہ در حقیقت خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اسی لئے تو لوگ اس کو کسی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ خدا کا فرستادہ ہے ورنہ خدا اس کے ہاتھ پر ایسا فعل ظاہر نہ کرتا۔ یہ معجزات بحسب حالات زمان و مکان و اشخاص مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پر نار کو گلزار بنا دیا کسی کے ہاتھ پر عصا کو اژدھا بنا دیا۔ کسی کے ہاتھوں پر مردہ کو زندہ کر دیا کسی کو قرآن جیسا عدیم النظیر علمی معجزہ جو خالدہ عطا فرمایا۔ لیکن دلیل نبوت میں سب باہم شریک ہیں۔ اس بیان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ نبوت ایک دعویٰ ہے اور معجزہ اس کی دلیل جسے دیکھ کر عقل سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے ان پر ایمان لا کر سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور تعصب و عناد سے انکار کرنے والے دین و دنیا میں خائب و خاسر ہوتے ہیں۔ وذلک ھو الخسران المبین — وبالجملہ الکلام فی ضرورۃ المعجزۃ للانام المدعی للقیام علی عباء النبوۃ والامامۃ وفوائدھا للانام۔ کما لایخفی علی اولی الافہام)

معجزہ اور سحر میں فرق چونکہ عام طور پر اس مقام پر یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جو کام ایک نبی یا امام اعجاز نمائی کے مقام پر انجام دیتا ہے بظاہر ویسا ہی کام ایک شعبدہ باز، جادوگر اور مسمریزم کا ماہر شخص بھی انجام دے سکتا ہے۔ بنا بریں معجزہ کو کیونکر دلیل نبوت و امامت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر معجزہ اور جادو کے درمیان جو متعدد فرق ہیں ان میں بعض فرق یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ۔

فرق اوّل یہ کہ جادو ایک فن اور مخصوص علم ہے جو پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن معجزہ تعلیم و تعلّم اور کسب و اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتا

فرق دوم یہ کہ جادو کا معارضہ و مقابلہ کیا جا سکتا ہے یعنی ہے ایک جادوگر اپنے فن کے بل بوتے پر دوسرے ساحر کے سحر کو باطل کرکے اس پر غلبہ حاصل کرے۔ مگر معجزے کا کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مقابلہ نہیں کر سکتی اور کوئی شخص اسے باطل نہیں کر سکتا۔ معجزہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ سب کو عاجز کر دے اگر ایسا نہیں تو وہ معجزہ ہی نہیں ہے۔

فرق سوم یہ کہ جادو خصوصی مادی و طبیعی اسباب و آلات خفیہ، اوقات مخصوصہ، شرائط مقررہ اور قواعد معینہ کا محتاج ہوتا ہے مگر معجزہ میں کسی طبیعی سبب یا ظاہری آلہ یا کسی زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ حسب ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ اعجاز نمائی کی جا سکتی ہے۔ وہ صرف امر الٰہی کا پابند ہے۔ مذکورہ بالا قیود میں سے

کسی قید سے مقید نہیں ہے۔

فرق چہارم

معجزہ میں حقیقت و واقعیت ہوتی ہے۔ مگر جادو وغیرہ میں فقط نظر بندی ہوتی ہے۔ بالخصوص شعبدہ میں تو زیادہ تر ہاتھ کی صفائی کارفرما ہوتی ہے۔ کسی شے کی حقیقت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معجزے میں جو انقلاب و تغیر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فی الحقیقت اصل شے میں رونما ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی نبی و رسول یا امام عالی مقام کسی سنگریزے کو انگور بنا دے۔ تو اس سے پتھر والے خواص سلب ہو جائیں گے اور وہ سنگریزہ فی الحقیقت انگور بن جائے گا۔ کھانے والا اسے فی الحقیقت انگور ہی محسوس کرے گا۔ مگر جادوگر کنکری کو انگور بنا کر دکھا تو سکتا ہے۔ لیکن وہ اسے کھلا نہیں سکتا۔ وہ کنکری کنکری ہی رہے گی۔ حضرت موسیٰؑ نے جب پتھر سے پانی جاری کیا تھا۔ تو حقیقتاً تمام قوم نے سیر ہو کر پانی پیا تھا۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعوت ذوالعشیرہ میں تھوڑے سے کھانے کو بطور اعجاز جب دعوتیوں کے سامنے پیش کیا تھا تو سب نے سیر ہو کر کھایا تھا۔ معلوم ہوا معجزہ ایک امر واقعی و حقیقت ہے۔ مگر جادو میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ جادو کا اثر فقط نگاہ پر ہوتا ہے۔ اصل حقیقت شے پر نہیں ہوتا۔

فرق پنجم

معجزہ ہمیشہ منتخب روزگار اخیار و ابرار کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی مقرون بادعائے۔ مگر اس کے برعکس جادو کا ظہور فساق و فجار اور اشرار سے ہوتا ہے۔ و بینھما بون بعید۔

(از احسن الفوائد تصنیف ہی احقر عفی عنہ)

محل نزاع کی تعیین

اصل مقصد سے قبل محل نزاع کی تنقیح ضروری ہے تاکہ یہ بحث محض نزاع لفظی بن کر نہ رہ جائے۔ جو کہ علماء بلکہ عام عقلاء کی شان سے بھی بعید ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ چونکہ فعل معجزہ کا ظہور بظاہر نبیؐ و امامؑ کے دست حق پرست ہوتا ہے اس لئے فاعل مباشر ہونے کی حیثیت سے اس فعل کی ان حضرات کی طرف نسبت دینے کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ ہاں جو کچھ نزاع ہے تو وہ صرف اس بات میں ہے کہ نبیؐ یا امامؑ کی طرف اس کی یہ نسبت آیا من باب الحقیقت ہے (یعنی اس کے فاعل حقیقی نبیؐ یا امامؑ ہیں کہ خود اپنے عزم و ارادہ سے جب چاہیں اسے انجام دیتے ہیں) یا یہ من باب المجاز ہے کہ اس کا حقیقی فاعل تو خداوند عالم ہے جو ان کے ارادہ اور ان کی استدعا کے وقت ان کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے اور یہ بزرگوار محل ظہور ہونے کی وجہ سے اس کے فاعل مجازی ہیں۔ جو امر قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور علماء متقدمین و متاخرین کے تحقیقات و فرامین سے مبرہن اور پایۂ ثبوت تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ فعل معجزہ کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ اور نبیؐ و امامؑ کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے۔

اب ذیل میں اس دعویٰ کے ثبوت میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ پیش کئے جاتے ہیں۔ فتدبر جیداً ولا تکن من الجاحدین۔

معجزہ کا فعلِ خدا ہونا تعلیماتِ قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس قسم کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں جن سے بیکے از دلالت ثلاثہ (مطابقی تضمنی، و التزامی) معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ فعلِ خدا ہے یہاں چند آیہ وافی ہدایہ پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تأتي بالله والملائكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى في السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۱۰) "اے رسول کفار مکہ نے تم سے کہا کہ جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ جاری نکالو گے تو ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یا تمہیں تو کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو۔ اس بیچ بیچ میں نہریں جاری کرکے دکھلا دو یا جیسا تم گمان رکھتے تھے ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو (اپنے قول کی تصدیق میں) ہمارے سامنے گواہی میں لا کھڑا کر دو یا تمہارے رہنے کے لئے ایسا کوئی طلائی محل سرا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر خدا کے ہاں سے ایک کتاب نازل کرو گے کہ ہم خود اسے پڑھ بھی لیں اس وقت تک ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے کے بھی قائل نہ ہوں گے"

پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کو اس طرح جواب دو: قل سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا۔ (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۱۰) "اے رسولؐ تم کہہ دو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی (خدا کے) رسولؐ کے سوا اور کیا ہوں" (ترجمہ فرمان)

اس آیت مبارکہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا دکھانا نبی کا کام نہیں جو کہ بشر و انسان ہے۔ بلکہ اس کے اظہار کا تمام تر دارومدار مصلحت و قدرت پروردگار پر ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ تفسیر تبیان ج ۶ ص ۵۱۹ پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ وانما اجابهم بذلك لان المعنى انكم تقترحون على الآيات وليس امرها الي وانما امرها الى الله الذي ارسلني والذي هو اعلم بالتدبير مني وما يقتضيه من الدليل فلا وجه لطلبكم هذا مني مع ان هذه صفتي لاني رسول ادى اليكم ما اوحى الي وامرت ان اؤديه اليكم۔ الخ یعنی پیغمبر اسلامؐ نے ان کو جو جواب دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اے کفار تم مجھ سے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے ہو حالانکہ ان کا معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ ان کا معاملہ میرے بھیجنے والے کے قبضہ قدرت میں ہے جو تدبیر کرنے اور دلیل نبوت یعنی معجزہ معین کرنے کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے لہٰذا مجھ سے یہ تمہارا مطالبہ بلاوجہ ہے کیونکہ میں تو صرف رسول ہوں میرا کام تو فقط یہ ہے کہ جس چیز کی مجھے وحی کی گئی ہے اور اس کے پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے وہ تم تک پہنچاؤں"

اسی طرح علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۴۳۵ پر رقمطراز ہیں۔ معناه ان هذه الاشياء ليس في طاقة

البشر ان یاتی بھا فلا اقدر بنفسی ان اتی بھا کما لم یقدر من کان قبلی من الرسل و لذلک انما یظہر الآیات المعجزات علی حسب المصلحۃ وقد فعل فلا تطالبونی بما لا یطاق بہ البشر" یعنی اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ان امور کی انجام دہی (جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے) بشری طاقت سے باہر ہے لہذا میں بھی خود بخود انہیں انجام دینے پر قادر نہیں ہوں جیسا کہ مجھ سے پہلے انبیاءؑ بھی اس پر قادر نہ تھے خداوند عالم ہی معجزات کو اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق ظاہر کرتا ہے اور وہ ایسا کر چکا ہے۔ (یعنی کئی معجزات میرے ہاتھوں پر ظاہر کر چکا ہے) اس لئے تم مجھ سے اب کسی ایسی بات کا مطالبہ نہ کرو جس کا مطالبہ ایک بشر سے نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ محسن فیض مرحوم اپنی تفسیر صافی ص۲۹۱ پر "بشراً رسولاً" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کما نوا الرسل وقد کانوا لا یأتون قومھم الا بما یظھرہ اللہ علیھم من الآیات علی ما یلائم حال قومھم ولیس امر الآیات الی انما ھو الی اللہ وھو العالم بالمصالح فلا وجہ لطلبکم ایاھا منی۔ یعنی میں بھی دوسرے انبیاءؑ کی طرح بشر ہوں اور ان کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے وہی معجزات پیش کرتے تھے جو خدا ان کے ہاتھوں پر ان کی قوم کے مناسب حال ظاہر کرتا تھا کیونکہ خدا ہی تمام مصالح و حکم کا عالم ہے۔ اس لئے تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کرنا کہ میں معجزات دکھاؤں بالکل بلاوجہ ہے۔

جناب علامہ حائری مرحوم اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج۱۵ ص۲۱۹ پر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یعنی اے محمد صلعم جواب ایں اقتراحات بگو بریشان تعجب کنان کہ پاک است پروردگار من و منزہ است از اینکہ بدو گمان کنند از اینکہ کسے را در قدرت شریک وے سازند و شما آنچہ از من طلب میکنید کسے بر آن قادر نیست یا ہستم من مگر او انسان سنت یعنی نیستم مگر آدمی فرستادہ شدہ چون رسولان و ایشان پیش قوم ظاہر نکردند مگر معجزۂ مناسب قوم بود و اظہار آیات و معجزات وابستہ بارادہ و قدرت حق است نہ باختیار و مشیت ایشان۔"

خلاصہ مطلب یہ کہ اے رسولؐ! کفار کے اس اقتراحی مطالبہ کے جواب میں کہو کہ خدا اس سے منزہ ہے کہ اس پر کوئی غلط فرمائش کی جائے۔ یا کسی کو اس کی قدرت میں شریک قرار دیا جائے۔ اور تم نے جو مطالبہ کیا ہے اس پر خدا کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتا میں تو دوسرے رسولوں کی طرح صرف اس کا بھیجا ہوا آدمی ہوں۔ اور وہ بھی اپنی اپنی قوم کی حالت کے مطابق معجزے دکھاتے تھے۔ اور معجزات فقط پر کرنا خدا کے ارادہ اور اس کی قدرت سے وابستہ ہے نہ کہ رسولوںؑ کے ارادہ و قدرت سے۔"

(۲) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ (پ۱۳ سورہ رعد ع۲۰) اور کسی پیغمبر کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی معجزہ خدا کے اذن بغیر لا دکھائے۔

صاحب تفسیر صافی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں وما صح له ولم یکن فی وسعه ان یاتی بایة یقترح علیه وحکم یلتمس منه الا باذن الله فانه القادر علی ذلک یعنی نہ تو کسی رسول کے لئے یہ صحیح ہے اور نہ ہی اس کی قدرت میں ہے کہ وہ اس معجزہ کو پیش کرے جس کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مگر اللہ کے اذن وامر سے کیونکہ وہی اس کے ظاہر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔"

(۳) بنی اسرائیل کے لئے دریا میں بارہ راستوں کا بن جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے مگر اس کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے واذ فرقنا بکم البحر فانجینکم (پ ۱ س بقرع ۱۲) یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے دریا کو شگافتہ کیا۔ اور تمہیں نجات دی"۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ راستہ بنانا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے شر سے نجات دینا خداوند عالم کا فعل تھا نہ کہ جناب موسیٰؑ کا۔ وہو المطلوب۔

(۴) آتش نمرودی کا گلزار ہونا حضرت خلیل الرحمٰن کا مشہور معجزہ ہے مگر خداوند عالم اس کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ "قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم (پ س انبیاء ع ۵) ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا ابراہیمؑ کے لئے سلامتی کا باعث بن جا۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ یہ کارنامہ خود قدرت کاملہ نے انجام دیا تھا۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی طاقت وقدرت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں اس کا ظہور آپ پر ہوا۔ علامہ محمد ابن علی ابن شہر آشوب فرماتے ہیں "قیل ان اللہ احدث فیہا برداً مع شدة الحرارة التی فیہ فلم تؤذہ وقیل انه تعالیٰ حال بینہا وبین جسمه فلم تصل الیه" (متشابہات القرآن ج ۱ ص ۲۲۲) یعنی اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ خدا نے قدرت سے آگ میں حرارت وگرمی کی بجائے برودت وسردی پیدا کر دی تھی اس لئے آگ نے آنجنابؑ کو کوئی اذیت نہ دی اور دوسرا قول یہ ہے کہ خداوند عالم حضرت ابراہیمؑ کے جسم اقدس اور آگ کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔ اس لئے آگ آپ تک نہ پہنچ سکی۔"

(۵) سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بجسد عنصری معراج پر تشریف لے جانا آنحضرتؐ کے معجزات میں سے ہے مگر قرآن کی آیت مبارکہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حوله ....." پاک ہے وہ خدا جو اپنے عبد خاص کو رات کے ایک حصہ میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ در حقیقت یہ فعل خدا تھا۔ نہ فعل رسولؐ! آنحضرتؐ جانے والے تھے لے جانے والا خداوند عالم تھا۔

(۶) قرآن مجید سرکار رسالت مآبؐ کا معجزۂ خالدہ ہے اور تمام معجزات سے افضل واشرف ہے ظاہر ہے کہ اس کو آنحضرتؐ کا معجزہ محض اس لئے قرار دیا جاتا ہے۔ کہ اس کا نزول آپ کی ذات بابرکات پر ہوا ہے (نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین) ورنہ بہ حقیقت عیاں، اچھ بیان کی مصداق ہے کہ یہ خالق کلام کا کلام

معجز نظام ہے۔ (دو تا نیکرہ ۱۸۱)

(۷) پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ جو انہوں نے عذابِ خداوندی کا مطالبہ کرنے والے کفار کے جواب میں بامرِ ایزدی فرمایا تھا۔ قل لو ان عندی ما تستعجلون بہ لقضی الامر بینی و بینکم و اللہ اعلم بالظالمین (پ ۷ س الانعام ع ۱۴) "اور (ان لوگوں سے) کہدو کہ جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وہ میرے (اختیار) میں ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب کا چک گیا ہوتا۔ اور خدا تو ظالموں سے خوب واقف ہے۔"

چونکہ کفار نزولِ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان کے جواب میں رسولؐ نے بحکمِ ایزدی اعلان کر دیا کہ ما عندی ما تستعجلون بہ ان الحکم الا للہ۔ "تم جس کی جلدی کرتے ہو (عذاب) وہ کچھ میرے پاس (اختیار میں) تو ہے نہیں حکومت تو بس صرف خدا ہی کے لئے ہے۔" معلوم ہوا یہ امور جو خارقِ عادت ہیں۔ ان کا فاعلِ حقیقی خداوندِ عالم ہے نبیؐ صرف اس کی استدعا کرتا ہے حضرت نوحؑ بارگاہِ قدرت میں عرض کرتے ہیں۔ "رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اب طوفان بھیجنا اور تمام منکرین کو نیست و نابود کر دینا خدا کا کام ہے۔

(۸) کفار کا اعتراض اور رسولِ خداؐ کا جواب اسی سلسلہ میں مختصر راہ کا کام دیتا ہے "قالوا لولا نزل علیہ آیۃ من ربہ قل ان اللہ قادر علیٰ ان ینزل آیۃ ولکن اکثر الناس لا یعلمون (پ ۷ س الانعام ع ۴)" اور کفار کہتے ہیں کہ (آخر) اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا؟ تو تم ان سے کہدو کہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر ضرور قادر ہے مگر ان میں کے اکثر لوگ (خدا کی مصلحتوں کو) نہیں جانتے۔" اس آیتِ مبارکہ سے بھی بعبارۃ النص ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا ظاہر کرنا درحقیقت خدائے قدیر و بصیر کا کام ہے۔ جنہیں وہ اپنی مصلحت و قدرت کے ماتحت ظاہر کرتا ہے۔

(۹) خداوندِ عالم کفار کے انکار و جحود کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے واقسموا باللہ جہد ایمانہم لئن جاءتہم آیۃ لیؤمنن بہا قل انما الآیات عند اللہ وما یشعرکم انہا اذا جاءت لا یؤمنون۔ (پ ۷ س الانعام ع ۱۳) "اور ان لوگوں نے خدا کی سخت سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے (اے رسولؐ تم) کہو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم یہ یقینی بات ہے کہ جب معجزہ بھی آئے گا تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (ترجمہ فرمان) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حاشیہ پر مولانا فرمان علی صاحب لکھتے ہیں:-

"ایک دفعہ کفار قریش نے حضرت رسولؐ سے کہا آپ تو کہتے ہیں کہ موسیٰؑ نے پتھر سے چشمے جاری کئے عیسیٰؑ نے مردے زندہ کئے۔ صالحؑ نے پہاڑ سے اونٹنی نکالی۔ بھلا آپ بھی تو کچھ دکھائیے۔ آپؐ نے پوچھا

تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ وہ بولے کہ صفا سونے کا ہو جائے۔ آپ نے پوچھا اگر ہو جائے تو ایمان لاؤ گے؟ وہ بولے ضرور۔ اور اس پر سخت سے سخت قسمیں بھی کھائیں۔ یہ سن کر آپ دعا کرنا چاہتے ہی تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور خدا کا پیغام پہنچایا کہ میں تمہاری دعا سے اس پہاڑ کو سونا بنا دوں گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ اگر یہ لوگ اس پر بھی ایمان نہ لائے تو سخت سے سخت عذاب نازل کر کے ان کی بیخ کنی کر دوں گا۔ اب تم جس شق کو چاہو اختیار کرو۔ آپ نے ان کی حالت پر غور کر کے اس سے درگذر کی۔ (حقائق فرقان ص۲۲۳)

اس کے بعد بھی یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج رہ جاتی ہے۔ کہ معجزہ نما کا کام صرف دعا و استدعا کرنا ہوتا ہے۔ معجزہ کا ظاہر کرنا خدائے عزوجل کا کام ہے۔

(۱۰) حضرت عیسیٰ پر مائدۂ آسمانی کا نازل ہونا ان کا مشہور معجزہ ہے مگر اس کی جو کیفیت قرآن نے بیان کی ہے وہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند کریم ہی ہے۔ ہاں البتہ دعا و پکار کرنا نبی و امام کا کام ہے۔ اور پھر اس کا ظہور بھی اسی کے مقدس ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ حواریین حضرت عیسیٰ سے کہتے ہیں هل يستطيع ربك ان ينزل علينا مائدة من السماء الآية "کیا آپ کا خدا اس پر قادر ہے کہ ہم پر آسمان سے نعمت کا ایک خوان نازل فرمائے (پ ۷ المائدہ) قال عيسى ابن مريم اللهم ربنا انزل علينا مائدة من السماء الخ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے عرض کی خداوندا! اے ہمارے پالنے والے! ہم پر آسمان سے ایک خوانِ نعمت نازل فرما الخ

اس کے حاشیہ پر مولانا فرمان علی صاحب لکھتے ہیں۔ "جب حضرت عیسیٰ نے حواریوں کی فرمائش سے خوان کے نازل ہونے کی دعا کی تو خدا نے ایک سفید ابر کے ٹکڑے میں ایک سرخ خوان زمین کی طرف اتارا اور لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے حواریوں کے پاس آ پہنچا۔ الخ (حاشیہ فرمان ص...)

(۱۱) وقالوا لولا انزل عليه آيت من ربه قل انما الايت عند الله وانما انا نذير مبين (پ ۲۱ س عنکبوت ع ۱) کفار (عرب) کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نازل نہیں ہوتے۔ (اے رسول) ان سے کہہ دو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف صاف صاف (عذاب خدا سے) ڈرانے والا ہوں۔" اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ معجزات تو خدائے قدیر کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہی ان کو اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے نبی و امام کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔

(۱۲) والق عصاك فلما رآها تهتز كانها جان ولى مدبرا ولم يعقب يا موسى لا تخف انى لا يخاف لدي المرسلون (پ ۱۹ س النمل ع ۱) "اور (ہاں) اپنی چھڑی تو زمین پر ڈال دو تو جب موسیٰ نے اس کو دیکھا اس طرح لہرا رہی ہے گویا وہ زندہ اژدہا ہے تو پچھلے پاؤں بھاگ چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ہم نے کہا اے موسیٰ ڈرو نہیں ہمارے پاس تو پیغمبر لوگ ڈرا نہیں کرتے ہیں (مطلق ہو جاتے ہیں) (ترجمہ فرمان) یہ آیت مبارکہ اس مطلب پر نص صریح ہے

دوسیں قبیح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا کام صرف عصا کا پھینکنا تھا اب اسے اژدہا بنانا اور پھر اسے اپنی اصلی شکل (عصا) کی طرف لوٹانا خدا کا کام تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر عصا کا اژدہا بنانا جناب موسیٰؑ کا فعل ہوتا تو پھر ان کے اس سے خوف زدہ اور بے تحاشا پچھلے پاؤں دوڑنے کا کیا مطلب؟ بھلا کوئی صانع اپنی مصنوع، کوئی خالق اپنی مخلوق، اور کوئی فاعل اپنے فعل سے بھی خائف و ہراساں ہوتا ہے؟ اس کی تائید مزید اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد قدرت ہے "سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ" ہم اس کو اس کی اصلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس سے آشکار ہوتا ہے کہ جو خدا اسے اصلی شکل کی طرف لوٹا رہا ہے اسی نے اسے موجودہ حالت میں تبدیل کیا تھا۔ اسی وجہ سے تو جناب موسیٰ نے جادوگران فرعون سے کہا تھا۔ ما جئتم به السحر ان الله سیبطله۔ خدا تمہارے جادو کو باطل کرے گا (عصا کو اژدہا بنا کر) یہ نہیں فرمایا کہ میں باطل کروں گا معلوم ہوا کہ معجزہ فعل خدا ہے وھو المطلوب

(۲) پہاڑوں اور پرندوں کا مسخر ہونا، لوہے کا نرم ہونا وغیرہ حضرت داؤد کے مشہور معجزے ہیں۔ مگر خداوند عالم قرآن میں ان تمام معجزات کا فاعل اپنی ذات کو قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کا تابع بنا دیا۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے والنا له الحدید ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کیا۔ اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر وکنا فاعلین (پ ۱۷ س انبیاء ع ۶) "اور ہم نے پہاڑ و پرند داؤد کا تابع بنا دیا تھا کہ ان کے ساتھ (خدا کی) تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی تابع کر دیا تھا اور ہم ہی ایسا کیا کرتے تھے۔" اس سے بڑھ کر اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فاعل ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔

(۳) خداوند عالم اپنے حبیب کو ارشاد فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی ... علامہ حبیب ستیہ اسماعیل الندوی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کہ حق تعالیٰ نسبت این رمی را بذات مقدس خود علی سبیل الایجاد والحقیقة فرمود ولکن الله رمی۔ و بصورت فعل و رمی کہ مجاز است نسبت داد بجناب قدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ و ازین جہت بود کہ سلب نسبت نیز ازاں جناب نمودہ فرمودہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ (کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۳۶)

یعنی خداوند عالم نے "رمی" (کنکر مارنے) کی نسبت اپنی ذات کی طرف بطور ایجاد اور حقیقت کے دی ہے چنانچہ فرماتا ہے "ولکن الله رمی"۔ ہاں بظاہر کنکر مارنے کے عمل کو بطور مجاز جناب رسول خدا کی طرف نسبت دی ہے اور اسی مجازی وجہ سے اس فعل کی آنحضرت سے نفی بھی فرما دی ہے۔ کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی۔"

(۴) آیت مبارکہ سے یعنی کشف الشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ معجزہ در حقیقت خدائے قادر و قیوم کا فعل ہوتا ہے۔ ہاں چونکہ ظاہراً اس کا ظہور بواسطہ انبیاء و اوصیاء کے ہوتا ہے لہٰذا مجازاً اس کی نسبت ان کی طرف بھی دی جاتی ہے۔ کذالک یبین اللہ آیاته لعلکم تهتدون

معجزہ کا فعلِ خدا ہونا احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں

بکثرت احادیثِ معصومینؑ سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ معجزہ کا فاعلِ حقیقی خداوندِ عالم ہے

ہم ذیل میں چند احادیثِ شریفہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی ایک طویل حدیثِ مبارک میں مشرکینِ عرب پر احتجاج کرتے اور بشریتِ رسول کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انما بعث اللہ بشراً واظهر على يده المعجزات التي ليست في طبائع البشر الذين قد علمتم طبائعهم فتعلمون بعجزكم عما جاء انه معجزة" (احتجاج طبرسی ص۲۸ طبع نجف) یعنی خداوندِ عالم نے اس لئے بشر کو منصبِ رسالت پر فائز کرکے بھیجا اور اس کے ہاتھوں پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جو انسانی طاقت و قدرت سے باہر ہیں۔ جن کی طبیعتوں کو تم جانتے ہو تاکہ جب تم اس (رسول) کے لائے ہوئے (معجزہ) کا مثل نہ لا سکو۔ تو تم کو یقین ہو جائے گا وہ (جو کچھ لایا ہے) معجزہ ہے؟

(۲) ایک مرتبہ کسی شخص نے جناب امیر المومنینؑ کو خشک نان جویں کا ٹکڑا گھٹنے پر رکھ کر توڑتے ہوئے دیکھا تو ازراہ تعجب عرض کیا۔ یا امیر المومنینؑ کیا یہ وہی کلائی نہیں جس سے آپ نے قلعۂ خیبر کو اکھاڑ پھینکا تھا؟ آں جناب نے فرمایا: تلك قوة الله وهذه قوتي۔ یعنی وہ خدا کی قوت تھی۔ اور یہ میری قوت ہے (انوار نعمانیہ محدث جزائری ص۲۲ طبع ایران) کتاب المجلی ص۲۳۴ پر اسی سلسلہ میں آنجنابؑ سے یوں مروی ہے قلعت باب خيبر بقوة ربانية لا بقوة جسدانية میں نے قلعۂ خیبر کو قوتِ ربانیہ سے اکھاڑا ہے نہ قوتِ جسمانی سے۔ کتاب روضۃ الواعظین نیشاپوری ج۱ ص۱۲۷ پر یہ ارشاد اور بھی قدرے شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ آنجنابؑ سہل بن حنیف کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: "والله ما قلعت باب خيبر بقوة جسدية ولا حركة غذائية لكن ايدت بقوة ملكوتية ونفس بنور ربها مضيئة الخ"

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ خدا کی قوت و طاقت سے ظاہر ہوتا ہے

(۳) احتجاج طبرسیؒ ص۲۳۲ نیز مدینۃ المعاجز ص۸ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے۔ کہ ایک آدمی نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ انهم يزعمون ان عليا لما اظهر من نفسه المعجزات التي لا يقدر عليها غير الله دل على انه اله ولما ظهر لهم بصفات المحدثين العاجزين لبس عليهم وامتحنهم ليعرفوه وليكون ايمانهم اختيارا من انفسهم یعنی یہ غالی لوگ گمان کرتے ہیں۔ کہ جب جناب امیر المومنینؑ نے وہ معجزات دکھائے جن پر سوائے خدا کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ تو آپ نے اس سے یہ بتلا دیا کہ وہ خدا ہیں۔ اور جب لوگوں کے سامنے حادث و عاجز بندوں والی صفات کے روپ میں ظاہر ہوئے تو اس سے آپ کا مقصد لوگوں کا امتحان لینا تھا۔ تاکہ ان کا ایمان اختیاری ہو نہ اضطراری۔ یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو لوگ ایسا عقیدہ

الا انہ دل علی ان من ھذہ صفاتہ وشارکہ فیھا الضعفاء والمحتاجون لا تکون المعجزات فعلہ فعلم بھذا ان الذی ظھر من المعجزات انما کانت فعل القادر الذی لا یشبہ المخلوقین لا فعل المحدث المحتاج المشارک للضعفاء فی صفات الضعف" (بلکہ حقیقت حال اس طرح ہے کہ) جب حضرت امیر المومنینؑ سے فقر و فاقہ ظاہر ہوا تو اس نے یہ امر واضح کر دیا کہ جس شخص کی یہ صفات ہوں جن میں اس کے ساتھ دیگر ضعیف و محتاج انسان بھی شریک ہیں۔ یہ معجزات اس کا فعل نہیں ہو سکتے۔ لہذا اس سے معلوم ہو گیا کہ جس ذات نے یہ معجزات ظاہر فرمائے ہیں۔ وہ اور ہے۔ یہ اس قادر مختار ہستی کا فعل ہے جو کسی بات میں بھی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ اس حادث مخلوق کا فعل نہیں ہو سکتے جو صفات ضعف و کمزوری میں دوسرے ضعیفوں کے ساتھ شریک ہے (کذا فی البحار ج ۲، ص ۳۴۷ والدمعۃ الساکبہ ص ۴۹ وغیرہ)

ہم نے بفضلہ تعالیٰ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ صحیحہ پیش کر دی ہیں کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے (وکن فاعلیہ انما کانت فعل القادر المختار) اور مزید برآں نبیؑ و امامؑ کے فاعل مجازی ہونے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے ان ذوات مقدسہ سے اس رفعل معجزہ) کی نفی بھی ثابت کر دی ہے (ما رمیت۔ لا تکون المعجزات فعلہ) اب نبیؑ و امامؑ کو معجزہ کا فاعل حقیقی سمجھنے والے حضرات کے لئے دو ہی راستے ہیں یا اسی طرح قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ کو ان کے فاعل حقیقی اور خدا کے فاعل مجازی ہونے کی تصریحات پیش کریں۔ اور ہمیں قائل کرنے کے ساتھ ساتھ منہ مانگا حق الزحمت (انعام) بھی حاصل کریں۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں (اور نہیں کر سکتے ہیں نشاء اللہ یہ بازو ہمارے آزمائے ہوئے ہیں) تو پھر دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے خود ساختہ نظریے سے تائب ہو کر کھلم کھلا حقیقت کا اعتراف کریں۔ اور اپنی بھول بھلیوں سے لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔

(۲) جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے کھجور کے خشک درخت سے تازہ کھجوریں اصحاب کو کھلائیں۔ وہاں ایک بدو موجود تھا۔ وہ یہ معجزہ دیکھ کر کہنے لگا۔ میں نے آج بچشم خود جادوگر دیکھا ہے۔ امامؑ نے فرمایا۔ لا تکذبن علینا اھل البیت فانہ لیس منا ساحر ولا کاھن ولکن علمنا اسماء من اسماء اللہ تعالیٰ فنسئل بھا فنعطی وندعو فنجاب (دمعۂ ساکبہ ص ۳۰) ہم اہل بیت پر جھوٹ نہ باندھو۔ ہم میں نہ کوئی ساحر ہے۔ اور نہ کاہن۔ بلکہ (حقیقت الامر یہ ہے کہ) ہمیں خدا کے ناموں میں سے کچھ اسم (اعظم) تعلیم دیئے گئے ہیں۔ جب ان کے ذریعہ سے سوال کرتے ہیں۔ تو ہمیں (ہمارا مدعا) مل جاتا ہے۔ اور جب دعا کرتے ہیں تو وہ مستجاب ہو جاتی ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کا ظہور اسم اعظم کے ذریعہ دعا کرنے کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔ چنانچہ ہفتم بحار ص ۲۸ پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے ان عندھم الاسم الاعظم وبہ تظھر عنھم الغرائب" یعنی ائمہ اہل البیتؑ کے پاس اسم اعظم موجود ہے۔ جس کی وجہ سے ان سے عجائب و غرائب (معجزات) ظاہر ہوتے ہیں۔

(۵) جناب آصف بن برخیا کا چھ ماہ کی مسافت بعیدہ سے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کرنا قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ اور اس امر کو ان کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ تفسیر صافی، تفسیر ابوالفتوح رازی، اور تفسیر نور الثقلین وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان کے پاس اسم اعظم کے تہتر اسماء میں سے صرف ایک اسم اعظم تھا۔ جب اس کے ذریعہ دعا کی تو خدا نے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ اس کی تائید مزید صحیفہ علویہ کی دعائے روز یازدہم سے بھی ہوتی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں۔ واسئلک باسمک الذی سئلک به عبدک الذی کان عنده علم من الکتب فاتیته بعرش قبل ان یرتد الیه طرفه فاسئلک به و ادعوک اللهم بما دعاک به فاجبته فاستجب لی الخ۔ میں تیری بارگاہ میں اس اسم کے ذریعہ سے سوال کرتا ہوں جس کے ذریعہ سے تیرے اس بندے نے تجھ سے سوال کیا تھا جس کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا۔ اور اس کی بدولت تو نے تخت بلقیس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے حاضر کر دیا تھا۔ میں اسی کے ذریعہ سے سوال و دعا کرتا ہوں جس کے ذریعہ سے انہوں نے دعا کی تھی۔ اور تو نے اسے مستجاب کیا تھا۔ میری دعا کو بھی مستجاب فرما۔ (صحیفہ علویہ ص۴۳)

مگر موجودہ دور کے مدعیان علم و تحقیق کی تحقیق یہ ہے کہ تخت بلقیس خود جناب امیر علیہ السلام نے حاضر کیا تھا۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بو العجبی است

کجا قال الذی عنده علم من الکتاب کا مصداق اور کجا من عنده علم الکتب کا مصداق۔ کجا ایک اسم اعظم رکھنے والے کا مقام اور کجا بہتر اسم اعظم رکھنے والے کی شان۔

(۶) ایک طویل حدیث میں جناب امیر علیہ السلام چند مردوں کے زندہ کرنے کا تذکرہ بایں الفاظ کرتے ہیں فدعوت الله تعالیٰ فقاموا من قبورهم ینفضون التراب من رؤسهم باذن الله عز و جل۔ میں نے خدا سے دعا کی۔ پس وہ مردے قبروں سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے کہ سروں سے مٹی جھاڑتے تھے باذن اللہ۔ (الدمعۃ الساکبہ ج۱ ص۳۰) معلوم ہوا معجزہ نما کا کام دعا کرنا ہے۔ اس کے بعد ایجاد فعل خدا کا کام ہے۔

(۷) جناب سلمان فارسی فرماتے ہیں۔ اقسم ابوالحسن علی الله ان یحیی الاولین و الاخرین لاحیاهم اگر جناب ابوالحسن علی خدا کو قسم دیں کہ وہ اولین و آخرین کو زندہ کر دے۔ تو یقیناً خدا ان سب کو زندہ کر دے گا۔ (الدمعۃ الساکبہ ج۱ ص۱۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سلمان جیسے عارف اہل بیتؑ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبیؑ و امامؑ دعا کرتے ہیں۔ اور در حقیقت معجزہ خدا ظاہر کرتا ہے۔

(۸) دمعۃ ساکبہ ج۱ ص۳۰ پر جناب امیر علیہ السلام کے کچھ معجزے، مثلاً نابینا اور زمین گیر ورد کو تندرست کرنے کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ سب میں یہ مذکور ہے کہ "فصلی علیه اربعا" کہ آنجناب نے چار رکعت نماز پڑھ کے یہ معجزہ دکھایا۔ کہیں یہ کلمات "دعا دعوات" آپ نے کئی دعائیں پڑھیں۔ کہیں یہ مرقوم ہے "اخرج ورقا صفرا فقرأ علیهم" زرد رنگ کا چھوٹا سا ورق نکالا اور اس میں سے کچھ پڑھا۔ سب کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ معجزہ نما، اسم اعظم

کے ذریعہ خدا سے دعا و استدعا کرتا ہے اور خدائے قدیر و قادر اس کے اظہار کے لیے معجزہ ظاہر کر دیتا ہے

(۹) جب جناب رسول خدا نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے چلانے کا معجزہ کفار قریش کو دکھایا۔ تو وہاں بجاہ محمد و آلہ الطیبین کہہ کر دعا فرمائی۔ اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء سابقین کے مشکلات و مصائب انہی بزرگواروں کے ساتھ توسل حاصل کرنے سے دور ہوئے۔ (احتجاج طبرسی ص۳۲ طبع جدید)

(۱۰) جناب امام رضاؑ سے مروی ہے کہ خدا نے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہاتھوں پر پرندوں کو زندہ کیا (جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) تو پرندوں نے کہا: ادع اللہ یحیینا احیاک اللہ "آپ نے ہمیں زندہ کیا ہے خدا آپ کو زندہ رکھے" جناب خلیل نے جواب میں فرمایا "بل اللہ یحیی و یمیت وہو علی کل شئی قدیر" (میں نے تمہیں زندہ نہیں کیا بلکہ خدا ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے" (احتجاج طبرسی ص۲۲۳ تفسیر صافی ص۶۲ الخصال ص۱۲۲ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ان پرندوں کی طرح عقل و بصیرت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ ظاہر پر فریفتہ ہو کر معجزہ کو معجز نما کا فعل سمجھتے ہیں لیکن [illegible] اور بلند درجے حضرات ہی سمجھتے ہیں کہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے وہو علی کل شئی قدیر۔

(۱۱) حبابہ والبیہؓ سے مروی ہے کہ میں امام حسینؑ کی خدمت میں روتے حاضر ہوئی۔ امامؑ نے گریہ کا سبب دریافت فرمایا۔ میں نے اپنے برص کی شکایت کی۔ یہ سن کر آپ نے اپنا دست مبارک مقام برص پر رکھا اور دعا پڑھی [illegible] فکشف اللہ ما بک من البرص" اور دعا شروع کی تھی کہ جب آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو خدا نے برص کی تکلیف دور فرما دی تھی۔ (رجال کشی ص۷۶) برص ان امراض میں داخل ہے کہ جن کے مریضوں کی شفا رسانی قرآن میں جناب عیسیٰؑ کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے۔ امامؑ نے بھی یہ معجزہ دکھایا۔ مگر کس طرح؟ دعا امامؑ نے کی شفا خدا نے دی۔ جناب حبابہؓ نے کس حسین انداز سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ذوالجلال اور مجازی فاعل امام عالی مقام ہے!!

(۱۲) جناب امام رضا علیہ السلام اثبات و دلائل امامت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "ودلالتہ فی خصلتین فی العلم واستجابۃ الدعوۃ الخ" امام کی شناخت دو باتوں سے ہوتی ہے۔ ایک علم کی کثرت سے کہ الحجۃ من لا یقول لا ادری، دوسرے دعا کے مستجاب ہونے سے (عیون اخبار الرضا ج۲) اس میں استجابۃ الدعوۃ سے مراد معجزہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ بھی استجابت دعا کی ایک قسم ہے۔ یہ دعا اگر عام عادی امور سے متعلق ہو تو اس کے داعی کو مستجاب الدعا کہہ دیا جاتا ہے۔ اور اگر خارق عادت امور سے متعلق ہو تو اسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ فتدبر جیداً

(۱۳) ابی خالد کابلی یحییٰ بن ام الطویل سے نقل کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ... شہر میں ایک نوجوان روتا ہوا آیا۔ آنجنابؑ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا میری ابھی

میری والدہ کا انتقال ہوا ہے اور وہ مالدار تھی۔ مگر وہ اس کے متعلق کوئی وصیت نہیں کر گئی اور نہ ہی اس کا کوئی اتہ پتہ بتا گئی ہے البتہ اس نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین سے قبل آپ کو اس کی موت کی اطلاع دیدوں۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا چلو اس مومنہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ جب ہم اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ عورت مردہ حالت میں کپڑے میں ڈھانپی ہوئی پڑی ہے۔ امام علیہ السلام نے دہلیز دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائی اللھم احیھا حتی توصی بما تحب من وصیتھا فاحیاھا اللہ (ترجمہ) امام نے بارگاہ احدیت میں دعا کی تاکہ خدا اسے زندہ کرے اور وہ اپنے حسب منشاء وصیت کرے۔ امامؑ کی دعا کے نتیجہ میں قادر مطلق نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور وہ کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

امام علیہ السلام کو دیکھ کر عرض کیا۔ ادخل البیت یا مولائی ومرنی بامرک میرے آقا اندر تشریف لائیے۔ اور اپنے حکم سے آگاہ فرمائیے۔ چنانچہ امام عالی مقام اندر تشریف لائے اور تکیہ پر بیٹھ گئے پھر اس مومنہ سے فرمایا "وصی یرحمک اللہ" خدا تم پر رحم کرے اپنی وصیت کر۔ اس نے عرض کیا یابن رسول اللہ! میرے پاس اتنا اتنا مال ہے جو فلاں جگہ رکھا ہے۔ اس کا تیسرا حصہ تو میں آپ کی نذر کرتی ہوں تاکہ آپ جہاں مناسب سمجھیں اپنے محبوں پر صرف فرمائیں اور دو حصے اپنے اس بیٹے کو دیتی ہوں بشرطیکہ آپ کے نزدیک یہ آپ کے محبوں میں شامل ہو ورنہ یہ بھی آپ کا مال ہے۔ فلا حق للمخالفین فی اموال المومنین کیونکہ ناصبی کا اہل ایمان کے مال میں کوئی حق نہیں ہے۔ پھر اس مومنہ نے امامؑ سے التماس کیا کہ میری نماز جنازہ پڑھائیں اور میری تجہیز و تدفین کا خود انتظام فرمائیں۔ اس کے بعد وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئی (یعنی مر گئی)۱؎

(۲) ایوب ابن اعین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت ایام حج میں طواف کر رہی تھی۔ اور اس کے پیچھے ایک مرد بھی طواف میں مشغول تھا۔ اثنائے طواف میں عورت نے اپنی کلائی باہر نکالی۔ اور اس مرد نے اپنا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ دیا۔ خدا نے اس کا ہاتھ وہیں کلائی میں گاڑ دیا۔ طواف منقطع ہو گیا۔ لوگ اس مرد و عورت کو پکڑ کر حاکم مکہ کے پاس لے گئے۔ اس نے فقہا کی طرف رجوع کیا۔ سب نے یہ فتویٰ دیا کہ اس مرد کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس نے ایک جرم شنیع کا ارتکاب کیا ہے۔ حاکم نے پوچھا آیا یہاں اولاد رسول میں سے کوئی بزرگ موجود ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں! گذشتہ شب حضرت امام حسینؑ تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے امام عالی مقامؑ سے دربار میں تشریف لانے کی استدعا کی۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے تمام صورت حالات عرض خدمت کی۔ فاستقبل القبلة ورفع یدیه فمکث طویلا یدعو۔ امام علیہ السلام رو بقبلہ دست دعا

۱؎ ماخذ بحار ج۱۱ ص۱۴۲ و معاجز ص۲۹۶ وغیرہ

چنانچہ آپ کافی دیر تک دعا کرتے رہے اس کے بعد وہاں تشریف لے گئے۔ جہاں وہ مرد و عورت تڑپ رہے تھے حتی خلص یدہ من یدھا "اور پھر اپنے دست حق پرست سے اس مرد کے ہاتھ کو عورت کے ہاتھ سے علیحدہ کر دیا۔ حاکم نے پوچھا کیا ہم اس مرد کو سزا نہ دیں۔ امامؑ نے فرمایا نہیں۔

(۱۵) محمد بن شاذان نے اپنے باپ سے اور وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور خشک سالی کی شکایت کرتے ہوئے آنجنابؑ سے استدعا کی کہ آپ طلب باران کی دعا فرمائیں۔ آنجنابؑ نے بیٹے امام حسینؑ کو حکم دیا کہ تم ان کے لئے طلب باران کرو۔ فقام وحمد اللہ واثنی علیہ وصلی علی النبی وقال اللھم معطی الخیرات ومنزل البرکات ارسل السماء علینا مدرارً الخ شہزادہ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر جناب رسول خداؐ پر درود و سلام بھیجا۔ اس کے بعد دعا کی۔ یا اللہ! اے خیرات کے عطا کرنے والے اور برکات کے نازل کرنے والے موسلا دھار بارش برسا۔ راوی کہتا ہے: فما فرغ من دعائہ حتی غاث اللہ غیثاً بغتۃً ابھی امام علیہ السلام دعا سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ خداوند عالم نے اچانک باران رحمت نازل کر دیا۔ اور کوفہ کے اطراف و جوانب سے ایک اعرابی آیا اور ذکر کیا کہ اس قدر بارش ہوئی ہے کہ کوفہ کے تمام نشیب و فراز والے مقامات لبریز ہو گئے ہیں۔[1]

(۱۶) جب امام علیہ السلام نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ام سلمہؓ نے آپ کو یہ کہہ کر اس ارادہ سے روکنے کی کوشش کی کہ میں نے جناب رسول خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ عراق میں شہید کیا جائے گا۔ اور میرے پاس ایک شیشی میں اس جگہ کی مٹی بھی ہے۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا انی واللہ مقتول کذلک وان لم اخرج الی العراق یقتلونی وان احببت ان اریک مضجعی ومضجع من یستشھد معی فعلت۔ خدا کی قسم میں ضرور اسی طرح شہید کیا جاؤں گا۔ جس طرح میرے جد نامدار نے خبر دی ہے۔ اور اگر میں عراق نہ بھی جاؤں۔ تو بھی یہ ظالم مجھے ضرور قتل کر ڈالیں گے۔ پھر فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں ابھی آپ کو اپنی اور اپنے اصحاب کی قتل گاہ بھی دکھا دوں۔ جناب ام سلمہؓ نے کہا اگر مشیت ہو تو ہاں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ فتکلم باسم اللہ عزوجل الاعظم فانخفضت الارض حتی اراھا مضجعہ ومضجعھم واعطاھا من التربۃ الخ امام علیہ السلام نے اسم اعظم پڑھا۔ پس فوراً زمین پست ہو گئی۔ امام علیہ السلام نے جناب ام سلمہؓ کو اپنی اور اپنے اصحاب و اعزہ کی قتل گاہ دکھائی۔ اور کچھ خاک کربلا بھی ان کے

[1] بحار الانوار ج ۱۰ صفحہ ۱۸۷ و معجزات السبطین ص ۲۵۲ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۴۸ تظلم الزہراء ص ۹ [2] معاجز بحار و مدینۃ المعاجز وغیرہ

حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "فاذا فاضت دماً فاعلمی انی قتلت" جب اس سے خون ابلنے لگے تو سمجھ لینا میں شہید ہو گیا ہوں۔ جناب ام سلمہ بیان کرتی ہیں جب روز عاشور ظہر کے بعد میں نے دونوں شیشیوں کو دیکھا تو اس سے خون ابل رہا تھا۔ اس وقت میں پھوٹ کر روئی (نفس مہموم وغیرہ)

(۱۰) معجزہ رد الشمس میں تمام ارباب سیر و تواریخ نے یہی لکھا ہے کہ چونکہ جناب رسول خدا کو وحی ہو رہی تھی اور آپ کا سر اقدس حضرت امیر علیہ السلام کے زانو پر تھا جناب امیر نماز نہ پڑھ سکے۔ اور ایسے اشارہ سے ادا فرمائی۔ جب سلسلۂ وحی ختم ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا جب آپ کو حضرت امیر کی نماز کی حقیقت حال معلوم ہوئی تو بارگاہ ایزدی میں یوں دعا کی۔ "اللهم ان كان علي في طاعتك وطاعة رسولك فرد عليه الشمس ليصلي صلوته" (ملاحظہ السکینہ ج ، ص۳۳) "پس حضرت دعا کرد کہ خداوندا علی در طاعت تو و طاعت رسول تو بود آفتاب را برگردان" (حق الیقین علامہ مجلسی ص۳۲)۔ بار الہا چونکہ علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا اس لیے آفتاب کو پلٹا دے۔ چنانچہ آفتاب فضیلت عصر کے وقت تک پلٹ آیا۔ اس واقعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت نے دعا کی اور خدا نے سورج کو پلٹایا۔

(۱۱) اسی طرح معجزہ شق القمر کے وقت آنحضرتؐ کا بارگاہ ایزدی میں دعا کرنا سب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ "فسئل رسول الله ربه ان يعطيه ما قالوا فانشق القمر فلقتين" یعنی آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ کفار قریش جو مطالبہ کر رہے ہیں وہ آپ کو عطا فرمائے۔ چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے (ملاحظہ السالکین ص۳۳)۔ اس سے ظاہر ہے کہ دعا آنحضرتؐ نے کی اور چاند کو دو ٹکڑے خدا نے کیا۔

اگر بنظر غور معجزات رسول خدا و ائمہ ہدیٰ کا جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ یہی سلسلہ جاری و ساری نظر آئے گا۔
فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔

ایک ضروری وضاحت

یہ اور بات ہے کہ موقع و محل کی مناسبت سے بعض اوقات معجزہ نما چھوٹی دعا پڑھتا ہے۔ بعض اوقات طویل دعا پڑھنے کے بعد معجزہ دکھاتا ہے۔ بعض اوقات بظاہر کچھ بھی نہیں پڑھتا بلکہ براہ راست کسی چیز کو کوئی حکم دے دیتا ہے اور وہ چیز حسب الحکم ویسی ہو جاتی ہے جیسے جناب امام موسیٰ کاظمؑ کا تصویر والے شیر کو مجسم شیر بن کر ہارون عباسی کے جادوگر کو نگلنے کا حکم دینا اور کافی اور حقیقی شیر بن کر اس کو لقمہ بنا لینا وغیرہ۔ یہاں بھی بحقیقت اسم اعظم ہی کارفرما ہوتا ہے۔ قرآن میں موجود ہے کہ جناب آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے چھ ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو حاضر کر دیا تھا۔ قرآن میں ان کے کچھ پڑھنے کا کوئی تذکرہ نہیں۔ لیکن یہی ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان کے پاس اسم اعظم کا ایک حرف تھا جس کے ذریعہ دعا کی تھی۔ اور خدا نے تخت حاضر کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا

کے لئے کوئی سبب چیز دست و رکار نہیں ہے بس ادھر ارادہ ہوا۔ خدا نے قبض روح الطرف ذکی ادھر براہ راست اس شئی کو عدم
دے دیا۔ خدا قوی اس کا اثر ظاہر کر دیتا ہے۔ اب ایک ظاہر بین تو اس کو جیسا اس معجزہ سا کا ہی فعل سمجھے گا۔ مگر بین نگاہ
دور بین اصل حقیقت پر ہوگی۔ وہ یہی کہے گی کہ المعجزات فعل القادر المختار الذی لا یشبه المخلوقین لا فعل
لیحدث المحتاج امتنازه للضعفاء فی صفات لضعف۔ (ارشاد امام رضا احتجاج طبرسی صفحہ ۲۲۲)

معجزہ کا فعل خدا ہونا علمائے متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اس قدر علماء اعلام کے کلام حقیقت ترجمان پیش نظر ہیں کہ سب کا پیش کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر اختصار مانع ہے اس لئے صرف مشاہیر عالم کے بیانات شافیہ کو کحل البصیرت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ علامہ ابو الفتح الکراجکی تلمیذ رشید حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ اپنی مشہور کتاب کنز الفوائد میں تحریر فرماتے ہیں
ان اللہ فضلهم علی خلقه ... اذا رأیت القاری ... واما اظهر علی ایدیهم المعجزات تصدیقا
لهم فیما ادعوه من الانباء والاخبار یعنی خداوند عالم نے ان کو ظاہر ہے کہ اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے
اور ان کو اپنے حقوق کے بجا لانے ... بنایا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں پر معجزات کو ظاہر کیا تاکہ ان کے اخبار و
دعاوی کی تصدیق ہو جائے۔ اسی کتاب مستطاب کے صفحہ پر اس مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
والایات التی تظهر علی ایدیهم هی فعل اللہ دونهم اکرمهم بها ولا صنع لهم فیها وانهم بشر
محدثون ... مصنوعون لا یعلمون ... الخ۔ وہ آیات و معجزات جو انبیاء کے ہاتھوں پر
ظاہر ہوتے ہیں وہ خدا کا فعل ہیں ان کا اپنا فعل نہیں خدا نے ان کے ذریعہ ان کو ظاہر کرکے ان کی توقیر و تکریم
ظاہر فرمائی ہے۔ ان حضرات کو ان امور میں کوئی دخل نہیں ... وہ بشر حادث ہیں ... اور خدا کے پیدا کئے ہوئے
ہیں ... اور ... مخلوق ہیں۔

۲۔۳۔۴۔ حضرت شیخ طوسی، شیخ طبرسی اور جناب ملا محسن فیض کاشانی کی اس سلسلہ میں تحقیقات انیقہ اسی باب میں
اس مسئلہ کی جو آیت مبارکہ کی تفسیر میں ان کی تفاسیر تبیان، مجمع البیان اور صافی سے پیش کی جا چکی ہیں۔ کہ سب حضرات
معجزہ کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ مزید برآں آخر الذکر کی کتاب علم الیقین صفحہ ... سے یہاں ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے
جناب موصوف آنحضرت کے دلائل نبوت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں قد خرق اللہ العادة علی یده صلی اللہ
علیه وآله غیر مرة وشق القمر بمکة لما سألته القریش آیة الخ۔ یعنی خداوند عالم نے آنحضرت
کے دست حق پرست پر کئی مرتبہ خارق عادت امور و معجزات کو ظاہر فرمایا جیسے ان کے لئے مکہ میں شق القمر کیا جب کہ
قریش نے آپ سے معجزہ طلب کیا تھا۔

(۵) حضرت علامہ حلی علیہ الرحمہ شرح تجرید ص۲۱۸ شرائط معجزہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ والثانی ان یکون من قبل اللہ او بامرہ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ معجزہ منجانب اللہ یا اس کے امر سے ہو۔ (اس بارہ میں کی وضاحت اسی باب کے آخر میں بذیل ازالۂ شکوک و شبہات ملاحظہ ہو)۔

(۶) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں من اعتقد ان المعجزات والکرامات من فعل النبی و الامام فلیس فی کفرہ ریب۔ لا شک جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ معجزہ نبی اور امام کا فعل ہے اس شخص کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے (مثل ما نقلہ فی کتاب سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات ص۱۲ طبع ایران) اسی طرح تیسرے باب میں تفویض کے متعلق اس کی۔ از (العدول ج ۱ ص۲۵) و بحار ج ص۳۵ سے جو مفصل بیان پیش کیا جا چکا ہے اس میں بھی انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ معجزات کو خدا اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کرتا ہے فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ یفعلہا مقارناً لارادتہم کشق القمر و احیاء الموتی و قلب العصا حیۃ و غیر ذلک من المعجزات فان جمیعہا انما تقع بقدرتہ سبحانہ مقارناً لارادتہم لظہور صدقہم۔ یعنی جب یہ بزرگوار کسی خارق عادت چیز کا ارادہ کریں تو خدا ان کے ارادہ کے ساتھ ہی وہ کام کر دیتا ہے جیسے چاند کا شگافتہ کرنا مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا اژدہا بنانا وغیرہ کیونکہ جس قدر معجزات ہیں وہ سب کے سب خدا کی قدرت سے ہی واقع ہوتے ہیں۔ مگر ان حضرات کے ارادہ اور خواہش کے ساتھ تاکہ ان کی صداقت و حقانیت ظاہر ہو جائے۔"

(۷) حضرت قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب احقاق الحق ج ۱ ص۲۵ طبع مصر پر حضرت علامہ حلی کی کتاب کشف الحق و نہج الصدق کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ قالت الامامیۃ لا یحسن فی حکمتہ تعالیٰ ان یظہر المعجزات علی ید الکذابین ولا یصدق المبطلین الخ۔ تمام شیعہ امامیہ کہتے ہیں کہ یہ امر خدا کی حکمت کے منافی ہے کہ جھوٹوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرے اور باطل پرستوں کی تصدیق کرے۔ بلکہ وہ تو صرف سچے مدعیان نبوت و امامت کے ہاتھوں پر ہی معجزات ظاہر کرتا ہے اس کلام پر ابن روزبہان سنی نے جو اعتراض کیا ہے حضرت شہید ثالثؒ نے اس کا جواب دے کر علامہ کی فرمائش کو صحیح ثابت فرمایا ہے۔ شکر اللہ سعیہم۔

(۸) عالم ربانی جناب سید ہاشم بحرانی قدس سرہ اپنی کتاب مدینۃ المعاجز (جو کہ معجزات کی سب سے ضخیم کتاب ہے) کے مقدمہ ص۲ طبع ایران پر معجزہ کی تعریف کرنے کے بعد سے فعل خدا بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں و علمنا ان المعجزات من الانبیاء والائمۃ دلیل علی صدقہم علی اللہ سبحانہ فی دعواہم النبوۃ و الامامۃ لان المعجزۃ الخارق للعادۃ فعلہ تعالیٰ واقتدارہ علی ذلک منہ جل جلالہ۔ جاننا چاہیے کہ انبیاء و ائمہ کے معجزات ان کی صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں۔ کیونکہ معجزہ خارق عادت خدا کا فعل ہے اور اس کا انجام دہی اسی کی قدرت سے کارگر ہوتی ہے۔ پھر اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حضرت امام رضاؑ کا وہ ارشاد نقل کیا ہے جسے ہم اسی باب میں پیش کر چکے ہیں

ثم قال ورضا لما ظهر من علی الغلو والعلاقة دل ذلک علی ان المعجزات فعل القادر المختار الخ

(۹) حضرت علامہ سید دلدار علی لکھنوی اعلی اللہ مقامہ علیہ الرحمہ عماد الاسلام ج ۲ ص ۲۲ پر معجزہ اور شعبدہ وغیرہ امور میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واللہ سبحانہ ھو المظھر لھا تصدیقا للنبی او الوصی وانما یظھرھا علی یدیہ عند دعائہ ودعواہ وھو لم یتکلم فی ذلک شیئا ولا استعان فیہ بعلاقۃ ولا معالجۃ ولا اداۃ ولا آلۃ وانما علی الوجہ الناقض للعادات والباھر للعقول والقاھر للنفوس۔ "لو یعنی خدا وند عالم ہی معجزہ کو نبی، امام کی تصدیق کی خاطر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس کا اظہار ان کے دعویٰ (نبوت یا امامت) اور ان کی دعا سے وقت کرتا ہے۔ نبیؑ و امامؑ نہ تو کوئی کلام کرتا ہے (منتر وغیرہ کچھ نہیں پڑھتا) اور نہ ہی کسی مادی چیز سے امداد حاصل کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی آلہ کو استعمال کرتا ہے اور معجزہ ہوتا ہی ایسا ہے کہ جو خارق عادت اور عقول و نفوس کو مغلوب ومقہور کر دیتا ہے۔"

(۱۰) حضرت مولانا سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ا ص ۔۔۔ پر ہر قسم کی تفویض استقلالی و غیر استقلالی کو باطل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"۔۔۔ در مورد خاصہ اظہار معجز بخدا وندعالم بر دست ایشان امورے چند خارق عادت ظاہر می سازد واز ہمیں جاست کہ معجزہ را فعل خدا می گویند کہ بر دست پیغمبر و امام بنا بر غرض تصدیق ایشاں جاری می فرماید۔"

کما صرح بہ المتکلمون ونص علیہ الرضا علیہ التحیۃ والثنا فقال ہذا علی الغلاۃ لما ظھر من علی الغلو والعلاقۃ الخ۔

"ہاں البتہ بعض مخصوص مقامات پر بطور اظہار معجزہ خدا وند عالم ان بزرگواروں کے دست حق پرست پر چند خارق عادت امور کو جاری کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ معجزہ کو فعل خدا کہتے ہیں جسے خدا نبیؑ و امامؑ کے ہاتھوں پر ان کی تصدیق کے لئے جاری کرتا ہے جیسا کہ علماء متکلمین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ اور حضرت امام رضا علیہ التحیۃ والثناء نے بھی غالیوں کی رد فرماتے ہوئے اس بات پر نص فرمائی ہے کہ جب حضرت علیؑ سے فقد و فاقہ ظاہر ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ ان کا فعل نہیں ہے۔ الخ"

(۱۱) مولانا الشیخ محمد تقی النجفی اپنی کتاب عنایات رضویہ ص ۔۔ پر معجزہ کو دلیل نبوت و امامت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بل المعجزات منھا من فعل اللہ سبحانہ الجاری بایدیھم فلو لم یکونوا صادقین کان اجراء المعجزۃ بایدیھم قبیحا مستلزما للاغراء بالجھل والتباس الحق بالباطل بل ھو کذب فعلی من اللہ تعالی عن ذالک علوا کبیرا ۔۔۔ فنقول لا ریب ان الرسول ادعی الرسالۃ والولی ادعی الولایۃ والوصایۃ وقد اجری اللہ تعالی بایدیھم المعجزات الباھرات فھم مصدقون

بتصدیق اللہ تعالیٰ ایاھم فالرد علیھم رد علی اللہ سبحانہ وتصدیقھم تصدیق لفعل اللہ سبحانہ الخ...

یعنی یہ تمام معجزات خداوند عالم کا فعل ہیں جو انبیاءؑ و ائمہؑ کے ہاتھوں پر صادر ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ (معاذ اللہ) اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے تو ان کے ہاتھوں پر معجزات کا ظاہر کرنا قبیح ہوتا کیونکہ باطل اور حق و باطل کے درمیان التباس کو مستلزم ہوتا بلکہ خدا کا کذب فعلی پر بھی جس سے اس کی شان جلیل ارفع ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ نبی نے دعوئے نبوت اور ولی نے دعوائے ولایت ووصایت کیا ہے۔ اور خدا نے ان کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر فرمائے ہیں لہٰذا یہ مصدق بتصدیق اللہ ہیں۔ ان کا انکار خدا کا انکار اور ان کی تصدیق خدا کے فعل کی تصدیق ہے۔"

(۲) حضرت مولانا السید اسماعیل الطبرسی النوری کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲ پر معجزات کو خداوند عالم کی ہستی کی دلیل قرار دیتے ہوئے اور بعض معجزات مثل احیاء موتی وشق القمر وغیرہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"وبر ہر عاقلے ظاہر است کہ ہمہ اینہا فوق طاقت بشر است پس از ملاحظہ ایں معجزات قطع و جزم از برائے شخص حاصل شد کہ البتہ خدائے ہست کہ ہمہ اینہا را از برائے اظہار حقیقت ایشاں جاری گرداند"

یعنی ہر عقلمند پر یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام معجزات طاقت بشری سے باہر ہیں لہٰذا یہ معجزات دیکھنے سے آدمی کو یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ ایک ایسا خدائے قادر وقیوم موجود ہے۔ جو ان بزرگواروں کی تصدیق کے لئے یہ سب معجزات ظاہر کرتا ہے۔

(۳) حضرت مولانا السید حیدر الکاظمی اپنے رسالہ عقائد میں لکھتے ہیں۔ رحل نقطۂ الاعتقاد ق "ان اللہ یفعل ذلک مقارناً لارادتھم کشق القمر واحیاء الموتی وقلب العصا حیۃ وغیر ذلک من المعجزات کان جمیع ذلک انما یحصل بقدرتہ تعالیٰ مقارناً لارادتھم لظھور صدقھم" یعنی خداوند عالم انبیاءؑ و ائمہؑ کے ارادہ وخواہش کے مطابق یہ امور ظاہر کرتا ہے۔ جیسے چاند کا شق کرنا مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ یہ سب امور خدائی قدرت وطاقت گر صاحب اعجاز کے ارادہ وخواہش کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کی صداقت وحقانیت آشکار ہو جائے۔"

(۴) فاضل اجل آقا ملا مہدی نراقی قدس سرہ اپنے رسالہ "انیس الموحدین فی معرفۃ اصول الدین" کے صفحہ ۱۰۰ و ۱۰۱ پر لکھتے ہیں۔ "کہ معجزہ کار بشر نیست" "معجزہ انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا کا کام ہے۔"

(۵) فاضل صبیح حضرت آقا سید حبیب اللہ الموسوی الخوئی اپنی کتاب منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۰۰ پر (طبع قدیم وجدید ج ۷ ص ۲۹۶) لکھتے ہیں "وان کان مرادھم ان اللہ یفعل الاشیاء مقارنا لارادتھم

کشق القمر واحیاء الموتیٰ وقلب العصا حیةً وغیر ذلک من المعجزات بمعنی ان یکون الفاعل حقیقةً هو الله سبحانه ویکون هو الخالق والرازق والمحیی والممیت والضار والنافع الا ان ذلک لما کان مقارناً لارادتهم ومقترناً لمشیتهم فاطلق ذلک علیهم مجازاً الخ۔ اگر ان لوگوں (مفوضہ) کی مراد یہ ہے کہ ان بزرگواروں کے ارادہ کے وقت خدا ہی تمام امور کو انجام دیتا ہے جیسے شق القمر، مردوں کا زندہ کرنا، اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ یا یہ معنی کہ ان امور کا حقیقی فاعل خدا ہی ہے اور وہی درحقیقت خالق و رازق محی و ممیت اور ضار و نافع ہے مگر چونکہ ان امور کا ظہور ان بزرگوں کی مشیت و خواہش کے وقت کرتا ہے۔ اس لئے مجازاً ان امور کی نسبت ان ذوات مقدسہ کی طرف دے دی جاتی ہے۔ تو یہ درست بات ہے اسے تفویض کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

(۲) فاضل جلیل حضرت آقا السید مہدی الکاظمی القزوینی اپنی کتاب ظہور الحقیقۃ ص۵۹ طبع النجف پر لکھتے ہیں:
للقیام ضرورة من الدین المستفادة من نصوص القرآن المبین وسنن سید المرسلین المتفق فیہ التی دلت ان هذه التی قد نسبها المنتصر لغیر الله سبحانه هی افعاله سبحانه وحده ولیس لغیره فیها دخل بوجه من الوجوه الخ۔ واضح رہے کہ اس بیان کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت آقا سید حیدر کاظمی کا مذکورہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد صاحب رسالہ احقاق نے جو تنقید کی ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے معجزات کو فعل نبی یا امام قرار دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اور ان افعال کو فعل خدا ثابت کرتے ہوئے حضرت آقا سید مہدی فرماتے ہیں۔ "یہ امر ضروریات دین میں سے ہے جو نصوص قرآنیہ، احادیث متکاثرہ نبویہ سے ثابت ہے۔ کہ یہ افعال جن کو صاحب احقاق نے غیر خدا کی طرف منسوب کیا ہے یہ درحقیقت خدا کے افعال ہیں غیر خدا کو خواہ نبی ہو یا امام ان میں ہرگز کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے"۔

(۳) حضرت آقا السید عبد الحسین طیب اپنی کتاب الکلم الطیب ج ۱ ص ۲۲۳ پر کسی بھی نبی کی نبوت کے اثبات کے طریقوں سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اول از راہ معجزہ و آن کارے است از کارہائے خدا کہ برخلاف عادت و قواعد طبیعی و طرق کسبی و تحصیلی باشد، مردم از آوردن مثل آن عاجز باشند، خداوند برائے اثبات صدق پیغمبرش بدست او جاری میکند"

یعنی سب سے پہلا طریق معجزہ ہے اور معجزہ خدا کے کاموں میں سے وہ کام ہے جو عادت و نیچر طبیعی قواعد اور کسبی و تحصیلی طرق کے خلاف ہو، اور تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں، جسے خداوند عالم اپنے پیغمبر کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے اس کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے۔

(۸) حضرت آقا شیخ حبیب اپنے رسالہ فہم الاولیم المعادی ص۲۲ مطبوعہ نجف اشرف پر اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہ معجزہ کی نسبت خدا و معجزہ ساز دونوں کی طرف جو ہوتی ہے اس کی کیفیت کیا ہے؟ لکھتے ہیں: فلما ظهرت هذه الآثار على ايديهم نسبت اليهم وان كان الفاعل لها هو الله لا غيره فمن جهة ظهورها منهم وبروزها عنهم تنسب اليهم ومن حيث ان الله هو الفاعل لها حقيقة تنسب الى الله لا غيره وهو اظهر قال سبحانه وتعالى الذي خلقكم ثم رزقكم الآية على سبيل الحصر الخ۔ یعنی چونکہ ان آثار و معجزات کا ظہور انبیاء و ائمہ کے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی نسبت ان حضرات کی طرف دے دی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کا حقیقی فاعل خدا ہی ہوتا ہے لہٰذا ظاہری ظہور و صدور کی وجہ سے انکی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ ان کا ظاہر کرنے والا اور ان کا حقیقی فاعل خدا ہے اس بناء پر صرف اسی کی طرف ان کی نسبت دی جاتی ہے۔ اسی لئے خدا بطور حصر فرماتا ہے۔ خدا وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر رزق دیا الخ

(۹) حضرت مولانا السید محمد باقر الجاسی الحائری اپنے رسالہ کشف حال طبع لکھنؤ ص۲۲ پر لکھتے ہیں: یا آنکہ معجزہ فعل خدا است کہ بر دست انبیاء و اوصیاء جاری می فرماید۔ علاوہ بریں معجزہ فعل خدا ہے جسے وہ اپنے انبیاء و اوصیاء کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے۔

(۱۰) حضرت آقا شیخ محمد رضا مظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ ص۲۵ طبع نجف اشرف زیر عنوان "عقیدتنا فی معجزة الانبیاء" ضرورت معجزہ پر تبصرہ کرنے کے بعد اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔ وذلك الدليل لا بد ان يكون من نوع لا يصدر الا من خالق الكائنات ومدبر الموجودات (اي فوق مستوى مقدور البشر) فيجريه على يدي ذلك الرسول الهادي ليكون معرفا به ومرشدا اليه وذلك الدليل هو المسمى بالمعجز او المعجزة۔ یعنی "یہ دلیل (معجزہ) ایسی ہونی چاہئے کہ سوائے کائنات کے خالق اور موجودات کے مدبر خدا کے اور کسی سے صادر نہ ہو سکے یعنی طاقت بشری سے بالاتر ہو۔ وہ خدا اسے اس رسول کے ہاتھوں پر جاری ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت و حقانیت کی دلیل قرار پا سکے۔ ایسی دلیل کو معجزہ کہا جاتا ہے۔"

(۱۱) علامہ سید ابو الفضل قمی اپنے رسالہ "..." ولایت ص۳۵ طبع تہران پر تحریر فرماتے ہیں۔ آیات قرآن و روایات صریحاً میگویند معجزہ کار انبیاء و اوصیاء نیست بلکہ کار خدا است پس ایشان کار خدا نمی کنند خدا خود خرق عادات و ایجاد معجزہ می کند تا شہادت الٰہی باشد بر صدق نبی یا وصی، الخ یعنی آیات و روایات سے صراحۃً ظاہر ہے کہ معجزہ انبیاء و اوصیاء کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا فعل ہے لہٰذا یہ حضرات خدا کا کام نہیں کرتے۔ بلکہ خود خدا ہے جو تدبیر کے طبیعی کے خلاف معجزہ کو ایجاد کرتا ہے تاکہ نبی یا وصی کی صداقت کی دلیل و شہادت بن سکے۔ بعد ازاں اس عالم جلیل نے معجزہ کے فعل خدا ہونے پر قطعی دلائل پیش کئے ہیں۔ فراجع (کذا فی کتاب عقل و دین ج ص۱۳۸)

(۲۲) فاضل محترم شیخ آقائے محمد سمت الحسنی اپنی کتاب صراط الحق ج ۲ ص ۳۰۳ طبع النجف پر شرح تجرید علامہ حلی ص ۲۱۵ میں درج شدہ عبارت "ان یکون من قبل اللہ او بامرہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ولکنہ ھذا مستدرک بعد اعتبار عدم امکان معارضتہا لاحد لما ستعرفہ فالمعجزۃ لا تکون الا من قبل اللہ" یعنی میرے نزدیک یہ قید (او بامرہ) زائد ہے کیونکہ جب معجزہ حقیقت میں یہ چیز معتبر ہے کہ کوئی اس کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتا تو خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معجزہ خدا کی طرف سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲۳) فاضل عبد الرزاق لاہیجی اپنے رسالہ سرمایۂ ایمان ص ۸۲ پر لکھتے ہیں:

"دلالت معجزہ بر صدق صاحب معجزہ بنا بر آنست کہ چون صدور آن بمحض ارادۂ حق است بے واسطۂ اسباب عادیہ پس ہرگاہ مقارن دعوی شخصے شود مر مقتضای را تا جانب الہی متوسل ماند کہ" الخ

یعنی معجزہ کی صداقت پر معجزہ کی دلالت اس طرح ہے کہ چونکہ معجزہ کا صدور اسباب عادیہ کے بغیر محض خدا کے ارادہ سے ہوتا ہے

(۲۴) فاضل جلیل میرزا ابو الحسن الشریف نے اپنی کتاب مرآۃ الانوار ص ۱۳۵ پر ملا نقد معجزہ امام رضا علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "فنعلم بھذا ان لیس فی شیء من المعجزات اما ان تعلل لقدر الذی لا یتمہ المخلوقین لا تعمل المحدث المخلوقات المتشابہ" الخ یعنی معجزات سب خالق کا فعل ہیں جو کسی مخلوق سے ذرہ کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ حادث و ممکن مخلوق کا فعل نہیں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب موصوف معجزہ کو فعل خدا سمجھتے ہیں بلکہ انہوں نے اس مقام پر اس امام کو پیش ہی اسی لئے کیا ہے کہ کچھ جاہل لوگ ایسے معجزات کو دیکھ کر اہل بیت کو خدا سمجھ بیٹھے اگر ان کو علم ہوتا کہ یہ کار خالق کا فعل ہیں تو گمراہ نہ ہوتے فتدبر۔

(۲۵) جناب آقائے محمد باقر علی اللہ معانہ نے اپنی کتاب الدمعۃ الساکبہ ج ۲ ص ۵۵ پر حضرت امام رضا علیہ السلام کی یہی حدیث شریف نقل کی ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ارشاد امام کے مطابق ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ معجزہ فعل خدائے قادر مختار ہے۔

(۲۶) علامہ سید ابو القاسم الرضوی (والد علامہ رضا قمی) اپنی کتاب معارف الملۃ الناجیۃ والنارِیہ ص ۲۳۵ پر فرماتے ہیں "ہر معجزہ فعل خدا یا باذن خدا باشد۔ یا تمکین نبی دادن بر اتیان و ایجاد فعل خارق و یا فعل از خدا افزوده بر دست نبی بارادۂ تصدیق او" یعنی ہر معجزہ خدا کا فعل یا اس کے امر سے وجود میں آتا ہے۔ یا وہ اپنے نبی کو خارق عادت امر کے ایجاد کی تمکین دیتا ہے یا یوں طور کہ خدا اسے نبی کے ہاتھ پر بغرض تصدیق اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔

(۲۷) رسالہ حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیت کی روشنی میں، جو ہمارے معاصر مجتہد ان کی کدوکاوش اور فکری

ترازو ن کا نتیجہ ہے اس کے علاوہ سوال نمبر ۱۷ کہ "معجزات کرامات فعل خداوندی ہیں یا افعال انبیاء ومرسلین وائمہ طاہرین علیہم السلام" کے جواب میں لکھا جاتا ہے "بعض معجزات کا فاعل خدا ہے جن میں نبی و امام کی قوت کا دخل نہیں جیسے حضرت موسیٰ کے لئے دریا یا سمندر میں راستہ، پتھر سے بارہ چشمے، عصا سے اژدہا وغیرہ اور بعض معجزات اس معنی سے کہ ان خلاف عادت کے ظہور میں آنے کی تاثیر خدا کی جانب سے عطا ہوتی ہے ان کا فاعل خدا ہے اور اس معنی سے کہ اس امر غیر عادی کا ظہور بارادہ نبی و امام ان کے ہاتھ پر ہوا۔ ان کا فاعل نبی و امام ہوتا ہے" لیجئے بات صاف ہوگئی کہ معجزات کا حقیقی فاعل خدا ہے ہاں اس اعتبار سے کہ ان خارق عادت امور کا ظہور بارادۂ نبی و امام کے ہاتھ پر ہوتا ہے اس لئے ان کی طرف بھی نسبت دینا درست ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ معجزات کا فاعل حقیقی خدا اور مجازی فاعل نبی و امام ہوتا ہے۔

جہاں تک اس جواب میں قدرے اجمال یا لفظوں کے ہیر پھیر کا تعلق ہے ہم ان حضرات کو ان کی مخصوص مجبوریوں کے پیش نظر مجبور و معذور سمجھتے ہیں۔ ان کا اس قدر اعتراف حق بھی غنیمت ہے امید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد الفاظ کے ایچ پیچ کا سہارا بھی نہیں لیا جائے گا انشاء اللہ۔ بہرحال ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا   غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

(۲) صاحب حقائق الوسائل نے اپنی ساری کتاب میں بار بار یہ رٹ لگائی ہے کہ ہر چند ... فاعل معجزہ ہیں (صفحہ ... وغیرہ) معجزہ کا حقیقی فاعل خدا کو سمجھنے والوں پر خوف خدا سے بالا ہو کر ... کا کافر و مشرک ہونے کا فتویٰ ... (صفحہ ۲۸۹ وغیرہ) اور اسے ... کی ایمان کی دلیل قرار دیا ہے۔ دامن عترت آل محمد ... تکیہ ... پر ... جعفر کا وہ گرزِ گراں سر پر ... طرح لگا۔ کہ ... منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور سارا تکبر ... خاک میں مل گیا۔ خود ... نے دیکھا ... ہیں ... اور ... تو آکر ... پر موت ... گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون لکھتے ہیں اور ہم نے مکمل طور پر جناب رسالتمآب کا مناظرہ ... دیا ہے۔ اس سے ہماری تحقیق انیق معجزہ کی پوری تائید ہوتی ہے یعنی یہ واضح ہو گیا کہ اصطلاحی معجزہ کا وجود ... ہوتا ہے اور وہ ... مطالبہ کے وقت دکھایا جاتا ہے۔ اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ صرف اس کا اظہار کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ نہ وہ اس کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اور نہ وہ مبعوث ... کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے ان کے اعتراضات اور ... مطالبات سے متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بھیجنے والے کا کامل ایمان رکھتا ہے اور ... سے زیادہ ... نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس نے جو سند سفارت تجویز فرمائی اور سفیر کو دے کر بھیجا ہے۔ وہی درست ہے اور ناقابل اعتراض ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا خیال بھی ایمان سے خارج ہے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر سفیر (رسول) کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مرسل (خدا) کو کوئی مشورہ دے کیونکہ یہ اقدام عہدۂ سفارت کے سراسر خلاف ہے۔ اسے کہتے ہیں "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" اور یہ ہے حق و حقیقت کا زور

معجزہ کو لفظوں کے ہیر پھیر سے ہی سہی تاہم مجبوراً بادلِ ناخواستہ حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہے کیونکہ "اس میں پیغمبر خدا کا کوئی دخل نہیں" "وہ صرف اظہار سند پر مامور ہے" "اس کو تبدیل نہیں کر سکتا" ظاہر ہے کہ یہاں پیغمبر سے رسول، سفارت سے نبوت و رسالت اور سندِ سفارت سے مراد اصطلاحی معجزہ ہے۔ اربابِ عدل و انصاف ہمارے معروضات اور ان حضرات کے ان ارشادات کو بنظرِ غائر پڑھ کر بتائیں کہ اب اختلاف کیا باقی رہ جاتا ہے؟ بایں حقائق کے بعد کسی معمولی عقل و انصاف رکھنے والے انسان کو بھی اس بات میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے۔

من نگویم کہ بگیری رہِ انصاف را　　　چشم وا کن و بگیر مسلکِ اسلاف را

سابقہ تحقیقات کے نتائج

مذکورہ بالا آیات قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور تحقیقات شیعہ علماء متقدمین و متاخرین سے چند امور روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتے ہیں

(۱) معجزات کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے پیغمبر و امام علیہ السلام ان کا محلِ صدور و ظہور ہونے کی وجہ سے ان حضرات کی طرف ان افعال کی مجازاً نسبت دینا درست ہے بایں ہمہ اس سلسلہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی مدح و ثنا اس لئے کی جاتی ہے کہ معجزہ کا ظہور چونکہ ان کی دعا، استدعا پر عمل میں آتا ہے۔ اس لئے یہ امر یقیناً ان کے لئے انتہائی مدح و ثنا کا باعث ہے۔ کہ وہ اس قدر مقربِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ کہ جب بھی ایسے خارقِ عادت امر کے اظہار کی اس کی بارگاہ میں درخواست کر دیں۔ تو وہ ان کی استدعا کو مسترد نہیں کرتا بلکہ اس کے مطابق فوراً ان کے ہاتھوں پر معجزہ کا اظہار فرما دیتا ہے۔ لہٰذا اس سے ان ذواتِ قادسہ کا درخت اور سنگریزے کی مانند ہونا لازم نہیں آتا۔ (معاذ اللہ) جیسا کہ فنِ فریب کاری کے بعض ماہرین نے یہ الزام عائد کرنے کی مذموم کوشش انجام دی ہے

(۲) ان حقائق و تصریحات سے یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ہم نے احسن الفوائد میں جو یہ لکھا ہے کہ "مقامِ اعجاز میں جو کچھ کسی نبی یا ولی سے ظہور پذیر ہوتا ہے وہ اس نبی یا ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ فعل اللہ کا ہوتا ہے (ص ۳۴۳ طبع سوم) یہ "بارہ وہابیت" وغیرہ کتب اہل سنت سے ماخوذ نہیں جیسا کہ بعض　　ان حضرات کا خیال ہے علامہ مولانا سید محمد سبطین صاحب کی کتب و رسائل یہاں بعض ... کتب کے مطالعہ تک محدود ہے سچ ہے

بانگ ما نیز از علم تو ان رہ بجائے رساند　　　چوں ب افتد تنگ بدست و پا ہر زو تنا ورا

ہم نے اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ قرآن حکیم اور حضرات معصومینؑ کی صحیح تعلیم کی روشنی میں عہد ائمہ سے لے کر آج تک تمام علماء اعلام شیعہ امامیہ کا یہی اعتقاد ہے۔ اعتقد سو حضرات یہ کہتے کہ اور اہل سنت کے علماء کے یہ نظریات علماء شیعہ کی تحقیقات سے ماخوذ و مستنبط ہیں تو شاید یہ بات کسی حد تک قرینِ عقل ہوتی۔ مگر انہوں نے جو الٹی گنگا بہائی ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۳) ان بیانات بینات سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ انبیاء میں کوئی ایسی طاقت وقوت نہیں ہے جو معجزہ نما میں ودیعت کر دی گئی ہے جس کی بناء پر بالاستقلال یا باذن اللہ وہ ہر وقت معجزہ پیش کرتے رہتے ہیں بلکہ حسب ضرورت معجزہ نما خدا کی بارگاہ میں درخواست دعا کرتا ہے اور خدائے قادر وقیوم اپنی قدرت کاملہ سے معجزہ کا اظہار کر دیتا ہے۔ اگرچہ سابقہ تحقیقات کے بعد یہ حقیقت مزید کسی ثبوت کی محتاج تو نہیں رہتی مگر تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اس سلسلہ میں ایک اور عالم جلیل کی تحریر بھی پیش کی جاتی ہے۔ عالم جلیل و دانشمند جلیل آقا سید عبدالحسین اپنی کتاب الکلم الطیب ج [illegible] طبع تہران پر تحریر فرماتے ہیں۔

"لازم نیست پیغمبر در ہر زمانے قادر بر اظہار معجزہ باشد چوں او نیز بشر و عاجز است و معجزہ فعل خدا است کہ برائے اثبات صدق پیغمبر بوی عنایت می فرماید و اظہار آں در ہر زمانے بستہ با رادہ و مشیت وی است۔"

یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ پیغمبر ہمیشہ معجزہ نمائی پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ پیغمبر بھی فی حد ذاتہ بشر اور عاجز ہے اور معجزہ فعل خدا ہے جسے خدا پیغمبر کو اس کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے عطا کرتا ہے۔ لہٰذا معجزہ نمائی ہمیشہ خدا کے ارادہ اور اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۱۴) ان بیانات اور مزید آنے والی تحقیقات رذیل رد شبہات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں صاحب اعجاز کا کام صرف دعا کرنا ہے معجزہ کا اظہار خدائے قہار کرتا ہے۔ پس فی الحقیقت کسی خارق عادت امر کی دعا و پکار اور اس کے نتیجہ کے اظہار کا نام معجزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کے اظہار میں نبی و امام کو اس حد تک تعلق ضرور ہے کہ جب وہ چاہیں تو خدا سے دعا و استدعا کرتے ہیں۔ اور خدا ان کی استدعا کو رد نہیں فرماتا۔

(۱۵) ان تحقیقات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ معجزہ پیش کرنا ... ضروری نہیں ہے جب نبی یا امام اپنے دعویٰ کے ساتھ یہ سند قطعی کے طور پر معجزہ دکھا دیں اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ تو پھر یہ لازم نہیں کہ وہ ہر وقت ہر شخص کی اقتراح و خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا دکھا کر اپنی بزم نبوت و امامت کو تماشہ خانۂ عجائب و غرائب بنا ڈالیں۔ (الکلم الطیب صفحہ ۲۵۱) وھو اوضح من ان یخفی۔ ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم صادقین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

راقم سطور بالا میں جو حقائق بیان کر دیے گئے ہیں ان سے ارباب عقل و انصاف کی تسلی ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی حسب دستور بمقام پر عائد کردہ بعض شکوک و اوہام کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ تاکہ دیگر مباحث کی طرح یہ موضوع بھی کسی اعتبار سے تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا شبہ

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں انی اخلق لکم کھیئۃ الطیر اس سے معلوم ہوا کہ مٹی سے پرندہ پیدا کرنا حضرت عیسیٰ کا فعل ہے۔ احی الموتی باذن اللہ

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ مردہ زندہ کرنا میرا کام ہے باذن اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مادرزاد اندھا میں ٹھیک کرتا ہوں مبروص وہیں ٹھیک کرتا ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام معجزات جناب عیسیٰ کا فعل ہیں۔ عصا پھینکنا موسیٰ کا فعل ہے ید بیضا فعل موسیٰ ہے پڑھو القی عصاہ۔ فتوتیا بیدہ۔ حضرت جبرئیل جناب مریمؑ کو کہتے ہیں۔ لاھب لک غلاما ذکیا۔ میں عطا کرتا ہوں آپ کو پاکیزہ لڑکا۔ ملائکہ کا حضرت لوط سے کہنا، انا لمنجوکم ہم نجات دیں گے تخت بلقیس کے متعلق آصف بن برخیا حضرت سلیمانؑ سے کہتے ہیں انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لے آنا فعل آصف ہے یا اللہ تعالیٰ نے خود اٹھا لیا۔

(مضمون مندرجہ درنجف کریم جون [illegible])

ان شبہات کے جوابات

پہلا مختصر جواب ان حضرات کا ان آیات کو پیش کرنا اس غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اہل حق چونکہ ان افعال کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا شاید وہ سرے سے ان افعال کی نسبت انبیاءؑ و ائمہ کی طرف دینا ناجائز سمجھتے ہوں گے۔ اور ان آیات میں ان کی نسبت چونکہ ان ذوات مقدسہ کی طرف دی گئی ہے۔ لہٰذا جب ان حضرات نے بلا غور و فکر ان آیات کو اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دیا۔ مگر ذرا حقیقت سے کام لینے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ استدلال بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔ حقیقت حال اس طرح نہیں ہے۔ ہم اس باب کی ابتدا میں تحریر اول نمبر ۲ کے ذیل میں اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے واضح کر چکے ہیں کہ اس نسبت کے جواز یا عدم جواز میں نزاع نہیں ہے کیونکہ حسب ظاہر معجزہ میں ان امور کا ظہور و بروز چونکہ انبیاء اور ائمہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان امور کا انتساب ان کی طرف یقیناً درست ہے بلکہ نزاع جو کچھ ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ آیا ان افعال کی نسبت بطور حقیقت ہے یعنی یہی بزرگوار ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ یا یہ نسبت بطور مجاز ہے اور فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ ہم سطور بالا میں قرآن و حدیث اور تحقیقات علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ ان امور کا فاعل حقیقی خدا ہے۔ اس طرح اس استدلال کی اساس بالکلیہ قمع ہو جاتی ہے۔ بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ خلق اعجاز، احیاء موتیٰ، شفاء مرضیٰ، عصا کا اژدہا بنانا، ید موسیٰ کو ید بیضا بنانا، حضرت مریمؑ کو بیٹا عطا کرنا، مومنین لوط کو نجات دینا، تخت بلقیس کا لانا وغیرہ سب افعال خدا ہیں۔ اور وہی ان کا حقیقی فاعل ہے۔ اسی کے ارادہ اور قدرت کاملہ کے تحت یہ امور وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ حسب ظاہر ان کا ظہور حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ اور جناب جبرئیلؑ یا دیگر ملائکہ یا حضرت آصف بن برخیا سے ہوتا ہے۔ لہٰذا من باب المجاز ان افعال کی نسبت ان حضرات کی طرف دے دی گئی ہے یہ درست ہے کہ القاء عصا حضرت موسیٰ کا ہی فعل تھا۔ مگر یہ حقیقت کیوں نظر انداز کر دی جاتی ہے کہ اس

عصا کو اژدہا بنانا کس کا فعل تھا جس میں تردد ہے، قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل خدا تعالیٰ صاحب عصا سے موسیٰ نے اژدہے کی شکل اختیار کی اور جناب موسیٰ نے خوف محسوس کیا تو ارشاد قدرت ہوا لا تخف سنعیدھا سیرتہا الاولیٰ ڈرو نہیں ہم عنقریب اسے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خدا ہی قادر ہے دوسری شکل کو پہلی شکل کی طرف لوٹانے والا ہے وہی پہلی شکل کو تبدیل کرنے والا ہے۔ تعجب ہے کہ تو اس استدلال کے پیش کرنے والے نے شعوری یا لاشعوری طور پر آخر میں حق حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ استدلال مذکور کے بعد لکھا ہے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ قوت و ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور ظاہر فعل انبیاء و ائمہ و ملائکہ کا ہوتا ہے (اخبار درنجف یکم جولائی ۱۹۶۶ء) نتیجہ کلام یہ کہ ان افعال کی نسبت خدا کی طرف حقیقی ہے جس کے ارادہ و قوت سے یہ فعل واقع ہوا ہے۔ اور مخلوق کی طرف مجازی ہے جن کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہی بات تحریر ہے کہ جہاں تک ہم کہہ رہے ہیں پھر علماء اعلام کے خلاف یہ ہنگامہ آرائی و ہرزہ سرائی کیوں ہے؟

دوسرا جواب | حضرت عیسیٰ کی بیت وآلہ علیہ السلام کے متعلق جو آیات پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حقیقت حال تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور جو مفسرین نے ان آیات کے بارہ میں احادیث معصومین کی روشنی میں جو تحقیقات فرمائی ہیں ان کو نظر انداز کر کے محض ظاہری الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے اپنے خود ساختہ نظریہ کی تائید حاصل کرنے کی سعی نا فرجام کی گئی ہے۔ ہم ان آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔ اور جلائے ایمان و ایقان حاصل فرمائیں

(۱) شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبیان ج ۲ ص ... پر تحریر فرماتے ہیں: ثم قیدہ قولہ فیکون طیراً باذن اللہ ولم یقید قولہ "اخلق من الطین کھیئۃ الطیر" بذکر اذن اللہ لیبینہ بذلک انہ من فعل اللہ دون عیسیٰ، اما التصویر والنفخ ففعلہ لانہ مما یدخل تحت مقدور القدر ولیس کذلک انقلاب الجماد حیوانا فانہ لا یقدر علی ذلک احد سواہ تعالیٰ وقولہ "واحی الموتی باذن اللہ" علی وجہ المجاز اضافہ الی نفسہ وحقیقتہ ادعوا اللہ باحیاء الموتی فیحییھم اللہ فیحیون باذنہ"

یعنی "حضرت عیسیٰ نے (تصویر کے) پرندہ ہونے کو تو "اذن اللہ" کے ساتھ مقید کیا ہے، مگر اس کی تصویر کشی کا تذکرہ کرتے وقت (کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بناتا ہوں) "اذن اللہ" کی قید نہیں لگائی۔ اس انداز بیان سے انہوں نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اس تصویر کا پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے۔ نہ کہ عیسیٰ کا۔ ہاں البتہ تصویر بنانا اور اس میں پھونک مارنا یہ حضرت عیسیٰ ہی کا فعل ہے کیونکہ یہ طاقت بشری میں داخل ہے لیکن جماد کو حیوان بنانا ایک ایسا کام ہے جس پر سوائے قادر مطلق کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ نے یہ کہہ کر کہ میں باذن اللہ

مردے زندہ کرتا ہوں۔ یہ نسبت مجازاً اپنی طرف دی ہے۔ ورنہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ میں مردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں۔ اور خدا ان کو زندہ کر دیتا ہے اس طرح وہ اس کے اذن وطاقت سے زندہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) اسی طرح مفسر اسلام علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص۴۴۹ پر آیت مبارکہ انی اخلق لکم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "معناہ انی اقدر لکم واصور لکم من الطین مثل صورة الطیر فانفخ فیہ ای فی الطیر المقدر من الطین فیکون طیرا باذن اللہ وقدرتہ وقیل بامر اللہ تعالیٰ وانما وصل قولہ باذن اللہ بقولہ فیکون طیرا دون ما قبلہ لان تصویر الطیر والنفخ فیہ مما یدخل تحت مقدور العباد فاما جعل الطین طیرا حتی یکون لحما ودما وخلق الحیوة فیہ فمما لا یقدر علیہ غیر اللہ فقال باذن اللہ انما اضاف الاحیاء الی نفسہ علی وجہ المجاز والتوسع ولان اللہ تعالیٰ کان یحیی الموتی عند دعائہ"

یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں مٹی سے پرندہ کی تصویر بناتا ہوں اور اس تصویر میں پھونک مارتا ہوں پس وہ خدا کے اذن یعنی اس کی قدرت یا بقولے اس کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ آں جنابؑ نے اس کے پرندہ بننے کے ساتھ "اذن اللہ" کی قید لگائی ہے مگر اس کی تصویر کشی کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصویر بنانا اور اس میں پھونک مارنا بندوں کی قدرت میں داخل ہے لیکن مٹی کا پرندہ بنا دینا یہاں تک کہ اس میں گوشت پوست اور خون پیدا ہو جائے۔ اور پھر اس میں حیات ڈالنا یہ ایسا کام ہے جس پر سوائے خدائے قادر وقیوم اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اس لئے جناب عیسیٰؑ نے اس کے ساتھ اذن اللہ کی قید لگائی۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ خدا کا فعل ہے۔ نیز عیسیٰؑ کا نیز آں جنابؑ نے اپنے اس کلام "احی الموتیٰ باذن اللہ" میں مردہ کو زندہ کرنے کی جو نسبت اپنی طرف دی ہے وہ علی وجہ المجاز ہے۔ اس کی اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ دعا کرتے تھے اور خدا ان کی استدعا پر مردوں کو زندہ کر دیا کرتا تھا۔"

افادہ جناب علامہ طبرسیؒ کے بیان حقیقت ترجمان اور اسی طرح اور بعض قطعی شواہد سے "اذن اللہ" کا صحیح مفہوم بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ دعا واستدعا نبیؑ و امامؑ کرتے ہیں اور پھر فعل معجزہ کا ظہور خدائے قادر وتوانا کی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے چنانچہ اس کی عملی تفسیر جناب عیسیٰؑ کے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت سے نظر آتی ہے۔ جو تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص۴۴۹ تفسیر صافی ص۸۹ وغیرہ میں مذکور ہے۔ آنجنابؑ اپنے ایک دوست کی قبر پر تشریف لے گئے۔ جس کو مرے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ وہاں جا کر یہ دعا پڑھی۔ "اللھم رب السموات السبع انک ارسلتنی الی بنی اسرائیل ادعوھم الی دینک واخبرھم بانی احی الموتی فاحی عازر" چنانچہ ان کا دوست عازر زندہ ہو گیا۔ سطور بالا میں اس موضوع پر احادیث کے ضمن میں مسند سائبرج ۱ ص۱۳ کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ بحکم رسولؐ جناب امیر علیہ السلام قبرستان میں تشریف لے گئے اور خدا کی بارگاہ میں دعا کی پس باذن اللہ مردے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے نکل آئے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اذن اللہ کا مطلب قدرت خدا ہے اور اگر بالفرض اسے امر وحکم کے معنی میں بھی لیا جائے۔

تب بھی بار بار حاصل ہے کہ وہ امر خدا ہی کرتا ہے جیسے قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً - ردکذا الکلام ان اخذ بمعنی لا ابد

ترجمہ بصائر الدرجات صفحہ طبع جدید پر امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب عیسٰی کے پاس اسم اعظم کے دو حرف تھے جن کی وجہ سے ان کے ہاتھوں یہ عجائب و غرائب ظاہر ہوتے تھے۔ ان تمام حقائق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف دعا کرتے تھے۔ کام خدا اپنی قدرت کاملہ سے کرتا تھا۔ وہذا ہو المقصود

(۱۷) اسی طرح جب علامہ شہر بن آشوب مازندرانی اپنی کتاب مستطاب متشابہات القرآن ج ۱ ص ۲۵۰ پر آیت مبارکہ و اذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر فتنفخ فیہا فتکون طیراً باذنی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " فاذ نفخ المسیح فیہ الروح قلبہا اللہ لحماً و دماً و خلق فیہا الحیوۃ فصارت طائراً باذن اللہ و ارادتہ لا بفعل المسیح فلذلک قال فیکون طیراً باذنی و تبری الاکمہ و الابرص باذنی معناہ انک تدعونی حتی ابرئہم و اذ تخرج الموتی باذنی ای اذ تدعونی فاحیی الموتی عند دعائک و اخرجہم من القبور حتی یشاہدہم الناس و انما نسب الی عیسٰی لانہ کان بدعائہ " یعنی جب حضرت عیسٰی اس تصویر میں روح پھونکتے تھے۔ تو خدا اس کو گوشت و خون بنا کر اس میں حیات پیدا کر دیتا تھا۔ اس طرح وہ خدا کے اذن و ارادہ سے نہ کہ حضرت عیسٰی کے فعل سے پرندہ بن جاتا تھا اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے کہ وہ میرے اذن سے پرندہ ہو جاتا تھا۔ اسی طرح خدا کے ارشاد (کہ) اے عیسٰی تو میرے اذن سے اندھے اور مبروص کو تندرست کرتا تھا کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کی شفایابی کے لئے دعا کرتا تھا۔ اور میں ان کو شفا عطا کر دیتا تھا اسی طرح اس قول خداوندی کہ اے عیسٰی تو مردوں کو میرے اذن سے (قبروں سے) نکالتا تھا" کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کے زندہ ہونے کی دعا کرتا تھا اور میں ان کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کا مشاہدہ کرتے تھے۔ خدا نے مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت جناب عیسٰی کی طرف اس لئے دی ہے کہ یہ فعل ان کی دعا سے انجام پذیر ہوتا تھا۔"

اسی کتاب کے اسی صفحہ ۲۵۰ پر حضرت عیسٰی کے قول و احی الموتی باذن اللہ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں علی وجہ المجاز اضافہ الی نفسہ و حقیقتہ ادعو اللہ یا حیی الموتی فیحییون باذنہ یعنی حضرت عیسٰی نے مردہ زندہ کرنے کی نسبت اپنی طرف بطور مجاز دی ہے ورنہ اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ میں مردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں اور وہ خدا کے اذن و ارادہ سے زندہ ہو جاتے ہیں اور انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے لم یقیدہ باذن اللہ لان المراد بہ التقدیر ثم قال فیکون طیراً باذن اللہ لانہ من فعل اللہ دون عیسٰی الخ یعنی جناب عیسٰی نے تصویر کشی کے ساتھ اذن اللہ کی قید نہیں لگائی کیونکہ یہاں خلق کرنے سے مراد تصویر بنانا ہے پھر فرمایا پس وہ خدا کے اذن سے پرندہ ہو جاتا ہے (یہاں اذن اللہ کی قید مذکور ہے) کیونکہ یہ خدا کا فعل ہے نہ عیسٰی کا۔

(۴) تفسیر مقتنیات الدرر ج ۲ ص۸۳" پر مذکور ہے "فالخلق حقیقۃ للہ تعالیٰ ظاھر علی یدہ کما ان النفخ فی مریم کان من جبرئیل والخلق من اللہ" یعنی پرندہ میں روح پیدا کرنا درحقیقت خدا کا فعل ہے۔ البتہ اس کا ظہور جناب عیسیٰ کے ہاتھ پر ہوا۔ جیسے جناب مریمؑ میں نفخ جناب جبرئیلؑ کا کام تھا۔ مگر عیسیٰؑ کی خلقت خدا کا فعل" پھر باذن اللہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے "وذکر الاذن فھذہ لافاعیل علی معنی اضافۃ حقیقیۃ الی اللہ کقولہ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ یعنی الا بخلق اللہ الموت" یعنی ان افعال میں "اذن اللہ" کی قید اس مقصد کے لئے لگائی گئی ہے کہ ان افعال کا حقیقی فاعل خدا ہے جیسے آیت مبارکہ وما کان لنفس کہ کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرتا ہیں ہے یعنی اس وقت مرتا ہے جب اللہ سے موت دیتا ہے۔

(۵) منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغۃ ج ۹ ص۲۶۲ طبع جدید میں ہے "کان تسویۃ الطین والنفخ من عیسیٰ علیہ السلام والخلق من اللہ تعالیٰ" یعنی مٹی کا درست کرنا اور اس ڈھانچہ میں پھونک مارنا جناب عیسیٰؑ کا فعل تھا۔ لیکن اس کو پرندہ بنانا خدا کا فعل تھا۔

(۶) فاضل کاشانی تفسیر صافی میں ذیل آیت انی اخلق الایہ لکھتے ہیں "انی اخلق لکم، اقدر واصور شیئاً کھیئۃ الطیر مثل صورتہ فانفخ فیھا فیکون طیراً حیاً طیاراً باذن اللہ بامرہ نبہ علی ان احیاءہ من اللہ لا منہ" (تفسیر صافی ص۸۳) خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پرندہ کی شکل میں بناتا ہوں۔ مگر اسے پرندہ خدا بناتا ہے اور اذن اللہ کی قید لگا کر اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اسے زندہ پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے نہ ان (عیسیٰؑ) کا"

(۷) صاحب حدیقہ سلطانیہ نے بھی ج ۳ ص۸۳ پر اس نسبت کو مجازی قرار دیا ہے۔ بات بالکل صاف اور سادہ ہے کہ اگر فی الحقیقت جناب عیسیٰؑ ہی پرندہ کے خالق ہوتے تو پھر اس قدر طویل کلام کی کیا ضرورت تھی۔ کہ انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ" بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے" انی اخلق لکم الطیر" یعنی میں تمہارے لئے پرندہ پیدا کرتا ہوں۔ مگر جب یہ نہیں کہا تو اس سے واضح ہو گیا۔ کہ تصویر کشی جناب عیسیٰؑ اور اُسے پرندہ بنانا خدا کا کام ہے وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود

ان علماء محققین کی تحقیقات سے واضح ہو گیا کہ معجزہ میں معجزہ نما کا کام صرف بارگاہ احدیت میں دعا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ و مشیت مطلقہ کے تحت اس کا اظہار کرنا خداوند عالم کا کام ہے۔ لہٰذا خدا کی طرف ان خارق عادت افعال و معجزات کی نسبت من باب الحقیقت اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف علی وجہ المجاز ہے۔ یہ ہے ان آیات مبارکہ کا صحیح مفہوم جو وارثان علوم قرآن علیہم السلام کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی شخص آیات کی کوئی تاویل کرے گا۔ تو وہ بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے حرام اور

ناقابلِ قبول ہو گی۔

تیسرا جواب

جہاں تک حضرت موسیٰ کے عصا کے اژدہا بننے والے معجزہ کا تعلق ہے ہم اسی باب میں ذیل حدیث ۱۲ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ خداوند عالم کا فعل تھا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اسی طرح جناب جبرئیلؑ کے حضرت مریمؑ کے پاس آ کر لا سبب تک غلاماً زکیاً کہنے والے شبہ کا مکمل جواب تیسرے باب کے دسویں شبہ کے ضمن میں پیش کیا جا چکا ہے فراجع۔ اور جناب آصف بن برخیاؑ کے تختِ بلقیس کو چشم زدن میں حاضر کرنے کے متعلق اسی باب میں بضمن حدیث ۳ پوری تحقیق کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے۔ کہ ان کے پاس اسم اعظم کا ایک حرف تھا جسے انہوں نے پڑھا۔ اور خدا نے تختِ بلقیس کو حاضر کر دیا۔ ہاں چونکہ دعا جناب آصفؑ نے کی تھی۔ اور پھر اس خارق عادت کا ظہور بھی ان ہی کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لئے مجازاً انہوں نے اس کی نسبت اپنی طرف دے دی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل الم نشرح ہو گئی کہ ان تمام پیش کردہ آیات و واقعات میں حقیقی فاعل خدا ہی ہے وہو المقصود۔

پانچواں شبہ اور اس کا جواب

روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ اسم اعظم کے کل ۷۳ حرف ہیں۔ جناب آصف بن برخیا کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ کسی نبی کے پاس دو حرف۔ کسی کے پاس چار کسی کے پاس پانچ۔ کسی کے پاس ۲۵ کسی کے پاس پچیس تھے۔ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ کے پاس اس کے ۷۲ حرف موجود ہیں۔ صرف ایک حرف خدا نے اپنے لئے مخصوص رکھا ہے جناب آصف کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ تو انہوں نے دو ماہ کی مسافت سے چشم زدن میں تختِ بلقیس کو دربار حضرت سلیمان میں حاضر کر دیا تھا تو پھر ائمہ علیہم السلام کے کمالات کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کے پاس ۷۲ اسم اعظم موجود ہوں۔ اس شبہ کا جواب بھی ظاہر ہے یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے فضائل و کمالات کا احاطہ کر سکتا ہے۔ مگر اسم اعظم والی روایات سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ معجزہ نمائی کی قوت و قدرت خدا نے معجز نما کی خلقت میں ودیعت فرما دی ہے۔ اور اب وہ اسی قوت و قدرت سے باختیار خود اعجاز نمائی کرتے ہیں۔ بلکہ روایات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسم اعظم کے ذریعہ بارگاہ احدیت میں دعا کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعا کے نتیجہ میں خداوند عالم ان کے ہاتھوں پر عجائب و غرائب ظاہر کرتا ہے۔ اس سے تو ہمارے موقف کی تائید مزید ہوتی ہے۔ چنانچہ بصائر الدرجات ص۵۹ طبع قدیم و جدید ص۲۱۶ پر یک پورے باب کا عنوان ہی یہ ہے:" باب فی الامام علیہ السلام ان عندہ اسم اللّٰہ الاعظم الذی اذا سأل به اجیب یعنی امامؑ کے پاس خدا کا وہ اسم اعظم ہوتا ہے کہ جب اس کے ذریعہ دعا کرتے ہیں تو وہ قبول ہو جاتی ہے"

اسی طرح بحار جلد ۷ صفحہ ۵ پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "ان عندھم الاسم الاعظم وبہ تظھر منھم الغرائب" یعنی ائمہ اطہارؑ کے پاس اسم اعظم موجود ہے۔ اور اسی کے ذریعہ ان سے عجائب و غرائب ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ابواب میں اس قسم کی متعدد روایات اہلبیتؑ موجود ہیں۔ اسی مطلب کی تائید مزید بحار الانوار کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے۔ کہ حضرت امام محمد باقرؑ کے معجزات دیکھ کر ایک اعرابی نے کہا۔ "ما رأیت ساحراً کالیوم" میں نے جیسا جادوگر آج دیکھا ہے۔ ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر امام عالی مقام نے فرمایا "یا اعرابی لا تکذبن علینا اھل البیت فانہ لیس منا ساحر ولا کاھن ولکن علمنا اسماء من اسماء اللہ تعالیٰ نسئلہ بھا فنعطی وندعوا فنجاب"۔ اے اعرابی ہم اہل بیتؑ پر جھوٹ نہ بولو کیونکہ ہم میں نہ کوئی جادوگر ہے۔ اور نہ کوئی کاہن۔ ہمیں خدا تعالیٰ کے اسماء میں سے کچھ ایسے اسماء تعلیم دیئے گئے ہیں۔ کہ جب ان کے ذریعہ ہم جو کچھ (بارگاہ قدرت سے) طلب کرتے ہیں۔ تو ہمیں مل جاتا ہے اور جو دعا کرتے ہیں۔ وہ مستجاب ہو جاتی ہے"
(بحار ج ۱۱ صفحہ ۸۳)

اسی طرح اصول کافی کی روایت میں وارد ہے۔ کہ جناب آصفؑ کے پاس ایک حرف تھا فتکلم بہ۔ انہوں نے جب اسے پڑھا تو آخر میں امام علیہ السلام اپنے متعلق ۷۲ حروف ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔ اس کی شرح میں علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۷۲ پر لکھتے ہیں "ای وقوع جمیع ھذہ الامور بحول اللہ وقوتہ لا بقدرۃ العباد" یعنی ان امور کا واقع ہونا خدا کی قدرت کاملہ کے تحت ہوتا ہے نہ کہ بندوں کی طاقت سے۔" بصائر الدرجات صفحہ ۵۷ (طبع جدید ص ۲۱۱) پر بروایت ابی بصیر امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا "کان سلیمان عندہ اسم اللہ الاکبر اذا سئلہ اعطی واذا دعا بہ اجاب ولو کان الیوم لاحتاج الینا"۔ جناب سلیمانؑ کے پاس اسم اعظم تھا۔ اس کے ذریعہ جب خدا سے کچھ طلب کرتے تو وہ ان کو عطا کر دیتا تھا۔ جب کوئی دعا کرتے تو وہ اُسے مستجاب فرماتا لیکن آج اگر سلیمانؑ ہوتے تو وہ ہمارے محتاج ہوتے۔"

معلوم ہوا کہ اسم اعظم کے ذریعہ صرف دعا کی جاتی ہے جسے مستجاب بہرحال خداوند عالم ہی فرماتا ہے۔ اسی بیان حق ترجمان سے آیت مبارکہ "ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض" الآیۃ کے ساتھ تمسک کا جواب باصواب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وارثان علم قرآن جب آیات قرآنیہ کو پڑھ کر دعا کرتے ہیں۔ تو قادر مطلق ان کے حسب منشا تمام امور کو انجام دے دیتا ہے۔ "بل للہ الامر جمیعاً" تمام امور کی باگ ڈور خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے "بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون"۔

چھٹا شبہ اور اُس کا جواب

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ معجزہ نمائی کی مستقل قدرت و طاقت خدا نے انبیاءؑ و ائمہؑ کو عطا نہیں فرمائی۔ بلکہ صرف بوقت ضرورت ان امور کا اظہار ان

بزرگواروں کے ہاتھوں پر کر دیتا ہے تو پھر اس میں ان کی فضیلت کیا ہے؟ اس شبہ کے دو جواب دیئے جا سکتے ہیں۔ ایک الزامی کہ باوجودیکہ دین کے معاملہ میں پیغمبر اسلام اس قدر پابہ حکم خدا ہیں۔ کہ جب تک وحی الٰہی نہ ہو ایک حرف بھی اپنی خواہش سے لب پر نہیں لاتے۔ وما ینطق عن الھویٰ اور ان کی عترت طاہرہ اس قدر مشیت ایزدی کے تابع ہے کہ اس کی مرضی و منشاء کے بغیر دل میں کوئی ارادہ بھی نہیں کرتے تو جو فضیلت آنحضرتؐ کو اس نبوت و رسالت میں اور ائمہ اہلبیتؑ کو وصایت و امامت میں ہے وہی ان کے ہاتھوں پر ظہور معجزہ میں ہے۔ اور حلّی جواب یہ ہے کہ تمام کائنات کو نظر انداز کر کے خدائے حکیم و علیم کا اظہار معجزہ کے لئے صرف انبیاءؑ و اوصیاءؑ کو ہی منتخب کرنا ان بزرگواروں کی بڑی عظیم فضیلت ہے آخر اس انتخاب کے لئے بھی تو کوئی مرجح ضروری ہے۔ ورنہ ترجیح بلا مرجح یا ترجیح مرجوح بر راجح لازم آئے گی۔ اور یہ عند العقلاء باطل ہے اور وہ ان کے علمی و عملی کمالات ہیں ورنہ من و شما کے ہاتھوں پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔ کیا یہ ان کی تھوڑی عظمت و جلالت ہے کہ جب بھی کسی کام کا ارادہ فرمائیں اور خدا سے دعا کریں تو حسب منشاء فوراً وہ کام انجام پذیر ہو جاتا ہے۔ لا یرید اللّٰہ مشیتھم ولکن ما یشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ لان قلوبھم اوعیۃ لمشیۃ اللّٰہ فاذا شاء اللّٰہ شاؤا (بحار ج ٢٥)

ساتواں شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر معجزہ میں منکرین کی استدعا اور معجز نما کی دعا ضروری ہے۔ تو پھر آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت بحیرہ ساوا کا خشک ہونا قصر کسریٰ کے کنگرے ٹوٹنے۔ آتش کدۂ فارس کے گل ہونے وامثال ذلک میں کس کی استدعا اور کس کی دعا تھی؟ اس شبہ کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہ شبہ اصطلاح علماء متکلمین سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ ورنہ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اس قسم کے خارق عادت امور جو کسی نبیؐ یا امامؑ سے اعلان نبوت یا امامت سے قبل ظاہر ہوں ان کو اصطلاح میں معجزہ نہیں بلکہ ارہاص کہا جاتا ہے جس میں معجزہ والے شرائط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر کبھی کبھار ان پر معجزہ کا اطلاق ہوا ہے تو وہ من باب المجاز ہے (ملاحظہ ہو تجرید محقق طوسیؒ و شرح تجرید علامہ حلی قدس سرہ ص٢٢٢ اور حق الیقین از علامہ سید عبداللہ شبر ج ١ ص وغیرہ) علاوہ بریں یہ بھی واضح ہے کہ یہ کام بھی بحکم خدا سے انجام ہی دیتا ہے نہ نبیؐ و امامؑ کما لا یخفیٰ علیٰ اولی الافہام۔

آٹھواں شبہ اور اس کا جواب

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شرح تجرید میں شرائط معجزہ کے سلسلہ میں لکھا ہے الثانی ان یکون من قبل اللّٰہ تعالیٰ او بامرہ یعنی معجزہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ منجانب اللہ ہو۔ یا اس کے حکم سے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ نبیؐ و امامؑ کا فعل ہوتا ہے جسے وہ بامر اللہ انجام دیتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب بھی واضح ہے کہ در اصل یہ شرح تجرید کی عبارت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ معجزہ بہر حال ہے تو فعلِ خدا مگر اس کا ظہور دو طرح ہوتا ہے کبھی تو بغیر ظاہری

امر و حکم اس کا ظہور ہوتا ہے جیسے شق القمر و احیاء موتیٰ و ابصار اعمیٰ وغیرہ اور کبھی اس کا ظہور و امر احکم ایزدی کے تحت ہوتا ہے جیسے قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً نے آتش نمرودی کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جا چنانچہ ہدایت الموحدین ج ۱ طبع ایران کے فاضل مصنف نے اس عبارت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے "معجزہ باید از فعل خدا تعالیٰ باشد مثل احیاء موتیٰ و ابصار اعمیٰ وغیر آن یا جاری مجرای فعل باشد مثل اینکہ بامر او باشد چنانچہ فرمودہ است قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراہیم" یعنی چاہئے کہ معجزہ یا تو فعل خدا ہو جیسے مردہ کا زندہ کرنا۔ اندھے کو بینا بنانا یا اس کے فعل کے قائم مقام ہو۔ یعنی اس کے امر سے واقع ہو جیسے اس کا یہ ارشاد کہ ہم نے آگ کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے سرد اور باعث سلامتی ہو جا۔ اس سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی۔ کہ بہر صورت معجزہ فعل خدا ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک معجزہ تو فعل ہے۔ دوسرا قول۔ قائل بھی خدا ہے اور فاعل بھی خدا۔ یہ ہے اس عبارت کا صحیح مفہوم۔ شرح تجرید سے جو مطلب ان حضرات نے اخذ کیا ہے۔ وہ سوء فہم کی دلیل ہے کہ ہلا وکم من عائب قولاً صحیحاً۔ وآفته من الفہم السقیم افحکم الجاھلیة یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون۔ ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرة انا ومن اتبعنی وسبحان اللہ وما انا من المشرکین۔

معجزہ کا فعل خدا ہونا عقل سلیم کی روشنی میں

عقل سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ معجزہ حقیقی مجاز ... [illegible] ... معجزہ کی حقیقت ... [illegible] ... تعریف میں ... [illegible] ... معجزہ کی ... [illegible] ... اس لئے عقل سلیم کہتی ہے کہ معجزہ کو فعل خدا ہی ہونا چاہئے ورنہ معجزہ ... [illegible] ... اس طرح چاہے دیو و دیو ... [illegible] ... بیٹھیں گے

اس معجزات کا تعلق بالعموم امور تکوینیہ سے ہوتا ہے جیسا کہ تیسرے باب میں ناقابل تردید دلائل و براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان امور کی ... [illegible] ... قبضہ قدرت میں ہے اس لئے ان کی باگ ڈور کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں کی جاتی لہذا ماننا پڑے گا کہ معجزات اسی قادر مطلق کا فعل ہیں جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات کی بادشاہی ہے۔ تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر۔

چھٹا باب

(سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے یا نہ ہونے کا بیان)

یہ امر بھی زمانہ کی بوقلمونی اور کج رفتاری کا ایک بین ثبوت ہے۔ کہ آج بعض ایسے مسائل پر بھی بحث آرائی و طبع آزمائی کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک محالات عقلیہ سے سمجھے جاتے تھے جیسے شریک باری، اجتماع ضدین) وغیرہ عقلاً محال و ممتنع ہیں۔ جن کو معجز نما قوت بھی بنا کر معرض وجود میں نہیں لا سکتی۔ منجملہ انہی محالات عقلیہ کے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ایک جسم ایک آن میں ایک سے زائد جگہ پر موجود ہو۔ اگرچہ یہ امر ایسا بدیہی اور بین الثبوت ہے کہ کوئی بھی صحیح الدماغ اس کے محال عقلی ہونے میں کلام نہیں کر سکتا۔

یہ صرف خداوند عالم کی شان ہے کہ بوجہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہونے کے علمی و احاطی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ورنہ کوئی بھی مخلوق خواہ لطیف ہو یا کثیف ایک وقت میں ایک ہی جگہ متصور ہو سکتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابن ابی العوجا کے اس سوال کہ اگر خدا آسمان میں ہے تو زمین میں کیونکر ہے۔ اور اگر زمین میں ہے۔ تو آسمان میں کیونکر ہو سکتا ہے؟ کے جواب میں فرمایا "انما وصفت المخلوق الذی اذا انتقل عن مکان اشتغل بہ مکان وخلا منہ مکان الخ" تم نے مخلوق کی صفت بیان کی ہے کیونکہ مخلوق کی یہ صفت ہے کہ جب ایک جگہ سے منتقل ہو جائے تو ایک جگہ اس سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور دوسری جگہ پُر۔ (الروضۃ الساکبہ ص۵۱۹ کذا فی اصل الشریعۃ و منہاج البراعۃ وغیرہ) لہٰذا کسی بھی مخلوق کے لئے بیک وقت ایک سے زائد جگہ پر موجود ہونا اور اسے پُر کرنا اس طرح عقلاً محال ہے۔ کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر نیرنگیٔ روزگار و روش دہر غدار ہمیں توضیح واضحات و تشریح بدیہیات پر مجبور کرتی ہے۔ اس لئے اس باب میں قرآن مجید، احادیث معصومین، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں اس موضوع پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

حاضر اور ناظر دو الگ موضوع ہیں

عام طور پر یکجا بحث سے کام لیا جاتا ہے۔ اور حاضر و ناظر کو ایک موضوع تصور کر کے اور دونوں کو گڈمڈ کر کے گفتگو کی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے بحث نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ حاضر اور ناظر دو الگ الگ مستقل موضوع

ہیں۔ پہلے موضوع کا تعلق بدن و جسم کے ساتھ ہے۔ اور دوسرے کا علم و ادراک کے ساتھ۔ اس لئے ہم ان دونوں موضوعات پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کرتے ہیں۔ فتدبر

محلِ نزاع کی تعیین

اصل مقصد پر دلائل پیش کرنے سے قبل محل نزاع کی تعیین ضروری ہے اس امر کے منقح نہ ہونے کی وجہ سے کئی لوگ اشتباہ میں مبتلا ہیں۔ اکثر لوگ تو حاضر کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ [illegible] واحد میں جب [illegible] مقام پر حاضر ہونا چاہیں فوراً حاضر ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ہم کہتے ہیں کہ عام [illegible] کا کیا ذکر ہے تو وہ ذوات مقدسہ ہیں کہ اگر چاہیں تو چشم زدن میں [illegible] کی سیر کر کے واپس اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ [illegible] کہ اس امر کو محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ تو سرعت سیر سے متعلق ہے۔ [illegible] اسی طرح [illegible] کے ساتھ آن واحد میں [illegible] متعدد [illegible] میں حاضر ہو سکتے ہیں اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں البتہ جو چیز محل بحث ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ بزرگوار اپنے جسم اصلی کے ساتھ ایک ہی وقت میں [illegible] پر موجود ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت اپنے اصلی جسم مقدس کے ساتھ جس وقت مکہ میں تشریف [illegible] رکھتے ہوں [illegible] وقت مدینہ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ اور بالکل اسی لمحہ عرش پر بھی اور اسی ساعت فرش پر بھی موجود [illegible] اس طرح عقلاً محال و ناممکن ہے۔ کہ عقل [illegible] اس کا تصور کرنے سے عاجز ہے۔ اس [illegible] بطور نمونہ [illegible] غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے چند اشارات پیش کئے جاتے ہیں۔

حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن [illegible] ایسی آیات [illegible] موجود ہیں۔ جن سے آنحضرت کی ہر زمان و ہر مکان میں حاضر و موجود ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ [illegible] پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل مريم وما كنت لديهم إذ يختصمون۔ [illegible] تم تو اس وقت [illegible] مریمؑ کے پاس موجود نہ تھے۔ جب وہ لوگ [illegible] قلم [illegible] کہ دیکھیں [illegible] مریمؑ کا کفیل بنتا ہے۔ اور نہ تم اس وقت [illegible] کے پاس موجود تھے۔ جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

(۲) وما كنت لديهم إذ أجمعوا أمرهم وهم يمكرون [illegible] اس وقت یوسفؑ کے بھائی [illegible] تم [illegible] کے پاس موجود نہ تھے۔

(۳) وما كنت بجانب الغربي إذ قضينا إلى موسى الأمر وما كنت من الشاهدين [illegible] اس وقت ہم نے موسیٰؑ کے پاس اپنا حکم بھیجا تھا۔ تو تم (طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے۔ اور نہ تم

ان واقعات کے چشم دید دیکھنے والے تھے۔

(۴) وما کنت ثاویا فی اهل مدین تتلوا علیهم آیاتنا ولکنا کنا مرسلین۔ "اور نہ تم مدین کے لوگوں میں رہے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے (اور نہ تم کو ان کے حالات معلوم ہوتے) مگر ہم تو تم کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والے تھے۔"

(۵) وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمة من ربک لتنذر قوما ما اتاهم من نذیر من قبلک لعلهم یتذکرون (پ ۲۰ س قصص ع ۵) "اور نہ تم طور کی کسی جانب اس وقت موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی۔ (کہ تم دیکھتے) مگر یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں ڈراؤ۔ (ترجمہ فرمان)

ان آیات مبارکہ سے بعبارۃ النص یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ جب یہ واقعات رونما ہوئے۔ اس وقت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں حاضر نہ تھے۔ جب سرور انبیاء کے حاضر ہونے کی نفی کر دی گئی تو پھر ائمہ اہل بیت کے حاضر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تبصرہ ان آیات مبارکہ سے بعض ہوا پرست ... یہ کہہ کر مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان سے وجود کی نفی ہوتی ہے نہ رویت کی۔ اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہاں بحث ہی تو جسمانی حضور و وجود کی ہے اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ان آیات سے حضور و وجود کی نفی ہوتی ہے تو پھر بحث ہی ختم ہو گئی

دوسرا یہ ہے کہ جہاں تک نفی رویت کا تعلق ہے گو ہم اس موضوع پر مکمل تبصرہ تو ناظر کی بحث میں کریں گے مگر سر دست اتنا عرض ہے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے تلک من انباء الغیب نوحیها الیک ما کنت تعلمها انت ولا قومک من قبل هذا (پ ۱۲ س ہود ع ۴) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں اس سے قبل نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی جانتی تھی) (ترجمہ فرمان) اب یہ امر محتاج بیان نہیں کہ علم کی نفی رویت کی نفی کو مستلزم ہے۔

(۶) ما یکون من نجوی ثلاثة الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا هو معهم اینما کانوا (پ ۲۸ س مجادلہ ع ۲) جب تین آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے تو وہ (خدا) ان کا ضرور چوتھا ہے۔ اور جب پانچ کا مشورہ ہوتا ہے تو وہ ان کا چھٹا ہے۔ اور اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ اور جہاں کہیں ہوں۔ وہ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔

(۷) ونحن اقرب الیه من حبل الورید (پ ۲۶ س ق ع ۲) اور ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ترجمہ فرمان)

(۸) وکان اللہ علیٰ کل شیءٍ رقیباً (پ ۲۲ سورہ احزاب ع ۶) "اور خدا تو ہر چیز کا نگران ہے"

ان آیات و ان جیسی دیگر آیات کو پیش نظر رکھنے سے یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ ہر جگہ (علمی طور پر) حاضر و موجود ہونا خداوند عالم کی ذات سے مخصوص ہے (لیس کمثلہ شیء)

(۹) وما تکون فی شأن وما تتلوا منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شہوداً اذ تفیضون فیہ (پ ۱۱ سورہ یونس ع ۱۲) "اور (اے رسول) تم جس حال میں ہو اور قرآن کی کوئی آیت تلاوت کرتے ہو۔ اور (لوگو) تم کوئی ایسا عمل کر رہے ہو ہم اس وقت جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو تم کو دیکھتے رہتے ہیں"

حاضر ہونے کی نفی احادیث معصومینؑ کی روشنی میں

اس قسم کی متعدد و متنوع ادعیہ و احادیث معصومین موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر آن ہر جگہ موجود ہونا خداوند عالم کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اور کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں ہے۔ بطور نمونہ چند ادعیہ و احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) فرماتے ہیں "ادعوک یا موجوداً فی کل مکان" میں تجھے پکارتا ہوں اے وہ خدا جو ہر مکان میں (علمی و احاطی طور پر) موجود ہے۔

(۲) شب عرفہ کی دعا میں وارد ہے "اللہم یا شاہد کل نجویٰ و موضع کل شکویٰ" اے وہ خدا جو ہر سرگوشی کے مقام پر حاضر اور ہر شکایت کا محل ہے (مفاتیح ص ۱۵۲)

(۳) دعائے [illegible] میں وارد ہے "[illegible] موضع کل شکویٰ و یا ملاذ و شاہد کل نجویٰ" اے پروردگار تو ہی ہر شکایت کی جگہ، تو ہی ہر گروہ کے پاس حاضر اور تو ہی ہر سرگوشی کے مقام پر موجود ہے۔ (مفاتیح ص ۱۶۰)

(۴) دعائے جوشن کبیر میں وارد ہے "یا من ہو قریب غیر بعید یا من ہو علیٰ کل شیء شہید" اے وہ خدا جو قریب ہے نہ بعید اے وہ خدا جو ہر چیز پر حاضر ہے (مفاتیح ص ۹۹)

(۵) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی دعائے تسبیح میں فرماتے ہیں "سبحانک [illegible] نجویٰ سبحانک موضع کل شکویٰ سبحانک حاضر کل ملاء" (صحیفہ سجادیہ ص ۳۳)

(۶) اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام" خدا کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت زمین میں سیر و سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ کئی روایات میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ

سلم علیّ فی شیء من الارض بلغته، ومن سلم علیّ عند القبر سمعته۔ یعنی جو شخص زمین کے کسی حصہ میں (دور سے) مجھ پر سلام کرے وہ مجھ تک (بتوسط ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔ اور جو میری قبر کے نزدیک مجھ پر سلام کرے اسے میں خود سن لیتا ہوں۔ (وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۴۴۷ باب زیارۃ النبی ولو من بعید) اگر آنحضرت ہر جگہ موجود ہوتے تو پھر ہر شخص کا سلام خود ہی سماعت فرما لیتے۔ اور یہ دور و نزدیک کی تفریق نہ ہوتی کہ دور والوں کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اور نزدیک والوں کا خود سنتے ہیں۔ وہذا اوضح من ان یخفی۔

(۲) جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لا تدرکه العیون بمشاهدة العیان ولکن تدرکه القلوب بحقائق الایمان قریب من الاشیاء غیر ملامس بعید منها غیر مباین الخ (نہج البلاغہ مصری ج ۲ ص ۱۲۲ ترجمہ اردو ص ۵۹۴) کوئی آنکھیں اسے آشکارا دیکھ نہیں سکتیں۔ لیکن قلوب حقائق ایمان کے وسیلہ سے اس کا ادراک کر لیتے ہیں۔ وہ ہر چیز سے نزدیک ہے لیکن اسے چھو نہیں سکتا وہ ہر چیز سے دور ہے لیکن جدا نہیں ہے۔

(۳) نیز آنجناب ایک خطبہ میں شان توحید بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لم یخل منه مکان فیدرک باینیة الخ (توحید الشیخ صدوق ص ۴۳) کوئی مکان خدا سے خالی نہیں ہے تاکہ اس کا ادراک کسی خاص مکان کی وجہ سے کیا جائے۔

(۴) جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ فهو قریب غیر ملتزق وبعید غیر متقص ... بعید فی قربه قریب فی بعده الخ (کتاب التوحید ص ۲۲) خدا وہ ہے جو باوجود قرب (علمی) کے (جسمانی طور پر) دور ہے اور باوجود (جسمانی) دوری کے (علمی و احاطی طور پر) نزدیک ہے۔

(۵) دعائے زیارت امام العصر (جو کہ نماز صبح کے بعد پڑھی جاتی ہے) میں وارد ہے۔ اللهم بلغ مولای صاحب الزمان صلوات الله علیه عن جمیع المؤمنین والمؤمنات فی مشارق الارض ومغاربها وعن والدی وولدی وعنی من الصلوات الخ۔ بارالہا! جناب صاحب الزمان کی خدمت میں میرے والدین اور میری اولاد نیز تمام مشرق و مغرب کے اہل ایمان کی طرف سے سلام پہنچا (مفاتیح ص ۵۳۸)۔

(۶) دعائے ندبہ میں وارد ہے۔ وبلغه منا تحیة وسلاما۔ بارالہا ہماری طرف سے امام زمانہ کو تحیہ و سلام پہنچا دے۔ (مفاتیح الجنان ص ۵۴۳)

ناظرین والا تمکین۔ غور فرمائیں کہ اگر امام العصر عجل اللہ تعالی فرجہ ہر جگہ حاضر ہیں۔ تو پھر خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ان تک ہمارے سلام پہنچائے۔ معلوم ہوا امام زمانہ حاضر نہیں بلکہ غائب ہیں۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جو بزرگوار اس وقت ولی عصر واقعاً غائب ہیں ان کے ... وہ تو قائل ہیں (جنہیں کہا ہی امام غائب جاتا ہے) ... اور ان کے تعجیل ظہور کی دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور

جو بزرگ بظاہری موت کا ذائقہ چکھ کر دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرما چکے ہیں وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر ہیں؟ "ان ھذا لشیء عجاب"

(۱۲) ایک مرتبہ ابن ابی العوجاء زندیق نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اثبات صانع کی درخواست کی۔ امام نے وجود باری پر بطور ترتیب دلیل پیش فرمائی۔ ابن ابی العوجاء نے کہا: "احلت علی غائب" آپ نے ایک غائب ہستی کا حوالہ دے دیا ہے۔ امام علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: "ویلک کیف یکون غائباً من هو مع خلقه شاهد والیهم اقرب من حبل الورید یسمع کلامهم ویری اشخاصهم ویعلم اسرارهم" افسوس ہے تجھ پر وہ کیسے غائب ہو سکتا ہے جو اپنی مخلوق کے پاس حاضر ہے اور ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ ان کے نزدیک ہے۔ وہ ان کے کلام سنتا ہے۔ ان کو دیکھتا ہے۔ اور ان کے ہر بھید رازوں کو جانتا ہے۔ اس پر زندیق نے عرض کیا: "اھو فی کل مکان" کیا وہ ہر جگہ حاضر ہے؟ یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب وہ آسمان میں ہو تو زمین میں اس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جب زمین میں ہوگا تو پھر اس وقت آسمان میں کس طرح ہو سکتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: "انما وصفت المخلوق الذی اذا انتقل عن مکان اشتغل به مکان وخلا منه مکان فلا یدری فی المکان الذی صار الیه ما یحدث فی المکان الذی کان فیه فاما الله العظیم الشان الملک الدیان فلا یخلو منه مکان ولا یشتغل به مکان ولا یکون الی مکان اقرب منه الی مکان" تو نے مخلوق اور محل جسم کی صفت بیان کی ہے کہ جب وہ ایک جگہ سے منتقل ہو جائے تو اس سے دوسری جگہ پر ہو جاتی ہے۔ اور پہلی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ اسے دوسری جگہ منتقل ہونے کے بعد کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اب پہلی جگہ کیا ہو رہا ہے لیکن خدائے عظیم الشان و بادشاہ و دیان (جزا دہندہ) ایسا ہے کہ اس سے نہ کوئی جگہ خالی ہے اور نہ کوئی جگہ بھری ہے (کیونکہ وہ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے) اور نہ کوئی جگہ بہ نسبت دوسری جگہ کے اس سے زیادہ نزدیک ہے (کیونکہ اس کا علم سب کو یکساں طور پر محیط ہے) (اصول کافی ص ۶۹ باب الحرکۃ والانتقال) اس حدیث شریف سے بھی کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ہر آن ہر جگہ حاضر و موجود ہونا صرف خدائے دیان کی شان ہے ولا یشرکہ فیہ احد من الخلائق۔

حاضر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں

اگرچہ اس مسئلہ میں بہت سے علماء اعلام کا کلام پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ ہماری مسئلہ کی وضاحت ترجمانی ہے۔ مگر اختصار کے پیش نظر صرف چند اعلام کے بیانات درج کئے جاتے ہیں

(۱) علامہ جلیل القدر الشیخ محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی اپنی کتاب متشابہات القرآن ج ۱ ص ۱۰۰ پر لکھتے ہیں: "والجسم لا یجوز ان یکون فی الاماکن الکثیرۃ فی حالۃ واحدۃ" ایک جسم کا ایک ہی وقت

میں متعدد مقامات پر حاضر ہونا صحیح نہیں ہے۔

(۲) علامہ خوئی منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں "یحکم الانسان بانّ الشیء الواحد لا یتصوّر ان یکون فی مکانین فی حالة واحدة وهکذا حکم العقل علی کل شخص" یعنی انسان اپنے وجدان سے فیصلہ کرتا ہے کہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو جگہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور تمام اشخاص کے متعلق عقل کا یہی فیصلہ ہے۔

(۳) ناصر الملت جناب مولانا سید ناصر حسین لکھنوی سے یہ دریافت کیا جاتا ہے: "یہ روایت مشہور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ایک وقت میں چالیس جگہ افطار صوم کیا اور جناب نبیؐ نے بھی جناب امیر کی نسبت سے کہا کیا کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ علیؑ نے عرش پر افطار کیا۔ یہ صحیح ہے اور یہ عقائد میں جائز ہے یا نہیں اس لئے کہ یہ روایت علیؑ کے عرش پر تشریف لے جانے کی مستلزم ہے۔" یہ بحر ذخار اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں "یہ روایت کتب معتبرہ میں نظر قاصر سے نہیں گزری۔ البتہ فاضل جزائری نے اس کا ذکر انوار نعمانیہ میں کیا ہے۔ اور امیر المومنینؑ کا عرش پر تشریف لے جانا محال نہیں ہے لیکن جسم واحد ایک زمانہ میں چالیس مقامات پر تشریف لے جائے البتہ محال عقلی ہے مگر چند کہ بعد اجسام مثالیہ وغیرہ سے تاویل اس مضمون روایت کی ہو سکتی ہے مگر چونکہ ورود اس کا کتب معتبرہ میں ثابت نہیں۔ لہٰذا تاویل اس کی ضروری نہیں۔ واللہ العالم۔

ماہنامہ ... بابت ماہ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۱ھ جلد ... نمبر ...

(۴) حضرت علامہ ابو الفضل برقعی اپنے رسالہ ... صفحہ ۱۰ طبع تہران میں فرماتے ہیں "ہر جسم و جسمانی چہ لطیف و چہ غیر لطیف محتاج بحیز و مکان است و ہر ممکن الوجود محدود است رسول و امام نیز ہر دو بشر بودہ اند روح و بدن ایشان محدود و متحیز و محتاج بمکان بودہ در آن واحد ممکن نیست در دو مکان باشند چہ رسد بامکنہ بیشتری پس ایشان مجرد از مکان و حدود نیستند ... پس محال است ... روح واحد کہ یک مکان دارد در تمام امکنہ حاضر باشد در آن واحد" یعنی ہر جسم و جسمانی خواہ کثیف وہ مکان کا محتاج ہے نیز ہر ممکن الوجود محدود ہے ظاہر ہے کہ امام بھی بشر اور صاحب روح و بدن ہیں۔ وہ محدود و محتاج مکان ہیں اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ آن واحد میں دو مقام میں حاضر ہوں تا چہ رسد بامکنہ کثیرہ۔

(۵) جناب مولانا سید محمد جعفر ... حصہ دوم صفحہ ۳۰۹ طبع دوم ... میں لکھتے ہیں۔ "شاہد اگر موقع پر موجود ہو تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے۔ اور ایک وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہو سکتا۔"

ہم سردست "حاضر" کی بحث میں کر رہے ہیں کیونکہ حاضر میں کلام ہے کہ اگر کوئی ہستی تمام اشیاء پر حاضر ہو تو جب تک ...

اس کی دو ہی صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ اشیاء اس کے سامنے حاضر ہوں یہ صورت نا ممکن ہے مولانا محمد سعید کے لفظوں میں سنیں، فرماتے ہیں "صورت اول مشکل بلکہ نا ممکن اور خلاف مشاہدہ ہے کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبر و امام کے سامنے جاتا ہے۔ اور اس کے سامنے ہر عمل کرتا ہے۔ اور نہ دوسری چیزیں اس کے پاس جاتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ذات ہر ہر شے کے پاس موجود و حاضر ہو۔ یہ بھی نا ممکن ہے کیوں، مولانا موصوف کی زبانی سنئے "لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے پھر کس طرح سے وہ تمام اشیاء پر حاضر ہوتا ہے" (مواعظ حسنہ حصہ دوم ص۲۲ موعظہ پنجم) الغرض

یہ ہی تھے دو ۔۔ اب ہو یوں رد ہو گئے

جب حضور و شہود کی یہ دونوں شقیں باطل ہیں تو پھر

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اس کے بعد مولانا مرحوم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ روح نوری و امامتی کی وجہ سے حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اس پر ہم ناظر کے ذیل میں گفتگو کریں گے۔ انشاء

حاضر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں

اہل عقل و خرد جانتے ہیں کہ کسی امر کی اثباتاً یا نفیاً تصدیق کرنے سے پہلے اس امر کا فی الجملہ تصور ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر تصدیق نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم جس فاسد نظریہ کے ابطال پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ عقل و خرد جس قدر چاہے زور لگائے اور انسانی علم و دانش جس قدر چاہے بلند پروازی کے دام بچھائے مگر اس بات کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔ کہ ایک ہی جسم ایک ہی آن میں ایک سے زائد مقام پر کیونکر حاضر ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ جب تصور نا ممکن ہے تو پھر تصدیق کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بدیہی اور واضح حقائق کے اثبات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ندامت دامنگیر ہوتی ہے کہ ابتدائے بحث میں عذر خواہی کر دی گئی ہے۔ کہ ہمیں بدقسمتی سے سابقہ ان لوگوں سے پڑا ہے جو "لا یفرقون الهرّ من البرّ ولا یمیزون بین المحال والممکن۔ قال الله المشتکی من معشر یعیشون جهالاً ویموتون ضلالاً۔" اس لئے خود مستدلان عالم سے امید ہے کہ بموجب المجبور معذور ہمیں اس توضیح واضحات پر معذور تصور کریں گے بہر حال ان ذوات مقدسہ کو ہر وقت ہر جگہ بجسد اصلی حاضر سمجھنے والوں کو آخر کچھ تو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے کہ:-

(۱) اگر آنحضرت ہر جگہ موجود تھے تو پھر مکہ و مدینہ والی زندگی کی تفریق کس بنا پر ہے؟

(۲) اگر پہلے ہی ہر جگہ حاضر تھے تو پھر شب ہجرت کے واقعہ کی اصلیت کیا ہے؟

(۳) اسی طرح اگر جناب امیر علیہ السلام ہر جگہ موجود تھے۔ تو پھر شب ہجرت بستر رسولؐ پر سونے کی حقیقت کیا ہے؟

(۴) اگر ہر جگہ موجود تھے۔ تو مدینہ کی سکونت ترک کر کے کوفہ کو اسلامی دار الخلافت قرار دینے کی ماہیت کیا ہے؟

(۵) اگر امام حسن مجتبیٰؑ ہر جگہ حاضر تھے تو امیر شام سے مصالحت کے بعد مدینہ واپس تشریف لانے کے کیا معنی ہیں؟

(۶) اگر حضرت امام حسینؑ ہر جگہ حاضر تھے تو پھر ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر ۳ شعبان کو مکہ مکرمہ پہنچنے اور پھر وہاں چند ماہ قیام کرنے کے بعد ۸ ذی الحجہ کو عراق کی طرف روانہ ہونے اور پھر منزلیں طے کرنے کے بعد بالآخر ۲ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں وارد ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(۷) اگر زین العابدینؑ ہر جگہ حاضر تھے تو پھر شہادت امامؑ کے بعد کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر زندانِ شام کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد مع دیگر اسیرانِ آل محمد علیہم السلام کے رہا ہو کر مدینہ تشریف لے جانے کا کیا مفہوم ہے؟

(۸) اگر یہ تمام [illegible] ہر جگہ حاضر ہیں تو امام موسیٰ کاظمؑ کو [illegible] جیسے ظالم [illegible] آدمیوں کا گرفتار کر کے پہلے کچھ عرصہ زندانِ بصرہ میں رکھنے اور پھر وہاں سے زندانِ بغداد میں منتقل کرنے حتیٰ کہ بالآخر امام کے زندانِ بغداد میں ہی زہر جفا سے جام شہادت نوش کرنے کی کیا اصلیت ہے؟

(۹) اگر امام ہر جگہ حاضر ہیں تو پھر امام رضاؑ کا مامون عباسی کے اصرار پر مدینہ سے بغداد تشریف لے جانے اور پھر وہاں سے منازل سفر طے کرتے ہوئے طوس پہنچ کر جام شہادت نوش کرنے کا کیا مطلب ہے؟

(۱۰) اگر یہ حضرات ہر جگہ حاضر ہیں تو پھر امام علی نقیؑ کا متوکل عباسی کے اصرار پر مدینہ سے سامرا تشریف لے جانے اور وہاں متوکل کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر بالآخر شربت شہادت پینے کی کیا حیثیت ہے؟

(تلک عشرۃ کاملۃ)

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

آخر کچھ تو سوچو عقل و ہوش کا کیوں جنازہ نکالتے ہو۔ اور اس سائنسی ترقی کے دور میں غیروں کو مذہب و اہل مذہب کا مذاق اڑانے کا کیوں موقع دیتے ہو۔ ڈرو اس وقت سے جو آنے والا ہے؟ بہرکیف ان حقائق کی روشنی میں مثل مہر نیمروز واضح ہو گیا ہے کہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے ہر وقت ہر جگہ جسم اصلی کے ساتھ حاضر ہونے کا نظریہ بالکل خلاف عقل و نقل و فطرت ہے۔ بعد ازیں ان لوگوں کی عقل و خرد اور علم و فضل کی داد دیجئے جو [illegible] کرتے ہوئے نہیں شرماتے کہ ہم حضرت امیرؑ کو [illegible] حاضر و ناظر ہونا مانتے ہیں۔ اس جگہ [illegible] علم و فضل [illegible] کے دستخطوں سے شائع کردہ حقائق مذہب شیعہ کے سوال نمبر ۲۰ اور اس کے جواب کو دیکھ کر ان حضرات کی ہوشیاری اور [illegible] عامہ سے مرعوب ہو کر کھلم کھلا

قبولِ حق سے بیزاری پر بہت تعجب ہوتا ہے پہلے صورتِ سوال توڑ مروڑ کر یوں پیش کی جاتی ہے: کیا آں حضرتؐ اور ائمہ ہدیٰ وقتِ واحد میں متعدد مقامات پر جسمِ مثالی سے تشریف لے جاسکتے ہیں۔ یا اس جسم سے نہیں جاسکتے؟ پہلے تو اس سوال میں بڑی چالاکی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام تر بحث بیک وقت جسمِ عنصری و اصلی کے ساتھ امکنۂ متعددہ میں حاضر ہونے کے متعلق ہے۔ مگر سوال میں جسمِ مثالی لکھا گیا ہے۔ جو کہ خارج از بحث ہے جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ بہر حال اس سوال کا مستقل طور پر جواب اس طرح دیا جاتا ہے: "ایسی ہستیوں کے لئے اس سوال کا کیا محل ہے جو شبِ معراج آنِ واحد میں عالمِ امکان کی آخری حد تک جاتے بھی ہیں اور واپس بھی آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کو جسمِ مثالی سے نہیں بلکہ اسی جسم سے خدا نے شرفِ معراج بخشا تھا۔" الخ (رسالہ مذکور) بھلا خدا کی اس عجیب الخلقت مخلوق (مولوی صاحبان) سے کوئی یہ پوچھے کہ اصل سوال یہ نہیں کہ آنحضرتؐ معراج پر جسمِ عنصری کے ساتھ تشریف لے گئے تھے یا جسمِ مثالی کے ساتھ۔ کیونکہ یہ امر مذہبِ شیعہ کے مسلمات بلکہ ضروریات میں سے ہے کہ آنحضرتؐ کو بجسدِ عنصری خداوندِ عالم نے شرفِ معراج بخشا تھا۔ اسی طرح یہ امر بھی خارج از بحث ہے کہ آیا آنِ واحد میں تشریف لے گئے تھے اور واپس آئے تھے یا اس سے کچھ بیش وقت صرف ہوا تھا؟ فرض کیجئے وہ آنِ واحد کے بھی سویں حصہ میں جسدِ عنصری کے ساتھ عالمِ امکان کی آخری حد پر تشریف لے گئے تھے آیا اسی آن یا آن کے اس سویں حصہ میں ان کا وہی جسدِ عنصری زمین پر بھی تھا؟ اور اگر یہی جسدِ اطہر پہلے ہی آسمان پر حاضر تھا تو پھر کیوں اور کس جسد سے تشریف لے گئے تھے؟ اور اگر وہ جسدِ اقدس اس وقت زمین پر تھا تو پھر آسمان پر کس جسدِ انور کے ساتھ تشریف لے گئے؟ کیا عقلِ انسانی اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے، اور کیا اس لاینحل عقدہ کو ناخنِ تدبیر سے حل کر سکتی ہے؟ بظاہر تو یہ مسئلہ نصاریٰ کی تثلیث والے بیہودہ نظریہ سے بھی زیادہ الجھا ہوا اور خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

یہی لاینحل سوالات مذکورہ بالا تمام عقلی دلائل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یا اهل العلم تنبّهوا ولا تكونوا من الذين يعلمون ويتّبعون الذين لا يعلمون وقد قال الله سبحانه ولا تتبعان سبيل الذين لا يعلمون۔ کیونکہ ـــ ءن تو كلتم على الله الا يضركم كيدهم شيئا ان شاء الله۔ بہرکیف ـــ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

ایک تحقیقِ جدید اور اُس کا جواب

صاحبِ حقائق الوسائط نے تو (ص ۲۲۴) پر یہ کہہ کر کہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام لازمان و لامکان ہیں؛ اب اس بحث کا خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؎ ع قصہ کوتاہ گشت ورنہ دردِ سر بسیار بود

[illegible]

ء: یا جب واپس زمین پر تشریف لائے تھے تو اسی آن میں وہی اسی جسدِ عنصری آسمان پر بھی موجود تھا [illegible]

اس کے ساتھ ساتھ جب تک ان ذواتِ مقدسہ کو جسم کی قید سے بھی آزاد نہ مانا جائے۔ اس وقت تک بات بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ہر جسم کا محتاجِ مکان ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے ہی قید عقل و شریعت سے آزاد روضہ خوانوں کی روش رفتار سے دل سوختہ ہو کر فاضل جلیل علامہ برقعی نے لکھا ہے۔

"عجب است، در زمان ما کہ بعضے از مداحان امام را لامکان و عالم بکل شئی میخوانند و این نیست مگر از بدبختی و جہل زیرا لامکان و حضور در کل مکان منحصر است بذات پروردگار و گاہے می گویند امام ہمہ جا حاضر و ناظر و از افکار و خیالات ہمہ مطلع است و حوائج ہمہ را انجام میدہد۔ و چنین گفتارہا شرک بخدا است و چنین صفات مختص بذات اوست۔ و اگر امام یا رسول از ما فی الضمیر کسے را خبر دادہ بتوسط وحی یا الہام حضرت پروردگار بودہ پس باید بچنین مداحان گمراہ گفت اگر امام ہمہ جا حاضر است شما چرا در دعائے امام زمان می گوئید اللّٰہم بلغ مولائی صاحب الزمان الخ یعنی خدایا برساں۔ بمولائے ما صاحب الزمان صلوات و سلام ما را و در دعائے ندبہ می گوئید و بلغہ منا تحیۃ و سلاما یعنی سلام و تحیۃ ما را باو برساں۔ و اگر امام ہمہ جا حاضر و ناظر بود دیگر برساں معنی نخواست الخ (کتاب عقل و دین ج ۱ ص ۲۷۴) یعنی ہمیں اپنے (ابنائے) زمانہ سے تعجب ہے۔ کہ آجکل کچھ (غلط) مدح کرنے والے امام کو لامکان اور عالم کل قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ صرف بدبختی اور جہالت کا نتیجہ ہے ورنہ ظاہر ہے کہ لامکان اور (حقیقی طور پر) ہر جگہ حاضر ہونا ذاتِ پروردگار میں منحصر ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور تمام لوگوں کے افکار و خیالات سے آگاہ ہیں۔ اور تمام لوگوں کی حاجتیں بر لاتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں شرک بخدا میں داخل ہیں۔ اگر امام یا رسول کبھی لوگوں کو ما فی الضمیر سے خبر دیتے بھی ہیں۔ تو یہ بوجہ وحی یا الہام پروردگار ہوتا ہے۔ ایسے گمراہ مادحین سے کہنا چاہئے کہ اگر امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو تم امام زمانہ کی دعا میں یوں کیوں کہتے ہو۔ اللّٰہم بلغ مولائی۔ اے اللہ! ہمارے آقا امام زمان کو ہماری طرف سے صلوات و سلام پہنچا۔ اسی طرح دعائے ندبہ میں یہ کیوں کہتے ہو۔ اے اللہ! امام زمانہ کو ہمارا تحیہ و سلام پہنچا۔ اگر امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر خدا سے یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ ہمارے سلام ان تک پہنچا۔"

اس سلسلہ میں جس حدیث کے ساتھ تمسک کیا گیا ہے۔ اس کی صحیح توضیح و تشریح کے لئے مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کا ص ۳۰ دیکھیں تاکہ حقیقتِ حال پر اطلاع و آگاہی حاصل ہو۔ (ذٰلک الاسرار لا یعلمہا الا العلماء الاخیار و نقاد الاخبار)

صداقتِ حق کا زندہ ثبوت

جواہر الاسرار کے مؤلف نے ہر جگہ حاضر ناظر کے اس محال و نا ممکن نظریہ فاسد کو بعض مجمل و مرسل اور غیر متعلق آثار سے ثابت کرنے کے لئے ادھر ادھر بہت

متشابہ نقلی دلیل بظاہر اس سے متصادم ہو تو اگر وہ نقلی دلیل سندی اعتبار سے ناقابل انکار ہو تو پھر اس کی کوئی ایسی تاویل کرنا لازم ہوگی جس سے یہ ظاہری منافات ختم ہو جائے مثلاً خدا کا جسم نہ رکھنا عقلاً مسلّم و محقق ہے۔ مگر بعض آیات جیسے خلقت بیدی، وجہ ربك۔ الرحمٰن علی العرش استوی وغیرہا سے بظاہر اس کی جسمانیت کا توہم ہوتا ہے۔ اس لئے ائمہ طاہرینؑ کی مقدس تعلیمات کی روشنی میں علماء مفسرین و متکلمین نے ان کی ایسی جامع تاویلات فرمائی ہیں۔ کہ اس کے بعد یہ عقل و نقل کا ظاہری باہمی تضاد و اختلاف بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے شائقین ہماری کتب "احسن الفوائد" کی طرف رجوع فرمائیں۔ بنا بریں چونکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کہ جسم واحد کا آن واحد میں مقامات متعددہ میں حاضر ہونا عقلاً محال و ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض اس آیت سے بظاہر یہ مطلب مترشح بھی ہوتا تو اس کی مناسب تاویل کرنا واجب تھی۔ تاکہ عقل و شرع کا یہ اختلاف ختم ہو جائے۔ چہ جائیکہ شہید کے وہ معنی ہی سرے سے غلط ہیں۔ جن پر ان حضرات نے اپنے مفروضہ کی بنا رکھی ہے۔

دوسرا جواب اس آیہ وافی ہدایہ کا ان لوگوں کے خود ساختہ نظریہ سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ امت وسط سے ائمہ اطہارؑ مراد ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ اس سے تمام امت اسلامیہ کو مراد لینا عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ عام افراد امت میں مومن و منافق، عادل و فاسق اور صالح و طالح غرضیکہ ہر قماش کے اور ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ جن میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کی اس دنیا میں جا بجا چیز پر شرعی نقطۂ نظر سے گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ (ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا) تو بروز قیامت سابقہ امتوں بلکہ انبیائے سلف کی تبلیغ پر ان کی گواہی کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے؟ لیکن جہاں تک لفظ شہید کے قائل ہونے پر ان بزرگواروں کے ہر وقت ہر جگہ حاضر ثابت کرنے کا تعلق ہے یہ امر نہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے نہ لغت عرب سے، نہ ارشادات معصومینؑ سے اور نہ ہی اقوال علماء محققین سے۔ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

لفظ شہید کے لغوی معانی کی تحقیق ارباب علم و فضل پر مخفی نہیں ہے کہ لفظ شہید لغت عرب میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے جو معنی یہاں مناسبت رکھتے ہیں۔ وہ دو ہی ہیں:۔

پہلے معنی مناسب ہیں "گواہ" عام اس سے کہ وہ گواہ بوقت وقوع واقعہ موقع پر موجود و حاضر ہو یا نہ ہو بلکہ اس گواہی کے لئے صرف واقعہ کے متعلق علم و یقین کا ہونا کافی ہے۔ وہ جس طرح بھی حاصل ہو جائے۔ ان پہلے معنی کی رو سے باعتبار لغت عرب شاہد و شہید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر دو الفاظ کا مصدر "شہود" اور اسم مصدر "شہادۃ" ہے۔ یہاں مصدر و اسم مصدر نیز ان کے بعض مشتقات کے معانی لغت کی کتب معتبرہ سے درج کئے جاتے ہیں جس سے

شاہد و شہید کا صحیح مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا۔ (۱) قاموس اللغات ج ۱ ص۳۰۴ طبع مصر پر مرقوم ہے "الشہادۃ خبر قاطع" یعنی شہادت "قطعی و یقینی خبر کا نام ہے"۔ اسی صفحہ پر ذرا آگے چل کر لکھتے ہے۔ الشہید قد تکسر شینہ الشاہد۔ یعنی شہید جسے بعض اوقات شین کے زیر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے بمعنی شاہد ہے (یعنی قطعی خبر دینے والا) (۲) اسی طرح، المنجد ص۴۰۶ طبع چہارم پر لکھا ہے الشہادۃ خبر قاطع۔ الشہید و الشہید الامین فی شہادۃ الشاہد۔ (مطلب ایک ہی ہے) شہد الشئی کے معنے لکھتے ہیں "اطلع علیہ" یعنی اس شئی پر مطلع ہوا۔ "شہد علی کذا" کے معنی یہ بیان کئے ہیں "اخبر بہ خبرا قاطعا" فلاں بات پر شہادت دی یعنی اس کے بارے میں قطعی یقینی خبر دی (۳) لسان العرب ج ۲ ص۲۳۹/۲۴۴ طبع بیروت پر لکھا ہے۔ الشہادۃ خبر قاطع ص۲۳۹۔ الشہید الشاہد یعنی شہید بمعنی شاہد ہے چند سطور کے بعد لکھا ہے۔ ویقال للشاہد شہید۔ شاہد کو شہید کہا جاتا ہے پھر ص۲۴۳ پر ہر دو الفاظ کے ہم معنی ہونے پر بعض آیات و روایات سے استشہاد بھی کیا ہے فراجع

قرآن مجید میں آنحضرتؐ پر ہر دو لفظوں کے اطلاق سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ انا ارسلناک شاھدا، وجئنا بک علیٰ ھؤلاء شھیدا۔۔۔

(۴) ریاض السالکین شرح صحیفہ سجادیہ للعلامۃ السید علی خان الشیرازی ص۲۵۰ پر لکھا ہے کل من یعرف حال شخص فلہ ان یشہد علیہ فان الشہادۃ خبر قاطع یعنی جو شخص بھی کسی شخص کی حالت کی مکمل معرفت رکھتا ہو۔ وہ اس پر شہادت دے سکتا ہے۔ کیونکہ شہادت قطعی خبر کا نام ہے" نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ الشہداء جمع شہید فعیل بمعنی فاعل یعنی شہداء شہید کی جمع ہے جو فعیل بمعنی فاعل یعنی شہید بمعنی شاہد ہے"

(۵) لغات القرآن و حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحرین ص۲۲۴ پر لکھا ہے۔ الشہادۃ خبر قاطع۔ اس سے پہلے صفحہ ۲۲۳ پر شاہد و شہید کے درمیان معمولی سا معنوی اختلاف بیان کرنے کے بعد ان کا ایک دوسرے پر اطلاق ہونا تسلیم کیا ہے

(۶) مفردات راغب اصفہانی طبع ایران ص۲۶۹ پر لکھا ہے والشہادۃ قول صادر عن علم حصل بمشاھدۃ بصیرۃ او بصر یعنی شہادت اس قول کا نام ہے جو علم و یقین کی بناء پر صادر ہو۔ یہ علم خواہ بصیرت (باطنی) کے مشاہدہ پر مبنی ہوں۔ اور خواہ بصارت ظاہری پر" پھر لکھا ہے" ویقال شاھد و شہید" شاہد و شہید کہا جاتا ہے" یعنی دونوں لفظ ہم معنی ہیں جو علم و یقین کی بناء پر گواہی دے سکیں۔ (۷) کلیات ابو البقاء طبع مصر ص۱۹۱ پر لکھا ہے" الشہید الشاہد" یعنی شہید کے معنی ہیں شاہد"

ان حوالہ جات لغویہ سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا۔ کہ شہادت قطعی و یقینی خبر دینے کا نام ہے۔ خواہ چشم دید حالات پر مبنی ہو اور خواہ معرفت قلبی پر۔ لہٰذا جس شخص کو کسی واقع کا یقین حاصل ہو جائے خواہ کسی طریقہ سے ہی وہ اس واقعہ کا شاہد و شہید ہو سکتا ہے۔ چونکہ خداوند عالم اپنے رسولؐ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام

کو بعض مخصوص ذرائع و اسباب سے (جن کی بقدرِ ضرورت تفصیل مسئلہ ناظر میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ) کی اطلاع بہم پہنچایا رہتا ہے۔ اس لئے وہ اعمالِ امت کے گواہ بن سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس سے ان حضرات کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

کتبِ تفسیر و حدیث سے اس مطلب کی تائید مزید

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں فریقین کے مفسرین نے جو افاداتِ عالیہ فرمائے ہیں ان سے بھی ہمارے اس دعویٰ کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے کہ شہید کے لئے بنفسِ واقعہ پر حاضر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ذاتی علم و یقین کی بنا پر شہادت دے سکتا ہے چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۲ طبع مصر پر رقمطراز ہیں۔ ولما کان بین الابصار بالعین وبین المعرفة بالقلب مناسبة شدیدة لاجرم قد تسمی المعرفة التی فی القلب مشاهدة وشهوداً والعارف بالشیء شاهداً ومشاهداً، الی ان قال ان کل من عرف حال شیء وکشفه عنده کان شاهداً علیه۔ الخ یعنی چونکہ عینی مشاہدہ اور معرفتِ قلبی میں شدید مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر کبھی معرفتِ قلبی کو مشاہدہ و شہود بھی کہا جاتا ہے اور کسی چیز کی معرفت رکھنے والے کو اس کا شاہد و مشاہد کہا جاتا ہے لہذا جس شخص کے نزدیک کسی چیز کا حال کما حقہ منکشف ہو جائے وہ اس کا شاہد ہوتا ہے۔ اسی جلد کے ص ۳۶ پر ایک اعتراض کہ "ان مثل هذه الاخبار لا تسمی شهادة یعنی کسی امر کی اس بنا پر گواہی دینا کہ خدا و رسول نے اس کی خبر دی ہے اسے اصطلاح میں شہادت نہیں کہا جاتا ہے" کا یہ جواب دیا ہے: هذا ضعیف لقوله علیه الصلوة والسلام اذا علمت مثل الشمس فاشهد والشیء الذی اخبر الله تعالیٰ عنه فهو معلوم مثل الشمس فوجب جواز الشهادة علیه یعنی یہ اعتراض باطل کردہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تمہیں کسی چیز کا وجود آفتاب کی طرح یقینی حاصل ہو تب اس کی گواہی دو۔ ظاہر ہے کہ جب خداوند عالم کسی امر کی خبر دے تو وہ یقیناً آفتاب کی طرح روشن ہوتی ہے لہذا ایسی شہادت یقیناً جائز ہوگی۔ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ اپنی تفسیر تبیان ج ۲ ص ۸ پر اور حضرت علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۲۲۴ پر لتکونوا شهداء علی الناس کے معانی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "ثالث یشهدون للانبیاء علی اممهم المکذبین لهم انهم قد بلغوا وجاز ذلک لاعلام النبی ایاهم بذلک" یعنی اس کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ امتِ وسط (ائمہ اطہار) انبیائے سلف کے حق میں ان کی امتوں کے ان لوگوں کے برخلاف شہادت دیں گے جنہوں نے ان انبیاء کو جھٹلایا تھا (اور جو کہتے ہوں گے) کہ ان انبیاء نے پیغامِ حق تبلیغ نہ کیا تھا۔ اور ان کی یہ شہادت اس لئے جائز اور نافذ ہوگی کہ جناب رسول خدا حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ نے باعلامِ الٰہی ان کو اس امر کی خبر دی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ صرف جناب رسول خدا کے خبر دینے کی بنا پر بھی شہادت دینا درست ہے اسی طرح آنحضرت کے لئے خدائے علیم و خبیر کے خبر دینے سے شہادت دینا صحیح ہے اگرچہ اصل واقعہ بچشمِ خود نہ بھی دیکھا ہو۔ فاضل کاشانی نے اپنی تفسیر صافی ص ۴۹ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ لیشھد محمد علینا ولنشھد علی شیعتنا ولیشھد شیعتنا علی الناس۔ جناب رسول خداؐ ہم پر گواہی دیں گے اور ہم اپنے شیعوں پر۔ اور ہمارے خالص شیعہ باقی لوگوں پر۔ اس کی مزید تائید محدث جزائری کی نور الانوار شرح صحیفہ کاملہ صـ۱۳ پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بروز قیامت جب انبیاء کرامؑ سے تبلیغ رسالت کے بارہ میں سوال ہوگا۔ اور ان کے بیان پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ تو وہ سرکار ختمی مرتبتؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور آنحضرتؐ جناب جعفر طیارؑ اور حضرت حمزہ سید الشہداءؑ کو حکم دیں گے۔ "یا جعفرُ یا حمزۃ اذھبا واشھدا لہم انہم بلغوا" تم دونوں جاکر گواہی دو کہ انہوں نے تبلیغ نبوت کا فریضہ ادا کر دیا تھا۔ حضرت صادق آل محمدؐ فرماتے ہیں کہ فجعفر وحمزۃ الشاھدان للانبیاء بما بلغوا۔ اس دن تبلیغ نبوت و رسالت پر انبیاء سلف کے جناب جعفرؑ و جناب حمزہؑ گواہ ہوں گے۔ راوی نے عرض کی جعلت فداک فعلی علیہ السلام۔ میرے آقا! حضرت امیر علیہ السلام اس وقت کہاں ہوں گے؟ فرمایا ھو اعظم منزلۃ من ذلک یعنی ان کا مقام اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ خود جاکر گواہی دیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت جعفرؑ و حمزہؑ کی یہ گواہی محض جناب رسول خداؐ کی خبر دہی پر مبنی ہے ورنہ خود تو بالاتفاق ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے وقت حاضر نہ تھے۔ بس سے یہ امر کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ خبر قطعی کی بنا پر شہادت دینا صحیح ہے۔ شاہد کے لئے نفس واقع پر حاضر ہونا لازمی شرط نہیں ہے۔ اس امر کی تائید مزید برادران اسلامی کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں وارد ہے کہ جب سابقہ امتیں اپنے انبیاءؑ کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی۔ تو انبیاء سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اس وقت اُمت مرحومہ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ سابقہ امتیں ان کی گواہی پر اعتراض کرتے ہوئے کہیں گی۔ من این عرفتم؟ تمہیں یہ حالات کہاں سے معلوم ہوئے ہیں۔ کہ تمہاری گواہی قابل قبول ہو؟ اُمت مرحومہ جواب دے گی۔ علمنا ذلک باخبار اللہ تعالیٰ فی کتابہ الناطق علی لسان نبیہ الصادق۔ کہ خداوند عالم نے اپنی اس کتاب مقدس میں جو اس نے اپنے صادق القول رسولؐ پر اتاری ہے ان امور کی خبر دی ہے۔ اس سے ہمیں ان حالات کا یقین ہوا ہے۔ بعد ازاں آنحضرتؐ ان کی تصدیق فرمائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ صـ ۱۲، تفسیر در منثور ج ۱ صـ ۱۴۴) معلوم ہوا کہ مخبر صادق کے خبر دینے کی وجہ سے جو علم و یقین حاصل ہو اس کی بنا پر گواہی دی جا سکتی ہے اگرچہ گواہ اصل واقعہ پر حاضر نہ ہو۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

یہاں یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ دنیوی امور میں وہی شہادت شرعاً قابل قبول ہوتی ہے۔ جو رویت عینی یعنی چشم دید حالات پر مبنی ہو تو قیامت میں چشم دید واقعات کے علاوہ کیونکر کوئی شہادت قبول ہو سکتی ہے؟ یہ شبہ چند در چند وجوہ سے ساقط ہے اولاً یہ قیاس مع الفارق ہے جو قیاس کو جائز سمجھنے والوں کے نزدیک بھی باطل ہے حالانکہ اہل حق کے نزدیک تو اصل قیاس ہی باطل ہے۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ نشآت و عوالم کے تبدیل ہونے سے احکام بھی فی الجملہ بدل جاتے ہیں۔ یوم آخرت کی بات ہی اور ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ دار دنیا میں

بھی آخرت کے ساتھ تعلق رکھنے والے امور کا حکم دو رہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر اُخروی امور کے متعلق شہادت دینے میں بھی عینی رویت لازم ہو تو پھر ہم جنت و جہنم اور روزِ آخرت صراط و میزان وغیرہ امور بلکہ خود خدا کے وجود کی بھی گواہی نہ دے سکیں کیونکہ ہم نے ان حقائق کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا بلکہ محض عقلِ سلیم یا خدائے رحیم یا رسولِ کریمؐ اور ائمہ طاہرین کے فرامین کی بنا پر ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور شہادت دیتے ہیں۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله واشهد ان الائمة من ولده هداة ابرار وان الموت حق والجنة حق والنار حق وان الله يبعث من في القبور۔ اس ارشادِ قدرت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم قائماً بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم (پ ۳ س آل عمران ع ۱۰) خلاصۂ معنی یہ کہ خدا و ملائکہ اور صاحبانِ علم گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔ مفرداتِ راغب اصفہانی ص۲۷۰ پر لکھا ہے و شهادة اولى العلم اطلاعهم على تلك الحكم واقرارهم بذلك" یعنی صاحبانِ علم کی شہادت سے مراد ان اسرار و حکم پر اطلاع حاصل کر کے ان کا اقرار کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ ان امور کی شہادت میں رویتِ عینی معتبر نہیں ہے۔ بلکہ دلائلِ عقلی یا سمعی سے حاصل شدہ یقین کی بنا پر بھی شہادت دی جا سکتی ہے۔

ثانیاً شہادت کی کیفیت کے متعلق معصومؑ اور غیر معصوم کو برابر قرار دینا بھی درست نہیں ہے بلکہ یہ بے بصیرتی کی دلیل ہے۔ معصوم علیہ السلام رویتِ عینی کے علاوہ دیگر ذرائع مخصوصہ سے حاصل کردہ علم و یقین کی بنا پر بھی شہادت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا السید مہدی القزوینی کتاب ظہور الحقیقۃ ص۱۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "وباب الشهادة في الفقه ليس له دخل بشهادة المعصوم لضرورة حجية شهادة المعصوم وحده فيما هو من شانه الرؤية بالبصر وفيما هو من شانه الرؤية بالبصيرة فلا مدخلية لما قاله ارباب الفقه بما نحن فيه وهل عاقل ليس في قلبه مرض يجعل المعصوم مثل غير المعصوم في مسئلة الشهادة وغيرها" یعنی کتبِ فقہ میں "باب الشہادت" کے اندر اس کے جو شرائط وغیرہ مذکور ہیں۔ ان کو امام معصومؑ کی شہادت و گواہی کے ساتھ کوئی دخل نہیں کیونکہ ہر بات میں خواہ اس کا تعلق چشمِ بصیرت کے ساتھ ہو یا چشمِ بصارت کے ساتھ بہرحال اس میں تنہا امام معصومؑ کی شہادت بالضرورۃ مقبول ہے۔ لہٰذا جو کچھ اربابِ فقہ نے کہا ہے اسے ہمارے اس موضوع کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ بھلا کوئی بھی عقلمند انسان جس کے دل میں کوئی مرض نہ ہو وہ مسئلہ شہادت وغیرہ میں امام معصومؑ کو غیر معصوم کے برابر قرار دے سکتا ہے؟ سابقاً تیسرے باب میں بذیل اقسامِ تفویض یہ امر بیان کیا جا چکا ہے کہ امام معصومؑ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تمام معاملات میں شریعت کے ظاہری قواعد پر عمل کریں یا اپنے ذاتی علم و یقین کے مطابق عملدرآمد کریں۔ اس امر کی مزید تائید اُمم سابقہ پر آنحضرتؐ کی گواہی دینے سے بھی ہوتی ہے کہ معصومینؑ کے لئے شہادت میں رویت بالبصر ضروری نہیں کیونکہ قرآن شاہد ہے کہ سابقہ واقعات آنجنابؐ کے چشم دید نہ تھے۔ جیسا کہ اسی باب میں بذیل عنوان "حاضر ہونے کی نفی قرآنِ کریم کی روشنی میں" اس مطلب کی پوری پوری وضاحت کی جا چکی ہے۔

ثالثاً اگر بالفرض ان لوگوں کی اس تحقیق کو تسلیم بھی کر لیا جائے جو انہوں نے معانی شہید کے بارے میں کی ہے تو بھی اس سے سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کا ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جو کہ محل نزاع ہے بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ ان حضرات کا ناظر ہونا مترشح ہوتا ہے جس پر ہم عنقریب مفصل تبصرہ کریں گے (حتیٰ) لہٰذا یہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

رابعاً۔ اس آیت مبارکہ سے آنحضرتؐ کا صرف ائمہ اطہارؑ پر شاہد ہونا ثابت ہوتا ہے نہ ہر چیز پر ورنہ بجائے "ویکون الرسول علیکم شہیداً" کے "ویکون الرسول علی کل شئی شہیداً" وارد ہوتا۔ اب بات واضح ہے کہ جب پیغمبر خدا (جو کہ ائمہؑ سے افضل ہیں) ہر چیز پر حاضر نہیں تو ائمہ اطہارؑ کس طرح ہر چیز پر حاضر ہو سکتے ہیں

خامساً کئی روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ بروز قیامت قرآن اہل ایمان کے حق میں شہادت دے گا۔ اور شفاعت بھی کرے گا (تفسیر صافی ص۱۲ مقدمہ عاشرہ) تو کیا یہ قرآن کو بھی ہر جگہ حاضر تسلیم کیا جائے گا۔

دفع دخل مقدر

یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض کتب لغت میں لفظ "شہید" کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں "الذی لا یغیب عن علمہ شئی" یعنی جس کے علم سے کوئی شئی پوشیدہ نہ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ "شہید" کے یہ معنی اس وقت مراد ہوتے ہیں جب اس لفظ کا اطلاق خداوند عالم پر کیا جائے جیسے آیت مبارکہ "ان اللہ علیٰ کل شئی شہید" وغیرہ میں ہے چنانچہ مجمع البحرین ص۲۲۲ پر لکھا ہے "والشہید من اسمائہ تعالیٰ وھو الذی لا یغیب عن علمہ شئی" یعنی خداوند عالم کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم "شہید" بھی ہے یعنی وہ ذات جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو" برادران اسلامی کی مشہور لغت الحدیث معروف بہ انوار اللغۃ (جس میں شیعہ احادیث کی بھی تشریح کی گئی ہے) پ۲۳ ص۲۱ مطبوعہ اصح المطابع کراچی میں لکھا ہے: "شہید اللہ کا ایک نام ہے یعنی سب چیزیں اس کے سامنے ہیں۔ کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہے" لہٰذا معلوم ہوا کہ لفظ شہید کے یہ معنی اس وقت سمجھے جاتے ہیں جب کہ اس کا اطلاق ذات خداوند پر ہو۔ نہ یہ کہ جہاں بھی لفظ شہید استعمال ہو اس کے یہی معنی مراد لئے جائیں گے۔ زنا کے ثبوت میں چار گواہ ضروری ہیں ارشاد باری ہے۔ "ولا یاتوا علیہ باربعۃ شھداء" (شہداء شہید کی جمع ہے (جس طرح شاہد کی جمع شہود و شُہّد اور جمع الجمع اشہاد ہے) تو کیا یہاں بھی "شہید" کے یہی معنی کئے جائیں گے۔ کہ ایسے چار گواہ جن سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو؟ حاشا و کلا۔ اصل بات یہ ہے کہ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ کسی بھی لفظ کے معنی متعین کرتے وقت اس کے منسوب الیہ کا اعتبار ضروری ہوتا ہے "اللہ" پر لفظ عالم کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح مخلوق پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے تو کیا ہر دو جگہ علم کا ایک ہی مفہوم مراد لیا جائے گا؟ اسی بنا پر فاضل سیوطی نے اتقان ج۱ ص۱۴۱ طبع مصر پر لفظ ہدایت کے موقع و محل کی مناسبت سے سترہ معانی بیان کئے ہیں۔ من شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

لطیفہ

لفظ "شہید" کے متعلق جو کچھ یہ لوگ ذاتی تحقیق کے نام سے پیش کیا کرتے ہیں۔ دراصل اس تمام تحقیق کا سرچشمہ مواعظ حسنہ ہے لیکن چونکہ یہ تحقیق جدید کسی مستند شرعی ماخذ و مدرک سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس لئے اس میں جابجا

متناقض و تضاد پایا جاتا ہے ناظرین کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے اس تضاد بیانی کے یہاں چند نمونے بطور درسِ عبرت پیش کئے جاتے ہیں جس سے ان حضرات کی دیگر تحقیقاتِ انیقہ کی متانت و رزانت کا بھی بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس وقت "مواعظِ حسنہ" طبع دوم ہمارے سامنے ہے۔ اس کے صفحہ ۸ پر لکھا ہے "اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم اجمالی شہید کے لئے کافی ہے" لیکن صفحہ ۷ پر سراسر اس کے برعکس لکھا ہے "کیونکہ شہید حاضر علی الشئ کو کہتے ہیں۔ اور شاہد وہ ہے جو از روئے علم و قرینہ شہادت دے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار" اسی طرح صفحہ ۸ پر لکھا ہے "اور شہید کے لئے وقوع پر ہونا ضروری ہے چنانچہ ثبوتِ زنا میں چار شہید کی ضرورت ہے نہ شہود کی۔ ولعجاؤ علیه باربعة شهداء" مگر صفحہ ۵ پر جو کچھ افادہ فرمایا ہے وہ اس کے بالکل منافی ہے "شاہد کے واسطے حضور اور شہود ضروری ہے" بلکہ اسی ایک صفحہ میں تناقض و اختلاف موجود ہے۔ اس کی سطر ۱۵ پر تو مذکورہ بالا عبارت مذکور ہے جس میں شاہد کے لئے حضور کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کی سطر ۹ پر لکھا ہے "مفروض شاہد کیلئے حضور ضروری نہیں" پھر صفحہ ۶ پر لکھا ہے "فالشاهد شئ من حضر عنده صورة ذلك الشئ یعنی شاہد کسی شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شئ کی صورت ہو" یہ ہے ان حضرات کی ذاتی تحقیق اور اس میں تضاد و تناقض کا نمونہ مشتے از خروارے ؎

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم ۔۔۔ کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

بایں ہمہ ہمارے موجودہ دور کے ملا ان حضرات کی تحقیقات کو قرآن و حدیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں اور ان کے گلے ہوئے نوالوں کو چبانا اور ان کی جگالی کرنا اپنے لئے مایۂ صد عز و افتخار اور دلیلِ معرفتِ ائمۂ اطہار سمجھتے ہیں بجا ہے ؎

ہر قوم راست راہے ۔۔۔ دینے و قبلہ گاہے

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

شہادت کے دوسرے معنئے مناسب

حق و حقیقت کو کھول کر بیان کرنا ہے بنا بریں شاہد و شہید وہ ہوگا جو حق و حقیقت کا بیان کرے اور اس اعتبار سے آیت "لتکونوا شهداء علی الناس" کا مفہوم یہ ہوگا۔ تاکہ تم (اے اہلِ بیتِ رسول) لوگوں کے لئے حق و حقیقت کو بیان کرو" اس اعتبار سے اس آیت کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں رہتا۔ اس معنیٰ کی تائید بھی کتبِ لغت و تفسیر سے ہوتی ہے۔ چنانچہ لسان العرب ج ۳ صفحہ ۲۲۳ آیت "شهد الله انه لا اله الا هو" کے ضمن میں شہادت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "وحقیقته علم الله وبیّن الله لان الشاهد هو العالم الذی یبیّن علمه" یعنی یہاں خدا کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس حقیقت کو جانتا ہے اور اسے بیان کرتا ہے۔ کیونکہ شاہد وہ عالم ہوتا ہے۔ جو اپنے علم کو بیان کرتا ہے" پھر ابو العباس المبرد (مشہور عالم لغت و ادیب) کا یہ قول درج کیا ہے "وقال ابو العباس شهد الله بیّن الله واظهر" یعنی شہد اللہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے بیان و اظہار کیا ہے" علامہ طبرسی نے مجمع البیان ج ۱ صفحہ ۴۱۹ پر اس آیت کے دوسرے

معنی یہی بیان کئے ہیں: "والثانی ان المعنی لتکونوا حجة علی الناس فتبینوا لهم الحق والدین ویکون الرسول علیکم شهیدا مؤدیا للدین الیکم وسمی الشاهد شاهدا لانه یبین ولذلک یقال للشهادة بینة" یعنی اس آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تاکہ تم لوگوں پر حجت خدا ہو۔ اور ان کے لئے حق وحقیقت اور دین وشریعت کو بیان کرو۔ اور رسول تم پر شہید ہوں۔ یعنی دین کو تم تک پہنچانے والے ہوں۔ شاہد کو شاہد اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ ایک امر کو بیان کرتا ہے اور اسی وجہ سے شہادت کو بینہ کہا جاتا ہے" ایسا ہی افادہ حضرت شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر التبیان ج۲ ص۸ پر فرمایا ہے۔ اسی طرح فاضل طبرسیؒ نے بھی مجمع البیان ج۱ ص۲۲۴ طبع ایران میں یہی معنی درج کئے ہیں۔ خواجہ [illegible] فاضل معاصر السید ابو القاسم الرضوی نے تفسیر لوامع التنزیل ج۲ ص۷۱ پر اس آیت کے معانی بیان کرتے ہوئے صاحب مجمع البیان کے اس بیان کردہ معنی کے متعلق لکھا ہے "این اوجہ التفاسیر است" یعنی یہ معنی تمام معانی ومفاہیم سے بہتر ہیں۔"

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ہر مرنے والے کے پاس حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام تشریف لاتے ہیں۔ اگر مومن موالی ہو تو اُسے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور شدائد موت میں فائدہ۔ اور اگر غیر مومن اور مخالف ہو تو اس کے شدائد ومصائب سکرات میں اضافہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک وقت میں متعدد موتیں واقع ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آن واحد میں حضرات معصومین ائمہ متعددہ میں حاضر ہو سکتے ہیں" اس کا جواب ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مرنے والے شخص کو ان بزرگواروں کی زیارت ہوتی ہے اس سلسلہ میں روایات مستفیضہ موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے کتاب المحتضر شیخ حسن دیکھی جاسکتی ہے اور یہ عقیدہ مذہب شیعہ کے ان عقائد مشہورہ میں سے ہے جن کا محض عقلی استبعادات کی بنا پر انکار کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن بموجب اینکہ "روایت را درایت لازم است" ان روایات کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس پر غور وفکر کرنا اور اس کا سمجھنا ضروری ہے۔ اگر بتوفیقہ تعالیٰ اصل مطلب سمجھ میں آجائے۔ تو فہو المراد ورنہ ان حقائق پر اجمالاً ایمان رکھنا چاہئے۔ اور تفصیل ہی معادن وحی وتنزیل کے سپرد کرنا چاہئے بہرحال اس سلسلہ میں علماء اعلام کے پانچ نظریے ہیں۔

پہلا نظریہ: حضرت شیخ مفیدؒ اور ان کے تلمیذ رشید جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ نے اسی محال عقلی کے لزوم کے خدشہ سے متاثر ہو کر ان روایات کی تاویل فرمائی ہے۔ کہ ہر مرنے والا اپنی موت کے وقت محبت یا عداوت اہل بیتؑ کا ثمرہ ونتیجہ دیکھتا ہے۔ نہ کہ ان ظاہری آنکھوں سے ان کے اجسام مبارکہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ "ومن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره" میں خیر وشر کے دیکھنے سے ان کے ثمرہ ونتیجہ کو چشم حقیقت سے دیکھنا مراد ہے۔ یہ تاویل حضرت شیخ نے اوائل المقالات ص۴۴ پر اور حضرت سید مرتضیٰؒ نے اپنی کتاب الدرر والغرر ص[illegible] پر فرمائی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ "علی هذا القول محققوا النظر من الامامیة"۔

دوسرا نظریہ: یہ ہے کہ یہ بزرگوار اجساد مثالیہ کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ یہ امر نصوص کثیرہ سے ثابت ہے کہ عالم برزخ میں

تمام مرنے والے لوگ اجسام مثالیہ میں منعم یا معذب رہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع کیا جائے۔ یا ہذا ائمہ طاہرین کے عز و شرف و عجائب حالات کے پیش نظر یہ امر بعید نہیں ہے۔ کہ ان بزرگواروں کے متعدد اجسام مثالیہ ہوں۔ اور وہ اپنے جیسے عجائب ہی اجساد مثالیہ میں تصرف بھی کرسکتے ہوں۔ یہ تاویل حضرت علامہ مجلسی نے بحار الانوار ج ۶ صفحہ ۲۰۱ و علامہ سید عبد اللہ شبر نے مصابیح الانوار ج ۱ صفحہ ۲۶ پر نیز اور بہت سے علمائے اعلام نے فرمائی ہے۔

تیسرا نظریہ۔ قدرت کاملہ سے یہ امر بعید نہیں ہے۔ کہ آفتاب عالم تاب کی طرح کو وہ بزرگوار اپنے مستقر و مرکز پر تشریف فرما ہوں۔ مگر خدا مرنے والے کی بینائی کو اس قدر تیز کردے کہ وہ یہ خیال کرے کہ یہ بزرگوار اس کے سامنے تشریف فرما ہیں اور وہ ان سے ہمکلام بھی ہو۔ اس تاویل کو بھی سرکار علامہ مجلسی نے "یمکن" کہہ کر ذکر فرمایا ہے۔ اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو تفسیر صافی صفحہ ۴۴۳ سورہ حم سجدہ بذیل تفسیر آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الایۃ امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا مرنے والے سے ملک الموت کہتا ہے دیکھ جب وہ نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ تو یہ "محمد و علی و الطیبین من ذریتہما فی اعلی علیین الخ"۔ جناب رسول خدا، علی مرتضیٰ اور دوسرے ائمہ ہدیٰ کو دیکھتا ہے جو اعلیٰ علیین کے مقام پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید

چوتھا نظریہ۔ خداوند عالم ان حضرات مقدسہ کی تمثال مرنے والے کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اسے محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری اور دوسرے محققین علماء نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ جزائری مرحوم انوار نعمانیہ صفحہ ۴۴۱ پر اپنے استاد جناب علامہ مجلسی کے اجساد مثالیہ میں تشریف لانے والے نظریہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "واما الذی رجحہ نحن احدٌ من مفاہیم الاخبار فہو القول بالتمثل بان اللہ سبحانہ یمثل للمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و امیر المومنین علیہ السلام والائمۃ علیہم السلام کما مثلہ لاہل السموت حین رآہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ فی جمیع السموت واقفا یصلی والملائکۃ یصلی خلفہ فقال ہذا علی بن ابی طالب علیہ السلام ترکتہ فی الارض وہا ہو قد سبقنی الی السماء فقال اللہ عزوجل ہذا شخص مثل علی بن ابی طالب خلقت فی جمیع السموت حتی تنظر الیہ الملائکۃ فتطمئن الیہ نفوسہم من شدۃ حبہم لعلی بن ابی طالب علیہ السلام ویؤیدہ ما رواہ الکلینی فی روایۃ سدیر الصیرفی عن مولانا الصادق علیہ السلام فی قول ملک الموت للمحتضر افتح عینیک قال ویمثل لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتہم علیہم السلام فیکون یاتی بعض المحتضرین بنفسہ الشریفہ وصورتہ الاصلیۃ ویاتی الی بعض اخر صورتہ المثلۃ المشابہۃ لتلک الصورۃ الاصلیۃ"

یعنی اخبار اہل بیت کی روشنی میں جو مطلب ہمارے نزدیک مرجح ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم مرنے والے کے سامنے جناب رسول خدا، امیر المومنین، سیدۃ عالم اور دیگر ائمہ طاہرین کی تمثال پیش کرتا ہے جس طرح اس نے اہل آسمان کے لئے جناب امیر علیہ السلام کی تمثال خلق فرمائی ہے۔ جیسے جناب رسول خدا نے شب معراج تمام آسمانوں پر اس حالت میں دیکھی کہ وہ تمثال نماز

پڑھنے میں مشغول ہے۔ اور ملائکہ اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا یہ علیؑ ابن ابی طالب ہیںؑ میں تو ان کو زمین پر چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے؟ خدا نے فرمایا یہ ایک شخص ہے جو علیؑ کی مثل ہے یعنی ان کی تمثال ہے، میں نے اسے آسمانوں میں اس لئے پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کو علیؑ سے جو شدید محبت ہے، اسے دیکھ کر ان کو اطمینان و سکون حاصل ہو۔ اس مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کافی میں بروایت سدیر صیرفی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ ملک الموت کے اس قول کہ "اے مرنے والے آنکھیں کھول" کی تشریح میں فرمایا۔ اس وقت جناب رسول خداؐ، حضرت علی مرتضیٰؑ، جناب فاطمہؑ زہراء، امام حسنؑ و حسینؑ اور دوسرے ائمہ ہدیٰ کی تمثال مرنے والے کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ پس ملاحظہ کلام یہ ہے کہ بعض اہل الایمان مومنین جو کہ کبریت احمر سے بھی کم ہیں، کی موت کے وقت خود بنفس نفیس اپنی اصلی صورت میں تشریف لاتے ہیں۔ اور دوسروں کے پاس ان کی تمثال آتی ہے جو اصل صورت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے" اس حدیث جلیل کے کلام سے دو مطلب ثابت ہو گئے ایک یہ کہ محتضر کے پاس محمد و آل محمد علیہم السلام کی تمثال آتی ہے۔ دوسرا یہ کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام بجسد اصلی زمین پر تھے۔ ہاں ان کی تمثال مبارک آسمان پر موجود تھی۔ اس کی مزید تفصیل آٹھویں باب میں آرہی ہے انشاء اللہ ۔

تقدیر بہ یک ناقہ نشانید دو محمل　　　لیلائے حدوث تو و سلمائے قدم را

یہی مضمون والی روایت تفسیر صافی ص۵۹۹ طبع ذیل آیت یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الخ میں موجود ہے۔

پانچواں نظریہ عام علماء اعلام کا ہمیشہ سے ایسے خاص اور مشتبہ مقامات پر یہ نظریہ رہا ہے کہ وہ ایسے حقائق و عقائد کا نہ تو محض عقلی استبعادات کی بنا پر انکار کرتے ہیں اور نہ ہی ظاہری معنوں پر (جو کہ عقلاً محال ہوں) اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ کیفیت میں غور و خوض کئے بغیر علی ما ہو فی نفس الامر اجمالی طور پر ایمان رکھتے ہیں چنانچہ غواص بحار الانوار سرکار علامہ مجلسی سوم بحار الانوار ص۲۴ پر مذکورہ بالا تمام تاویلات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: والاحوط والاولیٰ فی امثال تلک المتشابہات الایمان بہا وعدم التعرض لخصوصیاتہا وتفاصیلہا واحالۃ علمہا الی العالم علیہ السلام کما مر فی الاخبار التی اوردناھا فی باب التسلیم واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم" یعنی احوط و اولیٰ یہ ہے کہ اس قسم کے متشابہات پر اجمالی ایمان ضرور رکھا جائے۔ مگر ان کی خصوصیات اور تفصیلات سے بحث نہ کی جائے۔ اور ان کے علم کو امام عالی مقام کی طرف لوٹایا جائے جیسا کہ یہ بات سابقاً اخبار تسلیم کے سلسلہ میں گزر چکی ہے" ایسا ہی مولانا شیخ عبد اللہ شبرؒ نے اپنی کتاب مستطاب مصابیح الانوار فی حل مشکلات الاخبار طبع نجف اشرف ج ۲ ص۳۳۰ پر مذکورہ بالا تاویلات ذکر کرنے کے بعد افادہ فرمایا ہے: والاحوط والاولیٰ الایمان بذلک جملۃ وایکال العلم التفصیلی الی اللہ ورسولہ وخلفائہ واللہ العالم بالحقیقۃ ان حقائق و دقائق کی روشنی میں واضح و لائح ہو جاتا ہے کہ ان احادیث سے حضرات معصومینؑ کے آن واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی ان روایات کے بل بوتے پر ایک محال عقلی کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ مدعا ہو کہ ارواح ہیں تو اجساد و

مثالیہ کے ذریعہ آن واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ ولا کلام لنا فیہ واللہ العالم

چوتھا شبہ اور اُس کا جواب

یہاں یہ شبہ بھی کیا جا سکتا ہے بلکہ کیا بھی گیا ہے، کہ قرآن میں بارہا جناب رسول خداؐ کو مخاطب کرکے "الم تر" کہا گیا ہے جیسے "الم تر الی ربک کیف مد الظل" اور الم تر کا ترجمہ کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کیا جاتا ہے جس سے آنحضرتؐ کی رویت بصری ثابت ہوتی ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ علمائے محققین کے نزدیک "الم تر" کا صحیح مفہوم "الم تعلم" (کیا تمہیں معلوم نہیں) ہے چنانچہ سرکار سید رضیؒ (جامع نہج البلاغہ) اپنی کتاب تلخیص البیان ص۲۳ پر لکھتے ہیں: معنی الرویۃ ھھنا بمعنی العلم فکانہ تعالیٰ قال الم تعلم الخ رویت کے معنی علم کے ہیں گویا خدا یوں فرماتا ہے کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے؟" اسی طرح حضرت سید مرتضیٰؒ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب الدرر والغرر معروف بآمالی سید مرتضیٰؒ ص۳۵ طبع ایران ذیل آیت مبارکہ "الم تر ان اللہ یزجی سحابا الخ" لکھا ہے اما قولہ تعالیٰ الم تر فالمراد منہ الم تعلم۔ الخ یعنی ارشاد خداوندی الم تر کا مفہوم ہے الم تعلم۔ لہٰذا ایسی آیات سے جناب رسول خداؐ کا عالم ہونا ثابت ہے جو کہ درست ہے لیکن یہ امر محل نزاع سے خارج ہے۔ (نہ ہر جگہ حاضر ہونا جو کہ محل بحث ہے) بنابریں تحقیق اس شبہ کا بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے۔

پانچواں شبہ اور اُس کا جواب

دنیا میں ہر وقت آن واحد میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور ملک الموت ان کی روحیں قبض کرتا ہے تو اگر ملک الموت آن واحد میں امکنۂ متعددہ میں جا سکتا ہے تو امامؑ جن کی طاقت و عظمت ملک الموت سے بدرجہا زیادہ ہے وہ کیوں آن واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر نہیں ہو سکتے؟"

یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر مرنے والے کی روح ملک الموت بنفس خود قبض کرتا ہے حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ احادیث معصومینؑ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الموت کے بہت سے اعوان و انصار ہیں۔ بعض لوگوں کی روحیں خود ملک الموت قبض کرتا ہے اور دوسروں کی اس کے اعوان و مددگار۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں جب یہی سوال پیش کیا گیا کہ قد یموت فی الساعۃ الواحدۃ فی جمیع الآفاق ما لا یحصیہ الا اللہ عزوجل فکیف ھذا؟ (تمام آفاق و اطراف عالم میں ایک ہی ساعت میں بے شمار موتیں واقع ہوتی ہیں) یہ (ملک الموت) کیونکر حاضر ہوتا ہے۔ امامؑ نے جواباً ارشاد فرمایا: ان اللہ تبارک و تعالیٰ جعل لملک الموت اعوانا من الملائکۃ یقبضون الارواح الخ۔ خداوند عالم نے فرشتوں میں سے بہت سے فرشتے ملک الموت کے مددگار بنائے ہیں۔ جو روحیں قبض کرتے ہیں (احتجاج طبرسی ج۲ ص۳۵ و کتاب من لا یحضرہ الفقیہ) اس سوال و جواب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سائل اور امامؑ دونوں جسم ملک الموت کے اتنا لطیف ہی کیوں نہ ہو آن واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر ہونا محال جانتے ہیں۔ وہو المطلوب۔ ایسا ہی جناب امیر المومنینؑ سے مروی ہے "و ملک الموت اعوان" الخ (احتجاج طبرسی ص۲) نیز صحیفہ سجادیہ کی تیسری دعا جو فرشتوں پر سلام کے سلسلہ میں ہے۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: و ملک الموت و اعوانہ (ص۳۲ طبع ایران)

ملک الموت اور اس کے اعوان و انصار پر معدوم ہو۔ اس کی مزید توضیح و تشریح حدیقۂ کاملہ کی شرح فرمادہ فوائد جز دوم ص ۴۳ اور مدینۃ السالکین ص ۹۳ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ نیز اس مطلب کی تائید مزید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے کہیں ارشاد ہے یتوفاکم ملک الموت اور کہیں وارد ہے الذین تتوفاھم الملائکۃ۔ توفتہ رسلنا معلوم ہوا کہ روحیں قبض کرنے والا ایک نہیں ہے بلکہ بہت سے ملائکہ اس کام میں بطور آلات و اسباب مشغول ہیں۔ فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورا۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب

شیخ رجب برسی نے مشارق الانوار میں نقل کیا ہے کہ مقداد بن اسود کندی روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کو قتل کرنے کے بعد خندق کے پاس کھڑے ہو کر اپنی تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔ اور اس کو ہوا میں گھما رہے تھے۔ کفار کا لشکر تتر بتر ہو کر ٹولیوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ میں ہر ایک کے پیچھے حضرت علیؑ کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ان کا تعاقب کر رہے تھے اور ان کو تلوار سے کاٹ رہے تھے۔ حالانکہ آپؑ اپنے مقام پر کھڑے تھے۔ کیونکہ بھگوڑوں کا تعاقب کرنا آپ کے اخلاق کریمہ کے خلاف تھا۔ (کذا فی شرح الزیارۃ ص۲۲ والمجلی بلحسائی) اس سے آنجنابؑ کا آن واحد میں متعدد مقامات پر موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہ شبہ بھی روایت پر مبنی ہے جو اصول روایت و درایت کے اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے۔

اولاً۔ یہ روایت مشارق الانوار برسی اور مجلی ابن ابی جمہور احسائی سے مروی ہے اور ہم کئی بار اس بات کی تکرار کر چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات جس روایت کے نقل کرنے میں متفرد ہوں۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً۔ اس روایت کی ابتدا و انتہا میں تضاد ہے ابتدا میں یہ ہے کہ وہ ہر بھاگنے والے گروہ کا تعاقب کر رہے تھے اور آخر میں یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ اور یہ اختلاف و تناقض دلیل بطلان ہے۔

ثالثاً۔ خود روایت میں لکھا ہے کہ بھگوڑے کا تعاقب کرنا آپ کے اخلاق کریمانہ کے منافی تھا۔ اور یہی امر آثار کثیرہ سے ثابت ہے۔ تو پھر آپؑ اپنی عادت کریمہ کی خلاف ورزی کر کے کس طرح بھگوڑوں کا تعاقب کر سکتے تھے؟

رابعاً۔ بنا بر فرض تسلیم یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے بحث اصلی جسم کے ساتھ آن واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہونے کے متعلق ہے مگر اس روایت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے تو اس نظریہ کا بطلان واضح و عیاں ہوتا ہے کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آنجنابؑ خندق کے کنارے کھڑے ہو کر تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنجنابؑ کا اصلی جسد مبارک تو ایک وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود تھا۔ تو پھر لامحالہ ماننا پڑے گا کہ دیگر مقامات پر بھگوڑوں کا تعاقب اجسام مثالیہ کے ساتھ کر رہے تھے۔ اور یہ چیز مقام اختلاف سے خارج ہے جیسا کہ ابتدائے بحث میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

الحق من ربک فلا تکونن من الممترین۔

سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ناظر ہونے کی بحث

افراط و تفریط

اکثر دوسرے اسلامی و ایمانی اصول و عقائد کی طرح یہ مسئلہ بھی افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے بعض لوگوں نے حق

افراط سے کام لیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو کائنات علوی و سفلی کے تمام ظواہر و بواطن پر کلاً و جزءً بالفعل ناظر اور ان اشیاء کا عالم تسلیم کرنے لگے۔ اور بعض نے اس قدر تفریط کی کہ ان بزرگواروں کو بعض احکام شرعیہ کے موضوعات خارجیہ کے علم سے ناواقف ہونے کا نظریہ قائم کر لیا۔ ہم حسب عادت اپنی پوری امکانی کوشش صرف کریں گے کہ افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے قرآن، محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان اور علماء اعلام کے بیان حقائق ترجمان کی روشنی میں صحیح ایمانی عقیدہ اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کریں۔

محل نزاع کی تعیین

لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے قبل محل نزاع کی تعیین و تنقیح ضروری ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بعض نا اہلوں نے بہت ہی دھاندلی مچائی ہے۔ بعض نے حاضر کو بمعنی ناظر اور بعض نے ناظر کو بمعنی حاضر مراد لیا ہے۔ پھر بعض نے حاضر و ناظر سے حاضر بالقوہ اور بعض نے بالفعل مراد لیا ہے جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن اگر صحیح غور و تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ موضوع ہیں۔ اسی لئے ہم نے ان پر الگ الگ بحث کی ہے۔ حاضر کے موضوع پر کماحقہ تفصیلی گفتگو کر کے حق کا احقاق اور باطل کا ابطال کیا جا چکا ہے اب ناظر کے موضوع پر تبصرہ کیا جاتا ہے سو واضح ہونا چاہئے کہ اگر ان ذوات مقدسہ کے ناظر ہونے سے مراد یہ ہے کہ پورے عالم بلکہ تمام عوالم کا گوشہ گوشہ اور ذرہ ذرہ ہر ہر لمحہ و لحظہ میں اس طرح ان حضرات کے پیش نظر ہے کہ ان کو ارادہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تو یہ نظریہ بالکل غلط ہے اور غالیوں کا فاسد عقیدہ ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار بہت سے علوم کو تو بالفعل جانتے ہیں اور بعض کو بالقوہ یعنی ان کے معلوم کرنے کی اس طرح استعداد قریبہ ان میں موجود ہے کہ از فرش تا عرش و از ثریٰ تا ثریا، غرضیکہ کائنات کی جس چیز کو معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں اسے باعلام خدا معلوم کر لیتے ہیں۔ (الا ما اخرجہ الدلیل القطعی) اور تمام عالم امکانیہ کی جس چیز کو دیکھنا چاہیں اسے باقدار اللہ دیکھ سکتے ہیں اس وقت یہ ظاہری حدود دیوار، در و اشجار و احجار درمیان میں حائل و حاجب نہیں ہو سکتے (الا ما شاء اللہ)

لہٰذا اگر ناظر سے مراد یہ دوسرے معنی ہیں تو یہ بالکل صحیح ہیں۔ بہرحال پہلے معنی کے اعتبار سے یہ عقیدہ غلط ہے ہم ذیل میں اس کے بطلان پر قرآن، معصومین کے فرمان علماء اعلام کے بیان اور عقلی برہان کی روشنی میں کلام کرتے ہیں۔ واللّٰہ المستعان و بہ الاستعانة فی المبدا و الاختتام و التوسل بالنبی و آلہ سادة الانس و الجان علیہم الصلوٰة و السلام۔

ناظر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس مضمون کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں جن سے بصراحت النص ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین غرضیکہ تمام کائنات کے ظاہر و باطن اور ذرہ ذرہ پر ہر وقت بالفعل نظر علمی رکھنا اور ان کا علمی احاطہ کرنا ذات کبریا کے ساتھ مختص ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت جلیلہ میں اس کے ساتھ شریک نہیں نہ بالذات اور نہ باعطاء اللہ۔ ذیل میں ہم ایسی آیات مقدسہ کا ایک شمہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) وما یعزب عن ربک من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء (پ ۱۱ س یونس ع ۱۰) "اور تمہارے پروردگار سے

ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں رہ سکتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔"

(۲) ان اللہ لا یخفیٰ علیہ شیء فی الارض ولا فی السماء (پ ۳ س آل عمران ع ۱) "بے شک خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمان میں"

(۳) اللہ یعلم ما تحمل کل انثیٰ وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیء عندہ بمقدار (پ ۱۳ س رعد ع ۲) "ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں لئے ہوئے ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے اور بچہ دانوں کا گھٹنا بڑھنا بھی وہی جانتا ہے، اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے"

(۴) وھو اللہ فی السمٰوٰت وفی الارض یعلم سرکم وجھرکم ویعلم ما تکسبون (پ ۷ س انعام ع ۱) "وہی تو آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی (وہی) خدا ہی تمہارے ظاہر و باطن سے (بھی) خبردار ہے اور وہی جو کچھ بھی تم کرتے ہو جانتا ہے"

(۵) یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء (پ ۳ س بقرہ ع ۲) "جو کچھ ان کے سامنے (موجود) ہے (وہ) اور جو کچھ ان کے پیچھے (ہو چکا ہے) (خدا سب کو) جانتا ہے اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جسے جتنا چاہے (سکھا دے)"

(۶) ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم (پ ۱۱ س توبہ ع ۱۳) "مدینہ کے رہنے والوں میں سے (بعض منافق ہیں) جو نفاق پر اڑ گئے ہیں (اے رسول) تم ان کو نہیں جانتے (مگر) ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں"

(۷) یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو معکم این ما کنتم واللہ بما تعملون بصیر (پ ۲۷ س حدید ع ۱) "جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے (وہ سب) اس کو معلوم ہے اور تم (چاہے) جہاں کہیں رہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے"

(۸) الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ الا حین یستغشون ثیابھم یعلم ما یسرون وما یعلنون انہ علیم بذات الصدور (پ ۱۱ س ہود ع ۱) "اے رسول! دیکھو یہ کفار (تمہاری عداوت میں) اپنے سینوں کو دوہرا کئے ڈالتے ہیں تاکہ خدا سے (اپنی باتوں کو) چھپائیں، (مگر) دیکھو جب یہ لوگ اپنے کپڑے خوب لپیٹتے ہیں (تب بھی) تو خدا (ان کی باتوں کو) جانتا ہے جو چھپا کر کرتے ہیں اور کھلم کھلا کرتے ہیں۔ اور سمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو خوب جانتا ہے"

(۹) وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفیٰ (پ ۱۶ س طٰہٰ ع ۱) "اور اگر تو پکار کر بات کرے تو بھی آہستہ کرے تو بھی، وہ یقیناً بھید اور اس سے زیادہ پوشیدہ چیز کو جانتا ہے"

(۱۰) واعلموا ان اللہ بکل شیء علیم (پ ۲ س بقرہ ع ۲۵) "اور سمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو ضرور جانتا ہے"

(۱۱) واتقوا الله واعلموا ان الله بما تعملون بصیر (پ ۲ س بقرہ ع ۱۹) "اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا ضرور دیکھتا ہے۔

(۱۲) قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوه یعلمه الله و یعلم ما فی السموٰت و ما فی الارض و الله علی کل شیء قدیر (پ ۳ س آل عمران ع ۳) "اے رسول تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم خواہ اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، بہرحال خدا تو اسے جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور خدا ہر چیز پہ قادر ہے"

(۱۳) و یعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقة الا یعلمها (پ ۷ س انعام ع ۸) "اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑکتا مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے"

(۱۴) و ربک یعلم ما تکن صدورهم وما یعلنون (پ ۲۰ س قصص ع ۷) "اور اے رسول یہ لوگ جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے"

(۱۵) ان الله عنده علم الساعة و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان الله علیم خبیر (پ ۲۱ س لقمان ع ۴) "بے شک خدا ہی کے پاس قیامت کے آنے کا علم ہے اور وہی مینہ موقع مناسب دیکھ کے پانی برساتا ہے اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں نر و مادہ ہے جانتا ہے اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا اور کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا (گڑے گا) بے شک خدا سب باتوں سے آگاہ و خبردار ہے"

(۱۶) یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور (پ ۲۴ س مومن ع ۲) "خدا تو آنکھوں کی دزدیدہ نگاہ کو بھی جانتا ہے۔ اور ان باتوں کو بھی جو لوگوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں"

(۱۷) عفا الله عنک لم اذنت لهم حتی یتبین لک الذین کذبوا (پ ۱۰ س توبہ ع ۷) "اے رسول خدا تم سے درگذر فرمائے تم نے انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت ہی کیوں دی۔ تاکہ تم اگر ایسا نہ کرتے تو تم پر سچ بولنے والے الگ ظاہر ہو جاتے اور تم جھوٹوں کو الگ معلوم کر لیتے"

(۱۸) قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا نذیر مبین (پ ۲۶ س احقاف ع ۱) "اے رسول تم کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول تو نہیں ہوں اور میں کچھ نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور نہ یہ کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میں تو بس علانیہ ڈرانے والا ہوں"

(۱۹) ولا تقف ما لیس لک به علم (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۴) "اور جس چیز کا تمہیں یقین نہ ہو (خواہ مخواہ) اس کے

مجھے پڑھا کرو۔"

(۲۰) ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ وقل رب زدنی علما (پ س طٰہٰ ع ۶) "اے رسول قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ تم پر اس کی وحی پوری کر دی جائے۔ جلدی نہ کیا کرو۔ اور دعا کرو کہ اے میرے پالنے والے میرے علم کو اور زیادہ فرما۔"

(۲۱) قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا (پ س جن ع ۱۲) "اے رسول تم کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے۔"

(۲۲) وما کان لی من علم بالملأ الاعلیٰ اذ یختصمون ان یوحیٰ الی الا انما انا نذیر مبین (پ س ص ع ۱۴) "عالم بالا کے رہنے والے (فرشتے) جب باہم بحث کرتے تھے اس کی مجھے بھی خبر نہ تھی۔ میرے پاس تو بس وحی کی گئی ہے کہ میں (خدا کے عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔" (ترجمہ فرمان)

ہم نے ان آیات و ان کی ہدایات کو بلا تبصرہ صرف مولانا سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ کے مطلب خیز ترجمہ کے ساتھ پیش کر دیا ہے اسی سے ارباب عقل و انصاف اس بات کا اذعان و یقین حاصل کر سکتے ہیں کہ کائنات ارضی و سماوی کے ذرہ ذرہ، عالم امکان کے گوشہ گوشہ اور ہر شخص کے ظاہری و باطنی حالات و کوائف کو ہر وقت بالفعل جاننا اور ان پر ناظر و نگران ہونا صرف خداوند عالم کے [illegible] ساتھ مختص ہے۔ واللہ بکل شیء محیط۔ پورے عوالم امکانیہ میں کوئی ہستی بھی اس صفت میں اس کی شریک و سہیم نہیں۔ فالقائلہ اعتقاد الاعتقاد وھو المقصود۔

ناظر ہونے کی نفی احادیث معصومین کی روشنی میں

اب تک ہم اعتقاد و احادیث کے بعض ان سے ملتی گئے تو ایک ایک ذرہ کر کے ہر مذکورہ بالا عقلی اعتقادات بالا مزید اشارہ کیا جا رہا ہے۔

[illegible] کے ساتھ مختص ہونے پر دلالت کرتی ہیں ہم بطور نمونہ مشتے از خروارے چند احادیث و اخبار پیش کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دعائے تسبیح میں فرماتے ہیں۔ سبحانک تعلم وزن الظلمۃ والنور سبحانک تعلم وزن الفیٔ والھواء سبحانک تعلم وزن الریح کم ھی من مثقال ذرۃ ... (صحیفہ کاملہ [illegible] طبع ایران) ... سبحانک تری ما فی قعر الماء سبحانک تسمع انفاس الحیتان فی قعور البحار سبحانک تعلم وزن السموات سبحانک تعلم وزن الارضین سبحانک تعلم وزن الشمس والقمر ... اس امر میں خاص مقام ہے ... ساتھ سبحانک کی تبدیل کر کے ظاہر فرما دیا۔ ان اوصاف میں خدا کا کوئی شریک نہیں ...

(۲) حضرت امام حسن علیہ السلام ... [illegible] ... رکعت نماز حاجت پڑھی جاتی ہے۔ ... پڑھی جانے والی

دعائے مبارکہ میں وارد ہے: اللّٰھم انی اسئلک یا من لا تراہ العیون ولا تحیط بہ الظنون ولا یصفہ الواصفون ولا تغیرہ الحوادث ولا تفنیہ الدھور تعلم مثاقیل الجبال ومکائیل البحار وورق الاشجار ورمل القفار وما اضائت بہ الشمس والقمر واظلم علیہ اللیل ووضح علیہ النھار ولا تواری منک سماء سماء ولا ارض ارضا ولا جبل ما فی اصلہ ولا بحر ما فی قعرہ الخ (مفاتیح الجنان ص۳۰۹) ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جو۔

(۲) جناب امیر علیہ السلام ایک خطبہ میں اپنے خالق و مالک کے علم و نظر کی وسعت و بینائی کا یوں اظہار فرماتے ہیں: "لم یقرب من الاشیاء بالتصاق ولم یبعد عنھا بافتراق لا یخفیٰ علیہ من عبادہ شخوص لحظۃ ولا کرور لفظۃ ولا ازدلاف ربوۃ ولا انبساط خطوۃ فی لیل داج ولا غسق ساج یتفیاء علیہ القمر المنیر وتعقبہ الشمس ذات النور فی الافول والکرور وتقلب الازمنۃ والدھور من اقبال لیل مقبل وادبار نھار مدبر الخ (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر و مترجم اردو رئیس احمد جعفری ص۱۳۵)" وہ چیزوں میں مل کر ان سے قریب نہیں ہے اور نہ ان سے جدا ہو کر دور ہے (یعنی لوازم جسم و مکان سے پیدا شدہ صفتوں کا اس پر بولنا اور اپنے استعمال مراد لینا غلط ہے) اس سے بندوں کی معمولی گردش نظر اور ایک لفظ کی تکرار، ٹیلوں پر چڑھنے تاریکی شب میں قدم بڑھانے کی حالت پوشیدہ نہیں۔ اور اندھیری پرسکون رات جس میں چمکتا چاند سایہ فگن ہوتا اور اس کے پیچھے نورانی سورج ڈوبتا اور ابھرتا رہتا ہے۔ زمانوں کے انقلاب یعنی آنے والی رات کی آمد اور پلٹنے والے دن کے ڈوبنے سے واقف ہے"۔

(۳) نیز سید الساجدین علیہ السلام ایک خطبہ جلیلہ میں اپنے پروردگار کی اس طرح تعریف و توصیف فرماتے ہیں۔

"لا یشغلہ شأن ولا یغیرہ زمان ولا یحویہ مکان ولا یصفہ لسان لا یعزب عنہ عدد قطر الماء ولا نجوم السماء ولا سوافی الریح فی الھواء ولا دبیب النمل علی الصفا ولا مقیل الذر فی اللیلۃ الظلماء یعلم مساقط الاوراق وخفی طرف الاحداق الخ"

(نہج البلاغہ مصری ج۲ ص۳۱۱ و مترجم اردو ج۲ ص۵۵۵) "وہ وہ خدا ہے جسے کوئی معروفیت دوسرے کام سے نہیں روک سکتی نہ زمانہ اس میں تبدیلی کرتا ہے نہ جگہ اسے گھیر سکتی ہے نہ زبان اس کی تعریف کر سکتی ہے۔ پانی کے قطروں اور آسمان کے تاروں کی گنتی کسی علم سے باہر نہیں ہے نہ یہ بات خارج از علم ہے کہ ہوا اور فضا میں کتنے ذرے اڑتے ہیں۔ نہ یہ بات اس سے پوشیدہ ہے کہ چٹان پر چیونٹے کس طرح چلتے ہیں۔ نہ یہ کہ چیونٹیاں تاریک رات کی اندھیاری کہاں گزارتی ہیں وہ پتیوں کے گرنے کے مقامات سے معلوم ہیں۔ کنکھیوں اور آنکھ کے اشارے جانتا ہے"۔ مولائے کائنات کے اس کلام معجز نظام سے واضح و عیاں ہو گیا کہ یہ بلندی علم و باریکی نظر خدا کی ذات سے مخصوص ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر خدا کے علاوہ کوئی اور بھی ان صفات کا حامل ہوتا تو پھر اس صورت میں خدا کی اس تعریف و تمجید کا کوئی موقع و محل باقی نہ رہتا چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "من شبہ اللہ بخلقہ فھو مشرک" جو شخص کسی صفت میں بھی

کی صدا کو جانتا ہے نیز قرآن پیروں زمین جانتا ہے جو پرسوں صادق چاند چلتے اور رات کی تاریکی اسود کی روشنی پھیلتی ہے کہ آسمان تجھ سے کسی ...

خدا کو اس کی کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے وہ مشرک ہے (توحید شیخ صدوقؒ ص۸۰ طبع بمبئی)

(۵) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "لو وقفنا علی کل شئ خلقه الله تعالی لم خلقه ولای شئ انشاه لکنا ساویناه فی علمه وعلمنا کلما یعلم واستغنینا عنه وکنا وهو فی العلم سواء" یعنی اگر ہمیں ہر اس چیز کا مکمل علم ہو جسے خدا نے پیدا کیا ہے کہ اسے کیوں اور کس لئے پیدا کیا ہے؟ تو ہم علم میں خدا کے برابر ہو جاتے جو کچھ وہ جانتا ہے وہ سب ہم بھی جانتے اور اس سے بے نیاز ہو جاتے حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے۔ (الاعتقاد السالکیہ ص۲۳)

امام علیہ السلام نے کس احسن انداز میں اپنے علم کل کی نفی فرمائی ہے۔ سچ ہے "وما یعلم جنود ربک الا ھو"

(۶) امام زین العابدینؑ دعائے صلوات بر ملائکہ میں چند فرشتوں پر نام بنام سلام بھیجنے کے بعد فرماتے ہیں "ومن اوھمت ذکرہ ولم نعلم مکانه منك وبای امر وکلته الخ (صحیفہ ص۲۳)" بار الہا ان فرشتوں پر بھی درود و سلام بھیج جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا، اور نہ ہی ان کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ تیرے نزدیک ان کا مرتبہ و مقام کیا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ تو نے ان کو کس امر پر مامور کیا ہے۔" علامہ سید علی خان ان فقروں کی شرح میں لکھتے ہیں "فیه دلالة علی انه لا یعلم اصناف الملائکة غیر خالقها کما قال تعالی وما یعلم جنود ربک الا ھو (ریاض السالکین ص۹۵)

یعنی اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتوں کے تمام اصناف و اقسام کو سوائے ان کے خالق کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے (اے رسولؐ) تیرے پروردگار کے لشکروں کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔" جب امام علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ان کو فرشتوں کی تعداد بھی معلوم نہیں تو پھر وہ پورے عالم امکان کے ناظر و نگران کس طرح ہو سکتے ہیں؟

(۷) ابو بصیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں۔ فرمایا کیا کہتے ہیں؟ عرض کیا کہتے ہیں کہ "انك تعلم قطر المطر وعدد النجوم وورق الشجر ووزن ما فی البحر وعدد التراب" آپ بارش کے قطرے، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتے، سمندروں کی مقدار، اور خاک کے ذروں کی تعداد جانتے ہیں؟ ابو بصیر کہتے ہیں۔ امامؑ نے یہ کلام سن کر سر اقدس آسمان کی طرف بلند کر کے دو مرتبہ کہا۔ "سبحان الله سبحان الله" پھر فرمایا "لا والله ما یعلم ھذا الا الله" "نہ خدا کی قسم یہ چیزیں نہیں جانتا مگر خدا تعالیٰ" (رجال کشی ص۱۹۳، بحار ج۷ ص۲۵)

جب امام علیہ السلام ان چیزوں کا علم نہیں رکھتے تو پھر کائنات کے ذرہ ذرہ پر بالفعل ناظر کس طرح ہو سکتے ہیں۔

(۸) متعدد روایات میں موجود ہے کہ جب ان ذوات مقدسہ سے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جو پہلے ان کے علم میں نہ ہو تو خدا روح القدس کے ذریعہ ان کی تائید و تسدید کرتا ہے۔ ایسی روایات کا ایک حصہ پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے (بصائر الدرجات، بحار وغیرہ) اس سے واضح ہوتا ہے کہ معصومینؑ کو ہر ہر چیز کا ہر وقت بالفعل

علم نہیں ہوتا۔ ہاں عندالضرورت خدا کسی نہ کسی ذریعہ سے تعلیم فرما دیتا ہے جس لئے وہ کسی سائل کے جواب سے عاجز نہیں ہو سکتے۔ والحجۃ من لا یقول لا ادری۔

(۹) اس مضمون کی متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہیں کہ شب جمعہ کو اوصیاء کی شان عجیب ہوتی ہے تمام سابقہ انبیاء و اوصیاء کی ارواح مقدسہ اور موجودہ حجت خدا کی روح اقدس کو عرش پر لے جایا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ روحیں عرش الٰہی کا سات مرتبہ طواف کرتی اور اس کے ہر قائمہ (ستون) کے پاس دو دو رکعت نماز پڑھتی ہیں۔ جب صبح واپس لوٹتی ہیں تو انبیاء و اوصیاء کے سینے سرور و شادمانی سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور موجودہ وصی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ "وزید فی علمہ مثل جم الغفیر" ان کے علم میں بہت ہی اضافہ ہو جاتا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں ترد الیہم [illegible] العلم مستفاد ولولا ذلک لانفدنا۔ جب وہ موجودہ حجت خدا واپس لوٹتے ہیں۔ تو نئے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ اور اگر یہ اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ برابر جاری نہ رہے تو ہمارا علم ختم ہو جائے۔ (اصول کافی، بحار، بصائر وغیرہ)

(۱۰) اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں کہ امام کا اصل باعث عزت و افتخار علم ہے جس میں منجانب اللہ ہر شب و روز، بلکہ ہر ساعت بساعت بلکہ ہر لحظہ بلحظہ برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ معصومین کا ارشاد ہے: لولا انا نزداد لانفد ما عندنا۔ اگر اس طرح برابر [illegible] (ذرائع و اسباب سے) ہمارے علم میں اضافہ نہ ہوتا رہے تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے۔ (اصول کافی، بحار، بصائر) اگر ان بزرگواروں کو پہلے ہی کائنات کی ہر چیز کا علم کلی و تفصیلی حاصل ہوتا ہے تو پھر شب جمعہ بلکہ ہر شب و روز بلکہ ہر لحظہ بلحظہ اس میں اضافہ و ازدیاد کا کیا مطلب ہے؟

(۱۱) بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے پاس انبیاء و مرسلین کے صحف و کتب موجود ہیں بعض اوقات ان کی طرف رجوع کر کے بعض چیزیں معلوم کرتے ہیں۔ (اصول کافی، بصائر وغیرہ)

(۱۲) اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ ائمہ اطہار کے پاس جفر و جامعہ و مصحف فاطمہ موجود ہے جس میں تمام احکام شرعیہ اور جمیع ما یحتاج الیہ الناس کی تشریح مذکور ہے۔ بوقت ضرورت ان کی طرف بھی رجوع فرمایا کرتے ہیں۔ (اصول کافی، بحار، بصائر وغیرہ) ارباب عقل و خرد کو سوچنا چاہیئے کہ اگر ان بزرگواروں کے تمام علوم تفصیلی و ذاتی ہیں تو پھر مصحف فاطمہ یا جفر و جامعہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے کے کیا معنی ہیں؟

(۱۳) کئی اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ کراماً کاتبین کے علاوہ خدا نے کچھ فرشتوں کی یہ ڈیوٹی مقرر کی ہے کہ عالم میں جو جو حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں وہ ان کی اطلاع امام زمانہ کو دیتے ہیں چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں [illegible]

ملك يموت في الارض ويقوم غيره الا وتاتينا بخبره وكيف جاز سيرته في الدنيا (دمعہ ساکبہ ص ۴۹۲)

کوئی دن یا رات ایسی نہیں آتی جس میں اہل زمین کی خبریں اور جو کچھ زمین میں ہوتا ہے، یا کوئی بادشاہ مرتا ہے اور دوسرا اُس کی جگہ بیٹھتا ہے جس کی اطلاع فرشتے ہمیں نہ دیتے ہوں۔"

اعلانِ حق

انہی حقائق سے متاثر ہو کر جواہر الاسرار کے ناشر نے کھلے لفظوں میں حق و حقیقت کا اقرار کر لیا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے ص ۱۰ پر بذیل عنوان نوٹ لکھتے ہیں: "گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حاضر سے مراد حاضر بالقوۃ ہے اور ناظر سے مراد یہ ہے کہ دنیا و مافیہا میں ہونے والے ہر کام فرشتے امامؑ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اور جو امر خداوند عالم کی جانب سے نازل ہوتا ہے اس پر بھی پہلے امام وقت کو ہی مطلع کیا جاتا ہے۔ اھ

(۲) اسی طرح یہ امر بھی متعدد اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے کچھ مومن جن خادم ہیں جو ان کی خدمت میں عالم کے اہم واقعات کی اطلاع پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے اپنے خاص صحابی جناب محمد بن مسلم سے فرمایا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہارے حالات و کوائف پر مطلع نہیں تو یہ تمہارا گمان سخت بُرا ہے۔ اگر ہم آپ کے حالات سے واقف نہ ہوں۔ تو پھر ہم کو تم پر فضیلت ہی کیا ہے، پھر امامؑ نے موصوف کو وہ واقعہ یاد دلایا جو اُن کو اُن کے ہمراہی کے ساتھ مقام ربذہ میں پیش آیا تھا۔ جناب محمد بن مسلم نے تصدیق کرتے ہوئے تعجب کے انداز میں دریافت کیا۔ مولا! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا باطلاع اللّٰہ ما انا بساحر ولا کاھن ولا بمجنون. لکنھا من علم النبوۃ وتحدث بما یکون! خدا کے اطلاع دینے سے۔ میں نہ جادوگر ہوں، نہ کاہن، اور نہ دیوانہ بلکہ جو کچھ ہے یہ سب علم نبوت کا فیض ہے (دنیا میں) جو کچھ ہوتا ہے ہمیں اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے۔ راوی نے عرض کیا ہمارے حالات و کوائف کی آپ کو کون اطلاع دیتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا احیاناً ینکت فی قلوبنا ویوقر فی اسماعنا ومع ذلک فان لنا خدما من الجن مؤمنین وھم لنا اطوع منکم" "بعض اوقات تو اس کا ہمارے دلوں میں القا کر دیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات کانوں میں آواز سنائی دیتی ہے علاوہ بریں جنات میں سے کچھ مومن جن ہمارے خادم ہیں۔ جو تم سے بھی زیادہ ہمارے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ (وہ بھی اطلاع دیتے ہیں) راوی نے عرض کیا آپ سب ہی کے پاس ایک ایسا جن ہوتا ہے فرمایا "نعم یخبرنا بجمیع ما انتم فیہ وعلیہ" ہاں وہ ہمیں سب حالات سے آگاہ کرتا ہے۔ (بحار ج ۷ ص ۳۵۱، الدمعۃ الساکبہ ص ۱۵۳) امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "یا سعد ان لنا خدما من الجن فاذا اردنا السرعۃ بعثناھم" اے سعد ہمارے کچھ جن خادم ہیں جب ہم کسی معاملہ میں جلدی رکھیں کوئی پیغام وغیرہ پہنچانا ہو تو جن کو بھیج دیتے ہیں (دمعہ ساکبہ ص ۱۵۴)

صاحبانِ دانش و بینش ذرا غور و فکر سے کام لیں کہ اگر ائمہ طاہرینؑ براہ راست ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر آن پورے عالم امکان کے ذرہ ذرہ پر ناظر ہیں تو پھر فرشتوں اور جنوں کے ذریعہ اطلاعات حاصل کرنے کے کیا معنی ہیں؟

نیز ان احادیث سے بعض روایات کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے جن میں وارد ہے کہ "ان لنا مع کل ولی اذنا سامعۃ وعینا ناظرۃ۔ کہ ہمارے ہر صاحب کے ساتھ گوش شنوندہ اور چشم بینندہ موجود ہے"۔ ان حدیثوں سے ہویدا ہے کہ اس سے مراد فرشتوں اور جنوں کے ذریعہ اطلاع حاصل کرنا ہے۔ فلا تغفل۔

(۱۵) انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی عملی زندگی میں بیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ان کے ناظر ہونے کی صریحی نفی ہوتی ہے غزوہ تبوک کے متعلق ارباب تاریخ کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کو بعض لوگوں نے اطلاع دی کہ کفار روم وغیرہ ایک لشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے روانہ ہو چکے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بھی بڑے شدومد کے ساتھ تیاری فرمائی اور بہت بڑے لشکر کے ساتھ ———— پیشگی حملہ کو روکنے کی غرض سے سفر کی بے شمار صعوبتیں اور زحمتیں جھیلنے کے بعد جب مقام تبوک پہنچے جو حوالی شام میں ایک مقام کا نام ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط تھی کفار نے کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لئے جناب واپس تشریف لائے (تمام کتب سیر و تواریخ)

(۱۶) آنحضرتؐ کی ایک زوجہ محترمہ پر تہمت زنا لگائی گئی۔ جناب کو روحانی صدمہ ہوا۔ اس محترمہ پر ناراض ہو گئے۔ جب خداوند عالم نے قرآن نازل کر کے اس کی صفائی پیش فرمائی۔ تب حضورؐ کا غصہ فرو ہوا (تفسیر سورہ نور رکوع ۲) ان واقعات سے آنحضرتؐ کے علم فعلی و حضوری اور تفصیلی کی نفی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

(۱۷) حضرت امام حسین علیہ السلام ادھر آٹھویں ماہ ذی الحجہ ۶۰ھ کو عمرہ تمتع کے احرام کو عمرہ مفردہ سے بدل کر مکہ مکرمہ سے عراق روانہ ہوتے ہیں۔ ادھر نو ذی الحجہ کو آپ کے سفیر خاص جناب مسلم بن عقیل جام شہادت نوش فرماتے ہیں امام راستہ میں برابر کوفہ کی طرف سے آنے والے ہر شخص سے وہاں کی تازہ صورت حال دریافت کرتے ہیں حتیٰ کہ منزل ثعلبیہ پر کوفہ کی طرف سے آنے والے ایک اسدی آدمی کے ذریعہ جب جناب مسلمؑ و ہانیؓ کی شہادتوں کی اطلاع ملتی ہے تو گریہ و بکا فرماتے ہیں۔ کلمہ استرجاع (انا للہ الخ) پڑھتے ہیں (تمام کتب مقاتل وغیرہ)۔

اگر اس قسم کے تمام واقعات درج کئے جائیں تو ان کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر ع عاقلاں را اشارہ کافیست
ان حقائق سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بالفعل کائنات کے ذرہ ذرہ پر ناظر نہیں ہیں۔ وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود۔

ناظر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں نیز علم حضوری کی تردید اور حصولی کا اثبات

اس سلسلہ میں کثیر التعداد علمائے اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جا سکتا ہے مگر چونکہ استقراء تام و استقصاء عام کرنا مقصود نہیں۔ اس لئے صرف چند اعاظم کا بیان ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور انہی بیانات

کی روشنی میں ضمناً ایک اور معرکۃ الآرا مسئلہ کا صحیح حل بھی معلوم ہو جائے گا کہ آیا رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کا علم حضوری ہے یا حصولی؟ ہاں یہ واضح رہے کہ اس مقام پر علم حضوری اور حصولی کے وہ معنی مراد نہیں۔ جو فن منطق میں بیان کئے جاتے ہیں بلکہ حضوری سے مراد یہ ہے کہ تمام اشیاء کے متعلق ان حضرات کا علم اس طرح اجمالی و تفصیلی اور بالفعل ہے کہ انہیں توجہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت درپیش نہیں آتی۔ اور حصولی سے مراد یہ ہے کہ ان کا علم ارادی و تدریجی ہے ان کی ابتدائے خلقت روحانی و نورانی سے لے کر اس وقت تک برابر ان میں بجانب اللہ مخصوص ذرائع سے اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ جاری و ساری ہے جب ارادہ و توجہ فرمائیں فرش سے عرش اور ثریا سے ثریٰ تک جس چیز کو چاہیں باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ وھذا ھو الحق الحقیق بالاتباع۔

(۱) جناب علامہ محمد باقر مجلسیؒ جفر و جامعہ اور مصحف فاطمہؑ والی احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وفی بعض الاحوال یحتاجون الی ذلک لانہ لم یکن جمیع العلوم حاضرۃ عندھم بل یحتاجون الی مراجعۃ بعض الکتب او الی روح القدس الخ۔ یعنی بعض حالات میں ان بزرگواروں کو اس چیز (پردہ اٹھا کر دیکھنے) کی ضرورت درپیش آ جاتی ہے کیونکہ تمام علوم ان کے پاس (بالفعل) حاضر نہیں بلکہ ان کو بعض (جفر و جامعہ وغیرہ) یا روح القدس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۸۱)

(۲) فاضل جلیل مولانا سید حسین لکھنویؒ نے حدیقہ سلطانیہ ج ۲ میں متعدد مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ علم حضوری و فعلی کی نفی فرمائی ہے۔ اور یہ بحث ص ۳۶۵ سے لے کر ص ۳۷۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ ص ۳۸۱ پر فرماتے ہیں " پس دعوی فعلیت جمیع علوم کہ منافی این اخبار و غیر اینہا از متواترات بالمعنی است افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشان" یعنی تمام علوم کے بالفعل حاصل ہونے کا دعویٰ مذکورہ بالا اور ان کے علاوہ متواتر معنوی تک پہنچے ہوئے اخبار کے منافی ہونے کی وجہ سے ان حضرات کے حق میں کھلم کھلا افراط ہے"۔

(۳) آقائی الحاج مرزا محمد احمد آبادی اصفہانی اپنی کتاب شمس لمعہ فی شرح الشیعۃ مجالس ص ۳۴ طبع اصفہان پر لکھتے ہیں "نیز چنانکہ بجز از خبر استفادہ می شود آنست کہ علم امام حصولی است و غلط است علم حضوری گفتن" یعنی جاننا چاہیئے کہ جو کچھ اخبار اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام کا علم حصولی ہے اسے حضوری قرار دینا غلط ہے۔

(۴) عالم نحریر سید محمد مہدی الموسوی الکاظمی نے اپنی کتاب ... مطبوعہ بمبئی کے ص ۳۹ سے ص ۵۵ تک پورے سترہ صفحوں تک علم حضوری کا ابطال اور علم حصولی کا اثبات کیا ہے شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں اس میں مصنف محترم نے تمام فرقہ محقہ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ علم معصوم حصولی ہے نہ حضوری ہے چنانچہ انہوں نے ایک مسئلہ کا عنوان ہی یہ قرار دیا ہے "مسئلۃ من جملۃ ما اتفقت بہ الشیعۃ للفرقۃ المحقۃ مسئلۃ عدم علم المعصوم من حیث کونہ حضوریا بل علمھم عندنا اھل الحق علم حصولی الخ ص ۲۹ یعنی منجملہ ان مسائل کے جن میں فرقہ محقہ

دمفوضہ) نے فرقہ محقہ شیعہ اثنا عشریہ کی مخالفت کی ہے۔ ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ معصوم کا علم حضوری ہے۔ حالانکہ تمام اہل حق کے نزدیک ان کا علم حصولی ہے"

(۵) عالم جلیل آقائی آقا شیخ جمال الدین صاحب الامری اپنی کتاب سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات ص۱۰۲ پر بعنوان المبحث الرابع فی کیفیۃ علم الامام" یہ لکھنے کے بعد کہ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ علم امام حضوری ہے اور دوسرے لوگ اسے حصولی قرار دیتے ہیں۔ رقمطراز ہیں" والجماعۃ الاولی هم الغلاۃ حیث انهم قالوا بحضور الممکنات عندهم وان علمهم من لوازم ذواتهم الشریفۃ ۔۔ الی ان قال بل المستفاد من مجموع هذه الاخبار هو کون علمهم حصولیا۔ الخ۔ پہلی جماعت غالیوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہ کا علم حضوری ہے یعنی تمام کائنات ان کے نزدیک حاضر ہے اور ان کا علم ان کی ذوات مقدسہ کے لوازم میں سے ہے لیکن اخبار معصومین سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی ہے"

(۶) صاحب ضوابط الاصول (ج ۱ ص۲۵۲) نے تو اس بات پر کہ معصوم کا علم حصولی ہے تمام علماء امامیہ کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے فرماتے ہیں" اتفاق الامامیۃ علی کون علم المعصوم اراديا لا فعليا حضوريا"۔ تمام فرقہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معصوم کا علم ارادی ہے اور فعلی وحضوری نہیں ہے"

(۷) آیت اللہ مرزا السید محمد حسن الشیرازی" (۸) آیت اللہ الشیخ محمد حسین الکاظمینی" (۹) آیت اللہ شیخ محمد حسین ردکانی (۱۰) آیت اللہ السید محمد حسین الشہرستانی" جیسے اکابر علماء سے دریافت کیا جاتا ہے" القول بان امیر المومنین علیہ السلام عالم بما کان وما یکون بالفعل هل هو صحیح ام باطل؟ آیا یہ کہنا کہ حضرت امیر علیہ السلام بالفعل تمام ماکان ومایکون کے عالم ہیں صحیح ہے یا باطل؟ یہ سب حضرات اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم هذه المقالۃ باطلۃ فاسدۃ" (انوار الغالبین ص۴۱ مطبوعہ بمبئی) "یہ نظریہ بالکل باطل اور فاسد ہے"

ان علماء اعلام حق ترجمان سے یہ حقیقت واضح وعیاں ہوگئی ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عالم ہے ہر ذرہ ذرہ کا بالفعل علم رکھتے ہیں یہ شیعی عقیدہ نہیں بلکہ یہ غالیوں اور مفوضہ کا عقیدہ ہے اعاذنا اللہ من شرورهم

| تائید مزید | اس امر کی کہ ائمہ کا علم حصولی وارادی ہے، تائید مزید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد ہے ان الامام اذا اراد ان یعلم شیئا علم۔ یا اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعلمه اللہ "

جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو اعلام الٰہی اسے معلوم کر لیتے ہیں"۔ اس مضمون کا اصول کافی میں ص۱۳۵ پر پورا ایک باب موجود ہے"

| نا ظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں | چونکہ یہ مسلّمہ قانون ہے کہ کلما حکم به الشرع حکم به العقل"

جو فیصلہ شریعت مقدسہ کرے عقل سلیم بھی وہی فیصلہ کرتی ہے بنا بریں جب سطور بالا میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ناظر ہونے کی قرآن، خود انہی بزرگواروں کے فرمان، اور علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں نفی کر دی گئی تو بعد ازیں عقل سلیم بھی اس کی حرف بحرف تائید مزید کرتی ہے کہ اس طرح عالم امکان کی ہر شئی پر خواہ زمانہ ماضی سے متعلق ہو یا زمانہ حال سے وابستہ ہو یا ہنوز استقبال کے پردہ میں روپوش ہو۔ بالفعل کلی احاطہ کرنا کسی بھی مخلوق و ممکن الوجود ہستی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ جو بھی ممکن الوجود ہے اس کی توجہ بیک وقت میں ایک ہی طرف ہو سکتی ہے مثلاً اگر خالق کی عبادت و مناجات میں منہمک ہے تو پھر مخلوق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ اور اگر امور خلق میں مشغول ہے۔ تو خالق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ الغرض جب ایک کام کی طرف دھیان ہوگا۔ تو دوسرے کام کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ یہ خدا کی ہی شان ہے کہ "لا یشغلہ شان عن شان" جسے ایک کام دوسرے کام سے غافل نہیں کر سکتا۔

نیز یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ خداوند عالم ستار العیوب ہے (یا من اظہر الجمیل و ستر القبیح) اگر خدائے منان کی پردہ نوازی نہ ہوتی۔ اور لوگوں کو ایک دوسرے کے چھپے ہوئے عیوب و نقائص کا علم ہو جاتا تو نہ کوئی کسی کو سلام کرتا اور نہ کفن و دفن میں شریک ہوتا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ "لو تکاشفتم لما تدافنتم" یعنی اگر تمہیں ایک دوسرے کے حالات و کیفیات کا علم ہو جائے تو تم ایک دوسرے کو دفن کرنا چھوڑ دو (تفسیر بحار الانوار وغیرہ) خدا تو اس قدر رؤف و رحیم ہے کہ بندہ کے بعض مخصوص حالات میں اپنے خاص فرشتوں (کراماً کاتبین) کو بھی الگ کر دیتا ہے جیسا کہ دعائے کمیل کے اس فقرہ "والشاہد لما خفی عنہم" (اے اللہ تو میرے ان حالات سے بھی واقف ہے جو کراماً کاتبین پر پوشیدہ ہیں) کی شرح میں معصومین سے اس کی تفصیلات مروی ہیں۔ تو دریں حالات کیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ وہی خدائے کریم و حکیم اپنے انبیاء و ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کو یہ تمکین دیدے (بنا بر تسلیم امکان عقلی) کہ ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر آن ہر شخص کی ہر حرکت و سکون پر ناظر ہوں۔ خواہ کوئی اپنی عورت سے مقاربت کر رہا ہو۔ یا زنا کا ارتکاب کر رہا ہو۔ کسب حلال کر رہا ہو یا چوری میں مشغول ہو۔ کسی کا ناحق خون بہا رہا ہو۔ یا کسی کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈال رہا ہو۔ لباس میں ملبوس ہو۔ یا مجرد عن اللباس ہو۔ غسل خانہ میں نہا رہا ہو یا بیت الخلاء میں رفع حاجت کر رہا ہو؟ "اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون" مالکم کیف تحکمون۔

اس مسئلہ میں آخری فیصلہ کہ علم نبی و امام ارادی ہے

ان حقائق کے پیش نظر یہ بات تو پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ "لیس علمہم کعلم اللہ تعالیٰ فی تعلقہ بکل شئی من الاشیاء الممکنۃ فی جمیع العوالم فی الازمنۃ الماضیۃ والحالیۃ والمستقبلیۃ" یعنی ان ذوات مقدسہ کا علم خداوندی کی طرح ایسا نہیں ہے کہ اس کا تعلق تمام عوالم امکانیہ کے تمام ازمان ماضیہ و حالیہ اور استقبالیہ میں تمام اشیائے ممکنہ کے ساتھ بالفعل ہو (یہ بات ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہے) اس بات پر حضرت شیخ مفیدؒ نے فرقۂ امامیہ رحمہم اللہ

فی البریہ کے اجماع و اتفاق کا دعوی کیا ہے۔ (مرآۃ العقول ج ۱ ص۱۸۹ بحار الانوار ج ۲ و المسائل عکبریہ) لہٰذا اب دو ہی راستے ہیں۔ پہلی قسم کی روایات رو نفی پر دلالت کرتی ہیں۔ جن کا ایک شمہ اوپر بیان ہو چکا ہے، یا دوسری قسم کی روایات جن سے اثبات مترشح ہوتا ہے جن کا ایک شمہ بعد ازیں ازالۂ شکوک و اوہام کے ضمن میں بیان ہوگا ان میں کو غلط قرار دے کر بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یا پھر ان کے درمیان جمع و توفیق کی کوئی راہ پیدا کی جائے۔ ظاہر ہے کہ پہلے طریقہ کار کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی ہمارے کرم فرما اسے پسند کریں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک معصومین کی طرف ہر منسوب شدہ روایت قابل قبول ہے۔ اور اس میں شک کرنا کفر ہے (حقائق الوسائل ص ۲۳ وغیرہ) لہٰذا دوسرا طریقہ ہی درست ہے۔ اور وہ جمع و توفیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ علم نبی و امام کو ارادی قرار دیا جائے۔ کہ اگر وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو ازتحت الثریٰ تا بالائے عرش و فرش ہر چیز کو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں (الا ما ثبت استثناؤہ) اور اگر توجہ نہ فرمائیں تو زیر پا بھی کچھ نظر نہیں آتا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ الغرض ان بزرگواروں پر یہ اشعار پوری طرح منطبق ہوتے ہیں ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند　　کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی　　چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہان است　　دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

یہی وہ معقول اور صحیح حل ہے جسے بڑے بڑے علماء و مجتہدین و محققین مثل سرکار ثقۃ الاسلام کلینیؒ (در اصول کافی جناب علامہ مجلسیؒ (در بحار) حضرت شیخ حر عاملیؒ (در فصول مہمہ) حضرت شیخ انصاری (در رسائل) فاضل تنکابنی (در شرح رسائل) علامہ سید حسین لکھنویؒ (در حدیقہ سلطانیہ) فاضل سید مہدی کاظمینی (در بوار الغالبین) صاحب ضوابط الاصول علامہ رقعی (در کتاب حق و دین) مراۃ الحق فی المعارف الاسلامیہ و الاصول الاعتقادیہ شیعہ نجف کے فاضل مصنف کا مفصل کلام بغیت ترجمان اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا جاتا ہے چنانچہ وہ اپنی اسی کتاب کی ج ۲ ص ۲۳ پر مباحث طویلہ کے بعد جمیع بین الاخبار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ " والذی اراہ فی دفعھما الثانی۔ ھو حمل النوع الاول علی تمکنھم من النظر والرؤیۃ وانہ اذا شاؤا ذلک ولو علی البدل نراؤا الاعلی الفعلیۃ والوقوع فانہا بعیدۃ بل لعلہا غیر میسورۃ لہم وکیف یصح لممکن مادی ان لا یشغلہ شان من شان، فلا یمنعہ التوجہ الی عمل عامل فی المشرق عن الالتفات الی حرکۃ متحرک فی الغرب او یکون ناظرا الی جمیع ما یصدر من المکلفین وھو یتکلم مع اھلہ او اصحابہ او نائم علی فراشہ او مشغول بالمناجات مع ربہ ولا دلیل یفی بھذا الحد من الالتفات حتی الروایات الواردۃ فی روح القدس الذی یؤید الائمۃ الدالۃ علی انہ لا یلھو ولا یتغیر ولا یلعب، وبالجملۃ ان صحۃ ھذہ المرتبۃ عقلا لا دلیل علی اثباتہا سمعا رحم

لا عقلاً ولا نقلاً بل من لا یشغلہ شأن هو الله سبحانہ وتعالیٰ۔ یعنی میں سمجھ نہیں کہ یہ ظاہری) اختلاف و تعارض اس طرح دور ہو سکتا ہے۔ کہ پہلی قسم والی آیات و روایات کو جو ہم علم پر دلالت کرتی ہیں جو ہماری ترتیب سے دوسری قسم ہیں کو اس بات پر محمول کیا جائے۔ کہ یہ بزرگوار جب چاہیں تو توجہ کر کے ہر چیز کو اگرچہ بعد مادی کے باوجود ہی معلوم کر لینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور دوسری قسم کو جو ہماری ترتیب سے قسم اوّل ہیں) ... نفی فعلیت پر محمول کیا جائے کہ ان حضرات کو ذرہ ذرہ کا اس طرح بالفعل علم نہیں ہے کہ ان کو توجہ بھی نہ کرنا پڑے، نہ کہ فعلیت اور وقوع پر کیونکہ یہ بات بہت ہی بعید از عقل ہے بلکہ ان کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ بھلا ایک ممکن الوجود مخلوق کے لئے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اسے ایک کام دوسرے کام سے باز نہ رکھے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مشرق میں کام کرنے والے شخص کی طرف توجہ کرنا اسے مغرب میں کسی حرکت کرنے والے شخص کی حرکت کی طرف توجہ کرنے سے نہ روکے؟ یا یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ تمام عالم کے مکلفین کی طرف دریک وقت، ناظر و متوجہ ہو۔ باوجودیکہ وہ بظاہر اپنے اہل و عیال یا بعض اصحاب و احباب کے ساتھ باتیں کر رہا ہے یا رخت خواب پر سو رہا ہے یا اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات کرنے میں مشغول ہے جبکہ یہاں وہ مشہور واقعہ ذہن نشین رہے کہ حالت نماز میں جناب امیرؑ کے پائے اقدس سے تیر کھینچ لیا گیا تھا مگر بوجہ محویت در عبادت ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ تو کیا عین اسی حالت میں وہ کائنات کی ہر چیز پر ناظر ہو سکتے ہیں؟ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل (عقلی یا نقلی) موجود نہیں۔ جو اس حد تک وسعت بوالتفات پر دلالت کرے۔ حتیٰ کہ وہ روایات جو اس روح القدس کے متعلق وارد ہیں جو ائمہ اہل بیتؑ کی تائید و تسدید کرتا ہے۔ کہ وہ لہو و لعب میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے خلاصہ کلام آنکہ اگر اس مرتبہ و مقام کو عقلاً بالفرض تسلیم کر لیا جائے تو جب بھی اس کے وقوع پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ وہ ذات جسے ایک کام دوسرے کام کی طرف توجہ کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا وہ فقط خداوند قدیر و خبیر کی ہی ذات ہے" وکذا افاد استاذنا آیۃ اللہ الحکیم اعلی اللہ مقامہ فی مستمسک العروۃ الوثقیٰ ج ۱ ص ۱۱۵ الطبعۃ الاولیٰ فراجع)

علامہ سید حسین لکھنوی فرماتے ہیں "پس آنچہ بعضے گمان کردہ اند کہ در ہر حال و ہر وقت حضرات را علم جمیع اشیاء حاصل است خالی از تحکم نیست بلکہ مراد ہماں است کہ تفصیلش کردیم ایشاں متمکن اند از علم جمیع اشیاء والا ما ثبت استثناءہ" (حدیقۂ سلطانیہ ص ۳۰۰) یعنی بعض لوگوں نے جو یہ گمان کیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں ہر شئی کا بالفعل علم ہے یہ امر تحکم و سینہ زوری اور دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ حضرات جب چاہیں۔ تو ہر چیز کے معلوم کرنے پر قدرت رکھتے ہیں سوائے ان چیزوں کے جن کا استثناء ثابت ہے" پھر ص ۳۰۱ پر لکھتا ہے "پس دعویٰ فعلیت جمیع علوم کہ منافی ایں اخبار و غیر آں از متواترات بالمعنیٰ است افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشاں" یعنی تمام علوم کی فعلیت کا دعویٰ کرنا مذکورہ بالا اخبار وغیرہ کا جو تواتر معنوی تک پہنچے ہوئے ہیں کے منافی ہے اور ان بزرگواروں کے مراتب میں کھلم کھلا افراط ہے" ان فی ذلک لبلاغاً لقوم یعقلون۔

اندازۂ جدید علم نبیؐ و امامؑ تدریجی ہے

مذکورہ بالا حقائق سے ایک اور علمی مسئلہ بھی خود بخود حل ہو گیا۔ کہ ان ذوات مقدسہ کا علم تدریجی ہے یعنی ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک برابر اس میں ازدیاد و اضافہ ہو رہا ہے آئی و وقتی نہیں ہے کہ ایک ہی مرتبہ خالق نے سب کچھ دے کر اب ہمیشہ کے لئے فیضانِ علم کا دروازہ بند کر دیا۔ اور ان کے دامن مراد پُر ہو گئے اور مزید اضافہ و ازدیاد کی گنجائش نہ رہی و معاذ اللہ۔ مذکورہ بالا حقائق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد یہ مسئلہ قریباً قریب بدیہیات میں داخل ہو جاتا ہے جس پر مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے علاوہ مذکورہ بالا دلائل و براہین کے یہاں صرف ایک آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے قل رب زدنی علماً۔ اے حبیبؐ! ابھی سے کہو کہ اے میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ یہ ازدیاد و اضافہ کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ روایات اہلبیتؑ میں وارد ہے کہ جب بھی امام وقت پر مبداء فیض سے علم و فضل کا تازہ اضافہ ہوتا ہے۔ تو اس کی ابتداء جناب رسولِ خداؐ سے کی جاتی ہے تاکہ آخر کا علم اول کے علم سے نہ بڑھ جائے۔ (اصول کافی)

جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں اذا اتی علیّ یوم لا ازداد فیہ علماً یقربنی الی اللہ فلا بارک اللہ فی طلوع شمسہ جب کوئی ایسا دن طلوع کرے جس میں میرے علم میں کوئی ایسا مفید اضافہ نہ ہو جو مجھے اللہ کے اور زیادہ قریب کر دے تو خدا اس دن کے طلوع آفتاب میں برکت نہ دے۔ (تفسیر صافی ص ۹۶) ظاہر ہے کہ اگر روزِ اول ہی تمام علوم مکمل حاصل ہو جاتے تو پھر روز بروز اور لحظہ لحظہ اس میں ازدیاد و اضافہ کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ اور ضرورت و حاجت اور یہ چیز عیاں چہ بیان کی مصداق ہے۔ یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہمارے خلاف تیغ زبان و قلم بے دریغ استعمال کرنے والوں نے بھی اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ صاحب حقائق الاعتقاد (ص ۱۹۲) لکھتے ہیں "اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند عالم نے روز اول کل علوم انہیں مرحمت فرما دیئے ہیں تو اس وقت ممکن ہوتا جب علم خداوندی کی کوئی حد مقرر ہو سکتی معاذ اللہ۔ روز اول وہ مخصوص قوت جو ان کے سوا کسی کو نہیں بخشی گئی۔ انہیں عطا فرمانے کے بعد مبداء فیاض سے ہمیشہ ان پر فیوض ہوتے رہے اور وہ اخذ فرماتے رہے۔" فخذ ما اتیتک وکن من الشاکرین ولا تکن من الخاسرین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اب ہم ذیل میں اہل افراط و غلو کے مستمسکات یا بالفاظ مناسب شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔ تاکہ یہ مسئلہ من جمیع الجہات مکمل بلکہ اکمل ہو جائے۔

پہلا شبہ اور اُس کا جواب

ارشاد قدرت ہے قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون۔ (پ ۱۱ س توبہ ع ۱۳) اے رسولؐ! تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کئے جاؤ۔ ابھی تو خدا اور اُس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے کاموں کو دیکھیں گے۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہر وقت خدا ہمارے اعمال و افعال کو دیکھتا ہے اسی طرح جناب رسول خدا اور کچھ خاص مومنین (ائمہ طاہرینؑ) بھی ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں فرق صرف بالذات اور بالتبع کا ہے۔" اس شبہ کا جواب

اخبار و آثار ائمہ اطہارؑ پر گہری نگاہ رکھنے والوں پر واضح و آشکار ہے۔ ان اخبار کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی رویت اعمال بذریعہ کرنا ما کا تبیین ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ وارد ہیں چنانچہ اصول کافی ص۱۷۱ پر ایک پورا باب موجود ہے جس کا عنوان ہے عرض الاعمال علی النبیؐ والائمۃ علیہم السلام۔ یعنی جناب رسول خداؐ و ائمہ ہدیٰؑ کی بارگاہ میں اعمال کا پیش کیا جانا۔ اس باب کے ذیل میں چھ احادیث موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تعرض الاعمال علی رسول اللہ اعمال العباد کل صباح ابرارھا و فجارھا فاحذروھا وھو قول اللہ عزوجل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ۔ یعنی ہر صبح تمام نیک و بد لوگوں کے اعمال آنحضرتؐ کی خدمت بابرکت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ پس ان اعمال سے ڈرو۔ یہی مطلب ہے آیت مبارکہ اعملوا فسیری اللہ عملکم الایۃ کا۔ بحار الانوار مجلد جات طبع جدید از ص۳۳۳ تا ص۳۵۲ سطر اول میں تین ابواب کے ضمن میں اس قسم کی پوری اکتالیس روایات شریفہ موجود ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر روایات میں اسی آیت مبارکہ کے ساتھ تمسک کرتے ہوئے حضرات معصومینؑ نے اپنی رویت اعمال کو ثابت کیا ہے۔ صرف ایک روایت تبرکاً پیش کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن ابان زیات بیان کرتا ہے کہ قلت للرضا ادع اللہ لی ولاھل بیتی قال اولست افعل واللہ ان اعمالکم لتعرض علی فی کل یوم ولیلۃ فاستعظمت ذلک فقال اما تقرء کتاب اللہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون۔ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ آنجنابؑ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کیا میں اس سے قبل دعا نہیں کیا کرتا؟ بخدا ہر صبح و شام تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ راوی کہتا ہے میں نے اس کو بہت بڑا دعویٰ سمجھا۔ آنجنابؑ نے فرمایا کیا تم نے قرآن مجید نہیں پڑھا جس میں خدا فرماتا ہے تم عمل کرو۔ خدا، اس کا رسولؐ اور کچھ خاص مومنین تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ (ص۲۲۹) اسی طرح تفسیر صافی ص۲۱۱ پر اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں اسی مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں۔ اسی طرح تفسیر برہان ج۲ ص۱۵۷ تا ص۱۵۸ اس مضمون کی چونتیس عدد روایات شریفہ مذکور ہیں جن میں سے اکثر روایات میں مروی ہے کہ ائمہ اطہارؑ نے عرض اعمال کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا وھو قول اللہ عزوجل قل اعملوا فسیری اللہ الایۃ یعنی یہی ہے مطلب ارشاد خداوندی قل اعملوا فسیری اللہ عملکم الخ۔ کا۔ معجم بحار الانوار ص۱۲۳ تا ص۱۲۵ پر بھی اس موضوع کا پورا ایک باب موجود ہے جس میں اس مضمون کی متعدد روایات مبارکہ مندرج ہیں فراجع حتی تعرف صدق المقال وتنکشف لک حقیقۃ الحال ان شاء اللہ تعالیٰ

پس جس طرح یہ لوگ اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ و ائمہؑ کی رویت میں بالذات و بالتبع کا فرق موجود ہے۔ اسی طرح ان روایات معتبرہ کی روشنی میں ان کو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ رویت خداوندی بلاواسطہ ہے اور رویت رسول خداؐ و ائمہ ہدیٰؑ بواسطہ ملائکہ ہے۔ نیز ان ارشادات معصومینؑ سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ مرحوم [illegible] نے اپنی کتاب احسن الفوائد ص۲۹۵ طبع [illegible] بعنوان "فرشتوں کا نامۂ اعمال کو جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی خدمت میں لے جانا" اور اس کے تحت شب و روز کے

فرشتوں کا معصومینؑ کی بارگاہ اقدس میں نامہ ہائے اعمال پیش کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ ہے مطلب آیت مبارکہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون کا" یہ بالکل صحیح اور ارشادات معصومینؑ کا لب لباب ہے۔ ان حقائق کے بعد قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ بعض رسائل کے مقدمہ نگار کا اسے ہمارا ذاتی اجتہاد قرار دینا اور اس رسالہ کے مؤلف کا اسے تفسیر بالرائے ظاہر کرنا کہاں تک مبنی بر حقیقت ہے؟

مذکورہ بالا تفاسیر اہلبیتؑ کے پیش نظر اب ناظرین کرام کے لئے یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہے کہ آیا ہماری بیان کردہ تفسیر تفسیر بالرائے ہے اور اس آیت مبارکہ سے بے ربط ہے۔ یا ان حضرات کی نگارشات ائمہ معصومینؑ کی تعلیمات کے سراسر خلاف اور اعتراضات سواد علمی کے بالکل منافی ہیں۔ مگر ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد ۔۔۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لیکن ایسا کرنے والو یاد رکھو کہ ؎

قریب ہے یارو روز محشر ہر ایک شئے کا حساب دو گے

دوسرا شبہ اور اس کا جواب متعدد روایات میں مختلف عبارات و تعبیرات کے ساتھ مروی ہے کہ فاذا مضی الامام الذی کان قبلہ رفع لھذا منار من نور ینظر بہ الی عمل الخلائق فاذا قام بھذا الامر رفع اللہ لہ فی کل بلدۃ منارا ینظر بہ الی اعمال العباد فاذا سار الامر الیہ جعل اللہ لہ عمودا من نور یری بہ ما یعمل کل اھل بلدۃ (بحار الانوار، بصائر الدرجات، اصول کافی، تفسیر برہان وغیرہ)

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام عالی مقام ظاہری منصب امامت پر فائز المرام ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کے لئے ایک عمود نور (نورانی ستون) قائم کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ اعمال خلائق کو دیکھتا ہے۔ ان احادیث سے ائمہ اطہارؑ کا لوگوں کے اعمال پر ناظر ہونا ثابت ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ روایات اس حیثیت سے مجمل ہیں کہ معلوم نہیں "عمود نور" سے کیا مراد ہے؟ بموجب قاعدہ "الاحادیث یفسر بعضہا بعضا"۔

ان تمام روایات کی صحیح تشریح و توضیح حضرت امام رضا علیہ السلام کی صحیح السند حدیث شریف سے ہوتی ہے جو اصول کافی ۱۹۹ باب مولد الائمہ اور تفسیر برہان ج ۲ ص ۱۵۵ وغیرہ میں مذکور ہے وھی ھذہ۔ علی بن ابراھیم عن محمد بن عیسیٰ بن عبید قال کنت انا و ابن فضال جلوسا اذ اقبل یونس فقال دخلت علی ابی الحسن الرضا علیہ السلام فقلت لہ جعلت فداک قد اکثر الناس فی العمود قال فقال لی یا یونس ما تراہ اتراہ عمودا من حدید یرفع لصاحبک قال قلت ما ادری قال لکنہ ملک موکل بکل بلدۃ یرفع اللہ بہ اعمال تلک البلدۃ قال فقام ابن فضال فقبل راسہ وقال رحمک اللہ ابا محمد لا تزال تجیئی بالحدیث الحق الذی یفرج بہ عنا یعنی محمد بن عیسیٰ بن عبید بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابن فضال بیٹھے تھے۔ کہ جناب یونس آئے اور کہا کہ میں

نے بھی حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں لوگ "عمود" کے متعلق بہت کچھ بیان کرتے ہیں یعنی اس کے متعلق کچھ وضاحت فرمائیے، آنجناب نے فرمایا اے یونس! تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ لوہے کا کوئی ستون ہے جو تمہارے صاحب (امام) کے لئے نصب کیا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں ہے امام علیہ السلام نے فرمایا وہ عمود ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے ہر شہر پر موکل کر رکھا ہے اس کے ذریعہ خدا اس شہر والے لوگوں کے اعمال (امام تک) پہنچاتا ہے۔ اس وقت ابن قیاماً اٹھے اور یونس کے سر کو بوسہ دیا اور کہا اے ابو محمد! خدا آپ پر رحم کرے آپ ہمیشہ ایسی حدیثیں پیش کرتے ہیں جن کی وجہ سے ہمارا عقیدہ درست ہو جاتا ہے اور ہماری حیرانی دور ہو جاتی ہے۔

احادیث عمود کے متعلق بعض اعلام کا تحقیقی بیان

اس حدیث نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا کہ "عمود نور" سے مراد نور کا ستون نہیں بلکہ وہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے حالات و کوائف امام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ روایت کے ساتھ درایت کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے اسی لئے حضرات معصومین کا ارشاد ہے روایۃ تدریہ خیر من الف روایۃ ترویہا (اصول کافی ج۲ و معانی الاخبار) یعنی ایک روایت کی درایت اور معنی و مفہوم پر غور کرنا ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر ہے۔ اس موضوع پر کتاب کے دیباچہ میں سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے کلام امام کی روشنی میں ان احادیث "عمود" کا جو مفہوم ہم نے متعین کیا ہے، علمائے اعلام کے کلام حقیقت ترجمان سے بھی اس کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے۔ بصورت بیان دو بزرگوں کا کلام پیش کیا جاتا ہے (۱) عالم ربانی مولانا محمد صالح مازندرانی مذکورہ بالا حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہرہ ان العمود هو الملك الشامل برفع اعمال العباد و على هذ ايحمل المتارس لنور المذكور فى الاحبار السابقة على الملائكة الموكلين به لان الملك يقسم الحمل وتسميتهم اعمده من باب اطلاق احد المتجاورين على الآخر من باب تسمية السبب باسم المسبب لان العمود فى الحقيقة نور الاعمال (شرح اصول کافی ج۵ ص۳۰۳)

یعنی اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عمود سے مراد وہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے اعمال پیش کرنے پر موکل ہے، بنا بریں سابقہ روایات میں "ستون نور" کے جو الفاظ مذکور ہیں وہ بھی انہی ملائکہ پر محمول ہوں گے جو اس کام پر موکل ہیں کیونکہ فرشتے ہی روایات مجمل روایات کی تشریح کرتے ہیں۔ باقی ان فرشتوں پر عمود کا اطلاق کرنا تو یہ دو مجاوروں میں سے ایک کا نام دوسرے پر رکھ دینے یا از قسم تسمیہ باسم سبب اطلاق مجاز و کنایہ کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت تو عمود نور ہے وہ نور اعمال ہے جس کے پہنچانے کا سبب فرشتے ہیں اس لئے مجازاً انہیں عمود نور کہہ دیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح غواص بحار انوار، سرکار علامہ مجلسی قدس سرہ اسی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: الحدیث السابع مجهول من عمال هو الحسن بن علی بن یونس هو ابن عبد الرحمن و جيد من حمد جالس، مستعمل فی الاثنتین

قد اکثر الناس من القول او الاختلاف فی معنی العمود المذکور فی الاخبار انہ موضع للامام ونسبتہ الملک عموداً علی الاستعارۃ کانہ عمود نور ینظر فیہ الامام اولان اعتمادہ فی کشف الامور علیہ یا ابا محمد کنیۃ یونس یفرج اللہ ای المغموم الکرب والحیرۃ۔ انتھی کلامہ رفع فی اعلی مقامہ (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۲۹۱) یعنی ساتویں حدیث صحیح ہے ابن فضال کا نام حسن بن علی ہے۔ اور یونس سے یونس بن عبد الرحمٰن مراد ہے یونس جالس کی جمع ہے۔ جسے یہاں دو فرد پر استعمال کیا گیا ہے اکثر الناس یعنی لوگ اس عمود کی حقیقت میں بہت اختلاف کرتے ہیں جو امام کے لئے نصب کیا جاتا ہے۔ امام نے جو عمود نور سے فرشتہ مراد لیا ہے تو فرشتہ کا نام بطور استعارہ تجویز کیا گیا ہے گویا کہ وہ فرشتہ نور کا ایک ستون ہے جس میں امام دیکھتا ہے یا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انکشاف امور میں امام علیہ السلام کا اس فرشتہ پر اس طرح اعتماد ہوتا ہے۔ یا ابو محمد جناب یونس کی کنیت ہے یفرج اللہ یعنی تمہارے ذریعہ خدا ہماری حیرت و پریشانی دور کر دیتا ہے۔"

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ احادیث عمود سے امام کے ہر وقت ہر چیز پر ناظر ہونے پر استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب روح القدس کے اوصاف میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض میں وارد ہے کہ روح القدس ثابت یری بہ فی شرق الارض وغربہا وبرّہا وبحرہا الخ (بصائر الدرجات وغیرہا)۔ روح القدس ثابت رہتی ہے جس کے ذریعہ نبی و امام شرق و مغرب اور خشکی و تری کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ نیز وارد ہے ویروح القدس علموا جمیع الاسماء الخ" اور اسی روح القدس کے ذریعہ وہ تمام چیزوں کو جان لیتے ہیں"

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی و امام ہر وقت تمام چیزوں پر ناظر ہوتے ہیں"

اس شبہ کا جواب باصواب ہماری کتاب کے ناظرین کرام پر مخفی و مستور نہیں ہے ہم پہلے باب میں متعدد دلائل ذریعہ سے یہ حقیقت واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ روح القدس فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت فرشتہ ہے بعد اس سے ہمارے موقف کی تائید مزید ہوتی ہے۔ کیونکہ جو رس عالم علل و اسباب میں ملائکہ کی وساطت سے بھی بعض اوقات اشیائے عالم کا علم حاصل کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی منجانب اللہ ان کے لئے حصول علم کا ایک ذریعہ ہے لہذا اس سے ان ذوات مقدسہ کا براہ راست تمام اشیاء پر ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نیز روح القدس کے ذریعہ تمام اشیاء کے جاننے کا مطلب بھی وہی ہے جو سطور بالا میں بیان ہوا ہے کہ یہ بزرگوار جب بھی کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں۔ تو باعلام اللہ معلوم کر سکتے ہیں۔ یا پھر شیاء سے وہ اشیاء مراد ہیں جو منصب نبوت و امامت کے ساتھ وابستہ ہیں واللہ العالم۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب مختصر بصائر وغیرہ میں بعض ایسی روایات موجود ہیں۔ جن میں وارد ہے کہ تمام زمین امام کی نظر میں ایک اخروٹ کی طرح ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام تمام اشیاء

پر ناظر ہیں۔ اسی طرح بھی بعض روایات ہیں۔ رو سے کہ جنت اور دوزخ بھی بہ نظر امام کے آگے حائل نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہو تو پھر امام اور غیر امام میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اخبار میں وارد ہے ان لنا مع کل ولی اذنا سامعة وعینا ناظرة ہمارے ہر دوست کے ساتھ ہمارے سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں موجود ہیں۔ اس طرح بعض آثار میں وارد ہے کہ تمام دنیا امام کے سامنے بمنزلہ دسترخوان کے ہے جہاں سے جو چیز چاہیں، کھا سکتے اور دیکھ سکتے ہیں۔ یہ شبہ بھی بچند وجوہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ اس قسم کی روایات اخبار آحاد اور وہ بھی شاذ اور غیر مستند ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں۔ کہ اس اہم اصولی مسئلہ میں ان کے ساتھ تمسک کیا جائے جیسا کہ کتاب ہذا کے دیباچہ میں اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

ثانیاً بنا بر تسلیم ان روایات کا وہ مطلب نہیں جو یہ حضرات لیتے ہیں کیونکہ جس کا عقلی و نقلی دلائل قاطعہ سے سابقہ اوراق میں مکمل ابطال کرکے اس کا محال ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ بلکہ ان کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقام اعجاز میں ایسا ہوتا ہے۔ ہمارے اس مفہوم کی اس امر سے بھی مزید تقویت ہوتی ہے کہ ایسی روایات مدینۃ المعاجز وغیرہ کتب میں معجزات کے ضمن میں مذکور ہیں۔

ثالثاً۔ چونکہ یہ ایک مسلمہ کلیہ ہے کہ متشابہ کی محکم اور مجمل کی مفصل و مبین روایات تفسیر و تشریح کرتی ہیں لہٰذا ان توضیحی روایات کے پیش نظر جو سابقہ اوراق میں بیان ہو چکی ہیں کہ ان الامام اذا اراد ان یعلم شیئا اعلمه الله۔ کہ امام جب کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں تو خدا انہیں بتلا دیتا ہے۔ ان روایات کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو اس وقت وہ اک طرح با آسانی اسے معلوم کر لیتے ہیں کہ گویا تمام دنیا ان کی نظر اقدس میں ایک اخروٹ کی مانند ہے یہ ایک استعارہ و کنایہ ہے کہ یہ بزرگوار از فرش تا عرش و از ثریا تا ثریٰ و از مشرق تا مغرب و از جنوب تا شمال غرضیکہ کائنات عالم کی جس چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ تو بہ اعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ ورنہ بعجلت الی یقول لا ادری۔ اس سے زیادہ اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی علمی عظمت و جلالت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اس سے ... گوشت کے ٹکڑے پر کوئی ایراد بھی عاید نہیں ہوتا کیونکہ کسی چیز کے عالم کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا بالفعل عالم ہو اور اس کی تمام جزئیات اس کے ذہن میں مستحضر ہوں بلکہ اس میں اس طرح کے ملکہ و استعداد کا ہونا کافی ہے کہ جب توجہ کرے تو معلوم کر لے چنانچہ معالم الاصول ص ۲۳ پر ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے والمراد بالعلم بالجمیع التہیؤ له وهو ان یکون عنده ما یکفیه فی استعلامه من المآخذ والشرائط واطلاق العلم علی مثل هذا التهیؤ شائع فی العرف فانه یقال فی العرف فلان یعلم النحو مثلاً ولا یراد ان مسائله حاضرة عنده علی التفصیل۔ یعنی سب اشیاء کے علم سے مراد یہ ہے کہ ان کے معلوم کرنے کا اس کے اندر ایسا ملکہ موجود ہے کہ جب بھی ان کے ماخذ و شرائط کے ساتھ معلوم کرنا چاہے تو معلوم کر لے اس قسم کی استعداد و آمادگی پر علم کا اطلاق عرف عام میں شائع ہے مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نحو کا عالم ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ نحو کے تمام مسائل بالفعل اس کے ذہن میں حاضر ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں ان مسائل کے معلوم کرنے کا ایسا ملکہ موجود ہے۔ کہ جب توجہ کرے تو معلوم کر سکتا ہے۔ وکفی فی سبیل النجاة هذا بیان للناس وهدی وموعظة للمتقین۔

ساتواں باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کا بیان

یہ مسئلہ کہ آیا انبیاء و ائمہ علیہم السلام عالم الغیب ہیں یا نہ؟ قدیم الایام سے بعض فرقہائے اسلام کے درمیان معرکۃ الآراء اور محلِ نقض و ابرام رہا ہے اور ہے طرفین سے اس کے متعلق اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لکھا جا رہا ہے اور اسی طرح لکھا جاتا رہے گا ولا یزالون مختلفین۔

صرف نزاع لفظی ہے

ہم نے جہاں تک اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر دل و دماغ کے ساتھ غور و خوض کیا ہے اور فریقین کے دلائل و براہین کا پوری دیانتداری اور غیر جانبداری سے جائزہ لیا ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ تمام بحث و مباحثہ درحقیقت صرف نزاع لفظی ہے یعنی فقط الفاظ کا ہیر پھیر و تحریر و تعبیر کا چکر ہے ورنہ حقیقت میں کوئی باہمی اختلاف و افتراق نہیں ہے۔

محل نزاع کی تعیین

غالباً اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ بجز ذات خداوندی اور کسی بھی مخلوق کو خواہ نبی ہو یا وصی، تمام مغیبات کا کلیۃً و جزئیۃً ازلاً و ابداً علم نہیں ہے۔ بالذات و بدون تعلیم اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح اس پر بھی قریباً سب کا اتفاق ہے کہ بعض خاصان خدا بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ بزرگوار فی الجملہ ماکان و مایکون کے عالم ہیں۔ بعد ازیں اختلاف صرف یہ ہے کہ جب بالاتفاق وہ مغیبات کثیرہ پر اطلاع رکھتے ہیں تو آیا ان کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہ؟ جو لوگ علمی اصطلاحات سے ناواقف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب یہ بزرگوار بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں تو پھر ان کو "عالم الغیب" کیوں نہ کہا جائے؟ اس لئے وہ ان پر لفظ "عالم الغیب" کا اطلاق کرتے ہیں۔ مگر جو علماء علمی اصطلاحات اور دیگر حقائق پر عمیق نگاہ رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ عالم الغیب صرف اسی ذات کو کہا جا سکتا ہے جس کا علم ذاتی ہو اس لئے وہ ان بزرگواروں کو "عالم الغیب" نہیں کہتے۔ ورنہ پہلی صورت منفی ہے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے اور دوسری صورت ثابت ہے اس پر بھی اتفاق ہے۔

علم غیب کی تعریف

اصل مقصد میں وارد ہونے اور اس پر دلائل و براہین پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علم غیب کی تعریف بیان کر دی جائے تاکہ اصل مقصد کے سمجھنے میں سہولت و آسانی ہو۔ مخفی نہ رہے کہ علم غیب کی تعریف میں شدید اختلاف ہے۔

پہلی تعریف۔ بعض علمائے اعلام نے غیب کی یہ تعریف کی ہے: کل ما لا یتناوله الحواس من الامور الکائنة

فی الحال او الماضی او الاستقبال (ترجمہ) ... یعنی وہ امور جو زمانہ حال یا ماضی یا زمانہ استقبال میں ہوں مگر انسانوں کے ظاہری حواس کی دسترس سے بالاتر ہوں۔" جناب آقائے شعرانی شارح علیہ الرحمہ کے قول "ولا یتناولہ الحواس" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "وبعضہ لا یدرکہ الحواس والعقول ... دقیقہ اخر وھو ان لا یکون طریق الیہ للعقل ... الغیب المبحوث عنہ فی ھذا الباب" یعنی یہاں ایک اور قید کا اضافہ کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ اس کے کہ سے ظاہری حواس درک نہ کر سکیں، عقل کی دسترس سے بھی بالاتر ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ و ملائکہ اگرچہ ظاہری حواس کی دسترس سے تو بالاتر ہیں مگر چونکہ عقل ان کے ادراک سے عاجز نہیں ہے اس لئے ان کی معرفت اس علم غیب میں شامل نہیں جو زیر بحث ہے۔ اسی طرح مختصر بیضاوی کی غیب کی درج ذیل تعریف سے جسے علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول ج ... ص ... نقل کیا ... درج کیا ہے جس سے ان کی اس پسندیدگی ظاہر ہوتی ہے کما ہی ... "والمراد بہ الخفی الذی لا یدرکہ الحس ولا تقتضیہ بدیھۃ العقل وھو قسمان قسم لا دلیل علیہ وھو المعنی بقولہ تعالیٰ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو وقسم نصب علیہ دلیل کالصانع وصفاتہ والیوم الآخر واحوالہ وھو المراد فی قولہ سبحانہ یؤمنون بالغیب" یعنی غیب اس پوشیدہ امر کو کہا جاتا ہے جسے نہ تو حواس درک کر سکیں اور نہ ہی بداہت عقل اس کا اقتضا کرے (یعنی نہ سمجھ سکے) اس غیب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کے معلوم کرنے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے یہی قسم مراد ہے خدا کے اس ارشاد سے کہ غیب کی کنجیاں بس خدا ہی کے پاس ہیں، اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہے جیسے خالق عالم کی ہستی، اس کے صفات، یوم آخرت اور اس کے حالات یہی قسم مراد ہے خدا کے اس ارشاد سے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔" بنا بریں تعریف ظاہر ہے کہ کسی بھی مخلوق کے علم کو سرے سے علم غیب کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے ان کے "عالم الغیب" ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کما لا یخفیٰ۔

دوسری تعریف

یہ کی گئی ہے: "الغیب ما غاب عن الحس، اما باعتبار زمان وقوعہ کالاشیاء الماضیۃ والآتیۃ او باعتبار مکان وقوعہ کالاشیاء الغائبۃ عن حواسنا فی وقتنا او باعتبار خفاء ذاتہ فی نفسہ کالقواعد التی لیست ضروریات ولا مستنبطہ منھا بالفکر" (مرآۃ العقول شرح اصول کافی للعلامۃ المجلسی ج [illegible]) یعنی غیب وہ ہے جو پوشیدہ ہو باعتبار زمانہ وقوع جیسے گزری ہوئی یا آنے والی چیزیں یا باعتبار مکان وقوع جیسے وہ اشیاء جو اس وقت دوری یا کسی مانع یا بسبب وجود حائل ہمارے حواس سے پوشیدہ ہیں یا باعتبار اپنی ذاتی خفاء پوشیدگی کے جیسے وہ قواعد جو نہ تو ضروری و بدیہی ہیں اور نہ ہی نظر و فکر کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔

وکذا فی مجمع البیان ج ... ص ... بالاختصار "اما الغیب فھو ما غاب عنک ولم تشھدہ"۔

اس تعریف کی بنا پر اگرچہ ... کا علم رکھنے والی ذوات مقدسہ کو بظاہر عالم الغیب کہا جا سکتا ہے مگر وہ ...

اور وجوہ جو بعد ازیں ذکر کیے جائیں گے اس اطلاق کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں:

علم غیب آیات قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس قسم کی بکثرت آیات وافی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کا صرف خداوند عالم کی ذات جامع جمیع صفات کمالیہ کے ساتھ مختص ہے ذیل میں بعض آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقة الا یعلمها (پ ۷ س الانعام ع ۱۳) "اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑکتا مگر وہ اُسے ضرور جانتا ہے" اس آیۂ مبارکہ کی علم غیب کے ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہونے پر واضح دلالت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جب غیب کے خزانوں کی کنجیاں ہی خدا کے پاس ہیں۔ تو وہی جس قدر چاہے اپنے بعض برگزیدگان کو اس میں سے عطا کر دے۔ (ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء)

(۲) عالم الغیب والشهادة وهو الحکیم الخبیر (پ ۷ س انعام ع ۱۵) "وہی غائب و حاضر سب کا جاننے والا ہے اور وہی دانا و واقف کار ہے" علامہ طبرسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "ای یعلم ما لا یشاهده الخلق وما یشاهدونه وما یعلمه الخلق وما لا یعلمونه لا یخفی علیه شیء من ذلک وهو الحکیم فی افعاله الخبیر بعباده وافعالهم (مجمع البیان ج ۲ ص [illegible]) یعنی خداوند عالم ان باتوں کو جانتا ہے جن کا مخلوق مشاہدہ نہیں کرتی۔ یا جن کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ جن کو مخلوق نہیں جانتی یا جانتی ہے وہ اپنے افعال میں صاحب حکمت اور اپنے بندوں اور ان کے اعمال سے باخبر ہے" اس سے معلوم ہوا کہ "عالم الغیب" خدائے لم یزل کا صفاتی نام ہے۔

(۳) ولله غیب السموات والارض والیه یرجع الامر کله فاعبده وتوکل علیه وما ربک بغافل عما تعملون (پ ۱۲ س یوسف ع ۱۰) "اور سارے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم خاص خدا ہی کو ہے۔ اور اسی کی طرف ہر کام پھر کر لوٹتا ہے تم اس کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس سے خدا بے خبر نہیں" اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں "معناه ولله علم ما غاب فی السموات والارض لا یخفی علیه شیء منه ووجدت بعض المشایخ ممن یتسم بالعدل والتشنیع علی الشیعة الامامیة فی هذا الموضع من تفسیره فقال هذا یدل علی ان الله سبحانه یختص بعلم الغیب خلافا لما تقول الرافضة ان الائمة یعلمون الغیب ولا شک انه عنی بذلک من یقول بامامة الاثنی عشر ویدین بانهم افضل الانام بعد النبی فان هذا دابه ودیدنه فیهم یشنع فی مواضع کثیرة من کتابه علیهم وینسب الفضائح والقبائح الیهم ولا نعلم احدا منهم استجاز الوصف بعلم الغیب لاحد من الخلق فانما یستحق الوصف بذلک من یعلم جمیع المعلومات لا بعلم مستفاد وهذه صفة القدیم سبحانه العالم لذاته لا یشرکه فیه احد من المخلوقین ومن اعتقد ان

غیر اللہ سبحانہ یشرکہ فی ھذہ الصفۃ فہو خارج عن ملۃ الاسلام الی ان قال الی غیر ذلک مما روی عنہم ھذہ الاخبار المشہورۃ الی ان یعتقد کونہم عالمین بالغیب وھل ھذا الا سب صریح وتضلیل لہم وتکفیر لا یرتضیہ من ہو بالمذہب خبیر واللہ یحکم بینہ وبینہم والیہ المصیر (مجمع البیان ج ۳ ص ۳۶۰) میں نے بعض شارحین کو دیکھا ہے جو کہ ظلم و زیادتی اور طعن و تشنیع کرنے کے عادی ہیں انہوں نے اس مقام پر بھی شیعہ امامیہ پر ظلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس سے رافضیوں کے نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہ علم غیب رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ اس ظالم کی رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل ہیں اور ان کو آں حضرتؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل جانتے ہیں کیونکہ اس شخص کا رویہ یہی ہے کہ اپنی کتاب میں کئی مقامات پر ان کو اسی لقب کے ساتھ یاد کر کے ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور تمام شناعتیں و قباحتیں ان کی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ ہمیں کوئی ایک شیعہ بھی ایسا معلوم نہیں جس نے کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو کیونکہ اس وصف (عالم الغیب) کا مستحق وہ ہوتا ہے جو تمام معلومات کو اپنے ذاتی علم کے ذریعہ جانتا ہو نہ علم مستفاد کے ساتھ اور یہ خدائے قدیم کی صفت ہے جس کا علم بالذات ہے اس وصف میں اس کی کوئی بھی مخلوق اس کی شریک نہیں ہے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کوئی مخلوق اس وصف میں خدا کے ساتھ شریک ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے جن اخبار میں ائمہ کے بعض اخبار بالغیب نقل کئے ہیں یہ سب جناب رسول خداؐ سے حاصل کردہ ہیں جن پر خدائے عالم ان کو مطلع کرتا تھا لہذا یہ کہنا بالکل بے معنی ہے کہ جن علماء نے یہ واقعات درج کئے ہیں وہ ائمہؑ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں یہ قول کو (ا) کھلی ہوئی گالی دینا ہے اور ان کو گمراہ قرار دینا بلکہ ان کی تکفیر کرنا ہے جسے کوئی بھی مذہب سے واقف شخص پسند نہیں کر سکتا خدا اس نسبت دینے والے اور ان علماء کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

(۲) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون (پ ۲۰ ع ۱)

"اے رسول ان سے کہہ دو کہ جتنے لوگ آسمان و زمین میں ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات خدا کے سوا نہیں جانتا۔ اور وہ یہ بھی تو نہیں سمجھتے کہ قبر سے دوبارہ کب زندہ اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے" علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں "قل یا محمدؐ لا یعلم من فی السموات والارض من الملائکۃ والانس والجن الغیب وھو ما غاب علمہ عن الخلق مما یکون فی المستقبل الا اللہ وحدہ او من اعلمہ (مجمع البیان ج ۵ ص ۲۳۴) اے محمدؐ ان لوگوں سے کہہ دو کہ سوائے خدا یا اس کے جسے خدا جو مقدار بتادے اور کوئی بھی آسمان و زمین والی مخلوق غیب نہیں جانتی خواہ ملائکہ ہوں یا انسان یا جن۔ اور غیب سے مراد زمانہ مستقبل میں رونما ہونے والے وہ امور ہیں جن کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے۔

عالم ربانی ملا محسن فیض کاشانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "فی نہج البلاغۃ (ج ۲ ص ۵ طبع مصر) ان امیر المومنین اخبر یوما ببعض الامور التی لم یأت بعد فقیل لقد اعطیت علم الغیب فضحک وقال لیس ھو بعلم غیب وانما

هو تعلّم من ذی علم وانما علم الغیب علم الساعة وما عدّده اللہ سبحانہ بقولہ ان اللہ عندہ علم الساعة الآیة فیعلم سبحانہ ما فی الارحام من ذکر او انثی، وقبیح او جمیل وسخی او بخیل وشقی او سعید ومن یکون للنار حطباً او فی الجنان للنبیین مرافقاً فهو علم الغیب الذی لا یعلمہ الا اللہ وما سوی ذلک فعلم علمہ اللہ نبیہ فعلمنیہ ودعا لی بان یعیہ صدری وتضطم علیہ جوانحی (تفسیر صافی ص ۲۰۳) یعنی جب ان جناب امیر علیہ السلام نے بعض ان امور کی خبر دی جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے آپ سے بعض اصحاب نے عرض کیا۔ آپ کو تو علم غیب عطا کیا گیا ہے۔ آنجناب ہنسے اور فرمایا یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ یہ تو صاحب علم سے حاصل کی ہوئی باتیں ہیں علم غیب تو دراصل قیامت اور ان پانچ چیزوں کا علم ہے جن کو خدا نے عز وجل نے اس آیت میں شمار کیا ہے ان اللہ عندہ علم الساعة الخ یعنی خدا ہی کے پاس وقت قیامت کا علم ہے پس خدا ہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، لڑکا ہے یا لڑکی خوبصورت ہے یا بدصورت، سخی ہے یا بخیل شقی ہے یا سعید؟ آیا کون آتش جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اور کون جنت میں انبیاء کا رفیق ہو گا یہ ہے وہ علم غیب جسے خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس کے سوا جو ہے وہ خدا نے اپنے نبی آخر الزمان کو بتا دیا ہے اور آنحضرت نے مجھے اس کی تعلیم دے دی ہے اور میرے لئے دعا فرمائی ہے کہ میرا سینہ اسے یاد رکھے۔ اور میرے پہلو اس پر منضم و محیط رہیں۔ حضرت امیر المومنین کے اس کلام معجز نظام سے جہاں علم غیب کی تفصیل معلوم ہو گئی وہاں یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ "علم مستفاد" جو کسی اور سے خواہ خدا سے ہی کیوں حاصل کیا جائے اسے "علم غیب" نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ ہے جو ان حقائق سے ماتقدم ثابت ہو جاتا ہے

(۵) وقال الذین کفروا لا تأتینا الساعة قل بلی وربی لتأتینکم عالم الغیب لا یعزب عنہ مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر تو قیامت آنے ہی کی نہیں۔ اے رسول تم کہدو ہاں ہاں مجھ کو اپنے اس عالم الغیب پروردگار کی قسم ہے جس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمان میں چھپی ہے۔ اور نہ زمین میں قیامت ضرور آئے گی۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں "مدح اللہ نفسہ بانہ یعلم ما غاب عن العباد علمہ مما هو کائن او سیکون ولم یوجد بعد" (مجمع البیان ج ۸ ص ۳۷۸) یعنی خداوند عالم نے اپنی ذات کی مدح و ثنا فرمائی ہے کہ وہ ان ہونے والے واقعات و حادثات کو جو خلقت جن کا علم بندوں سے پوشیدہ ہے جانتا ہے ظاہر ہے کہ یہ مدح و ثنا اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ پوری کائنات میں اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہ ہو۔

(۶) ان اللہ عالم غیب السموات والارض انہ علیم بذات الصدور (پ ۲۲ س فاطر ع ۵) بے شک خدا سارے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں سے خوب واقف ہے۔ وہ یقینی دلوں کے پوشیدہ رازوں سے باخبر ہے۔ مفسر طبرسی لکھتے ہیں "لا یخفی علیہ شیء مما یغیب عن الخلائق علمہ انہ علیم بذات الصدور فلا تضمروا

فی انفسکم ما یکرھہ سبحانہ عالم بما فی قلوبکم (مجمع البیان ج ۲ ص ۳۰۰ کذا فی تفسیر الصافی بالاستعارہ ص ۴۳) جن چیزوں کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے خدا پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے چونکہ وہ دلوں کے رازسے واقف ہے اس لئے تم دل میں بھی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہ رکھو جسے خدا ناپسند سمجھتا ہو کیونکہ وہ اس سے باخبر ہے۔"

(۲) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی (پ سورۂ انعام ع ۵) (اے رسول) ان سے کہہ دو میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (کہ ایمان لانے پر دیدوں گا) اور نہ میں غیب کے حالات جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں تو میں تو جو (خدا کی طرف سے) میرے پاس وحی کی جاتی ہے اسی کا پابند ہوں۔" (ترجمہ فرمان) مفسر جلیل طبرسی مجمع البیان ج ۱ ص ۳۰۳ پر "ولا اعلم الغیب" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الذی یختص اللہ بعلمہ وانما اعلم قدر ما یعلمنی اللہ من امر البعث والنشور والجنۃ والنار وغیر ذلک" یعنی میں وہ علم غیب نہیں جانتا جس کا جاننا خدا کے ساتھ مختص ہے۔ ہاں میں تو اتنی مقدار جانتا ہوں جتنی خدا مجھے بتاتا ہے۔ جیسے بعث و نشور اور جنت وجہنم وغیرہ کے حالات (کذا فی الصافی ص ۱۵۵) آیا اس اعلان رسول کو سن کر بھی کسی کلمہ گو کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نفی غیب کی بجائے اثبات غیب کا اعتقاد رکھے جبکہ صادق رسولؐ نے کس وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ کہ میں غیب نہیں جانتا۔

(۳) نیز آں حضرتؐ کی زبانی قرآن میں مذکور ہے۔ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یؤمنون (پ ۹ سورۂ اعراف ع ۲۳) اور اگر (بغیر خدا کے بتائے) غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو صرف ایماندار لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۱ ص ۳۹۶ پر اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ولا اعلم الغیب الا ما شاء اللہ ان یعلمنیہ ولو کنت اعلم الغیب لاخترت من السنۃ المخصبۃ للسنۃ المجدبۃ ولاشتریت وقت الرخص لوقت الغلاء وما مسنی السوء ای ما اصابنی الضر والفقر وقیل وما مسنی سوء من جہۃ الاعداء لانی کنت اعلم ذلک فاتحرز منہ" یعنی میں علم غیب نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا خدا مجھے تعلیم دیتا ہے۔ اگر میں غیب دان ہوتا تو خوشحال سال میں بدحال سال کے لئے ذخیرہ جمع کر لیتا۔ اور بوقت ارزانی وقت گرانی کے لئے ضروریات زندگی خرید کر رکھ لیتا۔ اور مجھے کبھی فقر و فاقہ یا کوئی دوسری تکلیف نہ پہنچتی۔ اس سورہ کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مجھے کبھی کسی دشمن کی طرف سے کبھی کوئی گزند نہ پہنچتی کیونکہ میں غیب دان ہونے کی صورت میں اس سے اجتناب کرتا۔" لیکن ما ادری ما یفعل بی ولا بکم۔ "مجھے معلوم نہیں کہ آئندہ مجھے کیا کیا امور پیش آنے والے ہیں اور تمہیں کیا کیا۔" اس سے بڑھ کر اور کن واضح و آشکار الفاظ سے اس حقیقت کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ علم غیب نہیں

جانتے۔ اگرچہ سرور انبیاءؐ سے اس کی نفی سے دوسرے تمام مفضول انبیاءؑ و اوصیاء سے بطریق اولیٰ اس کی نفی ہو جاتی ہے مگر مزید اطمینان کے لئے ذیل میں دوسرے چند انبیاء علیہم السلام کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے

(۹) ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب (پ ۱۲ س ہود ع ۳) خداوند عالم نے جناب نوحؑ کا یہ قول قرآن مجید میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا "اور میں تو تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں اور نہ (یہ کہتا ہوں کہ) میں غیب دان ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں" جب آنحضرتؑ خود اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو کیا کوئی کلمہ گو آپ کی تکذیب کرنے کی جسارت کر سکتا ہے؟

(۱۰) ولقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشری قالوا سلاما قال سلام فما لبث ان جاء بعجل حنیذ فلما رآ ایدیھم لا تصل الیہ نکرھم واوجس منھم خیفۃ قالوا لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط (پ ۱۲ س ہود ع ۷) اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ اور انہوں نے (ابراہیمؑ کو) سلام کیا اور (ابراہیمؑ نے) سلام کا جواب دیا۔ پھر ابراہیمؑ بلا توقف ایک بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے (اور ساتھ کھانے بیٹھے) پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے تو ان کی طرف سے بدگمان ہوئے اور جی ہی جی میں [illegible] ڈر گئے (اس کو وہ فرشتے سمجھے) اور کہنے لگے آپ ڈریئے نہیں۔ ہم تو قوم لوط کی طرف (ان کی سزا کے لئے) بھیجے گئے ہیں" یہ تیسرا واقعہ ہے جو بعبارۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ غیب نہیں جانتے تھے۔ ورنہ [illegible] اخفاء و تنظارہ ہوتا نہ بچھڑا ذبح کرکے بھونا ہوا گوشت لانے کا تردد کرتے۔ اور پھر [illegible] ان کے ہاتھ [illegible] اس کی طرف نہ بڑھتا ہوا دیکھ کر (جو اس وقت کے دستور کے مطابق برے ارادہ اور عداوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) خوف و ہراس محسوس کرتے جب فرشتوں نے خود حقیقت حال سے ان کو آگاہ کیا تب پتہ چلا۔

(۱۱) ولما جاءت رسلنا لوطا سیئ بھم وضاق بھم ذرعا وقال ھذا یوم عصیب (پ ۱۲ س ہود ع ۷)۔

"اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (لڑکوں کی صورت میں) لوط کے پاس آئے تو ان کے خیال سے رنجیدہ ہوئے۔ اور ان کے آنے سے تنگ دل ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ یہ (آج کا دن) سخت مصیبت کا دن ہے" اس سے اگلی آیات میں اس واقعہ کی تفصیلات مذکور ہیں کہ جب ان کی کمبخت قوم کو ان کی آمد کا علم ہوا۔ تو وہ خلاف فطرت برے فعل کے ارادہ سے چڑھ دوڑے۔ جناب لوطؑ نے اپنے معزز مہمانوں کی عزت و آبرو بچانے کے لئے ان کو بہت کچھ دہائی دی۔ بہت سراسیمہ ہوئے تب ان آنے والے نیکوکار مہمانوں نے یہ کہہ کر ان کی گھبراہٹ دور کی۔ قالوا یلوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک۔ وہ فرشتے بولے۔ اے لوطؑ! ہم پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں (تم گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ تم تک ہرگز دسترس نہیں پا سکتے" اس قرآنی قصہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جناب لوطؑ غیب دان نہ تھے۔

(۱۲) حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر میں ہدہد کو نہیں پاتے تو گھبرا کر فرماتے ہیں مالی لا اری الھدھد ام کان من

الغائبین۔ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو یہاں نہیں دیکھتا (یا واقعہ میں) وہ کہیں غائب ہے۔" پھر ہدہد آکر یہ کہتا ہے جس کی خدائے تعالیٰ اور جناب سلیمان نے تکذیب نہیں فرمائی۔ احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبا بنبا یقین (پ۱۹ س نمل ع ۱۸) تو اس نے عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی جو اب تک حضور کو بھی معلوم نہیں ہے اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں۔ چنانچہ جناب سلیمانؑ ہدہد کے قول کی صداقت معلوم کرنے کے لئے اپنا ایک دفعہ بھیجتے ہیں۔ (سننظر اصدقت ام کنت من الکاذبین) "غرض سلیمانؑ نے کہا کہ ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے" اس کی صداقت ظاہر ہونے کے بعد پھر اسی ہدہد سے پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں۔ الیٰ آخر القصہ جو سورہ النمل پارہ ۱۹ اور رکوع ۱۸ میں بالتفصیل مذکور ہے۔ اس قرآنی واقعہ صادقہ سے صاف ظاہر ہے کہ جناب سلیمانؑ غیب نہیں جانتے تھے۔"

(۳) تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا فاصبر ان العاقبۃ للمتقین۔ (پ۱۲ س ہود ع ۴) "اے رسولؐ یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے قبل نہ تم جانتے تھے۔ اور نہ تمہاری قوم ہی (جانتی تھی) تو تم صبر کرو۔ اس میں شک نہیں کہ آخرت (کی خوبیاں) پرہیزگاروں ہی کے واسطے ہیں۔" یہ آیت مبارکہ جس طرح صراحت سے ہمارے دعویٰ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔

(۴) عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا۔ الا من ارتضیٰ من رسول الآیۃ (پ۲۹ س جن ع ۱۲) "(وہی) غیب داں ہے اور اپنی غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا۔ مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔" (ترجمہ فرمان) جناب امین الاسلام طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص ۳۷۳ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا ای لا یطلع علی الغیب احدا من عبادہ ثم استثنیٰ فقال الا من ارتضیٰ من رسول یعنی الرسل فانہ یستدل علی نبوتھم بان یخبروا بالغیب لتکون آیۃ معجزۃ لھم ومعناہ ان من ارتضاہ واختارہ للنبوۃ فانہ یطلع علی ما شاء من غیبہ علی حسب ما یراہ من المصلحۃ" یعنی خدا اپنے غیبیات پر اپنے بندوں میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ پھر استثنا کرتے ہوئے فرمایا ہاں مگر رسولوں میں سے جسے منتخب کرلے۔ تاکہ ان کی غیبی خبر دینے سے ان کی نبوتوں پر استدلال کیا جا سکے اور یہ خبر دہی ان کے لئے معجزہ قرار پائے۔ مطلب یہ ہے کہ جسے خدا نبوت کے لئے منتخب کرتا ہے۔ اسے حسب مصلحت غیب کی بعض باتوں پر مطلع کر دیتا ہے۔"

جناب شیخ الطائفہ تفسیر تبیان ج ۱۰ ص ۱۵۵ پر اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "الا من رسول فانہ ربما اطلعہ علی ما غاب عن غیرہ من الخلائق بان یوحی الیھم ما شاء من الغیب یعنی خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے کیونکہ ان کو بسا اوقات بذریعہ وحی بعض ایسے امور پر مطلع کر دیتا

ہے جو دوسری مخلوق سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

تفسیر صافی ص۲۴۵ پر اس آیہ مبارکہ کی تفسیر بحوالہ کتاب الخرائج والجرائح حضرت امام رضاؑ سے یوں مروی ہے فرمایا فرسول اللہ مرتضیٰ ونحن ورثۃ ذلک الرسول الذی اطلعہ اللہ علی ما یشاء من غیبہ فعلمنا ما کان وما یکون الی یوم القیامۃ۔ پس جناب رسول خداؐ من جانب اللہ مرتضیٰ و منتخب ہیں اور ہم اس رسولؐ کے وارث ہیں جس کو خدا نے حسب مشیت اپنے بعض غیوب پر مطلع کیا ہے۔ اس لئے ہم ماکان وما یکون الی یوم القیامۃ کا علم رکھتے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام باعلام اللہ تو بعض غیوب پر مطلع ضرور ہوتے ہیں مگر پھر بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کو "عالم الغیب" کہنا صحیح ہے، کچھ وجوہ ذکر ہو چکی ہیں اور بعض بعد میں بیان کی جائیں گی۔ منہ

من مفسرین کرام نے بھی ایسا ہی افادہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (پ ۴ س آل عمران ع ۱۸) اور خدا ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی باتیں بتا دے۔ مگر ہاں خدا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب بتانے کے واسطے) چن لیتا ہے" (ملاحظہ ہو تفسیر تبیان ج ۳ ص ۴۲ مجمع البیان ج ۱ ص ۵۴۳ صافی ص ۹۰) ان دونوں آیات مبارکہ سے ایک مخصوص اسلامی فرقہ (وہابیہ) کے خیال کا بھی ابطال ہو جاتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کوئی بھی مخلوق خواہ نبیؐ ہو یا امامؑ قطعاً علم غیب پر مطلع نہیں۔ نہ بالذات اور نہ بتعلیم اللہ۔ ان آیات مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نظریہ سراسر تفریط پر مبنی ہے۔ اور صرف بعض آیات پر نگاہ کرنے کا نتیجہ ہے بلکہ کسی بھی مسئلہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کلیہ کے تحت جب اس مسئلہ کے تمام اطراف پر نظر غائر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے انبیاء و ائمہ علیہم السلام بتعلیم اللہ وہبی ولدنی طور پر بہت سے غیوب پر مطلع ہیں لیکن بایں ہمہ ان پر لفظ "عالم الغیب" کا اطلاق نہ کرنا چیزے دیگر است۔ فتدبر۔

علم غیب ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں

نبی و ائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے کی نفی پر جناب... تنہا نہیں بلکہ متواترہ موجود ہیں۔ سب کے استقصاء کی یہاں گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔ اس لئے چند روایات شریفہ پیش کی جاتی ہیں۔ فاستمع لما یتلیٰ علیک

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو سابقہ آیات کے سلسلہ میں درج ہو چکا ہے۔ اس قول کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے جس کا قائل خاتم الانبیاءؐ اور ہادی خود خدا ہو۔

(۲) جناب امیر علیہ السلام کا اس سلسلہ میں ایک ارشاد نہج البلاغہ ص ۲۰۵ مطبوعہ مصر کے حوالہ سے سطور بالا

جو حدیث نمبر ۵ کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے جس میں آنجناب نے علم غیب کی تقسیم وضاحت اور دلائل کے ساتھ اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ دوسرا فرمان ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) جناب اصبغ بن نباتہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ان للہ علمین علم استأثر بہ فی غیبہ فلم یطلع علیہا نبیا من انبیائہ ولا ملکا من ملائکتہ وذلک قول اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ------ وله علم قد اطلع علیه ملائکته فقد اطلع علیه محمد وآلہ فقد علمہ علیہ ... الکبیر منا والصغیر الی ان تقوم الساعۃ (بصائر الدرجات ص۱۱۱ طبع ...)

خلاصہ یہ کہ خدا کے دو علم ہیں، ایک وہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جس پر اس نے نہ کسی نبی کو مطلع کیا ہے اور نہ کسی فرشتہ کو چنانچہ فرماتا ہے خدا کے پاس ہے قیامت کا علم ... اور دوسرا وہ ہے جس پر اس نے فرشتوں کو مطلع کیا ہے اس علم پر محمد وآل محمد علیہم السلام کو بھی مطلع کیا ہے اسی پر ہمیں ... ہم سب چھوٹے بڑے جانتے ہیں۔

(۳) امام ... علیہ السلام سے دریافت کیا گیا ایعلمون الغیب؟ کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ آنجناب جواب میں حضرت محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یبسط لنا العلم فنعلم ویقبض عنا فلا نعلم (جب ہمارے لئے علم کشادہ کیا جاتا ہے تو جانتے ہیں۔ اور جب (در علم) بستہ کر دیا جاتا ہے تو نہیں جانتے (اصول کافی ج۱) اصول کافی کے اسی صفحہ پر علم غیب کے متعلق ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب نادر فیہ ذکر الغیب" اس باب میں چار روایات مبارکہ مذکور ہیں۔ ایک تو یہی ہے جو ابھی بیان کی گئی ہے۔ ذیل میں مزید چند روایات درج کی جاتی ہیں۔

(۴) سدیر بیان کرتے ہیں کہ میں، ابوبصیر، یحییٰ بزاز اور داؤد بن کثیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ اذ خرج الینا وھو مغضب فلما اخذ مجلسہ قال یا عجبا لاقوام یزعمون انا نعلم الغیب ما یعلم الغیب الا اللہ عزوجل لقد ہممت بضرب جاریتی فلانۃ فھربت منی فما علمت فی ای بیوت الدار ھی (الخ) جناب اپنے دولت کدہ سے غضبناک حالت میں برآمد ہوئے جب اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گئے تو فرمایا۔ تعجب ہے ان لوگوں سے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم کے سوا کوئی غیب دان نہیں ہے۔ میں نے اپنی فلاں کنیز کو کسی جرم پر مارنا چاہا! تو وہ بھاگ کر گھر کے کسی کونے میں چھپ گئی۔ اب معلوم نہیں کہ وہ کس کمرے میں ہے (اصول کافی ص ۱۲۳)

اس روایت کے آخر میں امام عالی مقام کے جلال اور کنیز ہونے کا تذکرہ موجود ہے۔ گرچہ آپ نے اس قصہ میں اپنی ذات سے علم غیب کی نفی فرما کر اسے ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ثابت کر دیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت حدیث ۵ کے ضمن میں آرہی ہے۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا جاتا ہے "الامام یعلم الغیب" کیا امام غیب جانتا ہے؟ آپ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں "لا" نہیں۔ پھر فرمایا۔ ولکن اذا اراد ان یعلم الشئ اعلمہ اللہ تعالیٰ ذالک لیکن جب وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو فوراً خدا انہیں بتا دیتا ہے۔ (اصول کافی ص۱۳۲) امام کے اس فرمان سے واضح ہو گیا۔ کہ امام کا علم توجہ و ارادہ کا محتاج ہے۔ جیسا کہ پچھلے باب میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ اگر توجہ فرمائیں تو یہ فرماتے ہیں: انی لاعلم ما فی السموات وما فی الارض واعلم ما فی الجنۃ واعلم ما فی النار واعلم ما کان واعلم ما یکون۔ کا ارشاد امام جعفر صادقؑ میں وہ جانتا ہوں جو آسمانوں میں ہے میں وہ بھی جانتا ہوں جو زمین میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو جنت میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو جہنم میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو گذر چکا ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو آنے والا ہے۔

اور جب توجہ نہ فرمائیں تو یہی امامؑ فرماتے ہیں میں نے اپنی کنیز کو مارنا چاہا مگر وہ بھاگ کر گھر کے کسی حصہ میں چھپ گئی۔ اب معلوم نہیں وہ کس کونے میں ہے۔ (اصول کافی ص۱۳۲) سچ ہے۔ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

(۲) مذکورہ بالا واقعہ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے کہ حسب معمول دعویٰ سلونی فرمایا۔ تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا امیر المومنین این جبرئیل فی ھذا الوقت۔ اس وقت جبرئیل کہاں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا۔ "دعنی انظر" مجھے اتنی مہلت دو کہ دیکھ لوں"۔ راویان اخبار کا بیان ہے کہ بعد ازاں آنجنابؑ نے ایسا کیا۔ کہ "فنظر الی فوق و الی الارض یمینہ و یسارہ" اوپر نیچے، دائیں اور بائیں دیکھا۔ اس کے بعد فرمایا۔ "انت جبرئیل" تو ہی جبرئیل ہے۔ یہ شخص جو جبرئیل تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے پروں سے سقف مسجد کو شگافتہ کرتے ہوئے آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور آنجنابؑ کی خدمت عرض کیا کہ مولا! آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ جبرئیل ہیں؟ فرمایا انی لما نظرت الی السماء فبلغ نظری الی ما فوق العرش و الحجب ولما نظرت الی الارض خرق بصری طبقات الارض الی الثری ولما نظرت یمنۃ و یسرۃ رأیت ما خلق اللہ ولم ار جبرئیل فی ھذہ المخلوقات فعلمت انہ ھو۔ میں نے جب آسمان کی جانب نگاہ کی تو وہ عرش و حجاب ہائے قدرت سے بھی پار ہو گئی۔ جب زمین کی طرف نظر کی۔ تو وہ زمین کے طبقوں کو چیرتی ہوئی تحت الثریٰ تک پہنچ گئی۔ اور جب دائیں بائیں نگاہ کی تو تمام مخلوق خدا کو دیکھ لیا۔ اور جب اس پوری کائنات میں کہیں بھی جبرئیل کو نہ دیکھا۔ تو یقین ہو گیا کہ یہی رسائل جبرئیل ہیں (انوار نعمانیہ ص۲۱) اس سے جہاں ہمارے دعویٰ کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے کہ امام کا علم توجہ اور التفات کا محتاج ہوتا ہے وہاں ان لوگوں کے اس گمان کا بطلان بھی واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ پورے عالم امکان کا ذرہ ذرہ ہر وقت امام کے سامنے اس طرح حاضر ہے

جس طرح ہاتھ کی ہتھیلی۔ یا جیسے ہاتھ پر اخروٹ، یا جیسے آنکھوں کے سامنے دسترخوان بنا بریں ثبوت جن روایات میں یہ وارد ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ جب کسی شے کے معلوم کرنے کی طرف توجہ اور ارادہ کریں تو باعلام اللہ اس طرح آسانی سے معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف نگاہ کرتا ہے اس مطلب کی کماحقہ توضیح پچھلے باب میں کی جا چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

(۸) رجال کشی میں اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں۔ مثلاً اس کے ص۲۰۱ طبع بمبئی پر لکھا ہے۔ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے عنبسہ بن مصعب سے دریافت کیا کہ تم نے ابو الخطاب (غالی) سے کیا کچھ سنا ہے؟ عنبسہ نے عرض کیا وہ یہ کہتا ہے کہ "انک تعلم الغیب" آپ علم غیب جانتے ہیں۔ الخ ۔۔۔ آنجناب نے اس کی یہ لغو باتیں سن کر ان کی رد کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ اما قوله انی اعلم الغیب فواللہ الذی لا الہ الا هو ما اعلم الغیب ولا آجرنی اللہ فی امواتی ولا بارک لی فی احیائی ان کنت قلت له الخ ۔۔۔ (یعنی) ابو الخطاب کا یہ کہنا کہ میں علم غیب جانتا ہوں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں علم غیب نہیں جانتا۔ خدا مجھے اپنے مرنے والوں کا اجر نہ دے اور نہ زندوں میں برکت دے اگر میں نے اس سے یہ بات کہی ہو کہ میں غیب جانتا ہوں) (کذا فی تنقیح المقال طبع ثانی ج ۳ ص۱۹۰)

(۹) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے مجلد ہفتم بحار ص۱۰۳ طبع تبریز ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے "وانهم علیهم السلام لا یعلمون الغیب ومعناه" الخ اس باب میں انہوں نے چھ عدد روایات شریفہ درج فرمائی ہیں جن کا ماحصل یہی ہے کہ ائمہ اطہار علم غیب نہیں جانتے صرف یہاں ایک روایت درج کی جاتی ہے یحییٰ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا جعلت فداك انهم یزعمون انك تعلم الغیب میں آپ پر قربان ہوں کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ غیب جانتے ہیں۔ فقال سبحان اللہ ضع یدك علی راسی فواللہ ما بقیت شعرة فیه ولا فی جسدی الا قامت ثم قال لا واللہ ما هی الا وراثة عن رسول اللہ (بحار ج ۷ ص۱۰۳ کذا فی امالی الشیخ المفید ص۱۵ طبع نجف و رجال کشی ص۱۹۳ ومصابیح المراجعة ج ۲ ص۲۱ وغیرہ) فرمایا سبحان اللہ۔ ذرا میرے سر پر ہاتھ تو رکھو۔ خدا کی قسم میرے سر اور جسم پر کوئی ایسا بال نہیں باقی رہا جو یہ بات سن کر کھڑا نہ ہو گیا ہو۔ پھر فرمایا نہ بخدا (ہم) غیب نہیں جانتے، یہ جو کچھ ہے۔ صرف جناب رسول خدا کی وراثت اور نقل روایت ہے۔ اس حدیث شریف سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو علم ذاتی نہ ہو بلکہ کسی اور ذات سے حاصل کیا ہوا ہو۔ وہ فی الحقیقت علم غیب ہے ہی نہیں۔ علم غیب صرف وہی ہے جو عالم کا بالذات ہو۔ اس لئے کسی مخلوق کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ بظاہر اسی وجہ سے ائمہ اطہار نے بڑے شد و مد کے ساتھ اپنی ذات مقدسہ سے اس کی نفی فرمائی ہے۔ کیونکہ اس کے اثبات سے علم ذاتی کا اثبات اور علم پروردگار کا انکار لازم آتا ہے۔

(۱) ابو اسامہ بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ تم بتلاؤ کیا میں تمہیں خبر نہ دوں بخمسۃ لم یطلع اللہ علیہا احداً من خلقہ قلت بلیٰ قال ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غداً وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔ مجھ سے بیان فرمایا جب نے فرمایا کیا تمہیں ان پانچ چیزوں کے متعلق خبر نہ دوں۔ جن پر خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو مطلع نہیں فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ ضرور۔ فرمایا ان اللہ عندہ علم (پ ۲۱ س لقمان ع ۴) والی آیت مبارکہ پڑھ دی جس کا ترجمہ یہ ہے بے شک خدا ہی کے پاس قیامت کے آنے کا علم ہے وہی جب موقع مناسب دیکھتا ہے پانی برساتا ہے۔ اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نر و مادہ) ہے جانتا ہے۔ اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا۔ بے شک خدا سب باتوں سے آگاہ خبردار ہے (ترجمہ فرمان)

(۲) نیز آنجناب سے اس آیت مبارکہ کے متعلق مروی ہے (بحار ج ۷ ص ۳۲۱ کتاب الخصال ج ۱ ص) فرمایا "ھذہ الخمسۃ اشیاء لم یطلع علیہا ملک مقرب ولا نبی مرسل وھی من صفات اللہ" یعنی یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن پر (تفصیل و تحقیق کے ساتھ) خدا نے نہ کسی ملک مقرب کو مطلع کیا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو (تفسیر صافی ص ۴۹۵)

(۳) احتجاج طبرسی ص ۲۴۵ طبع نجف اشرف پر حضرت امام العصر والزمان کی ایک توقیع شریف موجود ہے جس میں آپ فرماتے ہیں یا محمد بن علی تعالیٰ اللہ عزوجل عما یصفون سبحانہ وبحمدہ لیس نحن شرکائہ فی علمہ ولا فی قدرتہ بل لا یعلم الغیب غیرہ کما قال فی محکم کتابہ تبارکت اسمائہ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وانا وجمیع آبائی من الاولین آدم ونوح وابراہیم وموسیٰ وغیرہم من النبیین ومن الآخرین محمد رسول اللہ وعلی ابن ابی طالب وغیرہم ممن مضیٰ من الائمۃ صلوات اللہ علیہم اجمعین الی مبلغ ایامی ومنتہی عصری عبید اللہ عزوجل یقول اللہ عزوجل ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا الآیۃ یا محمد بن علی قد آذانا جہلاء الشیعۃ وحمقائہم ومن دینہ جناح البعوضۃ ارجح منہ فاشہد اللہ الذی لا الہ الا ہو وکفیٰ بہ شہیداً ورسولہ محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وملائکتہ وانبیائہ واولیائہ علیہم السلام واشہدک واشہد کل من سمع کتابی ہذا انی بریٔ الی اللہ والی رسولہ ممن یقول انا نعلم الغیب او نشارکہ فی ملکہ او یحلنا محلا سوی المحل الذی رضیہ اللہ لنا وخلقنا لہ او یتعدیٰ بنا عما قد فسرتہ لک وبینتہ فی صدر کتابی واشہدکم ان کل من نتبرأ منہ فان اللہ یبرأ منہ وملائکتہ ورسلہ واولیائہ وجعلت ہذا التوقیع الذی فی ہذا الکتاب امانۃ فی عنقک وعنق من سمعہ ان لا یکتمہ من احد من موالی وشیعتی حتی یظہر علی

هذا التوقيع الكل من موالي لعلي الله عز وجل يتلا فاهم فيرجعون الى دين الله الحق وينتهون عما لا يعلمون منتهي امره ولا يبلغ منتهاه فكل من فهم كتابي ولا يرجع الى ما قد امرته ونهيته فقد حلت عليه اللعنة من الله وممن ذكرت من عباده الصالحين۔

"اے محمد بن علی دمری! یہ جاہل لوگ جو کچھ اللہ کی وصف کرتے ہیں، وہ اس سے بلند و برتر ہے۔ ہم تو اس کے علم میں اس کے شریک ہیں اور نہ قدرت میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا جیسا کہ وہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے (اے رسول کہہ دو) سوائے خدا کے زمین و آسمان والی کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ میں اور میرے تمام آباؤ اولین جیسے حضرت آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ وغیرہم من النبیین اور آباؤ آخرین جیسے جناب رسول خدا و علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین جو میرے وقت تک ہوئے ہیں سب کے سب خدائے عز و جل کے بندے ہیں۔ خدا کا ارشاد ہے جو شخص بھی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا، اس کے لئے تنگ زندگی ہے۔ اے محمد بن علی دمری! ہمیں جاہل، احمق اور ایسے تمام نادان شیعوں نے جن کے دین و اعتقاد سے مچھر کا پر بھی زیادہ وزنی ہے، بہت اذیت پہنچائی ہے میں اس خدا کو گواہ کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کے رسول، اس کے تمام انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو اور ہر اس شخص کو جو میرے اس مکتوب کو دیکھے گا گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں خدا و رسول کی بارگاہ میں ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم عالم الغیب ہیں۔ یا خدا کے ملک میں اس کے شریک ہیں۔ اسی طرح میں اس سے بھی بیزار ہوں۔ جو ہمیں اس محل و مقام کے علاوہ جو خدا نے ہمارے لئے منتخب کیا ہے اور اس کے لئے ہمیں پیدا کیا ہے کسی اور محل و مقام پر فائز سمجھتا ہے یا جو کچھ میں نے تمہارے سامنے (اپنے متعلق) بیان کر دیا ہے۔ اس سے تجاوز کرتا ہے۔ میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ جس شخص سے ہم بیزار ہو جائیں۔ اس سے خدا اس کے ملائکہ اور اس کے رسول و اولیاء بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔

میں اپنی اس توقیع کو تمہاری اور ہر اس آدمی کی گردن میں امانت قرار دیتا ہوں جو اسے سنے کہ وہ اسے ہمارے کسی شیعہ سے بھی پوشیدہ نہ کرے تاکہ میرے تمام نام لیوا اس پر مطلع ہو سکیں۔ شاید اس طرح خدا ان کی تلافی کر دے۔ اور وہ دین حق کی طرف پلٹ آئیں اور اس بات سے باز آ جائیں جس کے انجام کو نہیں جانتے۔ جو شخص بھی میری اس توقیع کو سن کر بھی اس عقیدہ پر کاربند نہ ہو جس کا میں نے حکم دیا ہے اور اس بد عقیدہ سے باز نہ آئے جس سے میں نے روکا ہے تو اس پر خدا اور میرے ذکر کردہ تمام برگزیدہ بندوں کی لعنت نازل ہوگی۔" ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اس سلسلہ میں مزید کسی حدیث کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون

علم غیب تحقیقات علماء اعلام کی روشنی میں

اس مقام پر ایسے بکثرت علمائے اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جا سکتا ہے جنہوں نے نبی و امام سے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ مگر اختصار کے پیش نظر ذیل میں صرف چند اعاظم کے بیانات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) شیخ الفرقۃ المحقۃ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ اوائل المقالات ص۳۸ طبع ایران پر تحریر فرماتے ہیں " فاما اطلاق القول علیہم بانہم یعلمون الغیب فھو منکر بین الفساد لان الوصف بذلک انما یستحقہ من علم الاشیاء بنفسہ لا بعلم مستفاد وھذا لا یکون الا للہ عز وجل وعلی قولی ھذا جماعۃ اھل الامامۃ الا من شذ عنہم من المفوضۃ ومن انتمی الیہم من الغلاۃ " یعنی یہ کہنا کہ ائمہ علیہم السلام عالم الغیب ہیں۔ بالکل فاسد و باطل قول ہے۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیب ہونے) کا حقدار صرف وہی (عالم) ہو سکتا ہے جو بالذات اشیاء کا علم رکھتا ہے اور اس کا علم کسی اور ذات سے مستفاد نہیں ہے اور یہ شان صرف خدائے علام کی ہے۔ میرے اسی بیان کردہ مسلک پر شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے۔ ہاں مفوضہ اور غالی لوگ اس کے قائل نہیں (یعنی وہ ائمہ کو عالم الغیب جانتے ہیں) علامہ مجلسی نے بھی ان کی یہ فرمائش بحار الانوار ص۳۰۹ پر نقل کی ہے۔ اور پھر اس پر کوئی رد و قدح نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی حضرت شیخ مفید کی یہ تحقیق انیق صحیح ہے!

(۲) حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ قدس سرہ اپنی کتاب الشافی ص۱۸۸ طبع ایران پر قاضی عبد الجبار کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ فقد اصاب فی ان ما لا تعلق لہ بما یقوم بہ الامام لا یجب ان یعلمہ الامام لکن علینا ان نوجب ھذا الجنس من العلوم فانہ انتہی کلامہ بالحکایۃ عنا ایجاب کونہ عالما بما یجری مجری الغیب ومعاذ اللہ ان نوجب لہ من العلوم الا ما یقتضیہ ولایتہ ونوجب معرفتہ واشد من الاحکام الشرعیۃ وعلم الغیب خارج عن ھذا۔ الخ یعنی قاضی نے یہ بات تو صحیح کہی ہے کہ جن چیزوں کا تعلق منصب امامت کے ساتھ نہ ہو ان کا جاننا امام کے لئے ضروری نہیں ہے لیکن ان (قاضی) کا یہ گمان ہمارے متعلق غلط ہے کہ ہم امام کے لئے اس قسم کے علوم کا جاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو علم غیب کی طرح ہیں۔ پناہ بخدا ہم سوائے ان علوم کے جن کا مقام و منصب امام کے ساتھ تعلق ہے جیسے احکام شرعیہ اور کسی قسم کے علوم کے جاننے کو ضروری سمجھیں اور علم غیب بھی کی قسم سے ہے " (جن کا جاننا امام کے لئے ضروری نہیں ہے)۔

(۳) علامہ ابو الفتح کراجکیؒ نے اپنی کتاب کنز الفوائد طبع ایران ص۲۴۰ تا ص۲۵۸ پر اعتقادات امامیہ میں اپنا ایک مختصر رسالہ موسومہ بہ " البیان عن جمل اعتقاد اہل الایمان " درج کیا ہے اس کے ص۲۴۵ پر متعلقہ مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں " لا یعلمون الغیب الا ما اعلمہم اللہ تعالیٰ " یعنی ائمہ اہل بیت غیب نہیں جانتے مگر جس قدر خالق خلق انہیں بتلا دے۔"

(۴) فاضل جلیل جناب ابن قبہ رازی جو اجل علمائے متقدمین میں سے ہیں فرماتے ہیں " ان علم الغیب لا یدعیہ فی الائمۃ الا مشرک " یعنی ائمہ اہل بیت کی غیب دانی کا وہی شخص دعویٰ کرتا ہے جو مشرک ہو (علی ما نقلہ علی ما فی شرح الاصول من الکافی لمولانا محمد صالح المازندرانی ج ۵ ص۲۳)

(۵) عالم ابو جعفر محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی اپنی کتاب متشابہات القرآن مطبوعہ ج ۱ ص۲۱۱ پر ذیل آیت مبارکہ

ولا اعلم الغیب تحریر فرماتے ہیں: النبی والامام یجب ان یعلما علوم الدین والشریعۃ ولا یجب ان یعلما الغیب وما کان وما یکون لان ذلک یؤدی الی انہما مشارکان للقدیم تعالیٰ فی جمیع معلوماتہ ومعلوماتہ لا تتناھی وانما یجب ان یکونا عالمین لانفسہما وقد ثبت انہما عالمان بعلم محدث والعلم لا یتعلق علی التفصیل الا بمعلوم واحد ولو علما ما لا یتناھی لوجب ان یعلما وجود ما لا یتناھی من المعلومات وذلک محال ویجوز ان یعلما الغائبات والکائنات الماضیۃ او المستقبلات باعلام اللہ تعالیٰ لہما شیئاً منہ۔ لغو یعنی نبی و امام علیہما السلام کے لئے اعتقاداً و شرعاً یہ واجب ہے کہ وہ تمام علوم دین و شریعت کے عالم ہوں لیکن ان کے لئے یہ لازم نہیں کہ علم غیب اور ماکان ومایکون کا علم بھی رکھتے ہوں کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ تمام معلومات میں خدا کے ساتھ شریک ہوں، حالانکہ خدا کے علوم غیر متناہی ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ذوات کا کماحقہ علم رکھتے ہوں۔ نیز یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان کا علم حادث ہے۔ نہ قدیم، جس کے ذریعہ سے وہ جانتے ہیں اور علم حادث کا تفصیلی تعلق ایک وقت میں ایک ہی معلوم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان کو خدا کے غیر متناہی علوم کا عالم تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ غیر متناہی اور غیر محدود علوم کے عالم ہوں۔ اور یہ اعتقاداً محال ہے۔ ہاں البتہ یہ جائز ہے کہ خدا کے بتلانے سے بعض گذرے ہوئے اور آنے والے امور کا علم رکھتے ہوں۔"

(۲) امین الاسلام الشیخ ابو علی فضل بن الحسن الطبرسی کا عمل کلام حق ترجمان اسی باب میں آیت ... کے ذیل میں درج کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۳) مجاہد کبیر علامہ سید محسن الامین الحسینی العاملی قدس سرہ صاحب اعیان الشیعہ اپنی کتاب مستطاب معادن الجواہر فی علوم الاوائل والاواخر، ص۲۲۳ پر امام علیہ السلام کے متعلق علامہ الشیخ مفید، علامہ سید مرتضیٰ، اور علامہ حلی رضوان اللہ علیہم کا کلام حق ترجمان نقل کرنے کے بعد خود افادہ فرماتے ہیں: "یقول المؤلف عفی اللہ عنہ اما ما ذکرہ المفید اعلی اللہ مقامہ من ان الامام علیہ السلام لا یعلم جمیع ما یکون الا فی الاحکام فہو الحق الذی لا شبہۃ فیہ ولکن النبی علیہ السلام اذ لا یدل علی ذلک دلیل عقل ولا نقل وتمام الدین علی عدم جواز جہل النبی والامام شیئاً من الاحکام عند حاجۃ العباد الیہ ولا یجب ان یعلم النبی الاحکام کلہا قبل وقت الحاجۃ الیہا وقد کانت الاحکام تنزل علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تدریجاً بحسب الحاجۃ بل الدلیل من النقل علی عدم علم الامام بل والنبی ببعض ما یحدث فی غیر الاحکام موجود بل ہو متواتر کما انہ لا شک فی انہم کانوا یعلمون بعض ما یحدث بتعلیم من اللہ عزوجل وما دل من الآثار علی انہم یعلمون علم ما کان وما یاتی محمول علی انہم اذا ارادوا ان یعلموا علموا باخبار من اللہ تعالیٰ او بسؤال الملک بقرب الحضرۃ کما یدل علیہ بعض الاخبار جمعاً بین ذلک وبین ما دل علی عدم علمہم ببعض ما یکون ویشہد لہذا الجمع

بعض الاشیاء، وانّهم یعلمون حدوث من الوقائع المهمة لا جمیع ما یکون۔" تو یہی حضرت شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے کہ امامؑ سوائے احکام کے اور تمام ما یکون کے عالم نہیں ہوتے۔ یہ برحق ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور یہی حال نبی کا ہے کیونکہ اس (تمام ما یکون کے عالم ہونے) پر کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں ہے البتہ اس امر پر دلیل قائم ہے کہ نبی و امامؑ لوگوں کی ضرورت کے وقت کسی حکم شرعی سے نا واقف نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبیؐ لوگوں کی احتیاج سے قبل تمام احکام کے عالم ہوں۔ یہ بات واضح ہے کہ تمام احکام شرعیہ آنحضرتؐ پر حسب حاجت تدریجاً نازل ہوتے رہتے تھے۔ بلکہ اس امر پر دلیل شرعی قائم ہے کہ امامؑ بلکہ نبیؐ کو بھی احکام کے علاوہ دوسرے رُونما ہونے والے بعض واقعات کا بالفعل علم نہیں ہوتا۔
شاید یہ دلیل حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہو جس طرح کہ یہ بھی مسلّم ہے کہ وہ بعض ہونے والے واقعات کو تعلیم اللہ ضرور جانتے ہیں۔
جن روایات میں یہ وارد ہے کہ یہ بزرگوار ماکان و ما یکون کا علم رکھتے ہیں۔ ان روایات کے چند صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ ان سے مراد یہ ہے کہ جب ماکان و ما یکون (گذری ہوئی یا آنے والی) کسی بات کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں۔ تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں (۲) یہ کہ اس فرشتہ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ جسے ملک مسدد کہا جاتا ہے جیسا کہ اس پر بعض اخبار دلالت کرتے ہیں۔ (۳) یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے بعض واقعات جدیدہ کا علم رکھتے ہیں۔"

(۲) فاضل اجل مولانا آقا سید مہدی القزوینی الکاظمی نے اپنی کتاب ظہور الحقیقہ طبع نجف اشرف کے ص۱۹۵ سے کر ص۲۱۲ تک ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب اور صاحب علم حضوری ہونے کی نفی پر مبسوط بحث فرمائی ہے شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کر کے اپنی تحقیق کی تکمیل فرما سکتے ہیں۔

(۳) حضرت الفاضل الشیخ محمد رضا المظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ ص۳۲ طبع النجف پر علم امام کے بارے میں رقمطراز ہیں۔
"اما علمه فهو یتلقی المعارف والاحکام الالهیة وجمیع المعلومات من طریق النبی او الامام من قبله واذا استجد شیء لابد ان یعلمه من طریق الالهام بالقوة القدسیة التی اودعها الله تعالی فیه فان توجه الی شیء وشاء ان یعلمه علمه علی وجهه الحقیقی لا یخطأ فیه ولا یشتبه ولا یحتاج فی ذلک الی البراهین العقلیة ولا الی تلقینات المعلمین وان کان علمه قابلاً للزیادة والاشتداد ولذا قال فی دعائه رب زدنی علماً" یعنی جہاں تک علم امام کا تعلق ہے۔ وہ معارف وغیرہ احکام الٰہیہ اور دیگر تمام معلومات کو جناب رسول خداؐ اور سابق امامؑ کے ذریعے سے جانتے ہیں اور جب کوئی نئی صورت حال رونما ہو تو اسے اس قوت قدسیہ کے ساتھ الہام کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں۔ جو خدا نے آپ میں ودیعت فرمائی ہے۔ پس جب امام علیہ السلام کسی چیز کی طرف توجہ فرمائیں۔ اور اسے معلوم کرنا چاہیں۔ تو اسے اس طرح حقیقی طور پر معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ نہ اس میں خطا ہوتی ہے اور نہ اشتباہ اور امام اس سلسلہ میں نہ براہین عقلیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی معلّمین کی تعلیم و تلقین کے۔ اگرچہ ان کا علم اشتداد و ازدیاد کے قابل ہوتا ہے۔ اسی لئے جناب پیغمبر اسلام اپنی دعا میں کہا کرتے تھے۔ پروردگارا میرے علم میں اضافہ فرما۔

(۱) مولوی المحقق الشیخ محمد اعجاز حسن بدایونی سابق مدرس ... مدرسۃ الواعظین لکھنؤ اپنے رسالہ شمس الاعتقاد ۱۹۲۸ء طبع سرفراز پریس لکھنؤ پر علم نبی و امام کے بارے میں لکھتے ہیں "خدا نے بے واسطہ مخلوق اپنے حبیب کو تعلیم عطا فرمائی۔ اور اب بھی سلسلۂ فیض جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ خدا اپنے حبیب کو اس وقت سے تعلیم دے رہا ہے کہ جب سے عالم نور میں آپ کا ظہور ہوا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کو بقدر ضرورت و مشیت تعلیم دی کبھی اجمالی اور کبھی تفصیلی تاکہ نقص کے عیب سے دامن عصمت محفوظ رہے علوم الہیہ لامتناہی اور غیر محدود ہیں جو زمانۂ محدود میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے غیر متناہی چیز کی تعلیم کے لئے زمانہ بھی غیر متناہی درکار ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے پورا علم دے دیا ہے اور رسول اللہؐ اور ائمہ معصومین کو عطا فرمایا تھا کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی کہ دینی کم فہمی ہے یہ ذوات قدسیہ مخلوق الٰہی ہیں۔ حادث ہیں۔ قدیم و ازلی نہیں ہیں۔ پھر ان کو قدیم و ازلی خدا کا غیر متناہی علم اور وہ بھی پورا پورا کیونکر حاصل ہو سکتا تھا۔

بعض لوگ علم تفصیلی کو حضرات معصومینؑ کے لئے کمال جانتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ورنہ اگر علم مذکور کو باعث کمال مانا جائے گا۔ تو کسی وقت میں یہ حضرات باکمال متصور نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ علم تفصیلی کی تعلیم کسی وقت میں ختم نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ختم ہوگی۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ علوم الٰہیہ غیر متناہی ہیں پس جب تک تعلیم ختم نہ ہو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اجمالی تعلیم موجب کمال ہے جو بقدر ضرورت و مصلحت ہر زمانہ میں جاری رہی۔ جس کا خلاصہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بیان ہوا ہے۔ یعنی علمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ "اے رسولؐ تم کو اللہ نے وہ چیزیں سکھا دیں جو تم نہیں جانتے تھے اور خدا کا فضل تم پر عظیم ہے۔"

وضاحت:۔ مخفی نہ رہے کہ اس رسالہ (تحریر) پر لکھنؤ وغیرہ کے متعدد علماء اعلام کے تصدیقی و تائیدی دستخط ثبت ہیں۔ جیسے (۱) سرکار نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب (۲) بحر ذخار مولانا سید محمد باقر صاحب (۳) حضرت مولانا السید آقا حسن صاحب (۴) جناب مولانا محمد ہادی صاحب رضوی (۵) حضرت مولانا سید ابو الحسن صاحب رضوی (۶) حضرت مولانا سید ابو الحسن صاحب نقوی (۷) حضرت مفتی محمد علی صاحب (۸) حضرت مفتی احمد علی صاحب (۹) حضرت مولانا سید سبط نبی صاحب نوگانوی (۱۰) حضرت مولانا مرتضیٰ حسین صاحب امروہوی (۱۱) حضرت مولانا سید یوسف حسن صاحب اعلی اللہ مقامہم فی فرادیس الجنان بجاہ النبی وآلہ سادۃ الانس والجان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ صرف جناب شیخ اعجاز الحسن صاحب کا ہی نہیں بلکہ متحدہ ہندوستان کے ان تمام علماء اعلام کا یہی عقیدہ ہے اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ۔

علم غیب عقل سلیم کی روشنی میں

اس کتاب کے پچھلے باب میں زیر عنوان "ناظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں" جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بلا کم و کاست یہاں بھی پیش کیا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام ممکن الوجود و مخلوق ہیں۔ جب عقل سلیم حاکم ہے۔ کہ کوئی بھی مخلوق بیک وقت میں یک ہی طرف توجہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ رازوں کا بالفعل جاننا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

خدا کے علوم غیر متناہی اور غیر محدود ہیں۔ مگر یہ بزرگوار بوجہ مخلوق ہونے کے متناہی و محدود ہیں۔ لہٰذا عقل کسی طرح بھی یہ باور نہیں کر سکتی۔ کہ ایک متناہی و محدود مخلوق غیر متناہی علوم کی بالفعل حامل ہو۔ نیز یہ حقیقت بھی اپنے مقام پر ثابت کی جا چکی ہے کہ علم خدا کی صفت ذاتی (عین ذات) ہے لہٰذا اس کے من و عن کسی مخلوق کی طرف منتقل ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ اگر تمام و کمال علم خدا کسی اور کی طرف منتقل ہو سکے۔ تو یہ انتقال انتقالِ ذات توحید کے مترادف ہوگا۔ جو کہ عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے تعالیٰ اللہ عما یقولون علواً کبیرا۔ اس لئے عقل سلیم کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ بزرگوار علم و اتنی مقدار ہی جانتے ہیں۔ جتنی علیم بالذات ان کو بتاتا ہے۔ ہم اپنے عقول ناقصہ سے اس کی حد بندی نہیں کر سکتے۔ نہ دینے والے مبداء فیض میں کمی ۔ ۔ ۔ اور بخل ہے اور نہ لینے والے حضرات کے دامن طلب میں تنگی۔ بلکہ اس میں وسعت و پہنائی ہے۔ اس لئے دینے والا برابر دے رہا ہے۔ اور لینے والے رب زدنی علماً کہتے ہوئے دامن مراد بڑھا کر اس میں جواہر علمیہ جمع کر رہے ہیں۔ ان حضرات کی روحانی خلقت سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب تک جاری و ساری رہے گا۔ اگرچہ عام مخلوق خدا کی نسبت ان کا علم کلی اور اس قدر زیادہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی نسبت ہی قائم نہیں کی جا سکتی ہے لیکن خالق کے مقابلہ میں ان کا علم ذرہ بے مقدار کی سی ہے بلکہ کقطرة فی جنب سبعة ابحر۔ قلم ایں جا رسید و سر بشکست"

جمع بین الروایات اور اس موضوع پر قول فیصل

اب تک اس موضوع پر جس قدر آیات و روایات اور علماء اعلام کی تحقیقات پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے کالشمس فی رابعة النہار حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ انبیاء عظام اور ائمہ علیہم السلام ہی غیب دان نہیں مگر انہی آیات و روایات اور تحقیقات کے ضمن میں بعض ایسی آیات و روایات اور تحقیقات بھی قارئین کرام کی نظر سے گزری ہوں گی۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ بزرگوار خدا کی تعلیم دینے سے بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ لہٰذا اب ان دونوں قسم کی آیات و روایات میں اس طرح آسانی جمع و توفیق ہو سکتی ہے۔ کہ جہاں جہاں نفی کی گئی ہے اس سے مراد ذاتی علم کی نفی ہے اور جہاں جہاں اثبات کیا گیا ہے اس سے علم وہبی و لدنی مراد ہے۔ چنانچہ غواص بحار انوار ائمہ اطہار حضرت علامہ مجلسیؒ مرآة العقول ج ۱ ص ۱۸۳ بحار ج ۲ ص ۲ پر اس موضوع پر مباحث طویلہ اور ہر قسم کی آیات و اخبار درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "والحاصل ان مقتضی الجمع بین الآیات والاخبار حملها علی ان نفی العلم الغیب عنهم معناه انهم لا یعلمون ذلك من انفسهم بغیر تعلیمه تعالی بوحی او الهام والا فظاهر ان عمدة معجزات الانبیاء والاوصیاء علیهم السلام من هذا القبیل واحد وجوه اعجاز القرآن ایضاً الاخبار بالمغیبات و نحن ایضاً نعلم کثیراً من المغیبات باخبار الله ورسوله والائمة الهدیٰ علیهم السلام کالقیامة واحوالها والجنة والنار والرجعة وقیام القائم ونزول عیسیٰ وغیر ذلك من اشراط الساعة والعرش

والکرسی والملائکۃ۔ ح

یعنی ماحصل کلام یہ ہے کہ بکثرت مختلف آیات و اخبار کے درمیان جمع کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں ان سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار وحی و الہام کے ذریعہ خدا کی تعلیم کے بغیر بالذات نہیں جانتے ورنہ ظاہر ہے کہ انبیاء و اوصیاء کے عمدہ معجزات اسی (اخبار غیب) کی قسم سے ہیں۔ اور قرآن کے وجوہ و طرق اعجاز میں سے ایک وجہ غائب امور کے متعلق خبر دینا بھی ہے (بلکہ) ہم بھی خدا اور رسولؐ اور ائمہ ہدیٰ کے بتلانے سے بہت سے مغیبات کو جانتے ہیں۔ جیسے قیامت اور اس کے حالات۔ جنت و دوزخ۔ رجعت۔ قیام قائم آل محمدؐ اور نزول عیسیٰ وغیرہ علائم و آثار قیامت اور عرش و کرسی اور ملائکہ جیسے حقائق غیبیہ الخ تیز نظر قاصر میں اس سے بھی بہتر جمع بین الآیات والروایات المختلفہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ جہاں نفی وارد ہے اس سے مراد تمام مغیبات ہیں۔ اور جہاں اثبات ہے۔ وہاں بعض مغیبات مقصود ہیں۔ فلا تغفل

باایں ہمہ ان ذوات مقدسہ کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا اور اس کے وجوہ

سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ یہ حضرات والاصفات بحمد اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ مگر باایں ہمہ ان پر لفظ "عالم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی علامہ مجلسیؒ کے محولہ بالا کلام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے (جس کی بعض لوگوں نے ناکام کوشش کی ہے) کیونکہ

اوّلاً بحار کے جس باب میں ان کا یہ بیان درج ہے۔ اس کا عنوان ہی یہ ہے۔ "انھم لا یعلمون الغیب ومعناہ" ثانیاً۔ جناب موصوف نے اپنے سابقہ کلام کے بعد بلا فاصلہ حضرت شیخ مفیدؒ کا یہ بیان بلا رد و قدح درج کیا ہے کہ جس ہستی کا علم ذاتی نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو۔ اس کے عالم ہو "عالم الغیب" کہنا واضح الفساد ہے۔ ثالثاً انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا و رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی تعلیم سے ہم بھی بہت سے امور غیبیہ پر اطلاع رکھتے ہیں۔ تو کیا پھر ہمیں "عالم الغیب" کہا جا سکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو جس وجہ سے ہمیں "عالم الغیب" کہنا ممنوع ہے۔ وہی وجہ وہاں بھی کارفرما ہے۔ معلومات کی قلت و کثرت کا سوال نہیں۔ بلکہ اصل وجہ ذاتی اور غیر ذاتی کا باہمی فرق ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بہرحال ان حضرات کو عالم الغیب نہ کہنے کی بعض وجوہ پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ اس مسئلہ کی پہلی وجہ تو علم غیب کی وہی تعریف ہے جو اس باب کی ابتداء میں گزر چکی ہے وہاں تصریح کی جا چکی ہے اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ مخلوق کے علم کو درحقیقت علم غیب کہا ہی نہیں جا سکتا۔

دوسری وجہ جو کچھ احادیث و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جس بزرگوار کا علم بالذات نہ ہو بلکہ علم مستفاد و عطائی ہو۔ اس پر عالم ہونے کے باوجود "عالم الغیب" نہیں کہا جا سکتا چنانچہ علامہ ... فی شرح ... حضرت ملا محمد صالح

مازندرانی ان روایات کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمہ اہل بیت کے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے لکھتے ہیں۔ اشارۃ الی ان علم الغیب ھو العلم الذی لا یکون مستفاداً عن سبب یفیدہ وذلک انما یصدق فی حقہ تعالیٰ اذ کل علم لذی علم سواہ فھو مستفاد من سبب وجود و اما ایاہ تعالیٰ ولا یکون علم غیب من اطلاعات علی امر غیبی (شرح اصول کافی ج ۲ ص ۲۲ طبع تہران) یعنی یہ اس طرف اشارہ ہے کہ علم غیب وہ ہے جو کسی سبب سے حاصل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صرف خداوند عالم کے حق میں ہی صادق آتی ہے کیونکہ اس کے علاوہ جس قدر بھی مخلوق اس کی ہے۔ اس کا علم بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی علیم و حکیم کے فیض و کرم کا نتیجہ ہے لہٰذا ان کا علم علم غیب نہیں۔ ہاں امور غیبیہ پر اطلاع ضرور ہے۔ اسی جلد کے ص ۳۲ پر اصول کافی کی اس روایت سألت ابا عبد اللہ عن الامام یعلم الغیب قال لا۔ (میں نے حضرت صادقؑ سے امام کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ غیب جانتا ہے؟ فرمایا نہیں۔) کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے "دل علی ان علم الغیب علم غیر مستفاد کعلمہ تعالیٰ وعلم الامام لما کان مستفاداً منہ تعالیٰ لا یکون علماً بالغیب حقیقۃ وقد یسمی علماً بالغیب نظراً الی تعلقہ بالامور الغائبۃ وبہ یجمع بین الاخبار الخ۔ یعنی یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو کسی اور ذات سے مستفاد نہ ہو بلکہ بالذات ہو جیسے خدا تعالیٰ کا علم لیکن امام علیہ السلام کا علم چونکہ خداوند عالم سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ درحقیقت علم غیب ہی نہیں ہے ہاں محض اس اعتبار سے کہ اس کا تعلق امور غائبہ سے ہوتا ہے کبھی (مجازاً) اسے علم الغیب بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ یوں تحقیق سے جمع بین الاخبار بھی ہو جاتی ہے" کہ جہاں نفی وارد ہے اس سے حقیقی اور ذاتی علم غیب کی نفی مراد ہے۔ اور جہاں اثبات ہے وہاں علم غیب مجازی ظاہری عرضی کا اثبات مقصود ہے۔ اس مطلب کی تائید جناب امیر علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے بعض آنے والے امور کی پیش گوئی کو علم غیب کی بجائے "تعلم من ذی علم" قرار دیا ہے (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۲۵۲) اسی طرح امام موسیٰ کاظمؑ نے ایسی بعض اخبار کو وراثت رسولؐ سے تعبیر فرمایا ہے (بحار ج ۱ ص ۲۹۱)۔ **تیسری وجہ** شیخ الاسلام طبرسی کا کلام حق ترجمان ہے جو آپ نے آیہ مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے ملاحظہ ہو ارشاد فرماتے ہیں

ولا نعلم احداً منھم استجاز الوصف بعلم الغیب لاحد من الخلق فانما یستحق الوصف بذلک من یعلم جمیع المعلومات لا بعلم مستفاد وھذہ صفۃ القدیم سبحانہ العالم لذاتہ لا یشرکہ فیہ احد من المخلوقین ومن اعتقد ان غیر اللہ سبحانہ یشرکہ فی ھذہ الصفۃ فھو خارج عن ملۃ الاسلام۔ ہمیں کوئی ایسا شیعہ عالم معلوم نہیں جس نے کسی بھی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو کیونکہ اس وصف (غیب دان ہونے) کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو تمام معلومات کا علم رکھتا ہو اور وہ بھی اپنے ذاتی علم کے ساتھ۔ نہ کسی سے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف خدائے قدیم ہی کی ذات ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت جلیلہ میں اس کی شریک نہیں ہے اگر کوئی شخص ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے (مجمع البیان ج ۲ ص ۳۱۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب کہلانے کی حقدار وہ ذات ہے جس کا علم ذاتی ہونے کے ساتھ ساتھ کل بھی ہو یعنی وہ تمام معلومات کا عالم ہو لہٰذا اس اعتبار سے بھی صرف خداوند عالم کو ہی عالم الغیب کہا جا سکتا ہے۔

چوتھی وجہ

ائمہ اطہار کے اخبار اور متکلمین ابرار کے کلام سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خداوند عالم کے اسماء و صفات توقیفی ہیں یعنی جب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے اجازت وارد نہ ہو اس وقت تک اپنی طرف سے نہ اس پر کسی نام و صفت کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے اسماء و صفات میں سے کسی اسم یا صفت کا دوسروں پر اطلاق روا ہے۔ اصول کافی ص۵۹ پر اس عنوان کا پورا ایک باب موجود ہے۔ "باب النهي عن الصفة بغير ما وصف به نفسه جل تبارك وتعالى" اس میں اس مضمون کی بارہ عدد روایات درج ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: وان الخالق لا يوصف الا بما وصف به نفسه وانى يوصف الذي تعجز الحواس ان تدركه والاوهام ان تناله یعنی خالق کی سوائے ان اوصاف کے جن کے ساتھ خود اس نے اپنی توصیف بیان کی ہے۔ اور کسی طرح وصف بیان نہیں کیا جا سکتا اور بھلا اس ذات کی توصیف کیونکر کی جا سکتی ہے جس کے ادراک سے حواس عاجز اور جس کے پانے سے اوہام قاصر ہوں۔ (بحار ج ۲ ص۱۹) نیز آنجناب سے مروی ہے فرمایا: "فليس لك ان تسميه بما لم يسم به نفسه" اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم اسے اس نام سے یاد کرو جو اس نے خود اپنا مقرر نہیں کیا۔ (توحید صدوق ص[illegible]) یہی وجہ ہے کہ خدا کو باوجود منبع فضل و کمال ہونے کے "فاضل" اور مرکز و معدن تعلیم ہونے کے "معلم" نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "لا يجوز تسمية الباري الا بما سمى به نفسه وكذلك اقول في الصفات وبهذا تطابقت الاخبار عن آل محمد صلى الله عليه وآله وهو مذهب جماعة من الامامية" یعنی خدا کو سوائے اس کے مقرر کردہ اسماء و صفات کے اور کسی نام و صفت سے موسوم و موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس پر آل رسول کے اخبار موافق ہیں اور یہی علماء امامیہ کی ایک جماعت کا نظریہ ہے۔ (اوائل المقالات ص۱۹)

فاضل جلیل سید اسماعیل طبرسی نے کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۲۴۹ و ص۲۲۹ پر اور حضرت محدث نوری نے نجم ثاقب ص۴۳ پر تمام علمائے شیعہ کے اجماع و اتفاق کا دعوی کیا ہے۔ بنابریں ہم کہتے ہیں کہ آیات و روایات سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ منجملہ خدا تعالیٰ کے اسماء کثیرہ کے ایک صفاتی نام "عالم الغیب" بھی ہے۔ لہذا جب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے باختلاف معنی ہی سہی غیر خدا پر اس کے اطلاق کرنے کا جواز ثابت نہ ہو جیسے علیم، سمیع و بصیر اور رؤف و رحیم کا جواز ثابت ہے، اس وقت تک غیر خدا کو عالم الغیب کہنا ممنوع سمجھا جائے گا (جیسے لفظ اللہ اور رحمن وغیرہ کا اطلاق غیر اللہ پر ممنوع ہے) وهو المقصود وقد حصل بعون الله الودود

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اگرچہ اس موضوع پر اب تک جو کچھ تنقیح کیا گیا ہے وہ ایک سمجھدار اور منصف مزاج آدمی کے لئے حقیقت حال سمجھنے کے لئے کافی ہے مگر بحث تشنۂ تکمیل رہے گی۔ اگر حسب دستور یہاں ان چند شکوک و اوہام کا مکمل طور پر قلع قمع نہ کر دیا جائے جو اس مقام پر بالعموم پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اہل انصاف کے لئے ہر قسم کی قال و قیل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ البتہ [illegible] لکھنے والوں کا کسی

کے پاس کوئی علاج نہیں ہے

پہلا شبہ اور اس کا جواب

ارشاد قدرت ہے ۔ وکل شئی احصیناہ فی امام مبین (پ ۲۲ س یس ع ۱) ہم نے ہر چیز کا امام مبین میں احصاء کر دیا ہے اور امام مبین سے مراد حضرت امیر المومنین ہیں پس معلوم ہوا کہ امام ہر شئی کو جانتا ہے۔ اس استدلال کا جواب بچند وجوہ دیا جا سکتا ہے۔

اولاً۔ امام مبین کے مصداق میں خود شیعہ مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سے لوح محفوظ، بعض نے قرآن مجید، بعض نے نامہائے اعمال اور بعض نے حضرت امیر المومنین کو مراد لیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر صافی ص ۴۲۴ تفسیر مجمع البیان ج ۴ ص ۴۱۷ اور تفسیر ابو الفتوح رازی ج ۹ ص ۲۶۶) لہٰذا اس مجمل آیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

ثانیاً۔ بنا بر تسلیم اینکہ اس سے مراد حضرت امیر المومنین ہیں۔ اور یہی ہمارا ایمان ہے جیسا کہ کتاب معانی الاخبار (ص ۹۵) رئیس المحدثین شیخ صدوقؒ کی روایت سے ظاہر ہے جسے تفسیر برہان اور صافی میں بھی نقل کیا گیا ہے تو پھر غور طلب امر یہ ہے کہ اس کل شئی سے مراد کیا ہے؟ اور اس کے احصاء کرنے کا مفہوم کیا ہے؟ جو اس آیت کا ظاہری مفہوم ہے۔ اسے مراد لینا تو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ ہر شئی (جس میں چرند و پرند، شجر و حجر وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان کا امام مبین کے وجود (سینہ) میں احصاء کرنا عقلاً ناممکن ہے۔ لہٰذا احصاء سے مراد مجازاً علم لینا پڑے گا۔ اس کل شئی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کل منطقی (جو الفاظ عموم میں سے ہے جس میں عالم امکان کی ہر شئی داخل ہے (۲) کل عرفی، جس سے وہ چیزیں مراد ہیں جو منصب امامت اور لوگوں کی ضروریات سے متعلق ہیں۔ سطور بالا میں علماء اعلام کی تحقیقات کی روشنی میں یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان اشیاء کا جاننا امام کے لئے ضروری نہیں ہے جن کا تعلق منصب امامت کے ساتھ نہیں ہے۔

علاوہ بریں قرینۂ مقام کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ اس سے مراد یہی کل عرفی ہے۔ اگر کوئی دوا فروش یہ کہے کہ میرے دواخانہ میں ہر شئی موجود ہے۔ تو اس کا مقصد قرینۂ مقام سے یہی ہوگا۔ کہ ہر شئی از قسم دوا۔ یا جب کوئی ہوٹل والا یہ کہے کہ یہاں ہر شئی موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہر شئی از قسم خوردنی یا کوئی جنرل سٹور والا یہ کہے کہ یہاں ہر شئی موجود ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر شئی از قسم ضروریات زندگی۔ تو بلا تشبیہ یہاں بھی امام کے اندر ہر شئی کا علم ودیعت کرنے سے مراد ہر وہ شئی ہوگی۔ جو منصب امامت اور رعایا کی ضروریات سے متعلق ہے۔ بنا بریں مطلب یہ ہوگا۔ (و اللہ العالم) کہ وہ کل اشیاء جن کی طرف لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے امام ان سب کا عالم ہوتا ہے۔ (والحجۃ من لا یقول لا ادری) لہٰذا اس سے تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا اور وہ بھی بالفعل عالم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

ثالثاً۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کل شئی سے مراد کل منطقی ہے اور اس میں کائنات عالم کی ہر شئی شامل ہے۔ تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ان کو ہر چیز کا علم اس طرح ... ہو ... اور اوقات کرتے (؟) اس میں مزید اضافہ و ازدیاد

کی گنجائش ہی نہ ہو بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ وہ جب بھی کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ سب اشیاء کو جانتے ہیں یعنی بالقوۃ القریبہ ہم پچھلے باب میں یہ ثابت کر گئے ہیں کہ نبی یا امام جب توجہ فرمائیں تو از عرش تا فرش و از فرش تا ثریا جس چیز کو معلوم کرنا چاہیں۔ باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں" ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

رابعاً: ائمہ معصومینؑ کی روایات مستفیضہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علم کے متعدد طرق و ذرائع ہیں۔ (۱) نکت فی القلوب (۲) نقر فی الاسماع (۳) اضافہ در شب جمعہ (۴) زیادتی در شب قدر (۵) الہام (۶) رجوع بسوئے مصحف فاطمہؑ (۷) رجوع بطرف کتاب جفر و جامعہ و جوامع الکلم حبابا د (۸) رجوع بجانب صحف انبیاء و مرسلین (۱۰) بذریعہ روح القدس (۱۱) عمود نور میں نظر کرنا (بشرطیکہ اسے حقیقی عمود تسلیم کیا جائے ورنہ اس سے فرشتہ ہونے کی صورت میں کہا جاتی ہے کہ خبر پہنچانا مراد ہوگا (۱۲) ان کا محدَّث ہونا (بغیر صورت دیکھے فرشتوں کا ان سے باتیں کرنا) (۱۳) ہر وقت لحظہ بلحظہ علم و عرفان میں زیادتی و اضافہ کا ہوتا الی غیر ذلک من الجہات المتعددۃ والطرق المتکثرۃ۔ بعض اہل علم نے تو امام کے طرق و ذرائع علم کو پچاس تک شمار کیا ہے (شرح زیارت جامعہ للاحسائی) ظاہر ہے کہ اگر امامؑ کو ہر چیز کا علم بالفعل ہو تو پھر یہ تمام طرق و ذرائع عبث و بے کار ہو کر رہ جائیں گے معاذ اللہ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اصل مقصد یہی ہے کہ ان المراد ان الامام ان یعلم شیئاً اعلمہ اللہ ۔ اصول کافی میں شریف راوی کا یہ قول ہے ملاحظہ ہو اس حدیث کا ابتدائی حصہ یوں ہے عن عمار الساباطی قال سئلت ابا عبداللہ عن الامام یعلم الغیب فقال لا ولکن اذا اراد ان یعلم الشیء اعلمہ اللہ ذلک" راوی کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ کیا امام علم غیب جانتا ہے؟ فرمایا نہیں، لیکن وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کرے تو خدا اسے اطلاع کر دیتا ہے" (بہ حصہ مصنف لاثبات ظہور یات کما سلف)

دوسرا شبہ اور اس کا جواب قرآن مجید کے متعلق ارشاد قدرت ہے ما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین (پ ۲۰ س النمل ع ۲) زمین و آسمان کی کوئی ایسی پوشیدہ چیز نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین (پ ۱۱ س یونس ع ۷) زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ اور کوئی چھوٹی یا بڑی چیز نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ نیز وارد ہے ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (پ ۷ س انعام ع ۷) کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض آیہ مبارکہ ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا وارثان علم قرآن ہیں۔ لہٰذا ان کو ہر چیز کا بشمول غیب عالم ماننا صحیح ہے۔ اس شبہ کے کئی جوابات پیش کئے جا سکتے ہیں

پہلا جواب یہ ہے کہ کتاب مبین میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ہمارے بہت سے مترجمین و مفسرین نے اس سے لوح محفوظ مراد لی ہے۔ چنانچہ مولانا فرمان علی صاحب نے مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ یوں فرمایا ہے

پہلی آیت کا ترجمہ "اور آسمان و زمین کی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہیں جو واضح و روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی موجود نہ ہو۔ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "اردو محاورات میں کتاب مبین کا پورا ترجمہ کسی ایک دو لفظ میں بہت دشوار ہے۔ میں نے اگرچہ واضح و روشن اس کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر اس کا دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی موٹے جلی حروف میں لکھی ہوئی کتاب۔ حالانکہ کتاب مبین سے وہ کتاب مراد ہے جس میں تمام واقعات جزئی و کلی نہایت تفصیل و تشریح و بسط سے لکھے ہوئے ہوں۔ اور اس سے لوح محفوظ مراد ہے خواہ اسے علم الٰہی سمجھو۔ یا وہ تختی مانو جس میں تمام واقعات مندرج ہیں۔ اور محفوظ اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ اس میں کوئی تصرف نہیں رکھتا" (حمائل فرمان ص۶)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں "الا فی کتاب مبین ای الا وھو مبین فی اللوح المحفوظ" یعنی زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ بات لوح محفوظ میں واضح طور پر مندرج ہے" (مجمع البیان ج۴ ص۲۳۶) اور علامہ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "و ہیچ خصلتے و حادثہ غائب نباشد در آسمان و زمین الا آں در کتاب است روشن یعنی لوح محفوظ" (ج۸ ص۲۴۸ طبع جدید ایران)

دوسری آیت کا ترجمہ "اور نہ کوئی چیز ذرہ سے چھوٹی ہے۔ اور نہ بڑی چیز مگر روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ضرور ہے (ترجمہ فرمان) مفسر قرآن علامہ طبرسی لکھتے ہیں "ای فی کتاب بینہ اللہ فیہ قبل ان خلقہ وھو اللوح المحفوظ الخ" یعنی ہر چیز کا واضح بیان اس کی خلقت سے بھی پہلے ایک کتاب میں موجود ہے اور اس سے مراد لوح محفوظ ہے" (مجمع البیان ج۵ ص۱۱۵) فاضل مفسر شیخ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "نہ کمتر ازاں و نہ نیز بیشتر ازاں الا آں در نوشتہ ثبت کردہ اند و نوشتہ اندر آں لوح محفوظ است" (ج۵ ص۳۳۵)

تیسری آیت کا ترجمہ "اور نہ زمین و آسمان کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی ہری اور کوئی خشک چیز ہے مگر یہ کہ وہ نورانی کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے" (ترجمہ فرمان) امین الاسلام طبرسیؒ اس آیۃ وافی ہدایہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "الا فی کتاب معناہ وھو مکتوب فی کتاب مبین یعنی اللوح المحفوظ الخ" یعنی ہر خشک و تر کے انحصار کا مطلب یہ ہے کہ ہر خشک و تر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے" (مجمع البیان ج۲ ص۳۰۸) بعد ازاں اس کتابت کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

علامہ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "و مراد بکتاب لوح محفوظ است بنزدیک بیشتر مفسران و بعضے دیگر گفتند کتابت است از علم خدائے تعالیٰ" (ج۴ ص۴۴۱) بنا بریں جب کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ان آیات مبارکہ کا ہمارے موضوع بحث سے کوئی ربط و تعلق ہی نہیں رہتا۔

دوسرا جواب بنا بر تسلیم اگر اس سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا۔ اور بعض آثار بھی اس کی فی الجملہ تائید ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں قابل غور بات یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں صرف قواعد کلیہ اور

اصول و اشارات ہیں یا کائنات کے ذرہ ذرہ کی تمام تفاصیل؟ بالبداہتہ معلوم ہے۔ کہ اس میں تمام چیزوں کا تفصیلی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ ان ذکر الاشیاء تفصیلاً فی القرآن غیر موجود بضرورۃ یعنی بالبداہتہ تمام اشیاء کا تفصیلی تذکرہ قرآن میں موجود نہیں ہے (صراط الحق ج ۲ ص ۳۰۶) اور اجمال و اشارہ مفید مطلب نہیں ہے۔ اجمالی غیر کافٍ لما نحن بصددہ (اور اجمالی بیان اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں ہے جو المذکور)

تیسرا جواب

اگر مذکورہ بالا حقائق سے بھی غض بصر کر لیا جائے۔ تو تب بھی اس استدلال سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ آیات و روایات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کہ تمام موضوعات خارجیہ یہاں تک کہ کسی درخت کے پتہ کے ہلنے، بارش کا قطرہ کسی جگہ گرنے، کسی آدمی کے اپنے ہاتھ کو حرکت دینے اور آنکھ اٹھا کر کسی طرف دیکھنے وغیرہ وغیرہ قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ (صراط الحق ج ۳ ص ۳۰۵) ودون اثباتہ خرط القتاد۔

چوتھا جواب

تفسیر اہل بیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ "کل شیٔ" سے شرعی حدود و قیود و احکام حلال و حرام اور جمیع ما یحتاج الیہ الناس مراد ہیں۔ چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام اپنی مشہور حدیث در جمع صفات امام علیہ السلام میں ارشاد فرماتے ہیں "ان اللہ عزوجل لم یقبض نبیہ حتی اکمل لہ الدین و انزل علیہ القرآن فیہ تبیان کل شیٔ بین فیہ الحلال والحرام والحدود والاحکام وجمیع ما یحتاج الیہ الناس کملاً فقال اللہ عزوجل ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ" یعنی خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کی روح مبارک کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک ان کے لئے دین کو کامل نہیں کر دیا۔ اور جب تک ان پر وہ کتاب نہیں اتار دی جس میں ہر شیٔ کا بیان ہے یعنی جس میں خدا نے حلال و حرام، حدود و احکام اور تمام وہ باتیں ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے متعلق کمی نہیں کی۔ جناب علامہ مجلسی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "اشارۃ الی قولہ تعالیٰ فی سورۃ النحل ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیٔ ثم فسر ذالک بقولہ بین فیہ الحلال والحرام والحدود وجمیع ما یحتاج الیہ الناس کملاً (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۵۳) یعنی امام علیہ السلام کے اس کلام میں سورۃ نحل کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں خدا فرماتا ہے اے رسولؐ ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شیٔ کا بیان ہے۔ پھر امامؑ نے اس (ہر شیٔ) کی اپنے اس ارشاد میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس میں حلال و حرام و حدود (شرعیہ) اور وہ سب باتیں ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ خدا نے اس میں بیان کر دی ہیں" مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تفسیر صافی ص ۲۸۶ پر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں مذکور ہے فرمایا "واللہ ما ترک شیئاً یحتاج الیہ العبد حتی لا یستطیع عبد یقول لو کان ھذا انزل فی القرآن الا انزلہ اللہ" خدا کی قسم خدا نے ایسی کوئی چیز جس کی طرف بندے محتاج ہیں نہیں چھوڑی مگر یہ کہ اسے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔

اصول و اشارات ہیں یا کائنات کے ذرہ ذرہ کی تمام تفاصیل؟ بالبداہتہ معلوم ہے۔ کہ اس میں تمام جزوں کا تفصیلی تذکرہ موجود نہیں ہے "ان ذکر الاشیاء تفصیلاً فی القرآن غیر موجود بالضرورۃ یعنی بالبداہتہ تمام اشیاء کا تفصیلی تذکرہ قرآن میں موجود نہیں ہے (صراط الحق ج ۲ ص ۳۴۵) اور اجمال و اشارہ مفید مطلب نہیں " اجمالاً غیر کاف لما نحن بصددہ اور اجمالی بیان اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں ہے (حوالہ مذکور)

تیسرا جواب | اگر مذکورہ بالا حقائق سے بھی قطع نظر کر لیا جائے۔ تو تب بھی اس استدلال سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ آیات و روایات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کہ تمام موضوعات خارجیہ جیسے کہ کسی درخت کے پتہ کے گرنے، بارش کا قطرہ کسی جگہ گرنے، کسی آدمی کے اپنے ہاتھ کو حرکت دینے اور آنکھ اٹھا کر کسی طرف دیکھنے وغیرہ وغیرہ قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ (صراط الحق ج ۲ ص ۳۴۶) و دون اثباتہ خرط القتاد۔

چوتھا جواب | تفسیر اہلبیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس "ہر شیٔ" سے شرعی حدود و قیود و احکام حلال و حرام اور جمیع ما یحتاج الیہ الناس مراد ہیں۔ چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام اپنی مشہور حدیث راجع بصفات امام علیہ السلام میں ارشاد فرماتے ہیں "ان اللہ عز و جل لم یقبض نبیہ حتی اکمل لہ الدین و انزل علیہ القرآن فیہ تبیان کل شیٔ بین فیہ الحلال و الحرام و الحدود و الاحکام و جمیع ما یحتاج الیہ الناس کملاً فقال اللہ عز و جل ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ" یعنی خداوند عالم نے اپنے نبی کی روح مبارک کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک ان کے لئے دین کو کامل نہیں کر دیا۔ اور جب تک ان پر وہ کتاب نہیں اتار دی جس میں ہر شیٔ کا بیان ہے یعنی اس میں خدا نے حلال و حرام و حدود و احکام اور تمام وہ باتیں بیان کی ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے متعلق کمی نہیں کی "جناب علامہ مجلسی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ اشارہ الی قولہ تعالیٰ فی سورۃ النحل و نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیٔ ثم فسر ذلک بقولہ بین فیہ الحلال و الحرام و الحدود و جمیع ما یحتاج الیہ الناس کملاً (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۵۴) یعنی امام علیہ السلام کے اس کلام میں سورۃ نحل کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں خدا فرماتا ہے (اے رسولؐ) ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شیٔ کا بیان ہے۔ پھر امامؑ نے اس (ہر شیٔ) کی اپنے اس ارشاد میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس میں حلال و حرام و حدود (شرعیہ) اور وہ سب باتیں ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں خدا نے اس میں بیان کر دی ہیں" مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تفسیر صافی ص ۲۸۰ پر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں مذکور ہے فرمایا "واللہ ما ترک شیئاً یحتاج الیہ العباد حتی لا یستطیع عبد یقول لو کان ھذا نزل فی القرآن الا انزلہ اللہ" خدا کی قسم۔ خدا نے ایسی کوئی چیز جس کی طرف بندے محتاج ہیں نہیں چھوڑی۔ مگر یہ کہ اسے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔

حتیٰ کہ اب کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش (ضرورتاً) فلاں شئی کا اس میں بیان ہوتا۔ مگر یہ کہ خدا نے اسے پہلے ہی قرآن میں بیان کر دیا ہے۔ بحقیقت الامر یہی ہے کہ منصب نبوت و امامت کے لئے ضرورت بھی اسی مقدار کی ہے کہ جب تک ان کی نبوت یا امامت کے حدود کا تعلق ہے۔ ان تمام کی ضروریات سے کما حقہٗ واقف ہوں۔ اگر خدائے علیم اس سے زائد علم نبی و امامؑ کو عطا فرماتا ہے تو یہ اس کا تفضل ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام آیۂ مبارکہ "الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں "الانسان" سے مراد امیر المومنینؑ ہیں۔ راوی نے پوچھا۔ علمہ البیان کا کیا مطلب ہے فرمایا علمہ البیان کل شئی یحتاج الناس الیہ (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۵۳) "ہر وہ چیز جس کی بندوں کو ضرورت ہے اس کے بیان کرنے کا آنجنابؑ کو علم عنایت فرمایا۔ ان ھذا لفوز مبین۔ مذکورہ بالا شبہ اولیٰ کے جواب سوم و چہارم سے اس شبہ کا جواب واضح و عیاں ہے۔ لہٰذا تکرار کی ضرورت نہیں۔ فراجع۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

بروایت طارق بن شہاب فضائل امامؑ میں جو خطبہ حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے اس کے ضمن میں منجملہ دوسری صفات امامؑ کے ایک صفت یہ بھی مذکور ہے کہ "المطلع علی الغیوب" "امام غیب پر مطلع ہوتا ہے" (ترجمہ بحار الانوار ص ۳۴۰) اس شبہ کا بچند وجوہ جواب دیا جا سکتا ہے۔

اولاً تو یہ خطبہ رجب برسی کی کتاب مشارق الانوار سے منقول ہے۔ اور علمائے محققین کے نزدیک موثقیت اور عدالت ہر دو مجروح و مقدوح ہیں علامہ شیخ عباس قمیؒ نے قصص العلماء ص ۳۰۳ میں علامہ مجلسیؒ پر موصوف کا یہی الفاظ ذکر کیا ہے "و رجب مصرفی برسی نیز آن را در کتب خود نقل کردہ" تفصیل کے لئے روضات الجنات فی تراجم العلماء والسادات ملاحظہ ہو۔ ان کی کتاب مشارق الانوار علمائے اعلام کی نگاہ میں غالیانہ مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے چنانچہ علامہ شیخ محمد بن الحسن بن علی بن محمد الحر العاملی (صاحب کتاب وسائل الشیعہ) اپنی کتاب امل الامل ص ۲۱۲ طبع ایران میں ان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "وفی کتابہ افراط و ربما نسب الی الغلو" یعنی ان کی کتاب مشارق الانوار میں افراط (حد سے تجاوز) ہے اور بسا اوقات اسے غلو کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ بلکہ خود سرکار علامہ مجلسیؒ نے مقدمہ بحار الانوار ص ۱۰ پر اس کتاب کے متعلق لکھا ہے "کتاب مشارق الانوار لحافظ رجب البرسی ولا اعتمد علی ما ینفرد بنقلہ لاشتمال کتابہ علی ما یوھم الخلط والتخبیط" یعنی کتاب مشارق الانوار حافظ رجب برسی کی تصنیف ہے۔[1] نیز سرکار موصوف اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں "ولا عبرۃ بما رواہ البرسی وغیرہ من الاخبار الضعیفۃ" (ص ۳ مطبوعہ بر حاشیہ عقائد الصدوقؒ ایران) یعنی برسی وغیرہ نے جو ضعیف اخبار نقل کئے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا جس کتاب کا علمی مقام علمائے اعلام کی نظر میں یہ ہو۔ اس کی روایات پر (اور وہ بھی مقام اعتقاد میں) کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

[1] میں اس کتاب کی ان روایات پر اعتماد نہیں کرتا جنکے نقل کرنے میں وہ منفرد ہو کیونکہ یہ کتاب خلط و خبط پر مشتمل ہے۔

ثانیاً۔ یہ استدلال ہمارے محلِ نزاع سے خارج ہے کیونکہ ہم سطور بالا میں کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ اس امر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہ نبی و امام علیہما السلام حسب مصلحت ایزدی بتعلیم اللہ اس قدر امور غیبیہ پر اطلاع رکھتے ہیں۔ کہ ہم اس کی مقدار معین نہیں کر سکتے مگر تمام تر نزاع اس بات میں ہے کہ اس اطلاع علی الغیب کی وجہ سے ان کو "عالم الغیب" کہا جا سکتا ہے یا نہ؟ اس کا جواز اس خطبہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اطلاع علی الغیب اور ہے۔ اور عالم الغیب ہونا اور ہے

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اگر ان مدعیوں میں کچھ بھی علمی لیاقت و جرأت ہے تو کوئی ایک ہی ایسی مستند روایت پیش کر دیں۔ جس میں نبی علیہ و آلہ السلام یا امامؑ عالی مقام پر "عالم الغیب" ہونے کا اطلاق کیا گیا ہو تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ قیل و قال اور بحث و جدال ختم ہو جائے۔ مگر ع

لایاتون بہ ولو کان بعضهم لبعض ظهيرا

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے — یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

نوٹ:۔ اسی خطبۂ طارق بن شہاب میں یہ بھی وارد ہے کہ "ادفعوا عنا حظوظ البشرية فانا مبروؤن عما يجوز عليكم" یعنی ہم سے ان نقائص بشریہ کو دور کرو۔ جو تمہارے لئے روا ہیں۔ کیونکہ ہمارا دامن ان سے مبرا ہے۔ اس سے بعض مفترین یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کیا کرتے ہیں۔ کہ ائمہ کی نوع علیحدہ ہے حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور جہل ہے کیونکہ قطع نظر اس خطبہ کی علمی حیثیت کے جس میں یہ جملہ وارد ہے (جو کہ اوپر واضح کی جا چکی ہے) اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ امام ان تمام نقائص و عیوب سے منزہ ہوتا ہے۔ جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ امر بالکل حق و صدق ہے۔ لاشک فیہ ولاریب۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

کئی روایات میں وارد ہے کہ امام علیہ السلام علم ماکان وما یکون (گذشتہ اور آئندہ امور) کا عالم ہوتا ہے کیا اس سے ان کا عالم الغیب ہونا ظاہر نہیں ہوتا؟ اس شبہ کا جواب بھی ظاہر ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ امامؑ عالی مقام ماکان وما یکون کا عالم ہوتا ہے۔ مگر ہم کئی بار اس امر کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرا چکے ہیں۔ کہ روایت کے ساتھ درایت بھی ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا قابل غور امر یہ ہے کہ اس علم ماکان او ما یکون سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء اعلام کے انظار عالیہ مختلف ہیں ہم اسی باب میں حضرت شیخ مفیدؒ اور مولانا العلام السید

---

[1] حدیث میں وارد ہے "اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله" ہم نے طبع اول میں جو دعویٰ کیا تھا۔ باوجودیکہ کثیرہ لکھے جانے کے کوئی صاحب بھی تاحال اس دعویٰ کو غلط ثابت نہیں کر سکے اور نہ ہی آئندہ کبھی ایسا کر سکیں گے انشاء اللہ۔ والحمد لله على احسانه العميم منہ عفی عنہ

محسن امین الحسینی العاملی قدس سرہ نے علامہ حق رجحان نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اس کے متعلق چند احتمالات ذکر کئے ہیں۔ (۱) ممکن ہے کہ اس سے مراد شرعی احکام ہوں۔ دیگر موجودات (۲) ممکن ہے اس سے بعض اہم واقعات کا علم مراد ہو نہ تمام جزئی جزئی حالات کا (۳) ممکن ہے اس سے ملک مسدد روح القدس کی طرف رجوع کر کے معلوم کرنا مراد ہو (۴) ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ جب توجہ فرمائیں تو ما کان و ما یکون واقعات و حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ (۵) علاوہ بریں بعض آثار سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ ان کو حتمی و غیر حتمی اور قابل و ناقابل بداء امور کا علم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ جناب امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لولا آیۃ فی کتاب اللہ لا خبرتکم بما کان وما ھو کائن الی یوم القیامۃ وھی ھذہ الآیۃ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتب (احتجاج طبرسی ص۱۳۷ طبع نجف) اگر قرآن میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو گذشتہ اور قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دے دیتا۔ اور وہ آیت یہ ہے خدا جسے چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبت کر دیتا ہے اس کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔ ان توجیہات میں سے ہماری نظر قاصر میں چوتھی تاویل اقوی و اظہر ہے۔ دیگر مفصل و مبسوط روایات شریفہ سے اس تاویل کی تائید مزید ہوتی ہے بنا بریں روایات ما کان و ما یکون کا صحیح مفہوم وہی ہے۔ جس کی ہم کئی بار وضاحت کر چکے ہیں کہ علم امام ارادی ہے جب توجہ فرمائیں تو کائنات عالم کی ہر چیز کو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں خواہ وہ عالم علوی سے متعلق ہو یا عالم سفلی سے ما کان سے تعلق رکھتی ہوں یا ما یکون سے۔

ولکن الناس فیما یعشقون مذاھب

اکثر علماء محققین نے بھی ان روایات کا یہی مفہوم بیان کیا ہے چنانچہ فاضل جلیل مولانا سید حسین لکھنوی قدس سرہ علم امام کے متعلق مفصل بحث کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئاً اعلمہ اللہ ذلک "جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ خدا بتا دیتا ہے" درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وفی وبہ یجمع بین الاخبار احسن جمع و علیہ یحمل احادیث علمہم ما کان وما یکون وما ورد فی دعاء الندبۃ معروفۃ" یعنی میں کہتا ہوں کہ اسی حدیث شریفہ کے ذریعہ سے مختلف حدیثوں میں بہترین جمع ہو جاتی ہے اور اسی معنی پر علم ما کان و ما یکون والی احادیث اور دعائے ندبہ والی عبارت کو محمول کیا جائے گا۔ (حدیقہ سلطانیہ ج۲ ص۲۳۲) نیز اسی کتاب کے ص۳۰۳ پر لکھتے ہیں "منافات این حدیث بعلم ما کان و ما یکون مبنی است بر اینکہ مراد فعلیت جمیع علوم باشد و آں ممنوع است بلکہ مراد قوت قریبہ من الفعل است ... " یعنی اس روایت کی کشندگی کا علم ما کان و ما یکون والی روایات کے ساتھ متعارض ہونا اس پر مبنی ہے کہ ان روایات سے تمام علوم پر بالفعل ان ذوات مقدسہ کا مطلع ہونا ثابت ہو حالانکہ یہ بات ممنوع ہے بلکہ اس سے مراد وہ قوت ہے جو قریب بالفعل ہے یعنی یہ بزرگوار جب اور جو چیز معلوم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح علامہ سندی حاشیہ اصول کافی ج۱ ص۲۲۲ پر لکھتے ہیں

[illegible]

"مما يكون مراد هم من علم ما كان وما يكون العلم الذي هو على معنى انهم اذا شاؤا ان يعلموا شيئاً مما جهلوه اعلمهم الله كما يشهد به اخبار مستفيضة"۔ (یعنی علم ما کان وما یکون والی احادیث سے مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار جب کسی نامعلوم چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو خدا انہیں بتا دیتا ہے)۔ فهذا هو الكلام الحق ... (افادہ الفاضل المجلسی فی مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۰۳)

پانچواں شبہ اور اس کا جواب

بعض صاحب اشتیل قسم کے مؤلفین نے صرف کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے ایک طویل فہرست ان لوگوں کی دی ہے جنہوں نے جناب امیر علیہ السلام کے اطلاع دینے (اور ان کے بوجہ تعلیم نبوی مطلع ہونے اور نبیؐ کے باعلام اللہ آگاہ ہونے) کی وجہ سے بعض آنے والے واقعات کی قبل از وقت پیشگوئی کی ہے (جیسے جناب میثم تمار اور جناب رشید ہجری کے واقعات) اور اس سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ علم غیب تو آل محمدؐ کے غلاموں کو بھی حاصل تھا عنوان یہ قائم کئے ہیں۔ فلاں کا علم غیب اور فلاں کا علم غیب۔ اس مؤلف کی طرح کئی اور لوگ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جو شخص کبھی کسی گذشتہ یا آئندہ واقعہ کی خبر دے دیں وہ عالم الغیب کہلا سکتا ہے۔

اس شبہ کا جواب ظاہر ہے ہم اسی باب میں دلائل قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ جس شخص کا علم بنا ذاتی نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو۔ نیز جس کا علم کلی نہ ہو بلکہ جزئی ہو۔ اس کے عالم کو اصطلاح متکلمین اسلام میں عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے۔ ورنہ اگر عالم الغیب ہونے کا معیار اسی بات کو قرار دے دیا جائے کہ جو شخص بھی بعض آنے والے واقعات کو کسی کے بتانے سے ہی سہی جانتا ہو وہ عالم الغیب ہے پھر اسی طرح صرف یہی چند افراد (مثل جناب سلمان و رشید ہجری و میثم تمار و قنبر وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) ہی کیا تخصیص ہے۔ بلکہ اس طرح تو ہم سب عالم الغیب قرار پائیں گے۔ کیونکہ خدا و رسولؐ اور ائمہؑ کے بتانے سے ہمیں بھی بہت سی آنے والی باتوں کا علم ہے۔ مثلاً ہمیں یقین ہے کہ قیامت سے پہلے جناب عیسیٰؑ بن مریم آسمان سے نزول اجلال فرمائیں گے۔ حضرت مہدیؑ دوران ظہور موفور السرور فرمائیں گے۔ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی رجعت ہوگی۔ موت یقیناً آئے گی اور مرنے کے بعد قبر میں سوال و جواب ہوگا۔ قیامت ضرور آئے گی۔ مومن جنت میں اور باقی لوگ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ اسی طرح ہم جنت و جہنم عرش و کرسی اور ملائکہ کے وجود اور حشر و نشر کا علم اور ان حقائق پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر کسی واقعہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دینے والا عالم الغیب ہو سکتا ہے تو پھر ہم اس قدر مغیبات کثیرہ پر اطلاع رکھنے کے باوجود کیوں عالم الغیب نہیں ہو سکتے؟ لیکن اگر ہمیں عالم الغیب کہنا درست نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر ماننا پڑیگا۔ کہ جس کا علم جزئی اور مستفاد من الغیر ہو۔ اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ وہو المطلوب وقد حصل بعون اللہ الودود۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب۔ اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ اطہار لوگوں کے مافی الضمیر جانتے تھے اور

ان کو خبر دے دیتے تھے یہ علم غیب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس شبہ کا جواب کئی طرح دیا جا سکتا ہے۔

اوّلاً۔ یہ درست ہے کہ ائمہ اطہار توجہ فرمانے سے بعض بندوں کے ما فی الضمیر کو معلوم کر لیتے تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عالم الغیب ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ علم بوجہ فراستِ ایمانی ہو۔ (اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ، جیسا کہ سفینۃ البحار وغیرہ کی بعض روایات سے واضح ہوتا ہے) ممکن ہے بوجہ شدتِ اعتقاد و جلاءِ نفس ہو۔ (ما بجزو شو بجرد یابین) اور ممکن ہے بوجہ الہامِ ربانی ہو۔★ اسے عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ عالم الغیب کہلانے کا حق صرف وہ ہو سکتا ہے جس کا علم ذاتی ہو۔ اور وہ بھی کلی و اجمالی جیسا کہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ " لان الوصف بذالک انما یستحقہ من علم الاشیاء بنفسہ لا بعلم مستفاد و لا یکون ھذا الغیر اللہ سبحانہ " یعنی اس وصف (عالم الغیب) کا حقدار صرف وہی ہو سکتا ہے جو بالذات چیزوں کا عالم ہو۔ نہ کہ علم مستفاد کے ذریعہ سے۔ اور یہ صرف خدائے رحمان کی شان ہے" (اوائل المقالات ص۳۸)

ثانیاً۔ ہمارا طریقۂ کار جیسا کہ ہمارے ناظرین کرام سے مخفی و مستور نہیں ہے۔ کہ جس موضوع پر نصوص معتبرہ کا معتبر ذخیرہ مل جائے۔ اور وہ دیگر نصوص قطعیہ عقلیہ و شرعیہ کے معارض و مخالف بھی نہ ہو۔ ہم اس کے تسلیم کرنے کو لازمۂ ایمان و فریضۂ اسلام سمجھتے ہیں۔ بنا بریں چونکہ اس موضوع پر متعدد اخبار و آثار موجود ہیں۔ اس لئے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اگر بالفرض کوئی شخص اس (کشفِ ضمائر) کا انکار بھی کر دے تو وہ دائرۂ مذہب شیعہ سے نکل نہیں جاتا۔ کیونکہ علماء اعلام کی تصریحات موجود ہیں کہ " عالم الضمائر ہونا نہ شرائطِ امامت میں داخل ہے اور نہ ائمہ کو عالم الضمائر تسلیم کرنا مذہب شیعہ کے لوازم میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مفید فرماتے ہیں " ان الائمۃ من آل محمد قد کانوا یعرفون ضمائر بعض العباد و یعرفون ما یکون قبل کونہ و لیس ذالک بواجب فی صفاتھم و لا ھو شرط فی امامتھم و انما اکرمھم اللہ تعالیٰ بہ و اعلمھم ایاہ للطف فی طاعتھم و التمسک بامامتھم " (اوائل المقالات ص۳۸) یعنی میں کہتا ہوں کہ ائمہ اہل بیتؑ بعض بندوں کے ضمیروں کو اور واقعہ کو وقوع ہونے سے قبل جانتے تھے لیکن یہ بات نہ تو ان کی صفات میں لازم ہے اور نہ ہی شرطِ امامت ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ نے صرف تفضلاً ان کو اس علم سے نوازا تھا تاکہ (بندوں کے لئے) ان کی طاعت کرنے اور ان کی امامت کے ساتھ تمسک کرنے میں بطورِ لطف مدد و معاون ہو۔" (وا للطف ھو المقرب الی الطاعۃ و المبعد عن المعصیۃ)۔ اسی طرح آقائے سید ہاشم معروف اپنی کتاب عقیدۃ الشیعۃ الامامیہ ص۔۔۔ پر اس علم الضمائر کی مختلف اور مناسب توجیہات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں" و مع جمیع ذالک فلیس ذالک من شروط التشیع و لا من شروط القول بامامتھم " یعنی ان تمام احتمالات کے باوجود یہ بات نہ شیعہ ہونے کے شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی امامتِ اہل بیتؑ کے لوازم میں سے ہے۔" بنا بریں ایسی بات سے تمسک کر کے ان ذواتِ مقدسہ کو عالم الغیب ثابت کرنا کہاں تک درست ہے؟ اس کا اندازہ لگانا اربابِ بصیرت کے لئے چنداں مشکل نہیں ہے۔ حضرت شہید ثالث علیہ الرحمہ اپنی کے

★ اصل یہ بات قبل ازیں کئی بار ثابت کی جا چکی ہے کہ جس کا علم بالذات نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو اسے عالم الغیب (الخ)

موسیٰ متحمل ہونے میں کلام نہیں کہا جا سکتا، ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں: "در اصول عقائد دینیہ ہیچ کس ایں دعویٰ نکردہ کہ انبیاء بر ضمائر بشر در جمیع احوال اطلاع داشتہ باشند علی ما نقلہ فی تحفہ غیرہ ۲ صد ۲۹"

ثالثاً۔ ہم سابقہ اوراق میں متعدد مقامات پر ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ اطہارؑ کا علم ارادی و محتاج توجہ ہے جب بھی کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ (جس میں ما فی الضمیر کا معلوم کرنا بھی شامل ہے۔) تو باعلام اللہ اسے معلوم کر لیتے ہیں اور یہ علم غیب نہیں بلکہ عطیہ پروردگار ہے علم غیب وہ ہوتا ہے جو ذاتی اور کلی ہو۔ و نیز جزئی علم کو علم غیب نہیں کہا جا سکتا۔ چہ جائیکہ اس کے عالم کو عالم الغیب کہا جائے۔ فتدبر۔ قد فصلنا الآیات لقوم یذکرون۔

آٹھواں باب

پیغمبر اسلام کے ہمراہ معراج پر حضرت امیر علیہ السلام کے تشریف لیجانے یا نہ لے جانے کا بیان

جناب پیغمبر اسلام علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کا بجسد عنصری عالم امکان کی آخری سرحد میں معراج پر تشریف لے جانا مذہب شیعہ کے ان مسلم الثبوت عقائد ایمانیہ میں سے ایک عقیدہ ہے کہ جس کا منکر دائرۂ مذہب سے خارج متصور ہوتا ہے جیسا کہ سرکار صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ من انکر ثلاثۃ اشیاء فلیس منا المعراج والمسألۃ فی القبر والشفاعۃ جو شخص ان تین چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں۔ معراج، قبر میں سوال و جواب اور شفاعت (حق الیقین صفحہ، اثنا عشریہ ثالثہ بحار وغیرہا) اس وقت یہاں نہ کیفیت معراج کا بیان کرنا مقصود ہے، اور نہ ہی فلسفۂ معراج سے بحث کرنا مطلوب۔ بلکہ یہاں صرف اس کا اظہار کرنا مد نظر ہے کہ جس طرح دیگر اکثر اسلامی و ایمانی اصول و عقائد افراط و تفریط کی زد سے محفوظ نہیں رہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ بھی جہال و ضلال کی دستبرد و دخل اندازی سے نہیں بچ سکا۔ چنانچہ بعض لوگ تو اس قدر دشت تفریط میں سرگرداں ہوئے کہ بعض وہمی شکوک اور عقلی استبعادات کی بنا پر آنحضرتؐ کے جسمانی معراج کا ہی انکار کر دیا۔ اور اگر تسلیم بھی کیا۔ تو محض روحانی طور پر۔ اس گروہ کے بالمقابل بعض لوگ بحر افراط میں اس قدر بہہ گئے۔ کہ بلا دلیل و برہان حضرت امیر المومنینؑ کو بھی اس سفر میں شریک رسولؐ قرار دے دیا۔ یا کم از کم بمقام قاب قوسین آنحضرتؐ کے ساتھ ان کے ظہور جسمانی کا نظریہ قائم کر لیا۔ چنانچہ کچھ دنوں سے دیگر بعض مسائل و عقائد کی طرح اس

موضوع پر بڑی شد و مد کے ساتھ غلط انداز میں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے اور کچھ مفاد پرست لوگ اسے غلط رنگ میں پیش کر کے عوام اہل ایمان کو علماء اعلام سے بدظن کرنے کی سعی نا فرجام کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس باب میں دلائل و براہین سے حق و حقیقت کا اظہار کر کے غلط نظریات کا تار و پود بکھیر دیا جائے ہمیں ان مشکلات و مصائب کا پورا پورا احساس ہے۔ جو ایک محقق کو ایسے مقامات پر درپیش آتے ہیں۔ فضائل اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں جذبات کی رو میں بہہ کر ہمارے عوام بلکہ بعض نام نہاد خواص بھی صحیح و سقیم میں امتیاز نہیں کرتے اور اگر کوئی تحقیق پسند شخص کسی فرضی فضیلت کو اس بنا پر تسلیم نہ کرے کہ اس پر کوئی دلیل و برہان قائم نہیں ہے تو اس پر فوراً "منکر فضائل" ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک مخصوص طبقہ کو اس کے خلاف عوام کو مشتعل کرنے کا اچھا موقع مل جاتا ہے ہمارا ایمان ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے فضائل و مناقب کا انکار نہ صرف عدم ایمان کا باعث ہے بلکہ ہم اسے موجب کفر سمجھتے ہیں لیکن ان فضائل کا انکار جو قرآن و حدیث کی رو سے مسلّم الثبوت ہوں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ وغیرہ علماء اعلام نے فرمایا ہے۔ نہ ان فضائل کا انکار جو محض طبع زاد اور من گھڑت ہوں۔ اس مقام پر سید علی و سید حسین کی یہ فرمائش آویزۂ گوش بنانے کے قابل ہے۔ "کہ از طرف خود مرتبہ تراشیدن و بے دلیل در بیان صفت حضرات قرار دادن روا نیست" (حدیقہ سلطانیہ ج ۱، ص ۲۰) یعنی اپنی طرف سے کوئی مرتبہ تراش کر بے دلیل اسے ان ذوات مقدسہ کی صفت قرار دے دینا جائز نہیں ہے۔" ہم اس موضوع پر اس کتاب کے دیباچہ میں بڑی وضاحت سے اظہار خیال کر چکے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ اہل علم اپنا حقیقی مقام حاکمیت چھوڑ کر مقام محکومیت پر اتر آئے ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ وہ حاکم بن کر عوام الناس کے غلط نظریات کی اصلاح کرتے اور ان کو راہ راست پر گامزن ہونے کی سعی جمیل کرتے لیکن اب اس کے برعکس حالت یہ ہے کہ نظریہ عوام قائم کرتے ہیں اور نام نہاد علماء کا کام صرف ان کی تائید کرنا ہے اگرچہ ان کو اس میں اپنے دین و دیانت سے دستبردار ہونا پڑے اور قرآن و حدیث پر کند چھری پھیرنا پڑے۔ آہ ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

بہرحال ہم گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر کلمۂ حق کے اظہار سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ بقول کسے ؎

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے — اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے۔

محل نزاع کی تعیین

اصل موضوع پر دلائل و براہین قائم کرنے سے پیشتر محل اختلاف کی تعیین ضروری ہے واضح رہے کہ بحث اس امر میں نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام وقت واحد میں متعدد جگہ تشریف لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ بعض لوگوں سے پیش کیا جا رہا ہے، زندگی میں یا بعد از وفات؟ اگر آپ چاہیں تو باقتدار الٰہی آن واحد میں سو سو جگہ تشریف لے جا سکتے ہیں اور پھر واپس تشریف لا سکتے ہیں لیکن ہر ممکن واقع تو نہیں ہوتا۔ کسی چیز کا امکان اور ہے اور اس کا وقوع پذیر ہونا اور ہے۔ رہا زمانہ کی ناہمواری و کجرفتاری کا گلہ سو کیا دلیل ہوئی کہ آج میں ایسے لوگوں سے

سابقہ پڑا ہے اور وہ لوگ ہم سے اُلجھ رہے ہیں جو کسی چیز کے امکان اور اس کے وقوع میں فرق نہیں کر سکتے۔ ہم کتاب کے دیباچہ میں یہ امر ثابت کر چکے ہیں کہ نقلی مطالب میں آیاتِ محکمات یا روایاتِ متواترات کارآمد ہوتی ہیں نہ صرف امکانِ عقلی۔ بنا بریں تمام تر بحث اس امر میں ہے اور یہی غور طلب ہے کہ آیا حضرت علی علیہ السلام کا معراج پر تشریف لے جانا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ سے ثابت ہے یا نہ؟ ہم نے جہاں تک اس سلسلہ میں کتب کی ورق گردانی کی ہے ہم یہ اعتراف کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں بطریق فریقین کوئی ایک مستند حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکی جس سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہو تا بہ بابت چہ رسد کہ یہ روایات متواترہ ہوں۔ ہاں تتبع و جستجو کے دوران بکثرت ایسے اخبار و آثار نظر سے گزرے ہیں جن سے اس مطلب کی واشگاف الفاظ میں پرزور تردید ہوتی ہے۔ اسی طرح شواہد قرآن سے بھی اس خیال کا ابطال ہوتا ہے۔ اگرچہ قاعدہ عقلی کی رو سے چونکہ ثبوت بذمہ مدعی ہوتا ہے اس لئے اس موضوع پر کسی ثبوت کا نہ ہونا ہی اس کے عدم ثبوت کے لئے کافی ہے اور گو ہم پر (جو اس کے قائل نہیں ہیں) اس کی نفی پر دلائل قائم کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اور ویسے بھی نفی محتاج دلیل نہیں ہوتی تاہم حسن ظن کے سبب دستور سابق قرآن کریم، احادیث معصومینؑ، اتفاق علماء متقدمین اور عقل سلیم کی روشنی میں اس کے عدم وقوع پر دلائل دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق وھو حسبی ونعم الوکیل۔

متعلقہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں دو سورتوں میں جناب پیغمبر اسلامؐ کے معراج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک سورہ بنی اسرائیل میں اور دوسرے سورۂ والنجم میں اور ہر جگہ معراج پر جانے والے بزرگوار کے متعلق واحد کے صیغے اور واحد کی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ جیسے ارشاد قدرت ہے: (سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ) وہ ذات ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی [illegible] تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ (وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنا فتدلّیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ ما کذب الفؤاد ما رایٰ افتمارونہ علیٰ ما یریٰ [illegible]) اور جس حال میں کہ وہ اونچے سے اونچے افق پر تھا۔ پھر وہ اور قریب ہوا پھر معلق ہو گیا۔ پھر دو کمانوں کا فاصلہ رہا یا کچھ کم۔ پھر خدا نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی کی۔ رسول نے جو کچھ بھی دیکھا اس کے دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں [illegible] رسول سے اس کے متعلق بحث کرتے ہو جو کچھ کہ وہ دیکھتے ہیں۔ بے شک انہوں نے [illegible] بڑی نشانیوں کو دیکھا۔ (ترجمہ ختم ہوا)

[illegible] ہوتا ہے کہ جس بزرگ کو [illegible] خداوند قدیر و قہار نے

شرفِ معراج سے ممتاز و مفتخر فرمایا وہ ایک ہی تھا اور وہ تھا پیغمبر اسلام علیہ و آلہ افضل التحیۃ والسلام۔ ظاہر ہے اگر کے ہمراہ جناب امیر علیہ السلام بھی ہوتے تو پھر خدائے حکیم واحد کے صیغے اور واحد کی ضمیریں استعمال نہ کرتا۔ بلکہ ان کی بجائے تثنیہ یا جمع کے صیغے اور ضمیریں لائی جاتیں۔ کما لایخفیٰ علی من لہ ادنیٰ المام باسالیب الکلام۔ قرآن میں تو ان چیزوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ لہٰذا پھر یہ بات کیونکر باور کی جا سکتی ہے کہ اس سفر مبارک میں جناب امیرؑ بھی شریک ہوئے تھے۔

متعلقہ مسئلہ احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں

اس سلسلہ میں حضرات معصومینؑ کے ایسے بکثرت فرامین موجود ہیں۔ جن سے صراحۃً یا کنایۃً یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شبِ معراج حضرت امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے عالمِ بالا کی طرف تشریف لے جانے کے بعد بطور حجتِ خدا زمین میں تشریف فرما تھے۔ ذیل میں ان احادیث شریفہ کا ایک شمہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حیات القلوب ج ۲ ص ۳۸۹ طبع نولکشور لکھنؤ پر بسند معتبر ایک روایت درج ہے جس میں معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ سے آگے آنحضرتؐ کا پروردگار عالم سے مناجات کرنا اور رب العزت کا جناب امیر علیہ السلام کے بعض فضائل مخصوصہ بیان کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ اور آنحضرتؐ کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جب زمین پر جائیں تو جناب امیرؑ کو ان فضائل کی بشارت دیں۔ چنانچہ روایت میں وارد ہے کہ "چوں حضرت بزمین آمد علیؑ را بشارت داد بانچہ حق تعالیٰ در حق او فرمودہ بود" الخ یعنی جب آنحضرتؐ واپس زمین پر تشریف لائے تو ان باتوں کی حضرت علیؑ کو بشارت دی۔ جو خدائے عزوجل نے ان کے حق میں فرمائی تھیں۔" ظاہر ہے کہ اگر جناب امیرؑ آں حضرتؐ کے ہمراہ ہوتے تو پھر خدا کا رسولؐ کو پیغام دینا اور ان کا زمین پر تشریف لانے کے بعد جناب امیرؑ تک وہ پیغام پہنچانا سب بے حقیقت بات ہو کر رہ جاتی ہے۔ معاذ اللہ۔

(۲) حیات القلوب ج ۲ ص ۳۸۰ پر ایک روایت بسند معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جس میں یہ ارشاد قدرت مروی ہے "کہ از من باو برساں کہ او نشانہ شدہ راہ ہدایت است و پیشوائے دوستان است" الخ "یا رسول اللہ! علیؑ کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دینا کہ وہ نشان راہ ہدایت کا نشان اور میرے دوستوں کا پیشوا ہے" الخ ظاہر ہے کہ اگر جناب امیرؑ اس سفر میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ ہوتے تو پھر ان کے نام زمین پر پیغام بھجوانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) حیات القلوب ج ۲ ص ۳۸۸ پر شیخ طوسیؒ بسند معتبر بروایت ابن عباس آنحضرتؐ کی ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں مذکور ہے کہ آں حضرتؐ فرماتے ہیں۔ خدا نے مجھے پانچ فضیلتیں عطا فرمائیں اور علیؑ کو بھی پانچ فضیلتیں مرحمت فرمائیں۔ جن میں پانچویں فضیلت یہ مذکور ہے فرماتے ہیں "مرا بآسمان بردند درہائے آسمان را بجانب او کشودند و بسوئے من نظری کرد و من بسوئے او نظری کردم۔ نظر کردم بسوئے او دیدم کہ حجابہا کشودہ شدہ و درہائے آسمان کشودہ شدہ۔ علی را دیدم سر بسوئے آسمان بلند کردہ بسوئے من نظری کرد پس علی با من سخن گفت و من با او سخن گفتم پروردگار من

با من سخن گفت گفتم یا رسول اللہ چہ سخن با تو گفت گفت حق تعالیٰ فرمود کہ اے محمدؐ گردانیدم من علیؑ را وصی تو و وزیر تو و خلیفہ تو بعد از تو اعلام کن او را کہ نیک سخن ترا می شنود۔ پس من در جائیگاہ خدمت پروردگار خود ایستادہ بودم آنچہ فرمود بعلیؑ گفتم و علیؑ مرا جواب گفت کہ قبول کردم و اطاعت نمودم۔ چون بزمین آمدم آنچہ دیدہ بودم علیؑ مرا خبر میداد پس دانستم کہ بہر مکان کہ می رفتہ بودم برائے علیؑ حجب را کشودہ بودند کہ او نیز دیدہ بود"

یعنی جب خدا تعالیٰ مجھے آسمان پر لے گیا تو حضرت علیؑ پر آپ ساتوں کے دروازے کھول دیئے اور درمیانی حجاب ہٹا دیئے لہٰذا میں ان کو دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے دیکھ رہے تھے۔ جب میں نے ان (علیؑ) کی طرف دیکھا تو آسمان کے دروازے کھلے تھے حجاب اٹھا دیئے گئے تھے میں نے دیکھا کہ علیؑ آسمان کی طرف سر بلند کرکے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ پس اس وقت انہوں (علیؑ) نے مجھ سے گفتگو کی میں نے ان سے۔ اور خدا نے مجھ سے! میں (ابن عباس) نے عرض کی آپ سے خدا نے کیا گفتگو فرمائی؟ فرمایا خدا نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے تیرے بعد تیرا وصی و خلیفہ علیؑ کو مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اس کو یہ اطلاع کر دیجئے کیونکہ وہ آپ کی خوب اطاعت کرتے اور بات سنتے ہیں۔ پس میں نے اسی حالت میں جو کچھ ارشاد رب العزت تھا۔ علیؑ کو پہنچا دیا۔ اور انہوں نے جواب میں اپنی قبولیت و اطاعت گذاری کا اقرار کیا۔ جب میں زمین پر پہنچا۔ تو جو کچھ میں نے آسمانوں میں دیکھا تھا۔ علیؑ مجھے اس کی خبر دیتے جاتے تھے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں جس جگہ بھی جاتا تھا علیؑ کے لئے حجاب اٹھا دیئے جاتے تھے۔ اس طرح وہ زمین میں رہ کر بھی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ (کذا فی البحار ج [illegible] و الانوار النعمانیہ [illegible]) اس سے بڑھ کر اور کس طرح اس امر کی صراحت و وضاحت کی جا سکتی ہے کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام اس سفر میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ نہیں تھے۔

ارباب عقل و دانش غور کریں کہ آیا پیغمبر اسلام کے ہمراہ آسمان پر تشریف لے جانا بڑی فضیلت ہے یا حجت خدا کا زمین پر رہ کر تمام ملکوت السموات کا مشاہدہ کرنا۔ اور اسی حال میں آں حضرتؐ سے مصروف گفتگو رہنا زیادہ باعث عظمت و جلالت ہے؟ ہماری نظر قاصر میں تو یقیناً آخری صورت میں آں جنابؑ کی قدر و منزلت کا زیادہ مظاہرہ ہوتا ہے اور ہمیں یقین کامل ہے کہ ہر صاحب النظر اور صحیح فکر انسان اس امر میں ہمارے ساتھ اتفاق رائے کرے گا۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(۲) عنہؐ قال ما بلغت شیئاً لیلۃ المعراج ولا رأیت، الا علمت علی بن ابی طالب علیہ السلام ورد[illegible] وھو فی الارض" جناب رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا۔ شب معراج مجھے (خدا کی طرف سے) کوئی بات نہیں پہنچائی گئی۔ اور میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ مگر یہ کہ میں نے وہ بات علی بن ابی طالبؑ تک پہنچا دی۔ جبکہ وہ زمین میں موجود تھے۔ (طریق الانوار [illegible]) اس روایت شریفہ میں بعبارۃ النص آنحضرتؐ کی زبانی شب معراج حضرت امیرؑ کا زمین میں موجود ہونا مذکور ہے اب بھی کسی کلمہ گوئے اسلام کو اس امر کے تسلیم کرنے کے سلسلہ میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟

(۵) کتاب مذکور کے صفحہ ۱۴۹ پر آنحضرتؐ سے ایک طویل الذیل روایت مروی ہے جس میں ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کا آنحضرتؐ کی خدمت میں شوقِ زیارتِ علیؑ ظاہر کرنا اور واپس زمین پر پہنچ کر ان کی طرف سے آنجناب کی خدمت میں ان کے سلام شوق پہنچانے کی استدعا کرنا مذکور ہے (قالوا اذا رجعت الی الارض فاقرء علیاً منی السلام) اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ اس جناب شب معراج بطور حجت صادرین میں موجود تھے۔

(۶) محدث جزائری نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ ص ۱۵ پر آنحضرتؐ سے کیفیت معراج کے متعلق ایک حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمانوں میں دیکھا کہ حضرت امیرؑ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور فرشتے ان کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آنحضرتؐ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا، ہذا علی بن ابی طالب علیہ السلام ترکتہ فی الارض وہا ہو قد سبقنی الی السماء؟ یہ علی بن ابی طالب ہیں؟ جن کو میں زمین پر چھوڑ کر آرہا ہوں۔ کیا وہ مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ ارشاد قدرت ہوا! ہذا شخص مثل علی بن ابی طالب خلقتہ فی جمیع السموٰت حتی تنظروا الیہ الملائکۃ فتطمئن الیہ نفوسہم من شدۃ حبہم لعلی بن ابی طالب علیہ السلام یہ ایک شخص (فرشتہ) بصورت علی بن ابی طالب کے مانند ہے جسے میں نے تمام آسمانوں میں پیدا کیا ہے۔ تاکہ فرشتوں کو حضرت علیؑ سے جو شدید محبت ہے اس کی طرف دیکھ کر ان کے نفوس کی تسکین ہو سکے۔" اس روایت شریفہ سے بھی واضح ہے کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام اپنے جسد عنصری کے ساتھ زمین پر تشریف فرما تھے

(۷) ابن بابویہ بسند معتبر از ابن عباس روایت کردہ است کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ با حضرت امیر المومنین علیہ السلام گفت کہ یا علی۔ چوں مرا بآسمان ہفتم بردند و از آنجا بسدرۃ المنتہیٰ و از آں جا بحجاب ہائے نور و پروردگار من مرا گرامی داشت۔ بمناجات خود در میان آنہا گفت یا محمدؐ! گفتم لبیک ای پروردگار من و سعدیک بندۂ توام و در خدمت تو ایستادہ ام تو ئی مبارک و بلند مرتبہ پس فرمود کہ بدانکہ علیؑ امام و پیشوائے دوستان من است و نور ہست برائے ہر کہ طاعت من کند و او است کلمہ لازم متقیان کہ واجب گردانیدہ ام ہر کہ او را اطاعت کند، طاعت کردہ است و ہر کہ او را نافرمانی کند مرا نافرمانی کردہ است پس اورا بشارت دہ بایں۔ چوں حضرت بزمین آمد علیؑ را بشارت داد بآنچہ حق تعالیٰ در حق او فرمودہ بود امیر المومنین گفت یا رسول اللہ آیا قدر من بمرتبہ رسیدہ است کہ در چنیں مکانے مرا یاد کنند۔ حضرت فرمود بلے یا علی شکر کن پروردگار خود را پس آنحضرتؑ سجدہ افتاد برائے شکر نعمت پروردگار خود و حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ فرمود کہ سر بردار یا علی! کہ حق تعالیٰ بتو مباہات کرد با ملائکہ خود (حیات القلوب ج ۲ ص ۳۳۳) اس عبارت کا مطلب واضح و عیاں ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بوقت مناجات رب جلیل نے رسالتمآبؐ سے حضرت امیرؑ کے چند فضائل مخصوصہ بیان فرمائے اور جب آنحضرتؐ زمین پر واپس تشریف لائے اور آنجنابؑ کو اس امر کی اطلاع دی تو آنجناب بطرف ان نعمت پروردگار کے شکریہ میں سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ اس کا تذکرہ بالصراحت ہیں اس کا ذکر ہوا ہے۔ اگر وہ ذات خود وہاں تشریف فرما ہوتے تو پھر اس سلام و پیغام اور جناب امیرؑ کے سجدۂ شکر بجا لانے کے کیا معنی ہیں؟

عالم بالا میں جناب امیر علیہ السلام کی تمثال مبارک کا موجود ہونا

کتب تفسیر و حدیث میں اس قسم کی بکثرت روایات معتبرہ موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت نے شب معراج عالم بالا میں متعدد مقامات پر جناب امیر علیہ السلام کی تمثال مبارک کو دیکھا خود آپ کے جسد عنصری کو دیکھنا کسی معتبر حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ تمثال کا وجود ہی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آنجناب بنفس نفیس وہاں تشریف نہ رکھتے۔ اس سلسلہ کی چند روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ "در شب معراج چوں باسمان پنجم رسیدم صورت علی بن ابی طالب علیہ السلام را دیدم تا مشاہدہ کردم۔ پس گفتم اے حبیب من جبرئیل ایں چہ صورت است؟ جبرئیل گفت یا محمد ملائکہ خواہش کردند کہ زمشاہدہ جمال علی بہرہ مند گردند۔ گفتند پروردگارا فرزندان آدم در دنیا بہرہ مند شدند کہ بامداد و پسین بمشاہدہ خورشید جمال علی بن ابی طالب علیہ السلام (جب میں پانچویں آسمان پر پہنچا تو وہاں جناب امیر علیہ السلام کی صورت قدسی دیکھی۔ میں نے جبرئیل سے کہا، اے میرے حبیب جبرئیل! یہ کیسی صورت ہے؟ جبرئیل نے عرض کیا کہ فرشتوں نے چاہا کہ حضرت علیؑ کے جمال باکمال کے مشاہدہ سے بہرہ مند ہوں۔ لہذا بارگاہ رب العباد میں استدعا کی، پروردگارا بنی آدم تو ہر صبح و شام حضرت امیرالمومنینؑ کے چہرۂ نور کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں مگر ہم اس سعادت سے محروم ہیں۔ خدا نے ان کی استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور اپنے خاص نور اقدس سے آں جنابؑ کی ایک صورت بنائی۔ جس کی زیارت سے فرشتے شب و روز مشرف ہوتے ہیں۔" الخ (حیات القلوب ج ۲ ص ۳۴۴ کذا فی سادس البحار ص ۳۸۳)

(۲) بسند معتبر از حضرت امام حسینؑ روایت کردہ است کہ فرمود کہ از جدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ شنیدم کہ گفت در شب معراج ملکے را دیدم کہ در دستش شمشیرے از نور بود و باآں بازی می کرد۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنینؑ بذوالفقار بازی میکرد در جنگ و ملائکہ ہر گاہ مشتاق لقائے امیرالمومنینؑ علیہ السلام می شدند بروئے آں ملک نظری کردند۔ گفتم پروردگارا ایں برادر و پسر عم من علیؑ بن ابی طالبؑ است حق تعالیٰ ندا کرد کہ یا محمدؐ ایں ملکے است کہ بر صورت علیؑ آفریدہ ام کہ در میان عرش مرا عبادت می کند و ثواب حسنات و تقدیس او برائے علی بن ابی طالب است تا روز قیامت" یعنی حضرت امام حسینؑ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے جد نامدار جناب رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے شب معراج ایک ایسے فرشتے کو دیکھا جس کے ہاتھ میں نورانی تلوار تھی اور وہ اس کے ساتھ اسی طرح کھیل رہا تھا۔ جس طرح حضرت امیرؑ جنگ میں ذوالفقار کے ساتھ کھیل کرتے تھے۔ جب بھی فرشتے حضرت امیرؑ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس فرشتے کے چہرہ پر نظر کر لیتے۔ میں نے عرض کیا۔ بار الہا یہ میرا بھائی علی بن ابی طالبؑ ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آواز دی کہ یہ ایک فرشتہ ہے جسے میں نے حضرت علیؑ کی شکل و صورت پر خلق کیا ہے۔ جو عرش میں میری عبادت کرتا ہے اور اس کی تسبیح و تقدیس کا ثواب حضرت امیرؑ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا (حیات القلوب

ج ۲ ص ۳۹۱ بحارج ۹ ص ۳۹۹ جواہر سنیہ ص ۱۹۶

(۴) شیخ طوسی بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ با حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ گفت۔ یا علی بدرستیکہ حق تعالیٰ ترا حاضر گردانید با من در ہفت موطن تا انس یابم بتو اول در شبیکہ مرا باسمان بردند۔ جبرئیل گفت یا محمد کجاست برادر تو علی گفتم او در زمین گذاشتم گفت دعا کن تا خدا اورا بیاورد از برائے تو چوں دعا کردم مثال ترا با خود دیدم۔ مرتبہ دوم بعرش بردند جبرئیل گفت یا محمد برادر تو کجاست گفتم در زمین گذاشتم۔ گفت خدا را بخوان کہ تا اورا بنزد تو آورد دعا کردم مثال ترا نزد خود دیدم۔ پنجم در حق تعالیٰ در ملاء اعلیٰ مناجات کردم مثال تو با من بود۔ ششم چوں بیت المعمور را طواف کردم مثل تو با من بود و چوں پیغمبران با من نماز کردند مثال تو عقب من بود در حیات القلوب ج ۲ ص ۱۲۰ کذا فی تفسیر البرہان ج ۳ ص ۴۰۴ و تفسیر صافی ص ۲۸۱ و سادس البحار ص ۳۸۹ عربی عبارت اس طرح ہے (فقال لی جبرئیل این اخوک فقلت خلفتہ ورائی قال ادع اللہ فلیاتک بہ فدعوت اللہ فاذا مثالک معی۔ ۔۔۔) یعنی جناب شیخ طوسی بسند معتبر جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا۔ یا علی خدا نے تجھے سات مقامات پر میرے پاس حاضر کیا تاکہ میں آپ سے مانوس ہوجاؤں۔

اوّل۔ جس شب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو جبرئیل نے مجھ سے کہا یا محمد آپ کے بھائی علی کہاں ہیں۔ میں نے کہا میں اُن کو زمین میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ جبرئیل نے کہا۔ دعا کیجیے تاکہ خدا اُن کو لاسکے۔ پس جب میں نے دعا کی۔ تو تمہاری مثال میرے پاس موجود تھی۔

دوم۔ جب مجھے عرش پر لے گئے تو وہاں پھر یہی سوال و جواب ہوا۔ میں نے دعا کی تو میں نے تمہاری مثال کو اپنے پاس دیکھا۔

پنجم۔ جب ملاء اعلیٰ میں خدا کے ساتھ مناجات ہوئی۔ تو اس وقت بھی تمہاری مثال میرے ہمراہ تھی۔

ششم۔ جب میں نے بیت المعمور کا طواف کیا تو تمہاری مثال میرے ساتھ تھی اور جب پیغمبروں نے میری اقتداء میں نماز پڑھی تو اس وقت بھی تمہاری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔ (تلک عشرۃ کاملۃ) اس سے بڑھ کر اس امر کی کس طرح وضاحت کی جاسکتی ہے کہ شب معراج حضرت امیر علیہ السلام بنفس نفیس معراج پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ صرف اُن کی مثال عالم بالا میں موجود تھی اور خود آپ بطور حجت خدا زمین پر جلوہ افروز تھے۔ وھو مقصود و قد حصل بعون اللہ الودود۔

انتباہ و ازالہ اشتباہ معلوم ہوا ہے کہ بعض نام نہاد مبلغین ان شان والی روایات کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے پھرتے ہیں کہ کیا خدا نے وہاں تصویر کشی کا کام شروع کر رکھا تھا یا اس نے ٹیلیویژن لگا رکھا تھا

کہ آں حضرتؐ جناب امیرؑ کی شان و شبیہ دیکھتے رہے

اوّلاً ۔ تو اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ کا اظہار در حقیقت ائمہ اطہار کے ساتھ تمسخر و استہزاء ہے جن کے مستند عبادت کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے بنا بریں یہ طریقۂ کار سراسر باعثِ کفر ہے اور موجب سلبِ ایمان یا کاشف از عدم ایمان ہے۔

عاذنا اللہ وجمیع اھل الایمان من مثل ھذا الھذیان ۔

ثانیاً ۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ ذی روح کی تصویر جن علمائے کرام کے نزدیک حرام ہے۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح خالقِ کائنات کے ساتھ خلق کرنے میں مشابہت لازم آتی ہے لہذا مخلوق کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر خالق خود اپنی کسی ذی روح مخلوق کی شبیہ بنا ڈالے تو اس میں ہرگز کوئی عقلی یا شرعی ایراد وارد نہیں ہو سکتا۔

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون ۔

پس جب ایسا ہونا عقلاً ممکن ہے۔ اور مخبرِ صادقین نے (جیسا کہ ان کے اخبار معتبرہ سے واضح ہوتا ہے) اس کے واقع ہونے کی خبر دی ہے تو پھر ایک متدین اور فہیم انسان کو اس کے تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہو سکتا ہے!

متعلقہ مسئلہ اتفاق علمائے کاملین کی روشنی میں

اب ہم ذیل میں حسبِ دستور بعض علمائے اعلام کے تحقیقاتِ عالیہ پیش کرتے ہیں تاکہ من کل الوجوہ یہ مسئلہ منقح اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جناب امیر علیہ السلام کے بجسدِ عنصری معراج پر تشریف لے جانے پر تمام علمائے شیعہ کا اتفاق ہے اور یہ کہ واقعہ معراج جناب رسولِ خدا کے خصائص میں سے ہے جس میں اور کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ وہ علمائے اعلام جن سے ہم اس سلسلہ میں تائید حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی تائید تو ضمنی و سکوتی ہے اور بعض کی "منطوقی" یعنی بعض کے کلام سے اس طرح تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے واقعہ معراج کو بالتمام بیان اپنی کتب تفاسیر و احادیث میں درج کیا ہے مگر اس میں حضرت امیر علیہ السلام کے معراج پر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس قصہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور بعض نے بالتصریح اس بے سروپا قصہ کا ذکر کرکے اس کی تردید کردی ہے۔ قسم اوّل میں بھی بہت سے علمائے اعلام آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت شیخ مفیدؒ۔ حضرت شیخ طوسیؒ۔ حضرت شیخ طبرسیؒ۔ حضرت سید مرتضیٰ علم الھدیٰ وامثالہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسری قسم کے اعلام کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ ہم یہاں صرف بعض حضرات کے اسمائے گرامی مع ان کے کلام حقیقت ترجمان کے پیش کرتے ہیں۔

(۱) علامہ شیخ ابوالفتح کراجکیؒ اپنی کتاب کنز الفوائد ص ۲۵۶ طبع ایران پر لکھتے ہیں۔ لان امیر المومنین علیہ السلام کان فی ذلک الوقت بمکۃ فی الارض ولم یدع قط ولا ادعی لہ احد انہ صعد الی السماء۔ "یعنی جناب امیر المومنینؑ اس (معراج کے) وقت مکہ میں تشریف فرما تھے۔ نہ خود آنجنابؑ نے اور نہ ہی کسی اور شخص نے ان کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ وہ آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ اس عالم خبیر کے کلام حقیقت ترجمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دور تک یہ مسئلہ

اتفاقی تھا۔ یہ اختلاف بعد کے خاص حالات کی پیداوار ہے۔ بیر صفحہ ۲۵۵ پر یہ لکھا ہے وقد جاء فی حدیث ان رسول اللہ رأی فی السماء لما عرج بہ ملکا علی صورۃ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ وسلامہ وھذا خبر قد اتفق اصحاب الحدیث علی نقلہ۔ یعنی حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے شبِ معراج ایک فرشتے کو حضرت امیر المومنینؑ کی صورت میں دیکھا۔ اس روایت کے نقل کرنے پر تمام ارباب حدیث متفق ہیں۔

(۲) جناب ابن ابی جمہور احسائی اپنی کتاب المجلی ص ۳۸۲ طبع ایران پر حضرت امیر مومنینؑ کے کمالات صوری ومعنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واما الارتقاء الی العلویات فمعلوم مما ذکرناہ فانہ علیہ السلام صاحب المعراج المعنوی کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ صاحب المعراج الصوری ولھذا، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ما بلغت شیأ لیلۃ المعراج ولا رأیتہ الا بلغہ علی بن ابی طالب ورآہ وھو فی الارض لان اللہ فتح لقلبہ ولبصرہ ابواب خزائن سمواتہ وارضہ" یعنی جناب امیر علیہ السلام کا ملکوت علویہ کی طرف بلند ہونا ہمارے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کیونکہ آں جناب صاحب معراج معنوی ہیں۔ جیسا کہ آنحضرتؐ صاحب معراج صوری تھے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ شب معراج مجھے جو کچھ احکام وغیرہ پہنچائے گئے اور میں نے جو کچھ وہاں دیکھا وہی کچھ حضرت علی علیہ السلام نے بھی دیکھا۔ حالانکہ وہ اس وقت زمین پر موجود تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے آں جنابؑ کے قلب وبصر کے سامنے اپنے زمین وآسمان کے خزینوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ نیز جناب موصوف نے اسی صفحہ پر مذکورہ بالا عبارت سے قبل عالم بالا میں ایک فرشتے کے بشکل امیر المومنینؑ موجود ہونے والی روایت درج کی ہے۔ فراجع

(۳) عالم ربانی مولانا ملا محسن فیض کاشانی نے اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین کے ص ۴۱۱ پر اصول کافی کے حوالے سے ایک طویل اندازی روایت حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل فرمائی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ آسمان اول پر پہنچے تو "جمعت الملائکۃ فسلمت علی النبیؐ افواجا وقالت یا محمد کیف اخوک۔ اذ نزلت فاقراہ السلام قال النبی اتعرفونہ قالوا کیف لا نعرفہ وقد اخذ میثاقک ومیثاقہ منا" الخ۔ یعنی ملائکہ نے جمع ہو کر گروہ در گروہ آنحضرتؐ پر سلام کیا اور عرض کیا یا محمدؐ! آپ کے بھائی (حضرت علیؑ) کیسے تھے؟ جب آپ واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارا سلام پہنچا دیں۔ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے عرض کی بھلا ہم کیونکر انہیں نہ پہچانیں۔ حالانکہ ہم سے آپ (کی نبوت) اور ان (کی ولایت) کا عہد وپیمان لیا گیا ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب میں دوسرے آسمان پر پہنچا تو آسمان دوم کے فرشتوں نے مجتمع ہو کر مجھ پر سلام کیا "وسالونی عن اخی فقلت ھو فی الارض اتعرفونہ قالوا کیف" الخ اور میرے بھائی کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے کہا وہ زمین میں ہیں۔ کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے کہا بھلا کیونکر ہم ان کو نہ پہچانیں۔ الخ اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر

مسجد موصل میں آنجناب کی شال کے حاضر ہونے والی روایت درج کی ہے اور آخر میں صہ۱۹۱ سطر اول پر اس سے نتیجہ یہ اخذ کیا ہے وهذا الحدیث کما تری یدل علی ان الاسراء کان مرتین موافق لما ذکرہ بعض الاعلام وان مثال مولانا امیرالمومنین کان معہ فی جمیع الوقائع۔ یعنی اس حدیث سے منکشف ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ دو مرتبہ معراج پر تشریف لے گئے اور یہ کہ ان تمام واقعات میں حضرت امیرؑ کی شال مبارک آپ کے ہمراہ تھی۔

(۴) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی حیوۃ القلوب جلد دوم اور بحار الانوار جلد ششم سے متعدد احادیث سطور بالا میں نقل کی جا چکی ہیں۔ انہوں نے چونکہ متعدد روایات معتبرہ ایسی درج کی ہیں۔ جن سے حضرت امیرؑ کے معراج پر تشریف لے جانے کی قطعی طور پر تردید ہوتی ہے اور پھر اس بزرگوار نے نہ ان روایات کی تردید کی ہے اور نہ اس کے خلاف کوئی معتبر روایت نقل کی ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ ان کا نظریہ وہی ہے جو ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کما لا یخفیٰ۔ اس سے بھی واضح ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بحار جلد ششم پر معراج کو آنحضرتؐ کے خصائص خاصہ سے شمار کیا ہے۔

(۵) محدث جلیل مولانا سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ صہ۱۱ پر وہ حدیث شریف درج کرنے کے بعد جسے ہم نے سطور بالا میں صہ۳ پر درج کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔ "اقول هذا الحدیث یدل علی ان علیاً لم یعرج به و هو کان المتسامر و هو جالس فی بیته" یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کو گھر بیٹھے ہوئے (معنوی) معراج ہوئی تھی۔

(۶) سید العلماء سید حسین ابن سرکار غفرانمآب لکھنویؒ اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ حصہ ثانیہ صہ۲۹۳ میں رقمطراز ہیں: "ہمیں است حال روایات کہ در میان عوام مشہور ہست و دلالت بر معراج حضرت امیر علیہ السلام و وجود آنحضرت در آسمان قبل وصول جناب رسالتمآب و برون آمدن دستے از پردۂ غیب کہ دست آں حضرتؑ بود از کمین غیب عجب وما شاکل ذلک مما یدل علی الغلو والتشبیہ پس ہمہ خارج است از طریقہ تنقید و تنزیہ الخ" یعنی یہی کیفیت ہے ان تمام روایات کی جو عوام الناس میں مشہور ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام بھی معراج پر تشریف لے گئے تھے اور پردۂ غیب سے آپؑ کا دست مبارک نکلا تھا۔ اس قسم کی سب روایات جو غلو یا تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ میانہ روی اور تنزیہ باری تعالیٰ کے طریقہ سے خارج ہیں۔" (لہٰذا ناقابل قبول ہیں) صہ۱۹۳ پر شال مبارک والی بعض روایات درج کی ہیں۔ فراجع

(۷) علامہ مجاہد جناب السید محمد مہدی القزوینی اپنی کتاب ہدی المنصفین ج ۱ صہ۲۹ طبع نجف اشرف پر سید کاظم رشتی کے اس نظریہ کی کہ حضرت علی معراج پر پیغمبر اسلام کے ہمراہ تھے۔ تردید کرتے ہوئے اس پر تمام فرقہ شیعہ کے اجماع کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے: "ہفتم گفتن این مرد بانکہ در ہر مقامے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در حدیث عروج رسید علی علیہ السلام در آں مقام بود۔ قبل از آں سرور در غیبت بے شبہ و خلاف است با مجمع علیہ

میان شیعہ اثنا عشریہ چونکہ ہمہ معتقدند برآنکہ حضرت خاتم عروج فرمودہ و حضرت امیرؑ عروج نہ فرمودہ و ہمہ آئمہ نبودہ و اخبار صحیحہ اہل بیت علیہم السلام و سید برایں معنی از شہ خرابیست درششم بحار نقل شدہ از عیون و سندش صحیح است از حضرت صادق علیہ السلام یعنی اس امر (رسیدہ نہ فرشتہ) تا یہ کہنا کہ شب معراج جہاں بھی حضرت رسول خدا تشریف لے گئے، وہاں ان سے پہلے حضرت امیرؑ موجود تھے۔ بلاشبہ یہ درست نہیں ہے غلو ہے اور فرقہ شیعہ امامیہ کے اجماعی نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ ان کا اتفاق ہے کہ معراج صرف خاتم الانبیاء و مرسلین کو ہوئی ہے نہ کہ ائمہ اطہار کو۔ اور اس دعوی پر اہل بیت علیہم السلام کی اخبار صحیحہ دلیل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک وہ صحیح السند روایت ہے جو ششم بحار ص ۳۹۹ میں بحوالہ عیون اخبار حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے، علامہ مجلسی نے یہ روایت درج کی ہے جس کا ہم بقدر ضرورت ایک حصہ بھی اوپر مرآۃ العقول فیض کی علم الیقین سے نقل کر چکے ہیں۔ (دیکھئے) اس علامہ مجلسی کی فرمائش سے واضح و آشکار ہے کہ تمام شیعہ کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے۔ ہاں البتہ فرقہ شیخیہ جو کہ "مفوضہ" میں داخل ہیں۔ (ولکن لا یعبأ باختلافهم لانهم لیسوا من الشیعة کما لا یخفی علی احد من البریة، فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

(۵) جناب علامہ سید علی حائری نے تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل ج ۵ ص ۳۶ پر چند نظریات فاسدہ جیسے حضرت علیؑ کا معراج پر تشریف لے جانا، پردۂ غیب سے ہاتھ کا نمودار ہونا۔ آنحضرتؐ کے راستہ میں شیر کا سدراہ ہونا اور آنحضرتؐ کا اسے اپنی انگشتری عطا کرنا اور پس پردہ حضرت علیؑ کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"چنیں اعتقادات داشتن کفر و باطل است حضرات آئمہ اطہار از چنیں حکایات موضوعہ بری و بیزار اند اصل آنست کہ ایں ہمہ مفتریات فرقہ غالیہ و مفوضہ است و بعضے جہال شعراء در مجالس بیان می کنند۔ خواندن و شنیدن و بداں اعتقاد داشتن کفر است چہ ایں ہمہ واقعات دراصل بے اصل اند۔" یعنی اس قسم کا اعتقاد رکھنا کفر و باطل ہے۔ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے ایسی موضوع و مکذوب حکایات سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کی حکایات تمام تر فرقہ غالیہ و مفوضہ کی افتراء پردازیوں کا نتیجہ ہیں۔ جنہیں بعض جاہل شعراء بھی مجالس میں پڑھ دیتے ہیں۔ ایسے واقعات کا پڑھنا اور سننا کفر ہے کیونکہ دراصل یہ تمام واقعات باطل بے اصل ہیں۔" نیز اسی جلد کے صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں۔ "اجماع اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام حاصل است و اتفاق علماء ملت شیعہ قائم است برانکہ ہیچ امامے را در ہیچ وقتے بلکہ احدے از انبیاء و رسل بجز پیغمبر آخر الزمان صلعم معراج حاصل نہ شدہ۔" الخ یعنی اس امر پر اہل بیت عصمت و طہارت کا اجماع اور تمام علماء شیعہ کا اتفاق ہے کہ آئمہ طاہرین میں سے کسی بھی امام کو کسی وقت بلکہ سوائے ختمی مرتبت کے کسی دوسرے نبی کو بھی آنحضرتؐ کی طرح کبھی معراج حاصل نہیں ہوئی۔" چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں۔ "ہر گاہ احدے معراج رفتن جناب امیر مومنینؑ را ذکر نہ فرمودہ است در قرآن و حدیث بیان کردہ نہ شدہ است۔" یعنی جناب امیر المومنینؑ کے معراج پر تشریف لے جانے کا کسی (عالم دین) نے تذکرہ نہیں کیا اور قرآن و حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ملتا چہ جائیکہ تصریح ہو۔ اس کے بعد فوراً شان

وہ بعض روایت درج کرنے کے بعد اسی جلد کے ص ۶۲ پر آخر میں بطور نتیجہ کلام تحریر فرماتے ہیں" قول مبین حقیقت واقعہ صحیح کہ رسول ثقلین صلعم شبیہ مرتضیٰ را بر آسمان معائنہ فرمودند نہ علی بن ابی طالب در آن شب معراج تا مراجعت جناب نبوی صلعم ثابت بر روئے زمین بودہ ممکن نیست کہ زمین یک لحظہ بے حجت باقی بماند ورنہ با جمیع خلق فرو کش گردد" یعنی صحیح صورت حال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج میں علیؑ کی شبیہ مبارک دیکھی تھی ورنہ خود حضرت علیؑ تو آنحضرتؐ کی مراجعت تک زمین پر حجت خدا تھے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ زمین حجت خدا سے بغیر ایک لمحہ باقی رہ سکے۔ اگر ایسا ہو تو زمین اپنے اہل سمیت غرق ہو جائے۔"

(۹) اردو کے مشہور مفسر قرآن جناب مولانا عمار علی اپنی تفسیر عمدۃ البیان ج ۲ ص ۳۰۲ طبع یوسفی دہلی پر لکھتے ہیں۔

"اور یہ جو بعض حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ بھی معراج میں شریک تھے اور ایک پردے سے باہر نکالا اور پکڑ کر کھائی اور خیبر کے منہ میں رسول خدا نے اپنی انگشتری دی اور زمین پر آئے تو وہ انگشتری علیؑ کے ہاتھ میں دیکھی اور یہ سب غیر معتبر ہے اور اس کا کوئی معتبر ہے یقین جو کچھ رسول خداؐ نے آسمان پر دیکھا وہ حضرت علیؑ نے زمین پر دیکھا کہ حجاب زمین سے اٹھ گیا تھا چنانچہ امالی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ خدا نے پانچ چیزیں مجھ کو دی ہیں اور پانچ چیزیں علیؑ کو بخشی ہیں۔ الخ"

(۱۰) جناب ثقۃ شیخ عباس علی خراسانی اپنی کتاب ضیاء العین فی المتوسل بالثقلین کے ص ۲۰۰ پر ایک مفصل واقعہ معراج لکھنے کے بعد خلاصہ بحث آخر میں درج کرتے ہیں "مخفی نماند کہ معلوم شد از احادیث معراج و فصول قبل کہ ہیچ مخلوقے بہ لب قاب قوسین نرسیدہ غیر از اشرف کائنات و خلاصہ موجودات و باعث زندگی ہر ذی حیات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ نگشتہ" ؎

"یعنی معراج کی احادیث نیز سابقہ فصول سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنحضرتؐ کے سوا اور کسی بھی مخلوق نے قاب قوسین کے مقام پر قدم نہیں رکھا۔"

(۱۱) جناب مولانا الشیخ علی الحسن بدایونی اپنے رسالہ شمس ... ص ۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "نبوت خاتمہ کا ساتواں کمال حضور سید عالم کی معراج جسمانی ہے۔ جس کا پایہ اتنا بلند ہے کہ آنحضرتؐ کے سوا اب تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ معراج بھی ان کے لوازم خصائص کے صرف جناب ختمی مرتبت کو خدا نے عطا فرمائی تھی۔ یہ رتبہ مخصوص درگاہ ... ہی ہے آن جناب کے سوا کسی کو حاصل ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ رسول مقبول جس شان کی اور جس حد تک معراج جسمانی ہوئی تھی۔ ... آنحضرتؐ سے مخصوص ہونا اسلام میں بدیہی ہے جس کا منکر اسلام سے خارج ہے۔ حضرت ائمہ معصومینؑ کے لیے ایسی معراج کا معتقد ہونا بے دینی ہے بعد کمالات ختم نبوت سے ان حضرات کا متصف ہونا بے معنی ہے

(۱۲) فاضل شہیر مولانا ... حداد الحق ص ۳۱۰ ج ۲ پر آنحضرتؐ کے خصائص لکھتے ہوئے فائدہ ۹ یہ لکھتے ہیں "معراجہ بتلک الخصوصیات۔ یعنی منجملہ آپ کے خصائص کے ایک معراج بھی ہے۔"

ان حقائق و دقائق کے پیش نظر یہ حقیقت بالکل روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے معراج پر تشریف لے جانے والا نظریہ بالکل علیل اور بے دلیل ہے بلکہ ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور جہاں یہ واقعہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ وہاں اتفاق شیعہ خیر البریہ کے بھی خلاف ہے۔ ہاں البتہ یہ مفوضیت فرقہ غالیہ و مفوضہ میں سے ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع المومنین من شرورہم۔

متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں

ارباب علم و بصیرت جانتے ہیں کہ خلاق عالم نے موجودہ عالم کو ایسے خاص نظام و نہج پر بنایا ہے کہ اس کی ہر ہر چیز علل و اسباب کی آہنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات یہ سلسلہ علل و اسباب تمام امور مادیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کی بعض کڑیاں غیر مادی ہوتی ہیں۔ اسی قانون کے تحت خدائے حکیم نے اس عالم کی بقا اور بالخصوص نظام ربانی کے دوام کو حجت ربانی و ہادی کے وجود کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے جو کہ علت غائی ممکنات ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی حجت خدا سے زمین خالی ہو جائے تو تمام نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دنیا و مافیہا ہلاک و برباد ہو جائے۔ اصول کافی میں ایک مکمل باب اس عنوان کا ہے۔ "الارض لا تخلوا من حجة الله" یعنی کبھی زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ اور اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ "لولا الامام لساخت الارض باهلها" اگر حجت خدا موجود نہ ہو تو زمین اپنے اہل سمیت پانی میں دھنس جائے (از احسن الفوائد ... ص ۴۱۱)

بنا بریں شب معراج جناب امیر المومنینؑ کا زمین پر موجود رہنا ضروری ہے۔ تاکہ زمین حجت خدا سے خالی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حجت خدا یا رسول خدا تھے یا حضرت علی مرتضیٰؑ۔ کیونکہ حسنین شریفینؑ کی تو ہنوز ولادت ہی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ واقعہ معراج بالاتفاق قبل از ہجرت وقوع پذیر ہوا ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: "بدانکہ اتفاق است کہ معراج پیش از ہجرت واقع شدہ" (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۴۶) اور شہزادگان کونینؑ کی ولادت چند سال بعد از ہجرت ہوئی ہے۔ لہذا ضروری تھا کہ جب ایک حجت خدا کرۂ ارض سے باہر تشریف لے جائے تو دوسری حجت خدا یہاں موجود ہو۔ نیز جب سابقہ بیانات میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ معراج جناب رسول خدا کے خصائص میں سے ہے۔ اور مسلم ہے کہ خاصة الشیء ما یوجد فیه ولا یوجد فی غیره۔ یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس چیز کے علاوہ جس کا خاصہ ہے کسی اور میں نہ پایا جائے۔

بنا بریں عقل کا تقاضا ہے کہ آنحضرتؐ کے سوا کسی اور ذات کی معراج کا عقیدہ نہ رکھا جائے ورنہ یہ آنحضرتؐ کا خاصہ نہ رہے گا۔ و ہذا خلف۔"

شب معراج عبد و معبود میں جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیرؑ کے لہجہ میں تھی

فریقین کے بعض احادیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ

شب معراج عبد و معبود کے درمیان جو خاص گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر المومنینؑ کے لب و لہجہ میں تھی چنانچہ بحار الانوار ج ۸ ص۳۷۵ بحوالہ مناقب خوارزمی عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ سے دریافت کیا گیا۔ بای لغۃ خاطبک ربک لیلۃ المعراج؟ شب معراج خداوند عالم نے کس لہجہ میں آپ سے خطاب فرمایا؟ قال بلغۃ علی بن ابی طالبؑ فرمایا حضرت علی بن ابی طالب کے لہجہ میں" اور اس کی وجہ اس حدیث میں یوں بیان کی گئی ہے کہ خدا نے فرمایا اطلعت علی سرائر قلبک فلم اجد الی قلبک احب من علی بن ابی طالب فخاطبتک بلسانہ کیما یطمئن قلبک۔ اے حبیب! میں نے تیرے دل کی گہرائیوں پر نظر کی۔ اور جب حضرت علیؑ سے بڑھ کر کسی اور کو تیرا محبوب نہ پایا۔ تو میں نے ان کے لہجہ میں تجھ سے خطاب کیا۔ تاکہ تیرا دل مطمئن رہے۔ (کذا فی عمدۃ النبیہ منقولا عن کشف الغمہ وکذا فی السعید الصادق ص۳۵)

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کے آخر میں بھی دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے تاکہ اس موضوع کا کوئی بھی پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے۔ اور پوری طرح حق و حقیقت واضح و آشکار ہو جائے۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

بعض روایات میں وارد ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے، کہ شب معراج حبیب و محبوب کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر علیہ السلام کے لہجہ میں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آں جناب بھی وہاں ضرور تشریف فرما ہو گئے کیونکہ کلام کے لئے منہ کی ضرورت ہے۔ اور منہ کے لئے سر اور سر کے لئے دھڑ و علی ہذا القیاس۔ اور چونکہ خدا تو جسم رکھتا نہیں لہٰذا جناب امیر علیہ السلام کا وہاں وجود ماننا پڑے گا۔

بعض شبہات ایسے ہوتے ہیں جو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں [illegible] یہ باطل و زعم فاسد خدا کے متکلم ہونے کے صحیح مفہوم کے نہ سمجھنے کی وجہ سے [illegible] دینی حیثیت رکھنے والے افراد بھی جانتے ہیں کہ خدا کے متکلم ہونے کا مطلب [illegible] جب چاہے حروف اور آواز [illegible] سے کلام حق سے پیدا کر دیتا ہے اور اسے یہ بھی ضروری ہے کہ [illegible]

علاوہ بریں روایت میں صرف یہ ہے کہ لب و لہجہ [illegible] اس روایت سے بھی کسی طرح یہ توہم پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اصل شخص بھی وہاں موجود ہو کسی کے لب و لہجہ کی نقل [illegible] اور اس شخص کا وہاں موجود ہونا دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ ان کے درمیان کوئی باہمی ربط ہی نہیں۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

انس بن مالک سے روایت ہے [illegible] اخبرنا ابو الفتح ہلال بن محمد بن جعفر الحفار قال حدثنا ابن الجعابی قال حدثنا ابو عثمان سعد بن عبد اللہ بن عجب الانباری قال حدثنا خلف بن درست قال حدثنا ابو القاسم بن ہارون

قال حدثنا سهل بن سفيان عن همام عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم لما عرج بي الی السماء ودنوت من ربي عزوجل حتی كان بيني وبينه قاب قوسين او ادنی فقال يا محمد من تحب من الخلق؟ قلت يارب عليا قال التفت يا محمد فالتفت عن يساري فاذا علي بن ابي طالب عليه السلام۔ (تفسیر برہان ج۴ ص۲۴۴ کذا فی بحار ج۴ ص۴۸) یعنی جناب شیخ طوسی مذکورہ بالا سند کے ساتھ جناب انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے فرمایا جب میں معراج پر گیا۔ تو اپنے پروردگار کے درگاہ جلال کے اس قدر قریب ہوا کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت خدا نے ارشاد فرمایا۔ یا محمدؐ! تم کس سے محبت کرتے ہو۔ عرض کیا علیؑ سے۔ ارشاد فرمایا یا محمدؐ مڑ کر دیکھو تو میں نے اپنے بائیں طرف مڑ کر دیکھا تو ناگاہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ موجود تھے۔" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام قاب قوسین پر حضرت امیرؑ موجود تھے۔ اس روایت کے ساتھ تمسک کرنا چند وجوہ صحیح نہیں ہے

وجہ اول۔ یہ خبر واحد ہے اور ہم اسی کتاب کے دیباچہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ عقائد کے سلسلہ میں اخبار آحاد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ دوم۔ جب اصول عقائد میں صحیح السند خبر واحد بھی حجت نہیں ہے تو پھر ضعیف روایت تو بطریق اولیٰ ناقابل اعتبار ہوگی جیسا کہ یہ روایت ہے کیونکہ اس کے سلسلۂ سند کے کچھ راوی غیر امامی کچھ مجہول الحال ہیں اور کچھ بالکل ناصبی ہیں۔ جیسے اس سلسلہ کی کڑی جناب انس جس نے تو چوتھے مرتبہ پر بھی علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ نیز روز مناشدہ حضرت علیؑ کے مطالبہ کے باوجود حدیث غدیر کی شہادت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جناب امیرؑ کی بددعا کی وجہ سے مبروص ہو گیا تھا۔ (شرح ابن ابی الحدید ج [illegible]) لہٰذا ایسی روایت تو فروع دین میں بھی شرعی حجت نہیں۔ چہ جائیکہ اصول عقائد میں اس پر اعتماد کیا جائے۔"

وجہ سوم۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مخالف اہل بیتؑ ان منقبات کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر کیوں نہ اس روایت کو قبول کیا جائے؟ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ معصومینؑ نے مخالفین سے ایسی روایت فضائل قبول کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ جس کی تائید احادیث اہل بیتؑ سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو بحار الانوار جلد ۲ ص۲۶ باب النهي عن اخذ [illegible]۔ و رجال کشی ص۲ وغیرہ۔ ہم سطور بالا میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مخالف اہل بیتؑ اس واقعہ کی نفی پر دلالت کرتے ہیں۔ بعد ازیں کیونکر اس بے سروپا روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ گر اس نظریۂ فاسدہ کے تسلیم میں جرأت ہے تو پھر دروازہ کھل جائے گا جس سے کسی ایک عالی مقام کا مستند اور صریح مدح و منقبت فرمان پیش کریں۔ اور مخالفین انکار حاصل کریں۔ اور ہمیں ہم خیال بھی بنائیں۔

وجہ چہارم۔ مذکورہ بالا امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر بالفرض اس روایت کو مذکورہ بالا روایات ائمہؑ کے ساتھ بالکل معارض بھی سمجھا جائے تو بنا بر اصول تعادل و تراجیح انہی روایات کو مقدم سمجھا جائے گا کیونکہ سند و شہرت روایتی کے لحاظ سے وہ زیادہ مشہور و مستند اور تعداد کے لحاظ سے کثیر التعداد ہیں۔ اور ہمارے اصول مسلمہ میں سے ہے جو کہ ائمہ اہل بیتؑ سے ماخوذ ہیں کہ عند التعارض ترجیح انہی روایات کو دی جاتی ہے جو سنداً زیادہ معتبر، شہرۃً زیادہ مشہور اور عدداً زیادہ ہوں۔ (رسائل و قوانین و کفایہ

وغیرہ کتب اصول ملاحظہ ہوں۔ بنا بریں اس روایت کو قابل استناد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

وجہ پنجم۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیرؑ اس وقت زمین پر تشریف فرما تھے۔ مگر خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے آنحضرتؐ کو یہ محسوس کرایا۔ کہ گویا ان کو بالکل اپنے پہلو میں کھڑا پاتے ہیں چنانچہ محدث جلیل حضرت شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی نے اپنی کتاب "الجواہر السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ ص۲۳۳" پر اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: "اقول یعنی انہ رآہ فی الارض فان اللہ کشف الغطاء بینھما حتی تحادثا کما ورد فی غیرہ من الاحادیث الا یعنی" میں کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر دیکھا بایں طور کہ خدا نے درمیان سے پردے اٹھا دیئے۔ یہاں تک دونوں حضرات نے باہم گفتگو بھی فرمائی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں وارد ہے۔

وجہ ششم۔ اگر ان تمام امور سے بھی چشم پوشی کر لی جائے۔ تو بھی اس روایت پر اس عقیدہ کی دیوار استوار نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ دلالت کے اعتبار سے مجمل ہے۔ اور افادہ مطلب میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی جاری رہتا ہے کہ عین ممکن ہے اس وقت جناب امیرؑ کی مثال وہاں حاضر کی گئی ہو جسے آں حضرتؐ نے بادی النظر میں خود حضرت علی بن ابی طالبؑ سمجھا ہو۔ جیسا کہ دوسری روایات بعبارۃ النص اس امر پر دلالت کرتی ہیں جن کا ایک شمہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اور بعض روایات میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ کئی بار آنحضرتؐ نے اس شبیہ کو عین حقیقت خیال فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب المحتضر ص۱۳۳ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے روئداد معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ "فلما انتھیت الی السماء الرابعۃ رأیت شخصاً جالساً علی کرسی فتاملتہ فاذا ھو علی بن ابی طالب فقلت یا اخی جبرئیل ھذا اخی علی بن ابی طالب قد سبقنی الی ھذا المکان فقال جبرئیل ھذا ملک علی صورۃ علی بن ابی طالب الخ" جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے ایک شخص کو کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تامل کیا تو علی بن ابی طالبؑ تھے۔ میں نے کہا بھائی جبرئیل! کیا علیؑ مجھ سے پہلے اس جگہ پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا یہ تو ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علی کی شکل و صورت پر پیدا کیا ہے۔ اسی طرح کتاب اربعین علامہ مجلسیؒ ص۳۲۳ پر ایک ایسی ہی حدیث کے ضمن میں آں حضرت بیان کرتے ہیں۔ "فلما صرت تحت العرش نظرت فاذا بعلی ابن طالب واقفاً تحت عرش ربی فقلت یا علی سبقتنی فقال جبرئیل یا محمدؐ من یکلمک قلت ھذا اخی علی ابن ابی طالبؑ قال یا محمد لیس ھذا علیاً ولکنہ ملک من ملائکۃ الرحمن خلقہ اللہ علی صورۃ علی بن ابی طالب الخ"

یعنی جب میں عرش کے نیچے پہنچا تو دیکھا وہاں علیؑ کھڑے ہیں! میں نے کہا یا علیؑ کیا آپ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے کہا کون آپ سے کلام کر رہا ہے؟ میں نے کہا یہ میرے بھائی علیؑ ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ علیؑ نہیں بلکہ ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علی کی صورت پر خلق فرمایا ہے جس طرح ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت نے جناب امیر علیہ السلام کی شبیہ کو حقیقت تصور کیا ہے یہی احتمال یہاں بھی موجود ہے بلکہ بنا بر تسلیم روایت اس کا صحیح مفہوم یہی

یہی ہے جیسا کہ اس کے الفاظ اور سیاق سے ظاہر ہے۔

نوٹ :- بعض حضرات نے بحرین ۱۳۹۵ھ کے ... شب معراج تیسرے آسمان پر ... جناب امیر علیہ السلام کے تشریف لانے کا واقعہ لکھا ہے۔ ہمیں تو تلاش بسیار کے باوجود یہ قصہ اس کتاب میں نہیں ملا ہے ... اس سے مراد یہی ہے کہ صاحب کی ...

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

علامہ مجلسیؒ نے کتاب محتضر کے حوالہ سے روایت لکھی ہے کہ آنحضرتؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے فرمایا: لما اسری بی الی السماء وصرت کقاب قوسین او ادنی اوحی الله عزوجل یا محمدؐ من احب خلقی الیک قلت یارب انت اعلم فقال عزوجل الی فالتفت فالتفت فاذا انا بعلی بن ابی طالب واقف معی وقد خرقت حجب السموات وعلی واقف رافع رأسه یسمع ما یقول فخررت لله تعالی (انوار بحار ج ۶ ص ۲۳۴) جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا۔ اور قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل پر پہنچا تو خدا نے مجھے یہ وحی فرمائی کہ یا محمدؐ تمہیں میری مخلوق میں سے زیادہ کون محبوب ہے؟ میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار تو خود بہتر جانتا ہے۔ فرمایا مڑ کر دیکھو۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا، تو علیؑ بن ابی طالب کو پاس کھڑا ہوا پایا۔ آسمانوں کے حجاب پھٹ چکے تھے۔ علیؑ سر بلند کرکے کھڑے تھے اور خدا اور علام جو کچھ فرماتا تھا۔ وہ سن رہے تھے۔ میں یہ ماجرا دیکھ کر وہیں کھڑے کھڑے سجدہ خدا میں جھک گیا۔ اس روایت کا راوی بھی جناب عمار جیسا مومن ہے۔ اس سے بھی ظہور علی ثابت ہے۔ اس روایت سے بھی کئی وجہ یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا۔

وجہ اول۔ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ صاحب محتضر نے اسے کتاب نوادر الحکمۃ سے یوں نقل کیا ہے کہ من نوادر الحکمۃ یرفعه الی عمار بن یاسر"۔ لہذا جناب عمار کے علاوہ جب تک اس روایت کے سلسلہ کی دوسری کڑیاں اور سب راوی معلوم نہ ہوں۔ کہ وہ کون اور کیسے ہیں۔ صرف جناب عمار کے نام سے دھوکہ نہیں کھایا جا سکتا اس لئے اس کے ساتھ تمسک کرنے والوں کا فرض ہے کہ پہلے اس کے راویوں کو معلوم کرکے ان کے نام منظر عام پر لائیں۔ تاکہ علم رجال کی کسوٹی پر جانچ کر اس کی صحت و سقم کو معلوم کیا جا سکے جب تک ایسا نہ کیا گیا۔ اس وقت تک اس کے ساتھ استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ دوم۔ جس طرح سابقہ روایت میں حضرت شیخ حر عاملیؒ کی تحقیق کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر کھڑے ہوئے دیکھا تھا یہی مطلب اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں تو صاف لفظوں میں اس امر کی طرف کھلم کھلے اشارے موجود ہیں۔ حجاب پھٹ گئے۔ علیؑ سر بلند کرکے کھڑے ہیں۔ کان لگا کر خدا کا ارشاد سن رہے ہیں۔ یہ سب اس بات کے قرائن واضحہ ہیں۔ کہ حجاب پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیرؑ زمین پر کھڑے تھے اور آنحضرتؐ آسمان سے یہ منظر دیکھ رہے تھے مگر یوں محسوس ہو رہا تھا۔ کہ گویا آپ کے پاس کھڑے ہیں۔ اس باب میں سابقاً جو احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان میں بالصراحت یہ امر مذکور ہے۔ کہ حجابات آسمان پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیر علیہ السلام

سے زمین میں رہ کر وہ سب مناظر بچشم خود دیکھے ہوں، آنحضرتؐ نے آسمانوں پر دیکھے تھے لہٰذا اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔

وجہ سیوم۔ اگر اس سے بھی صرف نظر کر لیا جائے تو جیسا کہ حدیث کی طرح یہاں بھی یہی مفہوم مراد لیا جائے گا کہ خدا نے جناب امیر علیہ السلام کی شکل و شبیہ ملک خلق کر کے عالم کی جیسے بوجہ شدت مشابہت آنحضرتؐ نے اصل تمثال فرمایا جیسا کہ اس کی مفصل وضاحت سابقہ حدیث کے جواب میں کی جا چکی ہے۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

قرآن مجید میں آنحضرتؐ کے معراج کی غرض و غایت آیات کبریٰ دکھانا بتائی گئی ہے (لنریہ من آیاتنا الکبریٰ)، اور جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں خدا کی آیت کبریٰ ہوں اور مصداق ولی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمانوں میں حضرت امیر المومنینؑ کو ہی دیکھا تھا۔

اس شبہ کا کئی طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔

پہلا جواب

یہ درست ہے کہ معراج نبوی کی غرض و غایت قرآن میں آیات کبریٰ کا دکھانا قرار دی گئی ہے مگر اس قدر اہتمام تو اس چیز کے دکھانے کے لئے کیا جاتا ہے جو پہلے دیکھی ہوئی نہ ہو تو کیا جناب امیر علیہ السلام سرکار رسالتؐ کے پہلے ہی دیکھے ہوئے تھے جو اس قدر انتظام و اہتمام کر کے انہیں دکھانے کے لئے خدائے حکیم نے اپنے آخری نبی اعظم کو عالم امکان کی آخری سرحد پر بلایا؟ ہاں اگر یہ حقیقت عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے کہ خلقت نور و روح سے کر اس ظاہری جسمانی خلقت تک ان دونوں بزرگواروں کا ہمیشہ چولی دامن یا جسم و روح والا گہرا تعلق رہا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ معراج سے جناب امیرؑ کا دکھانا مقصود نہ تھا۔

دوسرا جواب

یہ درست ہے کہ جناب امیر المومنینؑ ہوں یا دوسرے ائمہ طاہرینؑ یہ سب کے سب آیات اللہ الکبریٰ ہیں رضی اللہ عنہم کما ہے۔ "مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد جناب امیر علیہ السلام ہی ہوں۔ مثلاً خداوند عالم قرآن مجید کی سورہ نازعات ع ۲ پارہ ۳۰ میں فرماتا ہے کہ "فاراہ الایۃ الکبریٰ" کہ جناب موسیٰؑ نے فرعون کو آیت کبریٰ (بہت بڑی نشانی) دکھائی تو کیا کوئی شخص یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب موسیٰؑ نے فرعون کو حضرت امیر علیہ السلام کی زیارت کرائی تھی؟ حالانکہ بالاتفاق اس سے مراد "ید بیضا" اور عصا کا اژدہا بنا کر دکھانا ہے۔

تیسرا جواب

مذہب شیعہ کے مسلمات میں سے ہے کہ قرآن کی وہی تفسیر صحیح ہوتی ہے جو معادن وحی و تنزیل یعنی حضرات محمد و آل محمد علیہم سے مروی ہو۔ دوسری کوئی بھی تفسیر ہو وہ تفسیر بالرائے ہونے کے ناجائز اور ناقابل قبول ہوتی ہے بنا بریں ہم بالکل دل کھے دیتے ہیں کہ اس شبہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ تفسیر بالرائے ہے اگر مدعیوں میں کچھ علمی سکت ہے تو یہ کسی امامؑ کا فرمان اس کی تفسیر میں پیش کریں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ آیت کی صحیح تفسیر دیکھنے کے لئے تفسیر صافی، برہان، مجمع البیان وغیرہ تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

(کذالک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تعقلون)

نواں باب

بعض علماء اعلام کثرہم اللہ فی الاسلام سے اتہامِ وہابیت کے ازالہ کا بیان

یہ امر بھی عجائبات روزگار و غرائب دہر غدار میں سے ہے کہ بعض اوقات انسان کو بعض ایسے امور کی رد میں بھی زبان و قلم کو حرکت دینا پڑتی ہے جن کا بطلان اظہر من الشمس و ابین من الامس ہوتا ہے چنانچہ کفار کا حضرت نوح کو "سفیہ" کہنا اور آنجناب کا اس کی رد کرنا (قرآن کریم)، مشرکین مکہ کا حضرت پیغمبر اسلام کو "مجنون" کہنا اور آنحضرت کا اس نفی پر دلائل قائم کرنا و احتجاج جبری، اور مروانیوں کا حضرت امیر المومنین پر قتل عثمان کا الزام لگانا اور آں جناب کا بار بار اس سے اپنی برأت ظاہر فرمانا (نہج البلاغہ وغیرہ) وغیرہ اسی بات کے مختلف نظائر ہیں۔ بلا تشبیہ آج بعض حلقوں کی طرف سے حقیقی علماء شیعہ کثرہم اللہ فی البریہ کو وہابی سمجھنے کی مہم جاری ہے۔ اور وہ صرف اظہار حقیقت اور سادہ لوح مومنین کے تحفظ ایمان کی خاطر اس اتہام نا فرجام کا ازالہ پر مجبور ہیں۔ والمجبور معذور ولہم فی الانبیاء و الائمۃ اسوۃ حسنۃ۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ ہم اسی کتاب کے مقدمہ میں یہ امر واضح کر چکے ہیں۔ کہ اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ اہل اغراض فاسدہ کا ہمیشہ سے شیوہ و شعار رہا ہے کہ وہ اپنی آراء کاسدہ کی ترویج کرنے کی خاطر حق و حقیقت سے باز رکھنے اور ان کو اہل حق سے متنفر کرنے کے لئے ان پر بڑے شد و مد سے بعض بے بنیاد الزامات و اتہامات لگاتے رہے چنانچہ ان کو ساحر، کذاب، مفتری، سفیہ، ضال، شاعر اور مجنون وغیرہ القاب قبیحہ سے پکارا اس رسوائے زمانہ تحریک کی مختلف کڑیاں ہیں۔ بلا تشبیہ آج کچھ پیشہ ور مقرر و خطیب اپنے ذاتی ... کے تحفظ اور اپنے مخصوص اغراض باطلہ کے حصول کی خاطر خدا اور حشر و نشر کے خوف سے بے خوف و خطر ہو ... خدمت گاران دین مبین یعنی حقیقی علماء عاملین اور وارثان و مروجان مذہب ائمہ طاہرین کو "وہابی" ... کہہ کر ان کو اپنے نشانہ حسد و رقابت کا نشانہ بنانے، انظار عامہ سے ان کو گرانے، ان کے تبل... کوشش کو مٹانے الغرض اس طرح ان کو بدنام کر کے عوام اہل ایمان کو حق و اہل حق سے دور رکھنے کے لئے تقریر و تحریر ... ذریعہ شب و روز اس سعی نا فرجام میں مشغول اور ہر جگہ فتنہ و فساد کی آگ روشن کرنے میں منہمک ہیں۔

جہاں پر بھی جاتے ہیں یہ فتنہ پرور
وہیں جا کے چنگاریاں ڈالتے ہیں

مگر وہ اس حقیقت سے غافل ہیں کہ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون نیز وہ اپنی اس غوغا آرائی و ہرزہ سرائی سے یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ وہ ان مدارس دینیہ کو جو اس گئے گزرے دور میں بھی سرکار محمد و آل محمد

علیہم السلام کے علوم کی نشر و اشاعت کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہیں اور تیامیان آلِ محمدؐ کی جسمانی و روحانی تربیت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ختم کر دیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان مدارس دینیہ کو اپنے مقاصد مشئومہ کی تکمیل کے راستہ میں سنگِ گراں سمجھتے ہیں اور ان کو راستہ سے ہٹانا اپنا فریضہ۔ مگر وہ اس حقیقت ابدیہ سے ناواقف ہیں کہ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد اگر کس پف کند ریشش بسوزد

چنانچہ بموجب من حفر بئراً لاخیہ وقع فیہ یعنی چاہ کن را چاہ در پیش مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے لوگ خود ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ لیکن بے شعوری سے مزید رسوائی در بین کے اسباب جمع کر رہے ہیں مگر بفحوائے الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ حق و حقیقت کا ہر جگہ بول بالا ہو رہا ہے ؎

میری رسوائی جو چاہی خود وہ رسوا ہو گئے

بہر حال ایسے لوگوں کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ؎

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ہر کیف ان حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ان علماء اعلام سے اس بے اصل الزام و اتہام کا ازالہ کر دیا جائے اگرچہ اس کتاب میں اب تک جو حقائق پیش کئے گئے ہیں وہ اس اتہام کے بے بنیاد و نادرست ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں۔ کیونکہ جن بعض مسائل و عقائد کی آڑ لے کر پیشہ ور اہل منبر ان علماء کرام کو وہابی کہتے ہیں۔ ہم نے قرآن کریم، احادیث معصومینؑ، تحقیقات علماء متقدمین و متاخرین اور بے شمار عقلی و نقلی دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا صحیح اور شیعی معتقدات سے ہونا ثابت کر دیا ہے لہٰذا اگر اسی کا نام وہابیت ہے تو پھر اس کی زد سے نہ خدا محفوظ ہے نہ رسولؐ نہ ائمہ طاہرینؑ اور نہ علماء متقدمین ؎

مرے راز داں اب یہاں اور بھی ہیں

مذہب وہابی کا بانی عبدالوہاب یا محمد بن عبدالوہاب نجدی تو کجا اس کا دادا بلکہ اس کے آباؤ اجداد اعلیٰ بھی ہنوز پردۂ عدم سے نکل کر عرصۂ وجود میں نہیں آئے تھے کیونکہ عبدالوہاب یا محمد بن عبدالوہاب دسویں صدی ہجری کے اواخر اور تیرھویں صدی کے اوائل میں گزرے ہیں۔ اور مذہب وہابیہ کا ظہور بقول مشہور ۱۱۴۳ھ میں ہوا ہے دیکھو تحفۃ الاثنا عشریہ ص ۱۲۷ اور علماء اسلام نے قریباً دو سو سال سے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہی عقائد و نظریات تھے، جو اس کتاب اور احسن الفوائد وغیرہ میں پیش کئے گئے ہیں۔

تاہم مزید وضاحت کی خاطر اگرچہ بظاہر یہ امر اظہار من الشمس ہے کہ وہابی شیعہ کی من گھڑت اصطلاح بالکل مہمل و بے معنی ہے۔ "شیعیت" اور "وہابیت" باہم دو ضدیں ہیں والضدان لا یجتمعان اور دو ضدیں ہرگز یکجا جمع نہیں ہو سکتیں ذیل میں بعض مفارقات شیعہ و وہابیہ ذکر کئے جاتے ہیں۔

تاکہ بعد ازیں بھی اگر کوئی شقی ازلی ان عقائد شیعہ خیر البریہ پر یہ تہمت لگائے تو اس پر حجت خدا تمام ہو جائے۔ اور وہ فردائے قیامت کوئی عذر پیش نہ کر سکے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم — تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

مقارنات الشیعۃ والوہابیہ | اگرچہ یہ مقارنات بکثرت ہیں مگر ہم معمولی فروعی مقارنات کو نظر انداز کرتے ہوئے بطور اختصار

حوادثِ روزگار | محترم قارئین خوش گمان ۔۔ پڑھتے ہیں کل من علیہا فان ۔۔ ہے کہ ۔۔ ۔۔ سلسلہ بیان و کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ یکے بعد دیگرے دو عظیم حادثوں سے دوچار ہونا پڑا جن کی وجہ سے مسلسل کئی دن تک یہ سلسلہ معرض التوا میں پڑ گیا۔ پہلا حادثہ کبریٰ بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز چہارشنبہ جناب والدہ ماجدہ کا ایک تاریخی حادثہ (جس نے ہمیشہ کیلئے ۔۔) ۔۔ دائمی داغ مفارقت دیتے ہوئے دار فانی سے دار بقا کی طرف ارتحال فرمائیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آہ ہم جو شفقت پدری سے پہلے ہی صغر سنی میں محروم ہو چکے تھے۔ اب مادر گرامی کے مراحم و الطاف اور مشفقانہ دعوات جیسی نعمت کے لئے محروم ہو گئے۔ آہ

اب دعائے نیم شب میں کس کو یاد آؤں گا میں

دعا ہے کہ خداوند عالم جناب والدہ مرحومہ کو حضرت سیدۃ نساء العالمین علیہا السلام کے جوار پاک میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے بعد صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔ قارئین کرام سے مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے سورۂ حمد و توحید پڑھنے کی استدعا کی جاتی ہے۔ دوسرا سانحۂ عظمیٰ ہم ابھی پہلے حادثہ کبریٰ سے پوری طرح سنبھلنے نہ پائے تھے۔ اور ابھی سلسلہ تحریر شروع کیا تھا کہ بارھویں دن بتاریخ ۸ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز یکشنبہ دوسرا سانحۂ عظمیٰ درپیش آیا۔ یعنی قدوۃ السالکین، زبدۃ الصالحین سرکار آیۃ اللہ ۔۔ شاہ صاحب قبلہ یعنی حضرت جعفر ۔۔ کو ۔۔ ۔۔ دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح پوری قوم بالعموم اور ہم بالخصوص ان کی ۔۔ ۔۔ برکات سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے۔ وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولکنہ بنیان قوم تھدما ۔۔ ۔۔ معقد ان کے ۔۔ ۔۔ اور شعار ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ وعلیہم السلام ۔۔ ۔۔ مقام عطا فرمائے اور ۔۔ ۔۔ صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ اور ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ آمین بجاہ النبی و آلہ المعصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

قارئین سے سرکار مرحوم و مغفور کے ایصال ثواب کی خاطر سورہ حمد و توحید پڑھنے کی اپیل کی جاتی ہے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ سعادت نہیں حاصل ہوئی ۔۔ سعادت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ ۲۹ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ
۱۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء

ذیل میں صرف بنیادی اور اہم صرف چودہ عدد مغایرتات کا اور وہ بھی اجمالی طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام پر چہاردہ معصومینؑ کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان جو نمایاں فرق ہیں وہ واضح و عیاں ہو جائیں۔

پہلا فرق عقیدۂ توحید

ارباب بصیرت جانتے ہیں۔ کہ دین کا سنگ بنیاد عقیدۂ توحید ہے کما قال رسول اللہؐ اول الدین معرفۃ الجبار و [illegible]۔ ہم خداوند عالم کو جسم و جسمانیات و مکان و مکانیات سے منزہ و مبرا، ذات و صفات میں وحدہ لاشریک، عدیم المثل و بے نظیر تسلیم کرتے ہیں اور مخلوق والی تمام صفات نقص و عیب سے اس کی ذات کو بری و پاک و صاف سمجھتے ہیں۔ مگر دوسروں کی توحید [illegible] قسم کی ہے۔ یہ حضرات خدا کو عرش کے اوپر بتلاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید مطبوعہ حجاز صفحہ ۲ پر لکھا ہے۔ "ان اللہ فوق العرش" کہ خدا عرش کے اوپر ہے۔ ان کا یہ فاسد عقیدہ ان کی ان بعض مجعول روایات پر مبنی ہے۔ جن میں وارد ہے کہ ان اللہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سمواتہ [illegible] مثل القبۃ وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب یعنی خدا عرش پر ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے اور زمین مثل گنبد کے معلوم ہوتی ہے۔ عرش خدا کے بیٹھنے سے یوں چرچر کرتا ہے جیسے نئی زین سوار کے بیٹھنے سے چرچراتی ہے۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ [illegible] طبع حیدرآباد دکن) یہ حضرات خدا کے لئے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء و جوارح بھی ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب التوحید میں اس سلسلہ کی بعض روایات نقل کرنے کے بعد ان سے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان میں سے پانچواں امر یہ لکھا ہے

الخامسۃ التصریح بذکر الیدین وان السموات فی الید الیمنی والارضین فی الید الاخری یعنی پانچواں امر کہ ان روایات میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خدا کے دونوں ہاتھ ہیں۔ آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہے اور زمین دوسرے ہاتھ میں۔ نیز یہ حضرات اس کے لئے چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، اترنا اور ہنسنا وغیرہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ کے عالم عظیم الشان جناب مولوی وحید الزمان مرحوم [illegible] اپنی کتاب [illegible] بنگلور میں لکھتے ہیں "اس کا مکان عرش معلی پر ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ وہ جہت فوق میں ہے جہاں چاہے وہاں جا سکتا ہے [illegible] ہنستا ہے تعجب کرتا ہے۔" [illegible]

[illegible] توحید [illegible] سنت [illegible] بقول شیخ احمد غزالی [illegible] من لم یتعلم التوحید [illegible] فلیس منہ [illegible]۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ [illegible] ہماری توحید [illegible] آل محمد علیہم السلام سے ماخوذ ہے۔ [illegible] اسی طرح یہ حضرات [illegible] کا عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمارے نزدیک بالکل باطل ہے۔ اور ہم لاجبر ولا تفویض بل امر بین الامرین کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لئے احسن الفوائد کی طرف رجوع کیا جائے۔

دوسرا فرق عقیدۂ رسالت

عقیدۂ توحید کے بعد عقیدۂ نبوت کی اہمیت [illegible] ظاہر ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوقِ خدا سے افضل و اشرف اور ہر وہ صفتِ کمال جو کسی فرد میں پائی جا سکتی ہے، اس سے ان کو متصف اور ہر انسانی نقص و عیب سے ان کے دامنِ عصمت و طہارت کو پاک مانتے ہیں۔ نیز از عہد تا لحد ان کو ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عمداً، سہواً، خطأً، جہلاً اور جو خطا بقصد و اختیار سے ان کی ردائے عصمت کو ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ کے داغ سے منزہ و مبرا جانتے ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم کو واجب اور عین ایمان اور ان کی ادنیٰ توہین و تذلیل کو موجبِ کفر و حرمت تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ہم تمام انبیاء کے اس مقدس سلسلہ میں سے سرکارِ ختمی مرتبت کو سید الانبیاء و المرسلین اور خاتم المرسلین سمجھتے ہیں۔ الغرض ہم آنحضرت کی ذات

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کا مصداق جانتے ہیں۔ مگر یہ لوگ آنحضرت کے مقام و شان کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس کے بارہ میں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ رسوائے عالم نام نہاد کتاب "رنگیلا رسول" کا مواد انہی کی کتب سے ماخوذ ہے۔ باقی رہا مسئلہ تعظیم تو ارباب عقل و انصاف اس کا اندازہ ذیل کے بعض فقروں سے بآسانی لگا سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اس مقدس گروہ کا کس قدر احترام ہے۔

تیسرا فرق تعمیر مشاہد

ہم (شیعہ) مرسلین اور ائمہ طاہرین کے مزارات مقدسہ پر قبہ و قبور کی تعمیر کو صرف جائز بلکہ کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور ان کی تعظیم و تبجیل کو جزو ایمان مگر یہ فرقہ قبر رسول اکرم کے منہدم کرنے کو بھی واجب جانتا ہے چنانچہ مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب ہدیۃ المہدی ص [illegible] پر محمد بن عبد الوہاب نجدی کا یہ فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ قال اذا شرع الناس فی تقبیل قبر من قبور الانبیاء [illegible] فحکمه حکم [illegible]

[illegible]

کی طرح روضۂ رسول کو بھی فوراً مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیں۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید کی شرح قرۃ الموحدین ص [illegible] پر لکھا ہے۔ والذی خاف الخلیل علیہ السلام علی نفسه وبنیه وقع فیه اکثر الامۃ بعد القرون المفضلۃ فبنیت المساجد والمشاهد علی القبور وصرفت لها العبادات بانواعها واتخذت ذلك دینا وهی اوثان واصنام کاصنام قوم نوح واللات والعزی ومناۃ واصنام العرب ۔ الخ ۔

تھی جس حیرت کا حضرت خلیل الرحمٰن کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق اندیشہ تھا۔ بتوں کی پرستش اقربا و ضلال اولی کے بعد اسی امر میں امتِ محمدیہ مبتلا ہو گئی۔ چنانچہ قبور پر مساجد و مشاہد بنا دیے گئے ان میں مختلف قسم کی عبادات ہونے لگیں اور اس امر کو دین سمجھا گیا۔ یہ مشاہد و مساجد قوم نوح کے بتوں اور لات و منات اور دوسرے اصنام عرب کی طرح بت ہیں معاذ اللہ [illegible]۔ اہل سنت بھی تعمیر مشاہد اور ان کے اتخاذ کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب [illegible] میں لکھتے ہیں ”بعض علماء سلف نے اکابر علماء اور اولیاء کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنانا درست رکھا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں وہاں آرام پائیں“ اور آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی ج ۵ پ ۱۵ ص [illegible] پر ذیل آیۂ مبارکہ لنتخذن علیہم مسجدا لکھا ہے: ”وقد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء المشہورین لیزورهم الناس ولیستریحوا“ یعنی علمائے سلف نے مشائخ اور مشہور علماء دین کی قبور پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنے کو مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور استراحت حاصل کریں۔ اسی طرح شرح المشکوٰۃ ملا علی القاری و مجمع بحار الانوار محمد طاہر الفتنی، جز ۲ ص [illegible] پر مرقوم ہے: ”[illegible] والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورهم امر جائز اذا کان القصد بذلك التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر“ یعنی علماء و اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر غلاف اور عمامے اور کپڑے رکھنا مباح امر ہے جب کہ مقصد نظر عوام میں صاحبانِ قبور کی تعظیم کرنا ہو تاکہ وہ [illegible]۔

چوتھا فرق زیارتِ قبور [illegible] کی قبور [illegible] جائز ہی نہیں بلکہ مستحب جانتے ہیں بالخصوص جناب [illegible] کو [illegible] عبادت سمجھتے ہیں [illegible] سفر کرنے کو جائز نہیں سمجھتے [illegible] ضعیف [illegible]

حالانکہ [illegible] صحیح ہے [illegible]

[illegible]

پانچواں فرق وسیلہ و شفاعت [illegible]

اور [illegible]

نہیں بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کتاب کے پانچویں باب میں اس امر کی مکمل وضاحت ہو جائے گی کہ
ہر قسم کے واسطہ و وسیلہ پیش کرنے اور استشفاع کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ چنانچہ محمد بن عبد الوہاب ... خاندان کے ...
کتاب التوحید کی ذیلی شرح میں ص ۲۱۲ پر لکھتا ہے۔

"واما بعد ... فلا یجوز الا ستشفاع به کما تقدم تقریرہ فی باب الشفاعة وما قال والله تعالیٰ
نہی عن اتخاذ الشفعاء فی مواضع کثیرۃ من ... یعنی آنحضرت کی وفات کے بعد آپ سے شفاعت
حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی تقریر سابق باب الشفاعۃ اور اس سے پہلے گزر چکی ہے اور خدا نے قرآن میں کئی
مقامات پر شفیع بنانے کی ممانعت کی ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے حرم الله اتخاذ الشفعاء وانکر
علی من فعل ذلک اشد الانکار لکونه ینافی الاخلاص الذی هو اقبال القلب والوجه علی الله فی
کل ما یخافه العبد ویرجوه ویتقرب به ویدین به ومن المعلوم انه اذا التفت للشفیع یسأله
فقد اعرض بوجهه وقلبه عن الله تعالیٰ وذلک ینافی الاخلاص۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو شفیع نہیں
بنانا چاہئے۔ اور ہر خوف و رجا میں براہ راست خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ شفیع کی طرف متوجہ ہونا اخلاص کے
منافی ہے۔ اور مولوی وحید الزمان صاحب نے ہدیۃ المہدی ص ۲۹ پر نجدی کا یہ عقیدہ ان کے قول سے نقل کیا ہے کہ من
اعتقد النبی او غیرہ ولیه وشفیعه فهو وابو جهل فی الشرک سواء یعنی جو نبی یا کسی اور شخص کو اپنا ولی و شفیع
تصور کرے وہ کفر و شرک میں ابو جہل کے برابر ہے۔ حالانکہ بارگاہ قدرت میں بعض مقربین خدا کا وسیلہ بنانا
اور ان کو واسطہ قرار دینا خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ارشاد رب العزت ہے۔ یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة (پ ۶ س مائدہ ع ۶) اے ایمان والو
خدا سے ڈرتے رہو اور اس کی بارگاہ کے تقرب کے لئے ذریعہ کی جستجو میں رہو۔

نیز ارشاد رب العباد ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم
الرسول لوجدوا الله توابا رحیما (پ ۵ س النساء ع ۹) اور اے رسول جب ان لوگوں نے نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر
ظلم کیا تھا۔ اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے۔ اور اے رسول تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ
لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔" (ترجمہ فرمان)

اس آیت سے بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ گنہگاروں کی بخشش گناہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔
ایک ان کی ذاتی توبہ و استغفار۔ دوسری سرور رحمۃ للعالمین کی سفارش و پکار۔

کتب سیر و تواریخ میں آنحضرتؐ کے ساتھ توسل کرنے کے کئی واقعات مذکور ہیں ہم یہاں بطور نمونہ صرف
ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں ایک نابینا آیا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ عرض کی دعا کیجئے۔ فرمایا اچھی طرح وضو کرکے یہ دعا مانگو کہ خداوندا اپنی رحمت والے پیغمبرؐ کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے۔ ترمذی اور حاکم کی ایک روایت میں اسی قدر ہے۔ مگر بیہقی اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد لکھا ہے کہ اس نے ایسا کیا اور فوراً اچھا ہو گیا۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی ج ۳ ص ۹۳۲ کذا فی سنن ابن ماجہ ترجمہ وحیدی ج ۱ ص ۲۶۶ و کنز العمال ج ۳ ص ۲۹۹

چھٹا فرق حیات انبیاءؑ و ائمہؑ

اگرچہ اہل ایمان حیات برزخیہ رکھتے ہیں مگر جس طرح انبیاء و ائمہ دیگر صفات کمالیہ میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اسی طرح ان کی حیات برزخیہ بھی دوسرے لوگوں سے بدرجہا اتم و اکمل ہے۔ اور اس عالم میں بھی ان کی شفاعت و سفارش کا وہ سلسلہ جو ان کی ظاہری حین حیات میں تھا برابر جاری و ساری ہے۔ لیکن فرقہ وہابیہ اس بات کا منکر ہے۔ حالانکہ کتب اہل سنت میں بھی بروایت انس بن مالک آنحضرتؐ کی یہ حدیث مروی ہے کہ ان الانبیاء احیاء یصلون فی قبورھم۔ یعنی انبیاءؑ زندہ ہیں۔ اور اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۱)

ساتواں فرق یا رسول اللہ اور یا علیؑ کہنا

چونکہ شیعہ انبیاءؑ و اوصیاء کے قائل ہیں جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے لہٰذا نعرۂ رسالتؐ (یا رسول اللہ) اور نعرۂ حیدری (یا علیؑ) کہنا جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہابی فرقہ ان حضرات کی حیات کا قائل نہیں ہے۔ اس لئے وہ یا رسول اللہؐ اور یا علیؑ کہنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ چنانچہ مولوی وحید الزمان اپنی کتاب ہدیۃ المہدی ص ۲۳ پر شرک خفی کی مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ومن الشرک الخفی لغلبۃ الحب والاستغراق دعاء لغیر اللہ بحرف النداء وتنزیل الغائب منزلۃ الحاضر مثل قولہ یا رسول اللہ او یا علی او یا عبد القادر او نحوہ یعنی غلبہ محبت و استغراق میں غیر اللہ کو حرف ندا کے ذریعہ پکارنا یعنی غائب کو بمنزلہ حاضر کے تصور کرکے آواز دینا جیسے یا رسول اللہ یا علیؑ، یا حیدرؑ کہنا یہ شرک خفی ہے۔ حالانکہ یا رسول اللہ یا یا علیؑ کہنے کے ناجائز ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ باقی رہا ان کا یہ خیال کہ حرف "یا" مخاطب حاضر پر بولا جاتا ہے۔ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے علم نحو کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ حرف "یا" قریب و بعید ہر دو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو مغنی ج ۲ ص ۳۶ طبع مصر) لہٰذا نحوی طور پر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

آٹھواں فرق عقیدۂ امامت

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہم پیغمبر اسلامؐ کے بعد ان کی مسند کا صحیح وارث خلیفہ و جانشین اور اپنا ہادی دنیا و دین حضرت امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد امجاد میں سے گیارہ ائمہ طاہرینؑ کو جانتے ہیں۔ اور بوجہ عصمت ان کی اطاعت مطلقہ کو واجب اور باعث نجات

داری اور موافقت کو موجب ملاکت [illegible] جانتے ہیں۔ اور ان کے مخالفین کو اس منصب جلیل کا اہل اور مقام امامت کا غاصب سمجھتے ہیں۔ مگر یہ دونوں دیگر [illegible] اثنا عشری فرقوں کی طرح ائمہ طاہرین کی خلافت و امامت کا منکر ہے۔ وہ ان معصوم و مقدس ہستیوں سے روحانی رشتہ توڑ کر آل رسول کے مخالفین سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے۔ [illegible] اپنا دینی و دنیوی ہادی و راہنما اور [illegible] جنت کے [illegible] اور خلق [illegible] ہے۔ [illegible] اپنی بیان کا مقصد [illegible] ہے مسئلہ امامت کے عام مباحث و تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب اثبات الامامت کی طرف رجوع کریں۔

نواں فرق عقیدۂ افضلیت

ہم نہ صرف یہ کہ اہل سنت کو عام امت محمدیہ سے اشرف و افضل جانتے ہیں بلکہ سرکار خاتم الانبیاء کے سوا باقی عام مخلوق تو درکنار دوسرے انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین سے بھی ان ذوات مقدسہ کو افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد کے اوراق شاہد ہیں۔ مگر فرقہ وہابیہ دیگر جمہور اہل سنت کی طرح شیخین کو ائمہ طاہرین سے افضل سمجھتا ہے اور اس نظریہ کے مخالف کو نہ صرف خطاکار بلکہ شرعی تعزیر کا سزاوار قرار دیتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاء ص [illegible] مقصد اول میں لکھتے ہیں: "ہر کہ مرتضیٰ را تفضیل دہد بر شیخین مبتدع است و مستحق تعزیر" یعنی جو شخص حضرت مرتضیٰ علی کو شیخین (ابوبکر و عمر) پر فضیلت دیتا ہے وہ بدعتی ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔ مگر یہ ہمارے کرم فرماؤں کی نظر میں شاہ ولی اللہ مسلمان عالم دین اور ان کے معتقدین داخل زمرۂ مسلمین مگر ائمہ طاہرین کو ختمی مرتبت کے بعد تمام کائنات سے افضل ماننے والے قابل گردن زدنی اور بے دین ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ وھو خیر الحاکمین۔

دسواں فرق کلمۂ ولایت

یہ بات بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ ہمارا کلمۂ شہادت، توحید و رسالت اور شہادت ولایت سے مرکب ہے (یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْلٍ) مگر اس فرقہ کا کلمہ دیگر عام اسلامی فرقوں کی طرح صرف شہادت توحید و رسالت پر مشتمل ہے۔ (یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ) وہ شہادت ولایت کو جائز و جزو کلمہ نہیں سمجھتے لیکن ہم کلمہ کے اس حصہ کو [illegible] جزو کلمہ [illegible] جانتے ہیں جیسا کہ آیت اکمال دین [illegible] اور [illegible] کلمہ [illegible] ولایت کے شان نزول سے واضح و عیاں ہے۔ شیعی کلمہ کے ثبوت کے لئے کتاب [illegible] ص [illegible] [illegible] ملاحظہ ہو۔

گیارھواں فرق تقلید شخصی

ہم فروع دین میں صحت و قبولیت اعمال کے لئے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو ہر مکلف کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یا خود مجتہد ہو، یا کسی جامع الشرائط مجتہد کا مقلد ہو اور یا پھر محتاط ہو اور جو امر در پیش ہو اس میں احتیاط کو مدنظر رکھ کر اس پر عمل درآمد کرے۔ [illegible] یہ فرقہ تقلید شخصی کے سخت مخالف ہے [illegible] سب سے بڑا [illegible] مانا جاتا ہے۔ اور اس نے تقلید شخصی کی رد میں [illegible] کتاب [illegible] لکھی ہے [illegible] شاہ [illegible] محدث دہلوی کی کتاب معیار الحق دیکھی جا سکتی ہے۔

بارھواں فرق بعض اسماء کا جواز

ہم ایسے اسماء کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں جن سے انبیاء و ائمہ علیہم السلام سے نسبت غلامی مترشح ہوتی ہے۔ جیسے غلام محمد، غلام علی یا عبدالحسین [illegible] جیسی غلام ہی ہے) وغیرہ۔ مگر یہ فرقہ ایسے اسماء کو ناجائز اور موجب شرک قرار دیتا ہے چنانچہ اس مذہب کے بہت بڑے مروج مولوی وحید الزمان کتاب ہدیۃ المہدی صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں: وھناک شرک اصغر وھی عبارۃ عن افعال شرکیۃ کالحلف لغیر اللہ عادۃ او تسمیۃ الاولاد عبدالحسین او غلام علی او عبدالنبی الخ یعنی (شرک اکبر کے علاوہ) ایک شرک اصغر بھی ہے۔ اور اس سے مراد ایسے افعال ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے جیسے عام عادت کے مطابق غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا یا اولاد کا نام عبدالحسین غلام علی، و عبدالنبی رکھنا" حالانکہ اس طرح نام رکھنے میں ہرگز کسی قسم کا شرک لازم نہیں [illegible] خود بندوں میں آقا و غلام مالک و کنیز کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ اپنے نیک بندوں یعنی غلاموں کی شادیاں کرو۔ وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم [illegible] اور اپنی [illegible] کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی ان کے جو نیک صفت ہوں [illegible] غلامی مصطفیٰ و شرک [illegible] غلام اللہ بلانے [illegible]

خدمت [illegible] — [illegible] — سعدی

ایسے حضرات کو ہم مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — گر باو نرسیدی تمام بولہبی ست — اقبال

تیرھواں فرق [illegible] سید الشہداء

[illegible] سرکار سید الشہداء [illegible] عبادت اور حیات ملی و قومی کے [illegible] ترویج و اشاعت تعلیمات ائمہ طاہرین [illegible] ایمان جانتے ہیں۔ اور مصائب معصومین [illegible] تمام مجالس [illegible] اور [illegible] ناشکورہ ولی اصلی [illegible] بالخصوص فتنہ سامانی اور شرانگیزی اس فرقہ کا طرہ امتیاز ہے [illegible] مستقیم۔

چودھواں فرق بسط الیدین

[illegible] کلام میں ایک ایسے فرق کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو فروع دین میں سے ایک اہم فرع یعنی نماز سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم نماز میں بسط الیدین

(ہاتھ کھلے رکھنے) کو واجب اور قبض الیدین (ہاتھ باندھنے) کو بلاتقیہ حرام اور مبطل نماز سمجھتے ہیں۔ مگر فرقہ وہابیہ ہاتھ باندھ کر اور وہ بھی سینہ پر باندھ کر نماز پڑھنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا اس کا مذہبی شیوہ و شعار اور اس کی پہچان کی ایک نہایت واضح و آشکار علامت ہے کما لا یخفی علی اولی الابصار۔ حالانکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھلے ہاتھوں نماز پڑھنا خود کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی مطبوعہ برحاشیہ احیاء العلوم غزالی ج ۲ ص ۲۳۴ طبع مصر۔

بہرحال معصومین علیہم السلام کے ماننے والوں کے لئے یہ [illegible] واضح و روشن ہے۔ چودہ عدد فروق کے باوجود اگر کوئی شخص پھر بھی اپنی شقاوت [illegible] کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق بینی و حق گوئی اور حق پرست علماء شیعہ خیر البریہ کو وہابی کہتا ہے تو ہم ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وہو اسرع الحاسبین ؎

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

[illegible]

فقل یا ایها الناس ان کنتم فی شک من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبد اللہ الذی یتوفاکم وامرت ان اکون من المومنین۔

دسواں باب

موجودہ دور کے اکثر مدعیان تشیع کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان

جب ہم بفضلہ تعالیٰ اوپر نویں باب میں شیعہ علماء پر وہابیت کے اتہام ناروا کو دلیل و برہان سے مدلل واضح و عیاں کر کے یہ حقیقت ثابت کر چکے کہ یہ علماء شیعہ پر سراسر افترا و بہتان ہے (انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون) اور یہ بھی کہہ چکے کہ شیعیت اور وہابیت ایسی دو متضاد چیزیں ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے۔ تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری باب میں ایک تلخ اور ٹھوس حقیقت کا انکشاف کریں۔ اور وہ یہ ہے کہ شیعہ علماء محققین کو "مقصر" اور "وہابی" کہنے والے پیشہ ور مقرر [illegible] کس قدر مفوضہ اور شیخیہ کے باطل عقاید کے حامل ہوتے ہیں [illegible] آج مذہب شیعہ کے عقائد سمجھ کر اپنا رہی ہے۔ وہ مذہب اہل بیت کے عقائد نہیں بلکہ فرقہ مفوضہ کے عقائد ہیں۔ جن کا بانی شیخ احمد احسائی

ہے۔ ان عقائد کے لوگ سابقہ زمانہ میں "مفوضہ" کہلاتے تھے۔ اور اب عراق و ایران میں "شیخیہ" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں جن کے بارے میں اعلام شیعہ کی یہ رائے ہے کہ **المدلسون انفسھم فی الشیعۃ ولیسوا منھم** یعنی فریب کاروں و عیاروں نے انہوں نے اپنے تئیں شیعوں میں داخل کر رکھا ہے۔ مگر وہ فی الحقیقت شیعہ نہیں ہیں بلکہ متعدد مجتہد علماء شیعہ تو ان کے خلاف فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔ چنانچہ جناب فاضل محمد صالح برغانی صاحب مجالس المتقین، شیخ الفقہا شیخ جعفر کبیر صاحب کشف الغطاء، استاذ الفقہاء الشیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام، فقیہ نبیہ آقائے سید مہدی، جناب شریف العلماء حضرت آقائے دربندی وغیرہ نے شیخ احمد احسائی کی تکفیر فرمائی ہے۔ تفصیلات دیکھنے کے خواہش مند حضرات رسالہ "التحفۃ والبابیۃ" طبع بغداد اور قصص العلماء تنکابنی کی طرف رجوع کریں

یہ عقائد فاسدہ ہمارے ملک میں کیونکر پہنچے۔ اور ہمارے سادہ لوح مومن کیونکر ان سے متاثر ہوئے۔ اور کن لطائف الحیل سے عوام بلکہ بعض خواص کو حق و حقیقت سے دور کیا گیا۔ یہ ایک المناک اور طویل داستان ہے جس کے سلسلہ کی اکثر کڑیاں ناگفتنی ہیں۔ ولیس کلما یعلم یقال۔ اجمالاً اس قدر اشارہ کیا جاتا ہے کہ آج سے قریباً پچاس ساٹھ سال قبل بعض مشہور خطباء و واعظین نے ان عقائد کی منبروں پر ترویج کی۔ اگرچہ اس وقت لاہور و لکھنؤ کے بعض مشہور ذمہ دار علماء اعلام ان عقائد کی حقیقت اور ان کی عواقب و نتائج کو اپنے نورِ بصیرت سے جانچ گئے تھے۔ اور انہوں نے اپنے امکانی حد تک جاہل، سادہ لوح عوام کو اس پیش آمدہ خطرہ سے آگاہ کیا۔ اور اس کے انسداد کی کوشش بھی کی مگر افتراق پرست عوام نے ان اعلام کی اس بروقت آواز حق کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ بلکہ اپنی روش و رفتار سے اسے غیر مؤثر بنا دیا۔ چنانچہ ان کے عین حیات اور بعد از وفات ان کے بعض افاضل تلامذہ عرصہ دراز تک تقریر و تحریر کے ذریعہ ان نظریات کی مسلسل نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں رنگ برنگی بعض بڑی بڑی کتابیں بھی لکھیں چھپیں۔ واعظین و ذاکرین نے اور سادہ لوح عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور وہ اس دہرے۔ پھر ان کی ترویج و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بلکہ عوامی رجحان دیکھ کر کہ تمام نہاد واعظین نے اس تصویر میں مزید رنگ بھرا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہی "عقائد و نظریات" سمجھے جانے لگے۔ اور مذہب شیعہ کے جو اصل عقائد و نظریات تھے وہ انظار عامہ سے اوجھل ہو گئے۔ اور اب ؎

جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

نوبت ایں جا رسید کہ بالکل نظریاتی انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ حقیقت کو مجاز اور مجاز کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے حق کو باطل اور باطل کو حق کا نام دے دیا گیا ہے۔ ؎

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کی حالات و ظروف اجازت نہیں دیتے ؎ کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

انہی حقائق کی بنا پر معصومینؑ نے فرمایا ہے۔ کہ جب سرکار قائم آلِ محمدؐ تشریف لائیں گے۔ تو اس قدر دینی انقلاب آچکا ہوگا۔ کہ عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ امام زمانہؑ کوئی نیا دین لائے ہیں۔ بحار الانوار ج ۱۳ و عقبۃ الرحمٰن

عقا جو تا تھا سند ریخ دہی جو اب ہوا　　　　دل ہی جاتے ہیں جلالی میں قوموں کے ضمیر

فرقہ شیخیہ کے بعض عقائد فاسدہ کا بیان

اب ہم ذیل میں فرقہ شیخیہ کے بعض چیدہ چیدہ عقائد کا ثبوت شیخ احمد احسائی اور ان کے بعض تلامذہ و اتباع کی کتب سے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ دعوی کے ساتھ دلیل بھی سامنے آ جائے۔ کیونکہ موجب ارشاد رب العباد "قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین" بزم عقلا میں صرف وہی دعوے قابل پذیرائی و شنوائی ہوتا ہے جس کے ساتھ دلیل و برہان موجود ہو ـــــ !

(۱) شیخیہ اور علیحدہ نوع والا عقیدہ

شیخ احمد احسائی اپنی کتاب شرح الزیارۃ ص ۳۲۲ پر لکھتے ہیں کہ ان النوع فانہم یدخلون فی النوع فہم ای والا فہم فی الحقیقۃ ہم علی اخر فوق بنی آدم الخ یعنی یہ حضرات آئمہ اہلبیتؑ حسب ظاہر نوع انسانی میں داخل ہیں۔ ورنہ در حقیقت وہ بنی نوع انسان سے بالا ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔ کذا فی ص ۲۸۱ نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ "و لبس لہم صورۃ کثیفۃ من العناصر الاربعۃ" یعنی ان ذوات مقدسہ کا لباس ان کی وہ صورت کثیفہ ہے جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے" اسی طرح احسائی کے تلمیذ کریم خان کرمانی اپنی کتاب فطرت سلیمہ ص ۲۸۷ پر لکھتے ہیں۔ و بعبارۃ اخری ہذا مقام لبس لہم الاکثر لبسوہ للضرورۃ و خلعوہ اذا ارتفعت الحاجۃ عنہ و عادوا الی ما کانوا" یعنی تجھے اپنی قدر کی قسم یہ مقام انسانیت، ان کے لئے بمنزلہ لباس ہے کہ انہوں نے خاص ضرورت کے لئے اسے پہن لیا تھا اور جب ضرورت ختم ہو گئی۔ تو اُسے اتار پھینکا اور اپنی اصلی حالت کی طرف عود کر گئے۔ اور دنیا سے سدھار گئے۔ اسی طرح ص ۲۸۹ پر لکھا ہے۔ فان ہذا مثل لبس الاکفیاء لبسوہ و خلعوہا" یعنی یہ لباس البشریت، ان کے لئے بمنزلہ ایک عبائے ہے جسے وہ کبھی پہن لیتے ہیں اور کبھی اتار دیتے ہیں" ہم اس نظریہ فاسدہ کا تاروپود بکھیر چکے ہیں دلائل و براہین کے ساتھ تفصیلات گذشتہ میں بکھیر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ عقیدہ سخیفہ فرقہ شیخیہ کی ذہنی اختراع اور پیداوار ہی ہے۔ اور آج بھی عقائد کو تر جانی اور مدار ایمان سمجھا جا رہا ہے۔

(۲) شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ

فرقہ شیخیہ کے نزدیک تفویض برحق ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی اور ان کے اتباع نے جا بجا اپنی کتب میں اس عقیدہ فاسدہ کو بڑے شد و مد سے ثابت کیا ہے۔ اور تفویض ممنوع سے اس تفویض استقلالی کو مراد لیا ہے جس سے خدا کا معطل محض ہونا لازم آتا ہو چنانچہ

شیخ موصوف نے شرح زیارت جامعہ کے صفحہ ۲۹۳ سے لے کر صفحہ ۲۹۹ تک اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے غلو و تفویض کے متعلق جو کلام حقیقت ترجمان پر شرح الزیارۃ کے صفحہ ۳۸۰ پر تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے تفویض کو ثابت کرنے اور ائمہ کے خالق و رازق ہونے کو صحیح تفویض قرار دے کر اس کی ناشکری کرتے ہوئے لکھا ہے ولکن علی انا اذ لا نری لاحد یعبدون غیر اللہ ولا مشرکین اذ لا نری انہم فاعلون مع اللہ ولا کافرین اذ لا نری انہم فی عرض قدرۃ اللہ ولا مفوضۃ اذ لا نری انہم یعملون علی الاستقلال کما یفعل الوکیل عن موکلہ۔ یعنی اس عقیدہ سے نہ تو تم غالی بنتے ہو کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کام اللہ کے بغیر کرتا ہے ورنہ ہی تم مشرک ہو کیونکہ تمہارا یہ نظریہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ مل کر فاعل ہیں۔ اور نہ ہی کافر ہو۔ کیونکہ تم ان کو خدا کے سوا فاعل نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی تم تفویض ممنوع کے قائل ہو۔ کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے وہ اللہ کے احسان سے علی الاستقلال (کام کرتے ہیں) پھر صفحہ ۳۸۱ پر از راہ تعجب لکھتے ہیں وکیف ینکرون ان مثل ذلک فیہم ما ھو معروف فی الملائکۃ الذین ھم من سائر خدامہم و بنحو ما تجوزہ فی الملائکۃ الذین فیہم موکل بالسحاب وتصریف الریاح وتقدیر الموت والحیاۃ والرزق والخلق وغیر ذلک تجوزہ فیہم بالطریق الاولیٰ الخ۔ یعنی ائمہ کے خالق و رازق وغیرہ ہونے کا کیونکر انکار کیا جاتا ہے حالانکہ یہی باتیں ملائکہ کے متعلق قبول کر لی جاتی ہیں۔ جو کہ ائمہ کے خادم ہیں۔ جب تم ملائکہ کے متعلق یہ جائز سمجھتے ہو کہ ان میں سے کچھ بادل و ہوا چلاتے ہیں اور کچھ موت و حیات مقدر کرتے اور کچھ خلق و رزق کے کام کرتے ہیں۔ تو بطریق اولیٰ ائمہ کے حق میں کیوں ان امور کو جائز نہیں سمجھتے؟" اسی طرح شیخ موسیٰ شیخ نے کتاب احقاق الحق کے صفحہ ۱۹۲ پر تفویض کو ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان التفویض الذی ورد النھی عنہ فی الاخبار وحکم بکفر قائلہ العلماء الاخیار ھو التفویض علی وجہ الاستقلال لا ما ذکرنا من التفویض الصحیح وھو تصرفہم فی ملک اللہ سبحانہ ومملکتہ باذنہ ومشیتہ وارادتہ والمصرح فی الآیات ایضاً بنفی الخلق والرزق والاحیاء والاماتۃ عن غیر اللہ عز وجل انما ھی بالالوھیۃ او الاستقلال او الشرکۃ لا مطلقاً حتی یشمل ما ذکرنا" یعنی "وہ تفویض جس کے متعلق احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے اور جس کے قائل کو علماء اخیار نے کافر قرار دیا ہے۔ اس سے مراد تفویض استقلالی ہے نہ وہ تفویض جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ بزرگوار خدا کی مملکت میں اسی کے اذن و ارادہ سے جائے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ اسی طرح آیات میں جو غیر خدا سے خلق رزق اور اماتت و احیاء کی جو نفی کی گئی ہے تو اس سے مقصود یہی ان امور کی اس ذات سے نفی کرنا ہے جس کے متعلق الوہیت یا استقلال یا ھدایا شریک ہونے کا دعویٰ کیا جائے۔ مطلقاً ان افعال کی غیر خدا سے نفی نہیں کی گئی۔ تاکہ ہماری جائز

تفویض کو شامل ہو سکے" ہم تیسرے باب میں ان تمام خرافات کے تحقیقی و تفصیلی جوابات پیش کر چکے ہیں۔ لہٰذا تطویل الکلام بالتکرار۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(۱۳) شیخیہ اور مظاہر اسماء اللہ والا عقیدہ مظاہر اسماء والی بحث کو بھی فلاسفہ و صوفیہ کے بعد شیخیہ فرقہ نے بہت زیادہ اہمیت دے رکھی ہے چنانچہ شیخ احمد احسائی شرح الزیارۃ ص۲۹۹ پر آیت مبارکہ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "منقول یاکریم یارحیم یاجواد یاغفور وهكذا الی سائر اسمائه وهی هم علیهم السلام" (یعنی تم جو کہتے ہو یا کریم، یا رحیم، یا جواد، یا غفور تا آخر اسماء خدا تو اس سے مقصود حضرات آل محمدؐ ہیں۔ نیز ص۳۴۴ پر بھی بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے "وهم معانی افعاله" یعنی ائمہ اہل بیتؑ خدا کے افعال کے معانی ہیں یعنی خدا کے افعال کا ظہور ان سے ہوتا ہے، اس امر کی مزید وضاحت اسی کتاب کے ص۴۹۲ پر موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے: "واما هنا السر فقد قلت اولا انه كونهم معانیه سبحانه ای معانی اسمائه وافعاله كما تقدم وكونهم ابوابه التی منها یؤتی وصفاته یمنع و یعطی و یفقر و یغنی و یضحک و یبکی و یقبض و یبسط و یمیت و یحیی و یامر و ینهی الی غیر ذلك من افاعیله الخ" یعنی میں یہ راز ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔ کہ ائمہ اہل بیتؑ خدا کے اسماء و افعال کے معانی ہیں۔ اور یہ خدا کے وہ دروازے ہیں۔ کہ انہی کے ذریعہ خدا تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور انہی کے ذریعے خدا روکتا ہے اور عطا کرتا ہے۔ اور انہی کے توسط سے فقیر اور امیر بناتا ہے۔ انہی سے ہنساتا اور رولاتا ہے۔ ان ہی کے ذریعہ سے تنگی اور وسعت عطا کرتا ہے۔ اور انہی کے ذریعے سے مارتا و جلاتا اور انہی کے توسط سے امر و نہی وغیرہ افعال کا اظہار کرتا ہے۔"

شیخ احسائی کے مشہور تلمیذ سید کاظم رشتی اپنی کتاب شرح العقیدہ ص۸ پر ظاہر و مظہر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ولما كانت الولاية لابد لها من مظهر حامل وجب ان یكون حاملها و مظهرها اشرف المخلوقات والموجودات الخ" یعنی چونکہ ولایت کے لئے ایک حامل اور مظہر کا ہونا لازمی ہے تو واجب ہے کہ اس ولایت کا حامل اور اس کا مظہر اشرف المخلوقات ہو۔"

اسی طرح سید کاظم موصوف کے شاگرد شیخ کریم خان اپنی کتاب "فطرت سلیمہ" کے ص۱۵۳ پر لکھتے ہیں "ولما كان هو صلی الله علیه وآله مظهر اسم الله الحی وبه حیوة كل حی وهو عقل الكل المدبر لجمیع ما سواه الخ" یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے اسم "الحی" کے مظہر ہیں اور انہی کے ذریعہ ہر زندہ کو زندگی حاصل ہے اور وہ عقل کل ہیں۔ اور تمام ماسوا اللہ کے ناظم و مدبر ہیں۔" لہٰذا ہم ان تمام لغویات کے مکمل جوابات تیسرے باب کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(۴) شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ

شیخ احمد احسائی نے جا بجا اپنی کتب میں ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کا ذکر بھی کیا ہے ہاں البتہ وہ ان کو بالذات نہیں بلکہ بتعلیم اللہ عالم الغیب جانتے ہیں چنانچہ شرح الزیارۃ ص۲۰۱ پر لکھتے ہیں "فاذا قیل لا یعلمون الغیب یعنی من ذاتھم فھو حق (الی ان قال) واذا قیل علمھم اللہ فھو حق۔ الخ۔ یعنی جب یہ کہا جائے کہ یہ بزرگوار بالذات علم غیب نہیں جانتے۔ تو یہ حق ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ خدا نے ان کو اس کی تعلیم دی ہے۔ تو یہ بر حق ہے۔ (کذا افاد الشیخ موسیٰ فی الاحقاق ص۳۲۹) علم غیب کے متعلق ہم ساتویں باب میں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۵) شیخیہ اور ائمہ اہل بیتؑ کا علل اربعہ ہونے کا عقیدہ

یہ حقیقت تو مسلّم الثبوت ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام علّتِ غائی ممکنات ہیں یعنی خداوند عالم نے کائنات ان بزرگواروں کے طفیل پیدا کی ہے۔ اگر خلاق عالم ان کو پیدا نہ کرتا تو پھر عالم کی کسی بھی چیز کو خلعتِ وجود عطا نہ کرتا۔ اس مطلب کو ہم اس کتاب میں کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ مگر فرقۂ شیخیہ یہاں بھی ایک عجیب شیخی بگھارتا ہے وہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ بزرگوار کائنات کے علل اربعہ ہیں۔ یعنی عالم کی علتِ مادی، علتِ صوری، علتِ فاعلی اور علتِ غائی یہی حضراتؑ ہیں۔ تمام اشیاء کا مادہ اور صورت بھی انہی سے ماخوذ ہے اور یہی ان کے فاعل و جاعل ہیں۔ اور یہی سببِ خلق و ایجاد ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح الزیارۃ احسائی ص۲۲۵، ۲۳۴ و فطرت سلیمہ ص۲۷۹ کریم خان کرمانی "فھم سلام اللہ علیھم الذین ھم الخلق الاول کما ھم العلۃ المادیۃ والصوریۃ والغائیۃ والفاعلیۃ" یعنی یہی بزرگوار علیہم السلام مخلوق اول اور یہی عالم کی علت مادی و صوری اور علت غائی و فاعلی ہیں۔" اس امر کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے۔ مزید وضاحت کے لئے تیسرے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۶) شیخیہ اور حاضر ناظر والا عقیدہ

ائمہ علیہم السلام کا ہر وقت ہر جگہ بجسد عنصری حاضر ہونے والا خلافِ عقل و نقل عقیدہ بھی شیخیہ کی کتب سے مترشح ہوتا ہے چنانچہ شیخ احمد احسائی نے اپنی کتاب شرح الزیارۃ کے ص۱۴۳ پر ایک بے سر و پا روایت درج کی ہے کہ جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود واصل جہنم ہو گیا۔ تو کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ سترہ گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ نے میدان جنگ سے فرار کرنا شروع کیا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ میں نے ہر گروہ کے پیچھے حضرت علیؑ کو اس کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ آنجنابؑ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ کیونکہ کسی بھگوڑے کا پیچھا کرنا آپ کے کرائم اخلاق کے خلاف تھا۔ اسی طرح سید کاظم رشتی نے اپنی کتاب شرح الخطبہ ص۳۰ پر لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ہر شب میں بیک وقت چالیس جگہ پر

موجود ہوتے تھے۔"

علامہ سید مہدی قزوینی اپنی کتاب ہدی المنصفین ج ۲ ص ۱۲۳ طبع نجف اشرف پر اس نظریہ کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"و ایں حرف مانند حرف استادش محال ست چونکہ بضرورت دین و عقل معلوم شدہ است کہ حضرت امیرؑ چہل تن و چہل نفر نیست بلکہ یک نفر است و یک نفر در یک زمان یک جا محتاج است پس اگر از آں جا رفت در زمان دیگر در جائے دیگر حاصل مے شود و ہمچنیں و ایں حکم ضروری ہر جسمے از اجسام است" الخ

"یعنی سید کاظم رشتی کا یہ کلام ان کے استاد شیخ احسائی کے کلام کی طرح عقلاً محال ہے کیونکہ دین قویم و عقل سلیم کی رو سے بالبداہت یہ امر ثابت ہے کہ حضرت امیرؑ ایک ہی آدمی تھے نہ چالیس، اور ظاہر ہے کہ ایک جسم ایک وقت میں ایک ہی جگہ میں ہو سکتا ہے جب وہاں سے منتقل ہوگا۔ تو پھر دوسری جگہ جائے گا۔ علی ہذا القیاس اور یہ امر ہر جسم کے لئے بالبداہت ثابت ہے۔"

بہر حال یہ عقیدہ شیخیہ کی کتب میں جا بجا ملتا ہے۔ کہ "تمام الاشیاء فی جمیع احوالها من الماضی والحال والاستقبال حاضرة لديهم وبمسمعهم ومنظرهم۔ يشاهدونها حين وجودها وصدورها من مبدئها والمستقبل عندهم عين الماضي وهو عين الحال۔" الخ (کتاب احقاق ص ۱۹)

یعنی تمام اشیاء ماضی، حال اور استقبال وغیرہ حالات میں ان کے روبرو حاضر ہیں۔ اور وہ ہر حال میں ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مستقبل عین ماضی اور ماضی عین حال ہے۔" اس امر کی تحقیق کے لئے پچھلے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۷) شیخیہ اور علم حضوری والا عقیدہ

آج کل شاہد و شہید کی بحث پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے نیز ائمہ علیہم السلام کا علم حضوری بتایا جاتا ہے۔ اس فاسد عقیدہ کا سرچشمہ بھی شیخی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ شیخ موسیٰ شیخی نے احقاق الحق میں شہید و شہادت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "وهذه الشهادة لا تكون الا بحضور جميع الاشياء كليها وجزئيها سرها وعلانيتها غيبها وشهودها لديهم وعندهم وعدم غفلتهم عنها آناً واحداً بل ولا لمحة واحدة فظهرت علمهم بكل الاشياء بلحاظ انهم شهداء عليها عن قبل الله سبحانه علم حضوري عيانى لا حصولي والتفاتي الخ (ص ۲۲) یعنی یہ شہادت (گواہی) اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے۔ کہ تمام کلی و جزئی اور ظاہری و باطنی اشیاء ان کے نزدیک اس طرح حاضر و موجود ہوں کہ ایک آن و لمحہ کے لئے بھی یہ ان سے غافل نہ ہوں۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ اس اعتبار سے کہ وہ شہید و خلق ہیں ان کا علم من جانب اللہ حضوری ہے نہ حصولی و
اتفاقی الخ۔

ہم ساتویں باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کے علم کو علم حضوری قرار دینا غالیہ اور مفوضہ کا فاسد عقیدہ ہے جو عند المحققین کفر ہے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی و اتفاقی ہے۔ تفصیل کے لئے مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۸) شیخیہ اور استمداد والا عقیدہ

شیخ احمد احسائیؒ نے اپنی کتاب شرح الزیارۃ ص۱۴۲ پر بعض تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور آثار کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سابقہ انبیاءؑ علیہم السلام نے جناب امیر علیہ السلام سے استمداد کیا۔ اور انہوں نے ان کو مشکلات و مہالک سے نجات دی۔ کیونکہ یہی مدبر امور دنیا ہیں۔ ہم چوتھے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے کہ امور تکوینیہ میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے توسل حاصل کرنا چاہئے۔ یہی طریقہ انبیاءؑ و مرسلینؑ اور عباد اللہ الصالحین ہے۔

(۹) شیخیہ اور معجزہ کے فعل نبیؐ و امامؑ ہونے والا عقیدہ

فرقہ شیخیہ نہ صرف یہ کہ وہ معجزہ کو فعل امام سمجھتا ہے بلکہ شیخ احمد احسائیؒ نے تو شرح الزیارۃ ص۳۲۹ میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ دوسرے تمام انبیائے سلف کے معجزات بھی درحقیقت ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ (یعنی ان کے فاعل یہی بزرگوار ہیں) "ماظهرت على الانبياء والرسل واتوا به من المعجزات كاحياء الموتى ونطق الجمادات والحيوانات العجم وقلب الجمادات حيوانات كعصا موسىٰ وغير ذلك فانها اياتهم وامثالهم" ہم پانچویں باب میں ناقابل انکار دلائل و براہین سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ اس سلسلہ میں صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے۔ کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے۔ ہاں من باب المجاز نبی و امام کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔

(۱۰) شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت و سکون کے بدست اہل بیتؑ ہونے کا عقیدہ

شیخ احسائی نے اپنی کتب بالخصوص شرح الزیارۃ میں متعدد مقامات پر لکھا ہے۔ کہ ملائکہ مدبرات کی حرکت اور ان کا سکون بحکم اہل بیتؑ کے تابع ہے۔ ہم احسن الفوائد اور اس کتاب کے تیسرے باب میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے۔ کہ فرشتوں کی بست و کشاد اور ان کی حرکت و سکون امر الٰہی کے تابع ہے۔ وهم بامره يعملون۔

تلك عشرة كاملة

اگر طوالت کا خوف اور بعض دیگر موانع دامن گیر نہ ہوتے تو ہم اپنے ملک کے بعض مشہور اہلِ علم و قلم (جنہوں نے اس ملک میں ان عقائد کی تقریر و تحریر کے ذریعہ مسلسل نشر و اشاعت کی ہے) کی کتب و رسائل سے حرف بحرف ان عقائد و نظریات میں ان کی موافقت و مطابقت ثابت کرتے مگر

افسوس بے شمار سخنہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

اصول الشریعہ کے خلاف جن حضرات نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کی کتب میں انہی عقائد باطلہ کا اثبات دیکھا جا سکتا ہے۔

سکوتی بیان عندها و کلام

قد جاءکم بصائر من ربکم من ابصر فلنفسہ و من عمی فعلیہا و ما انا علیکم بوکیل
و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

قطعہ تاریخ طبع اصول الشریعۃ

تاریخ نتیجۂ فکر شاعر اہلبیت جناب سید وزیر حسین شیرازی اعلی اللہ مقامہ سرگودھا

بفضلِ خدا ہے یہ بہتر عطیہ
رقم اس میں ہیں اعتقاداتِ شیعہ

وزیرؔ آئی ہاتف کی آواز کہہ دے
کہ راہِ ہدایت اصول الشریعہ

۱۳۹۲ھ